کوئی دیپک ہو!
رخسانہ نگار عدنان

دیباچہ

''کوئی دیپک ہو'' میرا ساتواں ناول ہے جو سولہ مہینے شعاع ڈائجسٹ میں باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا اور اب کتابی شکل میں آپ کے ہاتھ میں ہے۔ انسان ازل سے ابد تک کسی نہ کسی روشنی کی جستجو میں رہتا ہے اور اکثر اس جستجو میں اپنے سے بلند کردار کسی بھی شخص کو اپنا آئیڈیل بنالیتا ہے اگر یہ آئیڈیل حقیقی ہو تو انسان اُسے اپنے دل کے سب سے اونچے سنگھاسن پر بٹھالیتا ہے جیسے ثانیہ نے کیا جو اس کہانی کا مرکزی کردار ہے میڈم فضیلہ اُس کے لیے ایسا ہی آئیڈیل تھیں جس کا بت اُس وقت پاش پاش ہوا جب وہ تقدیر کے عجب اتفاق سے اُن کی زندگی میں شامل ہوگئی تو اُس نے جانا کہ چیزیں دور سے جتنی دلکش اور چمکیلی نظر آتی ہیں قریب میں اُن کا عکس ہی نہیں دھندلاتا بلکہ اُن کے اصل رنگ بھی نظر آجاتے ہیں جو اتنے کچے ہوتے ہیں کہ حقیقت کی چند بوندیں اُن کا اصل دکھا دیتی ہیں رویوں کا تضاد اِس کہانی کا اصل موضوع ہے جس کا شکار ہمارے معاشرے کا ہر شخص ہے ثانیہ بھی انھیں متضاد رویوں کا شکار ہوئی تو اُسے پتا چلا آئیڈیل کوئی نہیں ہوتا منزل پر پہنچنے کے لیے اپنے راستے خود اُجالنے پڑتے ہیں اور یہ کہانی لکھنے کا بھی میرا یہی مقصد تھا کہ اپنی زندگی میں روشنی ہمیں خود بھرنی ہوتی ہے راہ میں جلتا یہ دیپ ہمارے لیے نہیں ہے۔

میرے اس ناول کو برادرم محمد علی قریشی شائع کر رہے ہیں اُمید ہے کہ میرے آئندہ ناول القریش پبلی کیشنز سے ہی شائع ہوں گے۔

مجھے آپ کی آرا کا انتظار رہے گا

دعا گو

رخسانہ نگار عدنان

''تمہیں اپنے اردگرد اور کوئی آئیڈیل بننے کے لائق نظر نہیں آیا۔ آئیں بھی تو میڈم فضیلہ مبشر۔'' وہ ناک سکوڑ کر بولی۔

''پورے کالج میں مجھے بتاؤ، ہے کوئی ان کے مقابلے کا..... ان کی ایجوکیشن وہ بھی تھرو آؤٹ ڈسٹنکشن کے ساتھ.....ان کے نام کے ساتھ لگی ڈگریوں کی لمبی لائن تمہیں نہیں پتا، مجھے کس قدر فیسی نیٹ کرتی ہے۔'' وہ آنکھیں بند کر کے بولی۔

''لو ڈگریوں کا کیا ہے موٹی موٹی فیسیں بھرو اور ڈگریاں سمیٹتے جاؤ۔'' رباب منہ بنا کر بولی۔

''اور تم سے ایک گریجویشن کی ڈگری سمیٹنا مشکل ہوا جا رہا ہے۔'' ثانیہ طنز سے بولی۔

''تو تم صرف ان کی ڈگریوں کی لمبی لائن سے متاثر ہو گئیں؟'' عروج کچھ طنز سے بولی تھی۔ ثانیہ لمحہ بھر کو چپ رہی۔

''نہیں.....ان کے طرز زندگی سے۔''

''لو جیسے یہ دن رات ان کے گھر میں رہتی ہو۔'' رباب نے ثانیہ کی بات کاٹتے ہوئے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

''سن تو لو۔'' ثانیہ جھنجلا کر بولی۔ ''وہ تو سراپا آئیڈیل ہیں۔''

''تم نے کچھ زیادہ مشکل آئیڈیل نہیں چن لیا۔'' عروج تشویش سے بولی۔ ''انہیں فالو کرنا تو بہت مشکل ہے۔''

''اور سب سے پہلے تو ان کے جتنی ڈگریوں کی لمبی لائن اپنے نام کے ساتھ لگا تا، تم تو چند سالوں میں ہی کتابوں کے ڈھیر میں کہیں مری پڑی ملو گی۔ بے وقوف پہلے لوگوں میں جنون ہوتا تھا۔ یوں کتابی کیڑا بننے کا.....ہم تو بھئی جو میری امی کہتی ہیں بناسپتی کی پیداوار ہیں اتنا اسٹیمنا ہے، نہ اتنی ہمت اور نہ جنون۔'' رباب نفی میں سر ہلاتے بولی۔

''تو آئیڈیل کسی عام چیز کا نام تھوڑی ہوتا ہے بے وقوفو!'' ثانیہ نے ان کی کم عقلی پر سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اچھا کسی پہاڑ کی چوٹی کو سر کرنے کا نام بھی نہیں ہوتا۔'' عروج منہ بنا کر بولی۔

''بلکہ پہاڑ کی چوٹی سر کرنا آسان ہے میڈم فضیلہ مبشر بننا مشکل۔'' رباب نے فوراً کہا۔

''اور میں تمہیں بن کر دکھاؤں گی۔ اتنی ہی ڈگریاں، اس کی شان دار شخصیت رکھ رکھاؤ، میز زایٹی کیٹس اتنا نرم لہجہ کہ مخاطب ان کے سامنے خود کو بونا محسوس کرنے لگے۔''

''تو تم لوگوں کو اپنے سامنے بونا بنتے دیکھنا چاہتی ہو۔'' عروج سنجیدگی سے بولی۔

''مرو.....تمہیں تو بات ہی سمجھ میں نہیں آتی۔'' ثانیہ نے رباب کو پرے دھکیلا۔

''بات سمجھنا کچھ آسان تو نہیں، تم نے جو راہ چنی ہے بہت کانٹوں بھری ہے مگر.....خیر ہے۔'' وہ آخر میں مطمئن سی ہو کر بولی۔

''کیا مطلب؟'' ثانیہ ابرو اچکا کر بولی۔

''اس کالج میں 'بیمار' فضیلہ مبشر میں تم ہی شامل نہیں، آدھا کالج ان کو دیکھ دیکھ کر مرعوبیت سے فنا ہوا جاتا ہے اور آدھا ان کی بلند قامتی سے خائف ان کی مقناطیسی شخصیت سے کئی فٹ پرے رہنے میں ہی عافیت سمجھتا ہے۔ تم اگر ایسی تمنا کرو تو کون سی نئی بات ہے دو چار سالوں میں بھول بھال جاؤ گی۔'' عروج نے تسلی سے کہا۔

''وہ اور ہوں گی، میرا نام ثانیہ فیاض ہے یاد رکھنا۔'' وہ پرعزم لہجے میں بولی، دونوں اسے دیکھنے لگیں۔

''خیر! تم یہ کوشش کر بھی سکتی ہو۔ پوزیشن ہولڈر ہو۔ ہر سال کی کم از کم ان جتنی ڈگریوں کی لمبی لائن تو ان کی عمر

تب پہنچتے پہنچتے لگوا ہی سکتی ہو، اپنے نام کے ساتھ۔'' عروج طنز سے بولی۔
''اس دنیا سے گئیں...... اتنا ٹائم ہی نہیں ہوگا، تمہارے پاس کتابیں پڑھ پڑھ کر بالکل فارغ ہو جاؤ گی۔''

رباب بولی۔
''کیوں وہ کیا دنیا چھوڑے بیٹھی ہیں ان کی بیٹی زونیرا کو دیکھا ہے۔ مؤدب خوش اخلاق ذہین اور ایپی کیٹس والی کوئی دوسری لڑکی نہیں ہے ہماری کلاس میں...... کتنی شائستہ اور میٹھی زبان ہے اس کی۔ ذرا جو ماں کی پروفیسری کا غرور ہو اس میں، کیسے سب سے محبت سے ملتی ہے اس کی تربیت میڈم فضیلہ مبشر نے ہی تو کی ہے یا وہ کتابوں کی دنیا میں ہی فنا ہو کر رہ گئی ہیں۔'' وہ دونوں اس کی پسندیدگی کے بارے میں تو جانتی تھیں مگر وہ کس طرح انہیں اپنا آئیڈیل بنائے بیٹھی ہے اس کا انہیں ادراک نہیں تھا۔
''باتیں تو تمہاری...... ٹھیک ہیں زونیرا ہے بھی ایسی پری بی! کون جانے وہ کہتے ہیں نا دور کے ڈھول سہانے اور اکثر آنکھ جو دیکھتی ہے، ویسا ہوتا بھی نہیں۔'' عروج نے اٹھتے ہوئے کہا۔
''شک کیے جانا...... خود اپنی بصارت پر، اپنی عقل پر...... پتا نہیں تم دونوں چیزوں کے تاریک، نظر نہ آنے والے کونے کھدرے کیوں دیکھتی ہو مثبت روشن اور نظر آنے والی چیزیں تمہیں دھوکا کیوں لگتی ہیں۔'' ثانیہ چڑ کر بولی۔
''ہم حقیقت پسند ہیں نا!'' رباب نے فرضی کالر کھڑے کرتے ہوئے کہا۔
''ماشاء اللہ! کتنی حقیقت پسند ہو، یہ میں نہیں جانتی بھلا۔ کیا تم دونوں اس حقیقت سے بے خبر تھیں کہ نومبر میں ٹیسٹ ہونے ہیں تو حقیقت کو فیس کرنے کے لیے کچھ تیاری بھی کرنی چاہیے۔'' وہ طنز سے بولی۔
''دیکھا! یہ ہیں آج کل کے دوست رباب! پیٹھ میں چھرا گھونپنے والے اب تم پیدائشی کتاب کیڑا ہو تو اس میں ہمارا کیا فالٹ...... حقیقت اپنی جگہ...... مگر......'' وہ کندھے اچکا کر بولی۔
''ہم اتنے بھی حقیقت پسند نہیں۔'' رباب نے اس کا جملہ پورا کیا۔
تینوں برآمدے کی سیڑھیوں سے کھڑے ہو کر جانے کے لیے مڑیں۔ ان کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آ گیا۔
ان سے چند قدموں کے فاصلے پر میڈم فضیلہ مبشر کرسی پر بیٹھی دھوپ سینکتے ہوئے آنکھیں موند کر بیٹھی تھیں۔
وہ کب سے یہاں بیٹھی تھیں۔ یہ تو انہیں پتا نہیں تھا مگر وہ ان کی باتیں بہ آسانی سن سکتی تھیں۔ یہ صاف نظر آ رہا تھا۔
وہ کتنے لمحے کسی سحر کے زیر اثر ساکت کھڑی رہ گئیں۔
''ادھر آؤ۔'' میڈم فضیلہ مبشر کی آواز نے ان کے بتوں میں جان ڈالی تھی۔ تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور مرے مرے قدموں سے ان کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔
میڈم فضیلہ ان کی طرف دیکھتی رہیں۔
''آئی ایم پراؤڈ آف یو ثانیہ فیاض!'' ان کے الفاظ تھے یا کوئی امرت دھارا۔ ثانیہ کو لگا اس کی سماعتوں میں کسی نے رس گھول دیا ہو۔ سارا وجود جیسے اس رس کے ساتھ بہہ نکلا۔
اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
میڈم فضیلہ بھی محبت و عقیدت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
''تھینک یو میڈم!'' اس کے کانپتے لبوں سے بس یہی نکلا اور تینوں جانے کے لیے مڑ گئیں۔

✠ ✠ ✠

''چالیس پچاس ساٹھ ستر اسی......'' گنتے گنتے اس کے ہاتھ رک گئے۔ ابھی تو صرف اسی روپے ہوئے ہیں؛
سے......'' اس نے فکر مندی سے میلے کچیلے کمائے ہوئے وہ دس دس کے آٹھ نوٹ دوبارہ سے قمیص کی کمر والی جیب میں ر
لیے اور دوسری نظر سے آگے پڑے بڑے سے پتیلے کے اندر جھانکنے لگا۔

''ابھی چھٹی کا ٹائم ہوگا تو یہ سارے چنے نکل جائیں گے۔ تین سو تو ہو ہی جائیں گے ان شاء اللہ۔'' وہ خود
سوچتے ہوئے دل میں دعا کرنے لگا۔

''آج تو کر پانے والے کے کم از کم سو پچاس دے دیے جائیں ورنہ...... دروازے پر آ کر بھونکے گا۔ اتنی گند
زبان۔ ہے اس کی، اتنی موٹی موٹی گالیاں بکتا ہے کہ کوئی سن بھی نہیں سکتا اور وہ بے شرم۔'' اسے سوچتے ہوئے گھن آئی۔

آس بھری نظروں سے وہ سڑک کے پار بنے اسکول کے بند گیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں ابھی چھٹی کا گھن
بجنے والا تھا، اس نے دائیں طرف پڑی پلاسٹک کی ڈھلی ہوئی رنگ برنگی آٹھ پلیٹوں کو دوبارہ سے آگے پڑی جھاڑن سے
چمکایا، ان کے ساتھ ہی پلاسٹک کے چار گلاس پڑے تھے اور ان کے آگے بڑا سا پانی کا ڈرم جس پر اس نے ململ کا پرانا
صاف دوپٹہ ڈال رکھا تھا، یہی صفائی اس کے چنوں کے پتیلے اور دوسرے برتنوں کی تھی۔

ٹھنڈی اینٹ پر بیٹھے بیٹھے اس کی کمر اکڑ گئی تھی مگر اسے اس اکڑن کا احساس کم ہی تھا۔ اس نے پتیلے کے بالکل
پاس پڑے پرانے ہاٹ پاٹ کا ڈھکن اٹھایا۔ جس کی گرمائش بالکل ختم ہو چکی تھی، ہاٹ پاٹ میں پڑے بیس پچیس نا
ٹھنڈے بھی ہو چکے تھے پر بھوک کے وقت کون دیکھتا ہے ٹھنڈے ہیں کہ گرم۔

اس نے خود کو تسلی دی۔

اس کے دوسری طرف نان کباب کی ریڑھی لیے چاچا اکرم کھڑا تھا، اس کا چھوٹا بیٹا ریڑھی پر رکھی انگیٹھی
ہاتھ سے، پنکھے سے تیز تیز ہوا دے رہا تھا۔ کوئلے تھے کہ نہ جلتے تھے نہ بجھتے، بس سلگ سلگ کر ہر طرف دھواں چھوڑ رہے
رہے تھے۔

''غریب کی زندگی بھی تو ان سلگتے کوئلوں جیسی ہوتی ہے، جو نہ بھڑک کر جلتی ہے نہ بجھتی ہے اور ہوا دیتے د
اس کے ہاتھ شل ہو جاتے ہیں۔'' وہ یک ٹک کریم کے تیز تیز پنکھا جھلتے چھوٹے سے ہاتھوں کو دیکھے گیا۔

اس کے آگے گاجر، مولی اور کھیرے کی سلاد کے چھوٹے چھوٹے لفافے بناتا ان پر لیموں اور مسالا چھڑکتا بھو
کھڑا تھا، اس کے پاس بھی ریڑھی تھی۔

عمیر کی نظریں بھولے اور چاچا اکرم کی ریڑھی کے پہیوں پر رک گئیں۔

''انہیں تو سالوں ہو گئے ان کاموں میں جتے ہوئے۔ مجھے تو ابھی کچھ ہی ماہ ہوئے ہیں، تھوڑی سے پیسے ہاتھ
جائیں تو میں بھی ایک ریڑھی بنوا لوں گا، پھر جدھر بکری (کمائی) زیادہ ہوتی دیکھوں گا، کھینچ کھانچ کر ریڑھی بھی لے جاؤں
گا۔ یوں ایک ہی جگہ بیٹھ کر گاہکوں کا انتظار تو نہیں کرنا پڑے گا۔ یہ دونوں تو ابھی ادھر چھٹی کی بکری جیب میں ڈال کر شیزان
والی سڑک پر نکل لیں گے جہاں بڑے بڑے دفتر بنے ہیں اور شام سے پہلے فارغ ہو جائیں گے اور مجھے اس بھاری پتیلے
کے ساتھ یہیں بیٹھ کر اس کے خالی ہونے کا انتظار کرنا پڑتا ہے اور اکثر تو یہ پتیلا خالی ہوتا بھی نہیں...... چنوں کے پیسے بھی
پورے نہیں ہوتے......'' وہ وقفے وقفے سے اسکول کے بند گیٹ کو تکتے ہوئے اپنے کاروبار کو ترقی دینے کے بارے میں
سوچتا جا رہا تھا۔

زن سے اس کے آگے سے وائٹ کرولا گزری تھی۔

اور ڈرائیور کے ساتھ پسنجر سیٹ پر بیٹھا وہ شناسا چہرہ اسے پل بھر میں گڑبڑا گیا۔

کوئی دیپک ہو...... 11

اس نے فوری طور پر نظروں کا زاویہ بدل ڈالا، مگر دل کے اندر جیسے لمحاتی سا بھونچال آ گیا۔

یہ اسد تھا اور اس نے مجھے دیکھا بھی ہوگا۔ بلکہ دیکھ لیا تھا اور اس کے چہرے کے تاثرات، آنکھوں میں اترتی حیرت...... کہیں وہ دوبارہ بیک کر کے آ ہی نہ جائے...... اس نے پیشانی پر اترتے پسینے کے قطروں کو یونہی آستین سے رگڑتے ہوئے، اس رستے کی جانب دیکھا، جدھر وہ وائٹ کرولا گئی تھی۔

''دیکھ لیا تو کیا...... میں کوئی جرم تھوڑی کر رہا تھا۔'' اس نے بہادر بن کر سوچا۔

''کیا سوچتا ہوگا ان کی کلاس کا...... ذہین ترین نہ سہی، ایک اچھا اسٹوڈنٹ یوں سڑک کنارے چنوں کا پتیلا لیے بیٹھا ہے۔ اسکول چھوڑتے ہوئے بھی میں مل کر تو کسی سے نہیں آیا تھا۔ مل بھی لیتا تو کیا بتاتا۔'' وہ افسردگی سے سوچتا ہوا اردگرد سے بے خبر ہو چکا تھا۔ ''محنت میں کوئی عار ہے نہ شرم...... شرم تو بھیک مانگنے، ہاتھ پھیلانے اور چوری ڈاکا ڈالنے میں ہے۔ تم محنت کر رہے ہو، کسی کی جیب نہیں کاٹ رہے اور محنت کرتے ہوئے کبھی نہ شرمانا۔''

امی نے پہلے دن اس کی گرہ میں یہ بات باندھی تھی اور وہ اکثر اپنے کمزور لمحوں میں یہ گرہ کھول کر ذرا کی ذرا جھانک بھی لیتا تھا مگر کسی دوسرے کو اسد جیسے لڑکوں کے سامنے سینہ ٹھونک کر یہ سب کہنا اور شو کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔'' یہ گھسی پٹی اخلاقیات کو اب میری طرح کون پلّے سے باندھ کر پھرتا ہے'' اس نے کڑھ کر سوچا۔

''دفع کرو اگر میں یہ فضولیات سوچتا رہا تو کر چکا کام...... اور اسد جیسے کتنے لوگ ہماری مدد کو آئے، جب ہم پر یہ طوفان آیا جب کسی دوسرے کو ہماری پروا نہیں تو میں کیوں کسی کی پروا کروں جو...... جو کچھ سوچتا ہے سوچتا رہے۔'' اس نے مضبوط بنتے ہوئے سوچا۔

عین اسی وقت ٹن ٹن اسکول کی چھٹی کا گھنٹہ بج اٹھا اور لڑکوں کا ریلے کی طرح امڈتا ہجوم باہر سڑک پر نکل آیا۔

ذرا ہی دیر میں اس کا پتیلہ آدھا ہو چکا تھا۔

نوٹ پکڑتے ہوئے جیب میں رکھنے کا بھی ٹائم نہیں تھا، وہ اپنے آگے رکھے رومال کے اندر وہ نوٹ رکھتا جا رہا تھا۔

ذرا رش کم ہوا اس نے رومال سے وہ نوٹ نکال کر ہاتھ نیچے کر کے گننے شروع کر دیے۔

''پورے ایک سو چالیس روپے۔'' اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

''اس پہلے جیب میں ہیں اور ایک سو چالیس یہ...... کتنے ہو گئے۔'' وہ جلدی جلدی دل ہی دل میں گننے لگا۔ ایک دم سے شور سا اٹھا۔

''اوئے عمیر! بھاگ کمیٹی والے آئے۔'' بھولے اور چاچا اکرم نے اپنی ریڑھیاں دوڑاتے ہوئے اسے آواز لگائی تھی مگر وہ اپنی سوچ میں اتنا محو تھا کہ فوری سن نہیں سکا، بلکہ فوری طور پر سمجھ نہیں سکا اور سمجھ بھی لیتا تو ان کی طرح ریڑھی تو تھی نہیں، دوڑاتا ہوا قریبی گلیوں میں گھس جاتا جیسے وہ گھس گئے تھے۔

''حرام خورو! ہزار بار منع کیا ہے یوں ٹھیلے سجا کر آتی جاتی ٹریفک کا رستہ خراب نہ کیا کرو، جدھر سڑک خالی دیکھی ٹھیلے سجا کر بیٹھ گئے ان کے باپ کی سڑکیں ہیں نا لوگوں کو ادھر گاڑی پارک کرنے کی جگہ نہیں ملتی، جگہ جگہ کیڑے مکوڑوں کی طرح کاٹھ کباڑ لیے بیٹھے ہوتے ہیں۔ لعنتی انسان ڈھیٹ ہڈیاں۔'' کانسٹیبل نے اس کا ادھ بھرا پتیلا اس کی پلاسٹک کی رنگ برنگی پلیٹیں، جس میں صرف چھنا ن رہ گئے تھے۔ سب اٹھایا اور کارپوریشن کی گاڑی میں ڈال لیا۔

''اب تھانے آنا یہ سب وصولنے، اس نے ایک دم سے اس کے ہاتھ سے وہ ایک سو چالیس روپے بھی جھپٹ لیے، وہ جو حواس باختہ یہ سب تکے جا رہا تھا، جیسے ایک دم سے ہوش میں آ گیا۔

''اوئے! اس کو بھی ڈال گاڑی میں۔'' پیچھے سے کسی اہلکار نے آواز لگائی اور عمیر کے پاس چند سیکنڈز تھے۔ وہ اندھادھند سامنے کی گلی میں بھاگتا چلا گیا۔

اپنی دکان داری کے لٹنے پر...... اپنی محنت پر دو حرف بھیجتا، صرف جان بچا کر وہ وہاں سے بھاگ نکلا۔

اگر وہ بھی دھر لیا جاتا تو اسے چھڑانے کس کو آنا تھا، بس دل میں ایک آخری خیال تھا، جس نے اسے یوں سرپٹ دوڑنے پر مجبور کیا تھا۔

بھاگتے بھاگتے تھک گیا تو ایک دھول اڑاتے اجڑے سے پارک کے جنگلے پر کمر ٹکا کر ہانپنے لگا۔

اس کی نظروں کے سامنے چنوں کا پتیلہ اور اپنے برتن آرہے تھے، جو اس نے کتنے جتنوں سے خریدے تھے، ابھی تو ان چنوں کے پیسے بھی اسے شریف کریانے والے کو دینے تھے۔ گھی، نمک، مرچیں، پیاز نان کے پیسے...... اور سب سے بڑھ کر دکان داری ختم ہو جانے کا دکھ شام کو وہ خالی ہاتھ گھر پہنچے گا...... اس چبھتے احساس کا دکھ وہ ایک دم بے قابو سا ہو کر جنگلے پر سر ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، رونے کے سوا دل کا غبار نکالنے کا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔

✠ ✠ ✠

خوشی سے اس کے ہاتھ پیر پھولے جا رہے تھے بار بار کانوں میں میڈم فضیلہ مبشر کا وہ شاندار جملہ گونج رہا تھا۔

''آئی ایم پراوڈ آف یو ثانیہ فیاض!''

اس سے باقی کی تین پیریڈز پڑھا ہی نہیں گیا۔

عروج اور رباب نے کچھ دیر تو میڈم کے ریمارکس پر تبصرے کیے، ثانیہ کو شاباش اور مبارک باد بھی دی کہ اس کے آئیڈیل نے اس کے خیالات کو کیسے سراہا ہے مگر اس کے بعد وہ بھول بھال گئیں۔

ثانیہ کی مسلسل خاموشی کو نظرانداز کیے وہ اسی طرح باتوں میں مصروف تھیں، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

اور ثانیہ کے لیے تو جیسے اس کی زندگی کا انہونا ترین واقعہ ہو گیا تھا۔

اس کے خیالات کو میڈم فضیلہ نے خود سے سن لیا تھا اور اسے ایڈ مائر بھی کیا تھا...... اس کے لیے تو یہ سب سے انہونی بات تھی۔

''میں خود کو واقعی میڈم کا فخر بن کر دکھاؤں گی، یہ میرا خود سے وعدہ ہے اور آپ کا یہ فخر میری زندگی کا سرمایہ ہے سب سے قیمتی سرمایہ...... مجھ سی کمتر ہستی کو میڈم کی ایسی نگاہ التفات میسر آئی، میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔''

وہ خیالوں ہی خیالوں میں اس خیال سے مسحور ہوتی کسی اور ہی جہاں میں تھی، اسے آخری پیریڈ کی بجتی بیل کا بھی احساس نہیں ہوا۔

''او مس! خواب دخیال سے اٹھ جاؤ یا یہیں باقی کے دن بسر کرنے کا ارادہ ہے چھٹی ہو گئی ہے۔'' عروج نے اسے زور سے ٹہوکا دیا تھا وہ کوئی بھی جواب دیے بغیر خاموشی سے کتابیں سمیٹ کر کھڑی ہو گئی۔

تینوں چلتے ہوئے گیٹ تک آئیں۔

گیٹ سے میڈم فضیلہ مبشر کی گاڑی باہر نکل رہی تھی، قیمتی سن گلاسز کے پیچھے ان کی آنکھیں تھیں۔ ان کے کیا تاثرات تھے اسے پتا نہیں چلا مگر ثانیہ کو دیکھتے ہی وہ جس اپنائیت بھرے انداز میں مسکرائی تھیں، اسے لگا کہ سارے جسم پر چیونٹیاں رینگنے لگیں۔

زونیرا اُن کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی تھی۔
میڈم گیٹ کراس کرتے ہوئے زونیرا کو کچھ بتا رہی تھیں کہ اس نے بھی ذرا سی گردن موڑ کر ان کے گروپ کو دیکھا تھا۔
''لو بھئی پوزیشن ہولڈر! تو تم پہلے بھی تھیں اب تو بڑے آرام سے رعایتی نمبر بھی مل جایا کریں گے تمہیں۔''
رباب اس سارے منظر کو دیکھتے ہوئے جتانے والے انداز میں بولی۔
''اور تم جانتی ہو۔ مجھے کبھی بھی ایسے رعایتی نمبر نہیں ملے، ہاں! تم دعا کرو۔'' وہ بھی اسی کے انداز میں بولی۔
''اب بے چاری کیا دعا کرے وہ لمحہ قبولیت تو تمہارے حصے میں آچکا اب لاکھ کھڑی دعائیں کرتی رہیں۔''
عروج، رباب کی ہمدردی میں بولی۔
''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں...... مجھے تو صرف اس بات کی خوشی ہے کہ میڈم نے جو جملہ مجھ سے کہا اور تم دونوں جانتی ہو، وہ جملہ ان کی تعریف کے بدلے میں نہیں تھا۔ میری ان تیرہ سالوں کی محنت کا اعتراف تھا۔ تیرہ نہ بھی سہی تین سال اس کالج میں جس طرح میں نے تعلیم کو جنون کی طرح اختیار کیا، یہ اس کا اعتراف تھا ورنہ بے وجہ کی جانب داری تو شاید میں بھی پسند نہ کروں۔ خدا حافظ۔''
وہ ان دونوں کو اس طرح کھڑا چھوڑ کر تیز تیز چلتی لڑکیوں کے ہجوم میں گھس گئی۔
''اسے کیا ہوا ہے؟'' رباب کچھ حیرانی سے بولی۔
''ستائش کا کیڑا کاٹ گیا ہے اور کچھ نہیں چلو۔'' وہ دونوں بھی ساتھ چلتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

✠ ✠ ✠

''مرد ہو کر روتے ہو۔'' جانے کب ماں اس کے پہلو میں آکر بیٹھی تھی۔ وہ تو کروٹ لیے تکیے میں منہ چھپائے بے حد مدھم سسکیاں لے رہا تھا۔
ماں کے یوں کہنے پہ لمحہ بھر کو تو وہ بالکل ساکت ہو گیا۔
''مردوں کو چوٹ نہیں لگتی، انہیں درد نہیں ہوتا، غم نہیں ملتے انہیں اور اماں!'' اس نے آنکھیں رگڑ کر کروٹ لیتے ہوئے سنبھل کر کہا۔
''کیا مردوں کے دل گوشت پوست کے نہیں ہوتے۔''
''دیکھو ہمارے معاشرے میں زندگی کی شکل ابھرتی مرد سے ہے۔ زندگی کی کشتی جن بڑے بڑے جذباتی معاشی طوفانوں سے ٹکراتی ہے، اس کے لیے ہم کمزور عورتیں مردوں کی طرف تو دیکھتی ہیں تو مرد تو پھر چٹان جیسا مضبوط اور تھوڑا پتھر دل ہونا چاہیے، تب ہی تو ان طوفانوں کے آگے ڈٹ سکے گا۔'' ماں اس کے بال سلجھاتے ہوئے نرمی سے اسے یہ مشکل بات سمجھانے لگی۔
''ڈٹ تو گیا ہوں...... پھر بھی اماں پھر بھی......'' نہ چاہتے ہوئے اس کی آنکھیں پھر سے بھر آنے لگیں۔
''نہ نہ رونا نہیں...... روؤ گے تو پھر بہت دیر تک خود کو جوڑتے رہو گے اور کیا پتا اس بار بار ٹوٹنے جڑنے کے عمل میں کچھ جڑ ہی نہ سکے۔ ٹوٹا ہی رہ جائے...... اور عمیر! تیری ماں تجھے جڑا ہوا سالم مکمل دیکھنا چاہتی ہے۔'' ماں نے پھر اس کے آنسوؤں کے آگے، بند باندھ دیا۔
''بہت مشکل ہے اماں! بہت مشکل...... دیکھا تھا شام کو وہ معمولی کریانے والا...... اماں! میرا بس نہیں چلا۔ اتنی

غلیظ زبان ہے اس کی اور گالیاں...... اماں! میرا دل چاہا۔ میں مرجاؤں۔'' وہ ابھی پورا مرد تھا کہاں؟ ابھی تو مرد اور لڑکے کے بیچ میں کہیں اس کی پروان چڑھتی مردانگی کچھ پنپ رہی تھی اور کچھ بجھ رہی تھی۔ سو بار بار لڑکپن کا لاابالی پن غلبہ پانے لگتا...... آنسو پھر سے اُمڈ آئے۔

''اللہ نہ کرے۔ ایسا سوچے گا تو...... ہم...... ہم کیا کریں گے یہ نہیں سوچتا۔'' ماں کا ردعمل حسب توقع تھا۔

''یہی سوچ کر تو جینے کا زہر پی رہا ہوں۔'' وہ بڑبڑایا۔

''زندگی آسان کب ہے۔ ابھی سے اسے زہر سمجھ کر قطرہ قطرہ جبراً حلق میں انڈیلے گا تو...... چند سالوں میں ہانپنے لگ جائے گا۔'' ماں نے پھر نرمی سے سمجھایا۔

''اور ہانپنا کیا ہوتا ہے؟'' وہ تلخی سے بولا، جیسے زندگی کے زہر کے کتنے گھونٹ حلق سے نیچے اتار چکا ہو۔

''کتنی جگہ گھیری تھی میرے اس ٹھیلے نے جو وہ گاڑی بھر کر اٹھوانے آ گئے تجاوزات ہٹانے...... اماں جو یہ لمبی لمبی گاڑیاں اور امیروں کی پجاروں ہم غریبوں کی روزی کی آگے آ کر کھڑی ہو جائیں تو ہماری جرأت نہیں ہوتی انہیں کہہ دیں ذرا پرے لگا لیں...... اور ان کی گاڑیوں کو جگہ دینے کے لیے ہماری پوری روزی دکان داری...... کتنی مشکل سے یہ سب کیا تھا اور جو قرض چڑھ گیا۔''

''اللہ مالک ہے۔'' ماں کا روایتی جملہ بھی اس کے جلتے بلتے دل پر پھاہا نہیں رکھ سکا۔

''اور یہ تجاوزات کے زمرے میں ہم جیسے دیہاڑی دار کی روزی پر لات مارنے والوں کے سینے میں دل نہیں پتھر ہوتے ہیں اماں! خوف خدا انہیں کیوں نہیں ہوتا۔'' وہ بکھرے جا رہا تھا۔

''اچھا بس کرنا! اللہ نے کسی بڑے نقصان سے بچا لیا۔ چھوٹی پریشانی دے کر، ماں کی صابر طبیعت اس پر کم از کم ان لمحوں میں سخت کڑی گزر رہی تھی۔

''اب اور اس سے بڑا نقصان کیا ہوگا۔'' وہ تلخ ہوا جا رہا تھا۔

''اللہ رکھے زندگی سے بڑھ کر سلامتی سے زیادہ تو کچھ بھی نہیں، سب تو جان کا صدقہ ہے۔ اللہ نے جان بخشی سلامتی دی، خدا نہ کرے۔ وہ تجھے بھی لے جاتے تو یہاں کون تھا۔ تیرے پیچھے جانے والا۔''

ماں نے ہراس بھرے لہجے میں کہا تو پہلی بار وہ کچھ بول نہیں سکا، اس اکلوتے فائدے کا خیال تو اس کو بھی بار ہا آیا تھا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو واقعی نقصان بڑا ہوتا...... مگر پھر اسی چھوٹے نقصان کے بھنور نے اسے مسلسل ناشکرے پن میں جکڑ رکھا تھا۔ ان سارے گھنٹوں کے دوران اس نے پہلی بار خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''اب؟'' اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''کچھ نہیں سو جاؤ، بس اللہ مالک ہے۔ کچھ نہ کچھ ہو جائے گا سو جاؤ۔'' ماں اٹھ کر جانے لگی۔

''اور ہاں۔'' وہ جاتے جاتے رکی۔ ''تمہارے پیپرز کب ہیں؟''

''ہیں...... ہوں۔'' اس نے منہ میں بدبدا کر کروٹ لے لی۔

''عمیر!'' ماں تنبیہی آواز میں بولی۔

''اماں! جب ہوں گے تو بتا دوں گا نا!'' وہ اسی طرح کروٹ لیے بولا۔

''تیاری کر رہے ہو نا؟''

''ہوں، نیند آ رہی ہے مجھے۔''

اماں چند لمحے کھڑے رہ کر باہر نکل گئی۔

''ہاں، بڑا میں افلاطون ہوں ارسطو یا آئن سٹائن، دن میں نا چھوٹے بچوں اور رات کو لیمپ پوسٹ میں پڑھوں . بھی پچویشن ٹاپ بھی کروں......کمال ہے کتنی تو قعات ہوتی ہیں ماؤں کی بھی ہم بیٹوں کے ساتھ۔''
سوچتے سوچتے اس کی آنکھیں نیند سے بند ہو گئیں۔

✠ ✠ ✠

اور اس بار بھی گزشتہ تین سالوں کی طرح بیسٹ اسٹوڈنٹ کا کپ جاتا ہے ثانیہ فیاض کو۔'' مس عارفہ نے یونرسری میں اناؤنس کرتے ہوئے کہا۔
ثانیہ، رباب اور عروج کے ساتھ اگلی رو میں بیٹھی تھی۔
یہ سب کچھ حسب توقع بھی تھا کہ یہ فورتھ ایئر کا اینڈ چل رہا تھا اور یہ کپ تو پچھلے سال کے رزلٹ کی بنیاد پر دیا جاتا تھ پھر بھی خوشی اور جوش سے اس کا چہرہ تمتمانے لگا، کانوں سے آگ نکلنے لگی۔ ٹانگیں اس کی کوشش کے باوجود اسٹیج کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دو تین بار لرزیں۔
اور سب سے بڑھ کر کپ دیتے ہوئے میڈم فضیلہ مبشر کی اپنائیت بھری فخریہ مسکراہٹ اس کا اعتماد بکھرنے کو تھا انہوں نے کپ آگے بڑھانے کے بجائے ثانیہ کو ہاتھ بڑھا کر اپنے ساتھ لگا کر بے اختیار اس کا ماتھا چوم لیا تھا۔
اسے لگا۔ وہ ابھی تڑ سے گرے گی اور بے ہوش ہو جائے گی۔
''ثانیہ جیسی محنتی، شان دار اور علم سے اس درجہ محبت رکھنے والی طالبات اس تعلیمی ادارے کا سرمایہ ہے اور ہم جیسے اساتذہ کا فخر......آئی ایم ریئلی پراؤڈ آف یو مائی ڈیئر اسٹوڈنٹ!'' انہوں نے ایک بار پھر بے حد مشفق انداز میں اسے تھپتھپاتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر فضا میں بلند کیے تھے۔
اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اسی تالیوں کی گونج میں وہ اسٹیج سے نیچے اتر کر اپنی دوستوں کی ہمراہی میں بیٹھ گئی، وہ اس سے کیا کہہ رہی تھیں کیا پوچھ رہی تھیں۔ اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا، صرف اسٹیج پر کھڑی میڈم فضیلہ مبشر اور ان کے ہاتھ سے سرٹیفکیٹ اور دوسری شیلڈز وصولتی طالبات تھیں۔
ابھی پچھلے سال تو وہ اس کالج کی پرنسپل بنی تھیں۔
اور اپنے پہلے خطاب میں انہوں نے خود بتایا تھا کہ انہوں نے اپنی زندگی کے چار بہترین سال اسی کالج میں گزارے تھے اور ڈسٹنکشن کے ساتھ یہاں سے گئی تھیں۔
پنجاب یونیورسٹی اور ایم فل کے بعد بطور لیکچرار وہ چھ ماہ شیخوپورہ میں رہیں اور ان کی دوسری تعیناتی اسی کالج میں ہوئی تھی اور یہیں انہیں پی ایچ ڈی کے لیے اسکالرشپ ملا اور وہ باہر چلی گئیں۔
''میں نے علم کو عمر بھر ایک عبادت کی طرح حاصل کیا اور ایک عبادت گزار کی طرح تمام عمر ہاتھ باندھے کھڑی رہی کہ علم کے سمندر سے کچھ قطرے اور چن سکوں، اس کا ثبوت میرے نام کے ساتھ لگی یہ ڈگریوں کی لمبی لائن ہے اور میری خواہش ہے کہ اس کالج میں پڑھنے والی بلکہ ہر تعلیمی ادارے میں پڑھنے والی ہر لڑکی ہر بچی حصول علم کے لیے اتنی ہی پُرشوق اور جوشیلی ہو، پھر دیکھیے گا۔ اس ترقی پذیر قوم کا کل کیسا دمکتا ہوا ہوگا۔''
''سب کتابی باتیں......بیس سالوں سے تو سمجھو ہم سن رہے ہیں وہ کل آ ہی نہیں چکا تو ہمارے مغز پچی کرنے سے کیا وہ کل آ جائے گا۔ بوتل کے جن کی طرح......رہنے دیں میڈم صاحبہ! بہت ایسی تقریریں سن چکے ہم نیٹ پر جا کر بیٹھیں تو آپ کو معلوم ہو، خیر سے اتنے تعلیمی ادارے بھرے ہونے کے باوجود دنیا میں کس جگہ مقام پر ہیں۔'' رباب جانے

کیوں چڑی ہوئی تھی ان کی تقریر سے اور پھر بولتی چلی گئی۔

''فضول بکواس بند کردیا اٹھ کر باہر چلی جاؤ'' ثانیہ غصہ میں بولی تو وہ منہ میں کچھ بڑبڑاتی ہوئی عروج کا ہاتھ پکڑے آہستگی سے باہر نکل گئی۔

ثانیہ پورے دھیان سے میڈم فضیلہ مبشر کو سننے لگی۔

اس نے غور نہیں کیا کوئی مسلسل اس کو اپنی نگاہوں میں فوکس کیے ہوئے ہے۔ دو ایک بار اسے احساس ہوا بھی اس نے مڑکر ادھر ادھر دیکھا اور پھر سر جھٹک کر اسٹیج کی طرف متوجہ ہوگئی۔

* * *

''ایسے کب تک پڑے رہو گے اٹھو اب۔'' ماں اسے چوتھی دفعہ بلانے آئی تھی، نیند مسئلے سے وقتی فرار کا طریقہ ضرور ہے مگر اس کا حل نہیں۔''

وہ گہری سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

گھر میں مکمل خاموشی تھی...... اس کے اندر جیسی گمبھیر چپ...... وہ بے دلی سے منہ ہاتھ دھوکر باہر آیا، اور صحن میں ایک طرف بنے چولہے کے گرد پڑے تھوڑی سے برتن اور اینٹوں کی چوکیاں کچن کا منظر بناتی تھیں، وہ ست قدموں سے چلتا اس منظر میں آبیٹھا۔

کہاں تو ماں نے صبح سے سور مچا رکھا تھا اٹھو اٹھو اور اب یوں لاتعلقی سے بیٹھی چولہے کی مدھم آگ کو یک ٹک دیکھی جا رہی تھی، جیسے اس کے آنے یا نہ آنے سے اسے کوئی دلچسپی ہی نہ ہو۔

''اب کیا کرے گا؟'' بہت دیر بعد وہ اپنی گہری سوچ سے باہر نکلی تھی۔

وہ جواب میں محض کندھے اچکا کر رہ گیا۔

''چھوڑ ان کاموں کو، ابھی کچھ نہیں کر سکتا تو...... اپنی پڑھائی پر دھیان......'' ماں نے صلاح دینی چاہی۔

''کس پڑھائی پر......'' وہ گیلی لکڑی کی طرح چٹخا تھا ''جہاں میرے پاس کتابیں نہیں ہوتیں۔ کاپیاں نہیں ہوتیں۔ ٹوٹا پھوٹا پین ہو تو سیاہی نہیں ہوتی۔ پھٹا پیوند لگا پیلا اڑے رنگ والا یونیفارم پھٹے جوتے...... سراپا مذاق بن کر مجھ سے نہیں پڑھا جاتا۔''

''باقی بھی تو پڑھ......'' ماں نے دلیل دینی چاہی اس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''اماں! بس اس پر ہم پہلے بھی بہت بحث کر چکے ہیں۔'' ماں کو چپ کرانے کا یہی حربہ تھا، وہ چپ کر گئی۔

''یہ تھوڑے سے کالے چنے ابالے ہیں میں نے اور آلو تھوڑا سا مسالا ڈال کر یہ پرات میں لے جاؤ۔ کم از کم اس کریا نے والے کو...... اس قدر بے ہودہ شخص ہے اس کے پیسے اتر جائیں تو آئندہ اس سے ادھار نہیں لینا اس کی نظر میں شریف بے غیرت سب برابر ہیں، بے لحاظ آدی وہ یقیناً شام میں آئے گا اور کیا کیا نہ بولے گا۔''

عمیر کو اس کا اندازہ تھا اس کی آنکھوں میں جلن سی ہونے لگی مگر ماں پہلے ہی اس جلن کو باہر نکالنے پر اسے بری طرح سے ٹوک چکی تھی۔

''آج وہ پرات بھی لے گئے تو آٹا گوندھنے سے بھی جاؤ گی۔'' اس نے مذاقاً کہا۔

''اللہ مالک ہے۔'' یہ اماں کا مخصوص جملہ تھا۔ بچپن سے سنتے رہنے کے باوجود وہ اس کا عادی بھی تھا مگر آج کل جب بھی اماں وقتاً فوقتاً یہ جملہ بولتی اسے لگتا ان کی حالات اور بھی دگرگوں ہو رہے ہیں کہ اب اللہ ہی سب کچھ ٹھیک کر سکتا

ہے، ورنہ وہ خود جتنی چاہے کوشش کرلے کچھ نہیں بدلنے والا۔
یہ جملہ آج کل اسے حوصلہ دینے کے بجائے مایوس کر رہا تھا۔
اس نے آس بھری نظر سے دیکھا اماں ناشتے لے کر تو نہیں آ رہی اسے بھوک لگ رہی تھی۔
''آج ناشتے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں رات کی یہ آدھی روٹی اور دودھ کے بغیر چائے...... کہتے ہو تو......'' ماں کو پتا تھا، بغیر دودھ کے وہ سیاہ پانی اپنے حلق میں کسی صورت نہیں انڈیل سکتا، اس لیے پوچھنا ضروری سمجھا اس نے سر جھکا دیا۔
اس نے رات بھی کچھ نہیں کھایا تھا اب بھی وہ فاقہ کرتا، دل نے اس کالے پانے کو بھی گوارا کر لیا۔
ماں اس کے لیے روٹی گرم کرنے لگی اور وہ سوچنے لگا، اب وہ یہ چنے لے کر کون سے پوائنٹ پر جائے جہاں کمیٹی والے نہ آتے ہوں۔

✠ ✠ ✠

''تم کیوں اتنی چپ ہو؟'' انہوں نے گاڑی چلانے کے دوران خاموش بیٹھی زونیرا کو دیکھ کر پوچھا۔
اس نے کندھے اچکا دیئے مگر بولی کچھ نہیں۔
''زونی! کیا پرابلم ہے بیٹا!'' انہوں نے ذرا پیار سے پوچھا۔
''میں خود پرابلم ہوں۔'' وہ چڑے ہوئے انداز میں بولی۔
''کیا مطلب؟'' وہ سمجھ نہ سکیں۔
''مجھے پتا نہیں۔'' بے اختیار چھلکنے کو تیار آنکھوں کو جھپکتی وہ رخ پھیر کر بولی۔
انہوں نے گہرا سانس لیا اور توجہ سے گاڑی چلانے لگیں۔
''تم اگلی بار زیادہ محنت کر لینا۔ پانچ مارکس کا تو فرق......''
''اسٹاپ اٹ ماما پلیز!'' وہ پھٹ پڑی۔
''کیا ہو گیا ہے زونی!'' وہ اس کے اس انداز پر حیرانی سے بولیں۔
''آئندہ مجھے یہ اگلی بار، اگلی ٹائم، کا بے ہودہ درس مت دیجیے گا آئی ہیٹ اٹ۔'' وہ انگلی اٹھا کر تنبیہی انداز میں بولی۔
''انسان میں شکست سہنے کا حوصلہ بھی ہونا چاہیے۔'' سمجھانے والے انداز میں انہوں نے کہا۔
''ایک بار شکست سہنے کا یا مسلسل ہارنے کا حوصلہ۔'' وہ طنز سے بولی تھی فضیلہ اس کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔
''دیکھو یہ میرٹ کا معاملہ......''
''یہ میرٹ کا نہیں۔ یہ آپ کی جھوٹی انا، خوامخواہ کے عزت نفس کے خول کا مسئلہ ہے۔ میں اس بار یہ بھی ہوں اور آئندہ آپ سے کبھی......'' چھلکتی آنکھیں چھلک ہی پڑیں۔
انہیں لگا کسی نے ان کے دل پر پاؤں رکھ دیا ہو۔
''زونی میری جان!'' وہ بے قراری ہو گئیں اور گاڑی روک دی۔
''پلیز ماما! گاڑی نہیں روکیں۔ مجھے گھر جانا ہے پلیز۔'' وہ ان کا ارادہ بھانپ کر تیز لہجے میں بولی تو انہیں مجبوراً پھر سے گاڑی چلانی پڑی۔
''جانے کہاں مجھ سے بھول ہوئی۔'' ابھی کچھ دیر پہلے جو دل ثانیہ جیسی ذہین محنتی اسٹوڈنٹ شیلڈ اور سرٹیفکیٹ

دینے کے بعد بے حد مطمئن خوش ہلکا پھلکا اور پر امید سا تھا۔ ایک دم سے جیسے زندگی سے اچاٹ سا ہو چلا تھا۔

''مجھے صرف ایک سوال کا جواب دو۔'' وہ استاد تھیں اور ہمت ہارنا نہیں جانتی تھیں، سو کچھ دیر بعد بولیں۔

''تمہیں علم حاصل کرنے کا شوق ہے یا ریس کا گھوڑا بننے کا محض مارکس کی گنتی پر۔''

''مجھے یہ ریس کا گھوڑا بھی تو آپ نے بنایا۔ بھول گئیں۔'' وہ تیزی سے آنسو رگڑ کر بولی۔ ''آپ کہتی تھیں نا زونی! دیکھو اسماء کے اتنے مارکس آئے ہیں اگلی بار تم نے اس سے زیادہ مارکس لینے ہیں اسے پیچھے چھوڑنا ہے آگے نکلنا ہے اس سے بھی آگے بلکہ سب سے آگے۔''

وہ انہیں ماضی کا آئینہ دکھا رہی تھی، جس کا عکس انہوں نے بھلا ہی ڈالا تھا۔

''ماما! آپ کہتی تھیں نا دوسرے کو پچھاڑے بغیر فتح نامکمل ہوتی ہے، اب اب آپ کیسے توقع کر سکتی ہیں کہ میں اپنی شکست کو محض اپنی کوتاہی مان کر صابر ہو کر بیٹھ جاؤں۔ وہ ڈگری جو مجھ سے پانچ نمبر کے فاصلے پر تھی، وہ اس کمینی ثانیہ کی جھولی میں چلی گئی۔''

ہار آدمی کو کتنا گرا دیتی ہے کہ وہ اپنا ہی چہرہ مسخ کر بیٹھتا ہے اور اسے احساس بھی نہیں ہوتا، انہوں نے دکھ سے اسے دیکھا۔

''اس لیے...... اس لیے میں بار بار تمہیں اکسایا کرتی تھی کہ تم اسپورٹس میں بھی حصہ لیا کرو اس سے تمہارے اندر اسپورٹس مین شپ پیدا ہوگی، ذرا ذرا سی شکست پر تم جو اپنا یہ حال کرتی ہو...... اس سے......''

''پلیز ماما! لیکچر نہیں...... اور لیکچر نہیں چاہیے مجھے۔'' وہ اتنی بری طرح سے اکتائے ہوئے لہجے میں بولی کہ وہ دنگ سی رہ گئیں۔

اپنے کالج میں اپنی طالبات، ساتھی کولیگ لیکچرار ہیڈز سب سے زندگی بھر اتنا احترام اتنی وجہ ملی کہ انہیں تو کبھی یہ خیال ہی نہیں آیا تھا کہ ان کی اپنی بیٹی ان کے لیکچر، ان کے علم سے ایسی اکتائی ہوگی۔

وہ بس اسے دیکھ کر ہی رہ گئیں۔

ان کی وہ بیٹی جوان کے خوابوں کا عکس تھی۔ انہوں نے بارہا اپنے گاؤن میں اس کے نازک بدن کو سماتے دیکھا تھا کہ علم کی پیاس اور لگن اس کے اندر بالکل ان جیسی تھی۔

پھر ہر جماعت میں اول پوزیشن لینا اور پڑھنے کی لگن خود کو آگے لے جانے کی دھن کیسے انہیں اندر سے باغ باغ کرتی تھی، اس کا اظہار وہ خود کے سامنے بھی کرتے ڈرتی تھیں کہ کہیں نظر نہ لگ جائے۔

وہی بیٹی ان کا فخر ان کا غرور ان کو ایک سٹھیائی ہوئی بوڑھی خبطی استانی سمجھ رہی تھی۔

ان کی آنکھوں کے آگے دھند سی اتر ی مگر انہوں نے اس دھند کو ہٹانا تھا کہ بڑوں کے حوصلے بھی خوب بڑے ہونے چاہئیں۔

اور فضیلہ مبشر کا حوصلہ جس کی مثال ایک زمانہ دیتا تھا وہ اتنی جلدی ہار ماننے والی نہیں تھیں۔

''خفا ہے ابھی ناراض بھی اور دل گرفتہ بھی، ہو جائے گی ٹھیک سمجھا لوں گی منا لوں گی'' وہ اس کے خفا پژمردہ چہرے کو دیکھ کر سوچنے لگیں۔

وہ گاڑی رکتے ہی تیزی سے اپنی کتابیں اٹھا کر گھر کے اندر چلی گئی تھی۔

وہ راستے میں خریدا گیا سامان گاڑی سے نکال کر بے حد تھکے ہوئے انداز میں اندر چلی آئیں۔

وہ باہر کہیں بھی نہیں تھی۔ گویا وہ اپنا کمرہ بند کر کے بیٹھ گئی ہوگی، ایک لمبی خفگی کا احساس انہیں تھکا گیا۔ وہ نڈھال

سونے پڑ گرگئیں۔

✠ ✠ ✠

''بہت لکی ہو تم ثانیہ!'' اس کے ساتھ چلتی رباب نے کہا۔

ثانیہ نے ایک خاموش اداس سی نظر اس پر ڈالی مگر بولی کچھ نہیں، ابھی کچھ دیر پہلے اس کے کندھے پر پڑے بیگ میں موجود اس شیلڈ کے بوجھ نے اس کے وجود کو ہی لطیف بنا رکھا تھا مگر اس لطیف پن کا احساس بھی کہیں گم ہو گیا تھا۔

''کاش ہوتی۔'' بہت دیر بعد ایک آہ سی بھر کر اس نے کہا۔

''ثانیہ!'' رباب اس کی بات پر حیران سی ہو کر بولی۔

''تمہیں کیا پتا خوش قسمتی کیا چیز ہے۔'' وہ اداس لہجے میں بولی۔

''کل تک تو تم اس خوش قسمتی کی تعریف کرتی تھیں، جو شخص دن رات حصول علم کے مقصد میں جتا ہے، اس سے بڑا خوش قسمت کوئی نہیں۔'' رباب کو طنزاً یاد کروانے کے لیے ایسے پچھلے حوالے بہت یاد رہتے تھے۔

''میں ابھی بھی اس پر قائم ہوں مگر......'' وہ چپ کر گئی۔

''مگر کیا؟'' رباب کی سب سے بری عادت کرید نے کی تھی۔

''میرا اس کالج میں یہ آخری سال ہے۔'' وہ بات بدل کر بولی۔

''وہ تو سب ہی کا ہے۔'' رباب نے کہا۔

''مگر میں تو اپنی زندگی کا کوئی بھی سال علم کا آخری سال نہیں بنانا چاہتی۔'' وہ افسردہ نظروں سے ساتھ چلتی رباب کو دیکھ کر بولی۔

''بھئی دو چار مہینے ہی گھر بیٹھنا پڑے گا پھر ماسٹرز میں ایڈمیشن لے لینا۔'' رباب بولی تو وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

''اف توبہ! پڑھنا، کتابوں میں سر دینا، دس دس گز لمبے سوالوں کو رٹنا پڑتا ہے میں تو بالشتوں کے حساب سے سوال کا جواب دیکھتی ہوں، اگر ایک بالشت سے بڑا ہو...... مائی گاڈ! خود کو رسیوں سے باندھ کر اس پڑھائی کے لیے بٹھانا پڑتا ہے تمہیں جانے کیا مزہ آتا ہے، ان خشک بے مزہ کتابوں میں۔'' اس موضوع پر رباب سب سے زیادہ بول سکتی تھی۔

ثانیہ ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''پتا ہے عروج کی انگیج منٹ ہونے والی ہے اگلے مہینے۔'' اس کے پاس اس نوع کی دلچسپ خبریں ہوتی تھیں اور ایسی خبریں سناتے ہوئے اس کے چہرے کا رنگ ہی اور ہوتا تھا۔

''اچھا! اس نے نہیں بتایا مجھے۔'' ثانیہ بولی۔

''وہ پرسوں جب تم سائیکالوجی کے ٹیسٹ کے لیے پاگل ہو رہی تھیں، اس بے چاری نے بتایا تو تھا۔''

''اچھا مجھے یاد نہیں رہا۔''

''تم دس دس صفحوں کے جواب یاد رکھتی ہو، دوستوں کی زندگی کی اہم ترین باتیں تمہیں بھول جاتی ہیں۔'' وہ پھر اپنے مخصوص لہجے پر اتر آئی۔ بعض لوگوں کو طنز کرنے میں کتنی مہارت ہوتی ہے۔

''تم چلو گی نا اس کی انگیج منٹ میں؟'' ذرا دیر بعد پھر بولی۔

''وہ انوائٹ کرے گی؟''

''ظاہر ہے اور ہم خود سے چل دیں گے، پتا ہے اس کا فیانسی اس کا ماموں کا بیٹا ہے اور اس کے پیچھے دیوانہ ہو رہا

ہے۔ معلوم نہیں بے چارے کو گریجویشن بھی مکمل کرنے دے یا نہیں۔'' رباب بتا رہی تھی اور وہ بالکل بے دھیان سی تھی۔

''تمہارا کیسا ارادہ ہے؟'' وہ اس کی چپ پر بولی۔

''ایک ارادہ؟'' ثانیہ کی سمجھ میں نہیں آئی۔

''منگنی وٹگنی کرانے کا۔'' وہ بے تکلفی سے بولی۔ اور ثانیہ تاسف سے سر پہ ہاتھ مار کر رہ گئی۔

''یہ کیا ارادہ کرنے سے ہوتی ہے۔'' وہ مذاقاً بولی۔

''لو تو اور کیا، تاڑو اپنے ارد گرد پسند کے بندے کو تھوڑی توجہ دو، ذرا سا دھیان، دیکھنا اس کا دل کیسے دھاگے سے بندھا تمہاری طرف کھنچا چلا آئے گا۔'' وہ اسے دل کھینچنے کے گر بتانے لگی۔

''فضول باتیں۔''

''تمہیں تو لگیں گی یہ تین تین من کی خشک کتابیں فضول نہیں لگتیں، زندگی کی رنگین حقیقتیں فضول لگتی ہیں۔'' رباب چڑ کر بولی۔

''مائی ڈیئر! حقیقت کبھی رنگین نہیں ہوتی وہ بھی زندگی کی۔'' وہ اس سے یاد دہانی والے انداز میں بولی۔

''بندہ کچھ دیر تو ان تلخیوں کو نظر انداز کر ہی سکتا ہے، جنہوں نے زندگی کو کڑوا کسیلا بنا رکھا ہے۔''

''نظر انداز کر دینے سے کیا وہ تلخ حقیقتیں سلیمانی ٹوپی پہن لیتی ہیں نہیں مائی ڈیئر! بالکل نہیں۔''

''وہ تمہارا کزن اب بھی آتا ہے تمہارے گھر۔'' اس سے پہلے کہ ثانیہ کے ڈپریشن کا غبار اسے بھی اپنے لپیٹ میں لیتا۔ بات بدل کر بولی۔

''کون سا کزن؟'' جب ثانیہ اس طرح بالکل انجان بن کر پوچھا کرتی تھی تو دونوں کہتیں۔ ''تمہارے اندر پروفیسروں والی پہلی پکی نشانی تو خوب قدم جما چکی ہے، تمہارے ماموں کا بیٹا روحیل!''

''پتا نہیں......شاید نہیں۔'' وہ کچھ سوچ کر بولی۔

''تم کیا گھر میں نہیں ہوتیں۔'' وہ پھر طنزاً بولی۔

''ہوتی ہوں مگر یہ ضروری باتیں مجھے یاد نہیں رہتیں، چلو تمہارا گھر تو آ گیا۔'' رباب کا گھر آ گیا تھا وہ خدا حافظ کہہ کر چلی گئی اور ثانیہ کو ابھی بہت چلنا تھا۔

✠ ✠ ✠

''ماما! یہ زونی کیوں آج کمرہ بند کیے بیٹھی ہے؟'' بلال کھانے کی میز پر آیا تو پوچھنے لگا۔

''چھوڑو بہت سنا چکی ہوں، اب تم نہ سنانے بیٹھ جانا۔'' وہ اکتا کر بولیں۔

''آخر ہوا کیا؟ کیا ناراض ہے؟''

''وہی اس بار بھی اس کی پوزیشن پانچ نمبر سے رہ گئی تو یہ برداشت نہیں ہو رہا، سمجھایا بھی ہے۔'' وہ کڑھ کر بولیں۔

''ماما! اس کی عادتیں تو بچوں جیسی ہیں، نہ آئی پوزیشن تو نہ سہی، اگلی بار کوششیں کر لے۔''

''یہی تو سمجھایا اور بھڑک اٹھی اچھا تم تو کھانا شروع کرو۔''

''آپ زونی کو تو بلائیں۔''

''دس بار بلا چکی ہوں۔ اب مجھ سے نہیں کہا جاتا۔ سارا دن کالج میں مغز پچی کر کے آؤ گھر میں اس کے ناز

غصے سے بولیں۔

''اچھا آپ رہنے دیں۔ میں دیکھتا ہوں۔'' وہ کہتا ہوا اٹھ کر چلا گیا انہوں نے اسے روکا نہیں کہ وہ زونیرا کے بغیر
ہی نہ کھاتا اور تھوڑی دیر میں اسے ساتھ لے کر چلا بھی آیا۔

وہ اس کے کندھے سے لگی، ماں پر ناراض سی نظر ڈال کر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔

انہوں نے اس سے کوئی بات نہیں کی خاموشی سے دونوں کی پلیٹوں میں کھانا نکال کر دیا اور تینوں کھانا
کھانے لگے۔

''ماما! آپ اسٹڈی میں نہ جایئے گا۔ مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ اٹھنے لگی تھیں جب بلال نے ان
سے کہا۔

انہوں نے ملازمہ کو وہیں اپنے لیے چائے لانے کو کہا اور لاؤنج میں آ بیٹھیں۔

''میں بھی چائے پیوں گا زونی تم؟'' بلال نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی اور جانے لگی۔

بلال نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا اور اپنے ساتھ لے آیا۔

''زونی ڈیئر! بڑی ہو جاؤ۔ اب بچوں کی طرح پوزیشن پر منہ بسورنا چھوڑ دو۔ یار اس اے پارٹ آف لائف
زندگی میں تو اس سے بڑی بڑی ناکامیاں ہوتی ہیں بی بریو سسٹر وہ اسے سمجھانے لگا۔

شاید وہ بحث کے موڈ میں نہیں تھی اس لیے چپ رہی، فضیلہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور پاس پڑا اخبار سرسری نظر
سے دیکھنے لگیں۔

''اچھا یار! اب موڈ تو اچھا کرلو۔ یہاں چند دنوں کا تو مہمان ہوں۔'' اس کی بات پر دونوں بری طرح سے چونکی
تھیں۔

''تمہارے پیپرز آ ئے۔'' فضیلہ نے بے اختیار پوچھا۔

''پیپرز بھی آ گئے اور انہوں نے چار ماہ کے اندر جانے کا بھی کہا ہے اور فور منتھ کے لاسٹ ویک پہ تو ظاہر ہے
جوائننگ کرنی ہی ہے۔'' وہ پُر جوش لہجے میں بتانے لگا۔

فضیلہ مبشر گہری سوچ میں گم ہوگئیں۔

''ماما! آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟'' بلال بولا۔

''نہیں...... ہوئی تو۔'' وہ سوچ کر بولیں۔

''خوشی کی خبر ہے مگر بلال بیٹا! میری خواہش کا علم ہے نا تمہیں۔'' وہ سنبھل کر بولیں۔

''کون سی خواہش...... اچھا وہ...... جانے دیں ماما!'' وہ یاد آنے پر خود ہی بولا۔

''بالکل نہیں۔ وہ لازمی شرط ہے اس کے بغیر نہیں۔''

''ماما کیا ہو گیا ہے۔ کیوں اتنی تنگ نظر ہو رہی ہیں۔ سمجھاؤ زونی! ماما کو ان کا بیٹا دو سالوں کے لیے جا رہا ہے عمر بھر
کے لیے نہیں۔''

وہ زونی کو شامل بحث کرنے کو بولا۔

''خدا نہ کرے تم عمر بھر کے لیے جاؤ۔'' وہ فوراً بولیں۔

''یعنی ہمارے پاس چار ماہ ہیں۔'' وہ حساب لگانے والے انداز میں کہنے لگیں۔

''ماما! تین ماہ، چوتھے ماہ تو مجھے چلے جانا ہے۔'' وہ تصحیح کرتے ہوئے بولا۔
''چوتھے مہینے کے آخری ہفتے ......اب تم جلدی سے بتاؤ تمہاری کوئی پسند ہے۔''
''کپڑوں جوتوں پرفیوم یا کھانے کے متعلق۔'' وہ تیزی سے بولا۔
''بلال!'' وہ انگلی اٹھا کر بولیں۔
''ماما! کیا ہے یہ کوئی کھانے پینے یا ڈریسنگ کا معاملہ تو ہے نہیں کہ میں جھٹ پٹ بتادوں، پھر یوں بھی ابھی میں اس جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتا میرے پاس ابھی جاب نہیں محض اسکالرشپ پر دو سال ......''
''تم ان باتوں کو چھوڑ دو۔ صرف میرے سوال کا جواب دو، تمہیں کوئی پسند ہے؟'' وہ قطعی لہجے میں بولیں۔
''نہیں۔'' بے زاری سے بولا۔
''ایک بار پھر سوچ لو پھر نہ کہنا۔ ماما نے پوچھا نہیں۔''
''اوہو! بتا تو چکا ہوں۔ کوئی نہیں ہوتی بھی تو سب سے پہلے آپ ہی کو بتا تا میں۔''
''یہ تو بہت مشکل معاملہ ہو گیا پھر زونی!'' انہوں نے زونیرا کا موڈ بحال کرنے کو کہا۔
بلال کی شادی اس کا بھی پسندیدہ موضوع تھا۔
''آپ کے لیے مشکل ہے ماما! گرلز کالج میں وائس پرنسپل ہیں۔ آپ جدھر نظر دوڑائیں گی، لڑکیاں ہی لڑکیاں۔'' بلال شرارت سے بولا۔
''ہش! میں کوئی وہاں بچیوں کو اس نظر سے دیکھتی ہوں وہ تو سب۔'' وہ سر ہلا کر بولیں۔
''تو کیا بہو پسند کرنے کے لیے کوئی خاص نظر ہوتی ہے۔''
''ہوتی ہے نا کیوں زونی؟''
''جی ماما! بالکل ٹھیک اور یہ بھائی گھنے بن رہے ہیں، یہ ہو سکتا ہے۔ چار سال سے کوایجوکیشن میں پڑھ رہے ہوں انہیں کوئی لڑکی پسند نہ آئی ہو۔'' زونیرا بالآخر ناراضی بھول کر اپنی پسندیدہ بحث میں خود ہی آ گئی۔
''زونی کی بچی! میں وہاں پڑھنے جاتا تھا یا لڑکیاں پسند کرنے، ایسی چیپ سوچ نہیں ہے میری۔''
''ماشاءاللہ کیا لڑکی پسند کرنا چیپ سوچ ہے، دیکھتی ہوں کوئی پسند آتی ہے تو یہ چیپ سوچ کیسے پاکیزہ خیالات میں بدلتی ہے۔'' وہ چھیڑنے کو بولی۔
بلال نے کشن اٹھا کر اسے مارا۔
''اچھا چلو ٹھیک ہے کل مجھے مس فوزیہ نے کہا تھا ان کے گھر کے پاس بہت اچھی فیملی ہے۔ پڑھی لکھی ویل اسٹیبلش اور بچیاں بہت سلجھی ہوئی ہیں ان کی اور تم کل جلدی آ جانا اور میرے ساتھ ہی چلنا۔'' وہ لمحہ بھر میں پروگرام بنا بیٹھیں۔
''میں؟'' بلال اچنبھے سے بولا۔
''ہاں! تم مجھے توی امید ہے ہمیں ادھر کوئی نہ کوئی بچی پسند آ جائے گی۔ تم ساتھ ہو گے تو بار بار کی زحمت سے بچ جائیں گے،، یوں بھی بیٹا! مجھے اس مقصد کے لیے لوگوں کے گھروں میں جانا، بچیوں کو اس نظر سے دیکھنا ناپسند کرنا سخت برا لگتا ہے۔ ایک تو میں خود بیٹی والی ہوں، دوسرے میں بچیوں کی استاد بھی ہوں ان کے نازک احساسات اور ego سے واقف ہوں میری وجہ سے کوئی ہرٹ ہو یا اس کا دل برا ہو، مجھے اچھا نہیں لگے گا چونکہ لڑکی تمہارے لیے پسند کرنا ہے تو بہتر ہے تم بھی ساتھ چلو، تمہیں جو بھی پسند آ جائے گی میری طرف سے تو اوکے ہو جائے گا۔'' وہ متانت سے بولیں تو بلال ہنس پڑا۔

''ماما! اتنی جلدی فیصلے نہ کریں اور یہ بات بظاہر بہت بے ضرر سی لگتی ہے کہ آپ میری پسند کو آنکھ بند کر کے او کے کر دیں گی، جب اس پر عمل کرنے کا وقت آیا بہت مشکل نہ ہو جائے۔''

''اللہ نہ کرے ایسی باتیں کیوں سوچتے ہو۔'' وہ فوراً بولیں۔

''ماما! میں بھی چلوں گی۔'' زونیرا فوراً بولی۔

''نہیں بالکل نہیں اگر بلال کو لڑکی پسند آ گئی تو تم بعد میں جا کر ہو آنا، ورنہ صرف میری اور تمہاری سپند کوئی معنی نہیں رکھتی اور ویسے ہجوم کا جانا تو مجھے پسند نہیں، اگلوں پر بوجھ پڑے۔'' وہ فیصلہ کن لہجے میں بولیں۔

''ایک میرے جانے سے ان پر بھلا کیا بوجھ پڑے گا۔ مجھے کون سا ان کے گھر جا کر کچھ کھانا پینا ہے۔'' وہ منہ بسور کر بولی۔

''لے جائیں ماما! اس بہانے ثواب کما لیں گی۔'' بلال بولا۔

''ثواب کیسا؟'' وہ حیرانی سے بولیں۔

''یہ بے چاری روزہ جو رکھے گی اس بہانے۔'' بلال چھیڑتے ہوئے بولا تو زونیرا نے وہی کشن اسے اٹھا کر مارا۔

''اچھا بس اب چل کر پڑھو۔ مجھے بھی کچھ لیکچر تیار کرنے ہیں کل تو خیر چھٹی ہے، پھر بھی بلال تم یاد رکھنا کہیں شام میں اپنے دوستوں کی طرف نکل جاؤ۔ میں نے مس فوزیہ کو ٹائم دے رکھا ہے۔'' انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ بلال نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر چپ کر گیا۔

اسے پتا تھا لڑکی تو پسند آنی نہیں بحث کا کچھ فائدہ نہیں۔ ''بس کسی طرح ان تین مہینوں میں ماما کو کوئی لڑکی پسند نہ آئے اور اس کی جان بخشی جائے۔'' وہ دل میں یہی دعا مانگتا اٹھ کھڑا ہوا۔

اور اسے پتا بھی نہیں چلا کہ اس کی دعا قبول ہو گئی ہے مگر ایک بالکل مختلف انداز میں۔

✠ ✠ ✠
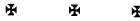
وہ سر پر خالی پرات لیے بہت خوش خوش گھر جا رہا تھا اس کے سارے چنے بک گئے تھے اور جیب میں موجود ڈیڑھ سو روپے اسے سرشار کر رہے تھے۔

''سو تو اس منحوس کریانے والے کے منہ پر ماروں گا اور پچاس...... پچاس کا بھلا کیا کرے گا؟'' یہ سوچ کر ہی وہ افسردہ ہو گیا۔

ظاہر ہے رات کے کھانے کے لیے بھی کچھ چاہیے تھا پھر کل کے چنوں کے لیے پیسے اور......''اتنے دن بھی تو وہ آ کر بکواس کرتا رہا ہے آج بھی سہی، اس کے منہ پہ پچاس روپے ماروں گا اور سو روپے......''

وہ سو روپے کا مصرف سوچنے لگا۔ وہ یہی سوچ رہا تھا اور چلتا جا رہا تھا۔

کمر سے لگائی خالی مٹی کی پرات اور جیب میں پڑے ڈیڑھ سو روپے اور ان ڈیڑھ سو روپے کو بالکل صحیح ٹھکانے لگانے کی سوچ اسے پتا بھی نہیں چلا کہ پیچھے سے آنے والی گاڑی کب اس کے سر پر آ پہنچی۔

اس کے تیز ہارن پر عمیر کے اوسان ایک دم سے خطا ہو گئے۔

خود تو وہ بطخ کی طرح اچھل کر ایک طرف ہو گیا مگر اس کے ہاتھ میں پکڑی مٹی کی پرات اچانک پھسلی اور سڑک پر گر کر کئی ٹکڑوں میں بٹ گئی۔

ایک دم جیسے کسی نے اسے پتھر کھینچ مارا۔

اس کی زبان سے دو موٹی موٹی گالیاں گاڑی والے کے لیے نکلیں اور گاڑی پر نظر پڑتے ہی زبان گنگ سی ہو گئی۔
وہ اسد کی گاڑی تھی۔
''یار! کن خیالوں میں گم جا رہے تھے ڈرائیور نے تین بار ہارن بجایا تم نے سنا ہی نہیں، کس خزانے کو پانے کا سوچ رہے تھے، جس کا نقشہ تمہاری جیب میں ہے۔'' وہ کمینی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔
عمیر کا بے ساختہ ہاتھ اپنی جیب کی طرف چلا گیا، جہاں اس کی دن بھر کی محنت کی کمائی اس کا خزانہ موجود تھا۔
''یہ پرات آج کیا بیچ کر آ رہے تھے؟'' وہ پھر مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔
عمیر غصیلی نظر سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔
''کتنے کی تھی دس کی یا بیس کی یہ لو۔'' وہ جیب سے بیس روپے نکال کر اسے دینے لگا۔
''تم اپنے پیسے پاس رکھو اور سڑک پر گاڑی دھیان سے چلایا کرو۔ ان سڑکوں پر دوسروں کا بھی حق ہے۔'' وہ غصے سے بولا۔
''چہ چہ...... تم جیسے بے چاروں میں غصہ بہت ہوتا ہے اب میں نے تمہیں جان کر ٹکر تو نہیں ماری اگر ماری بھی ہوتی تو سوچو اس پرات کی جگہ تم...... ظاہر ہے ان سڑکوں پر تمہارا بھی تو حق ہے نا!'' وہ تمسخر اڑاتے لہجے میں بکواس کر رہا تھا۔
عمیر کے جسم میں چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔
''ویسے تم اتنا اکڑتے کیوں ہو...... تم ہو کیا اپنی اوقات دیکھی ہے کبھی بہت زعم تھا نا تمہیں، اچھی پوزیشن لینے کا اب دیکھو'' وہ پھر سے اسی انداز میں بولا۔
عمیر چند لمحے اسے دیکھتا رہا اپنے غصے پر قابو پاتا رہا اور پھر دوسرے لمحے وہاں سے دوڑتا چلا گیا۔
پیچھے سے وہ زور زور سے گاڑی کا ہارن بجاتا چلا گیا۔
عمیر کے کانوں میں دور تک وہ مکروہ مذاق اڑاتی آواز پڑتی رہی اور اس کے اشتعال کو بڑھاتی رہی، اسے اس بات کا بھی غصہ تھا کہ ان ڈیڑھ سو روپے کے مصرف میں اب پرات کا خرچ بھی شامل ہو گیا تھا، اس پرات میں تو ماں کو شام کا آٹا گوندھنا ہوگا اور صبح اس نے جو کہا تھا خدا نے اسے پورا کیا۔
''کیوں خدا ہم غریبوں کی منہ سے نکلی ہر بری بات کو پورا کرتا ہے اور اچھی بات...... اچھی بات اچھی دعا کو یوں نظر انداز کرتا ہے، جیسے سنا ہی نہیں۔'' وہ رات بھر آنکھیں ملتا جلتا کڑھتا یہی کچھ سوچتا گھر کی طرف چلا جا رہا تھا۔
اسد کی مذاق اڑاتی نظریں بار بار اس کے وجود کو چھید رہی تھیں اور وہ بار بار اپنا دھیان ان ڈیڑھ سو روپے کی طرف لگا رہا تھا، دن بھر کی مشقت کے بعد حاصل کی گئی اکلوتی خوشی کی طرف۔

✠ ✠ ✠

''ماما! پلیز مجھے نہیں جانا۔'' بلال ان کے بار بار اصرار پر زچ ہو کر بولا۔
''بلال کیوں بچوں کی طرح ضد کیے جا رہے ہو مس فوزیہ کے دو فون آ چکے ہیں، اور اسے بھی پتا ہے میں وقت کی کتنی پابند ہوں اور تم...... بس جلدی کرو۔'' وہ اس کے سر پر کھڑی کہہ رہی تھیں۔
''مجھے بہت عجیب لگ رہا ہے یہ سب اور خدا کے لیے میں آپ کو کتنی بار بتاؤں، مجھے ابھی شادی نہیں کرنی کم از کم دو سال نہیں، پلیز ماما ٹرائی ٹو انڈرسٹینڈ۔'' وہ کوفت بھرے لہجے میں بولا۔
''کیوں اتنا بے اعتبار ہو رہی ہیں آپ۔''

''ہوں تا بے اعتبار......'' وہ ملول انداز میں بولیں۔
''تم ہی مجھے نہیں سمجھو گے تو کون سمجھے گا۔'' وہ دکھ سے بولیں۔
''ماما مجھ سے حلف لے لیں، میں جس طرح جاؤں گا دو سال بعد اسی طرح لوٹ آؤں گا، پھر جو کہیں گی وہ کروں گا پلیز ابھی مجھے مجبور نہ کریں۔'' وہ منت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔
''اچھا چلو ابھی تو چلو میں مس فوزیہ سے وعدہ کر چکی ہوں اس کے بعد تم بے شک نہ چلنا پلیز! ابھی ماں کی تھوڑی منت رکھ لو۔''
انہوں نے کچھ اس انداز سے کہا کہ وہ مزید بحث نہیں کر سکا۔
''او۔کے...... میں تیار ہوتا ہوں مگر یہ آخری بار ہے۔ اس کے بعد نہیں۔'' وہ وارننگ دینے والے انداز میں بولا۔
''او کے۔ تم آؤ تو سہی بس دس منٹ میں میں باہر انتظار کر رہی ہوں۔'' وہ کہہ کر باہر نکل آئیں۔
''میں کیوں اتنی بے اعتبار ہو رہی ہوں؟'' وہ باہر نکل کر برآمدے کے ستون کے ساتھ لگ کر سوچنے لگیں، جبکہ وہ اس موضوع پر سوچنا نہیں چاہتی تھیں۔
''یہ کاس بیل کتنی بڑی ہو گئی ہے۔ کتنی پھیل گئی ہے اور لان کی گھاس...... یہ مالی کمبخت کرتا کیا رہتا ہے۔'' وہ اپنے خیالات کو بھٹکانے لگیں۔
اور کامیاب بھی ہو گئیں۔

✠ ✠ ✠

اس کے آگے کتابیں کھلی پڑی تھیں اور اس کا دھیان کہیں اور تھا۔
''یہ سب کچھ اب چند دنوں کی تو بات ہے اگلے ماہ انہیں فائنل ایگزام کے لیے فری کر دیا جانا تھا، اس کے بعد امتحان اور پھر......'' اس پھر کے آگے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا اتر آتا۔
''میں ہار جاؤں گی۔'' آنے والے دنوں میں اپنے شکست خوردہ وجود کا احساس اسے ابھی سے تھکانے لگا تھا۔
''مگر مجھے ہارنا نہیں چاہیے۔ میڈم فضیلہ مبشر جو کہانی ان سے متعلق مشہور ہے انہوں نے ہار نہیں مانی اور میں جو انہیں اپنا آئیڈیل مانتی ہوں کیا مجھے ہار مان لینا چاہیے؟ نہیں۔''
یہی ایک پر عزم سوچ تھی جو اسے کچھ دیر کے لیے کمپوز تو کرتی تھی مگر تادیر نہیں۔
جوں جوں امتحان کے دن قریب آتے جا رہے تھے، یہ خیالات اسے جکڑتے جا رہے تھے۔
''اس طرح تو میں ٹھیک سے امتحان بھی نہیں دے پاؤں گی اور میری پوزیشن...... ابھی جس کام میں چار ساڑھے چار ماہ موجود ہیں۔ میں اس کے بارے میں سوچ سوچ کر کیوں ہلکان ہو رہی ہوں۔'' اس نے کتاب کھول کر اپنے آگے کی۔
اسی وقت باہر سے دروازہ کھولنے اور کسی کے بولنے کی آواز آئی۔
لو بھر کو ثانیہ کی حسیات منجمد سی ہو کر رہ گئیں۔
''یہ یہاں کیوں آتا ہے کیوں؟'' آخری سوچ جو اس کے دماغ میں آئی۔
''کاش! میں اس کو منع کر سکتی...... یہ اف ابھی......'' وہ کچھ بھی ربط سے سوچ نہیں پا رہی تھی۔ ''ابھی مجھے پڑھنا بھی ہے اور یہ آ کر سر پر سوار ہو جائے گا۔ خوامخواہ...... یہ رباب کی زبان کیسی منحوس ہے آج ہی اسے یاد کیا اور آ گیا یہ شیطان

کی طرح۔'' وہ کڑھنے لگی۔
''تم اسے اندر نہ آنے دینا بہانہ کر دینا پڑھائی کا۔'' دماغ نے راہ سجھائی۔
اور دل؟ دل کا کوئی کیا کرے۔
اس نے کتاب رکھی اور یونہی اٹھ کر باہر آ گئی۔

✠ ✠ ✠

وہ بار بار بلال کے چہرے کی طرف دیکھتی جاتی تھی۔
اس کے دل کا حال انہیں اس کے چہرے پر صاف لکھا نظر آ رہا تھا، اس سارے دورانیے میں وہ بے حد بے زار کوفت زدہ سا بیٹھا رہا تھا۔
اور دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں اور پچھتا رہی تھیں، انہیں بلال کو اپنے ساتھ لانا ہی نہیں چاہیے تھا، پہلے خود سے ایک چکر لگا لینا چاہیے تھا۔
جس خیال سے انہوں نے زونیرا کو روکا تھا اور بلال کو ساتھ لائی تھیں وہاں اس سوچ کا شائبہ بھی نہیں تھا۔
ہر طرف نمائش اور نمود ہی تو تھی۔
اس میں کچھ شک نہیں تھا، تینوں لڑکیاں اچھی شکل وصورت کی تھیں اور انہیں اس بات کا خوب اچھی طرح علم بھی تھا اور یہی علم ان کی خرابی بن گیا تھا۔
تینوں شاید پارلر سے تیار ہو کر آئی تھیں۔
اگرچہ ان کے لباس ان کے میک اپ ان کی جیولری بناؤ سنگھار میں کچھ بھی چھچھورپن نہیں تھا۔
مگر کچھ ایسا ضرور تھا جو چھلکا جا رہا تھا۔
تینوں کے لباس مختصر سلیولیس بازو کے ساتھ جدید فیشن اور تراش خراش کے مطابق سلے ہوئے تھے اور ان کے جسموں پر خوب فٹ بھی تھے۔
پھر تینوں کی قابلیت ان کے منہ سے نکلتے انگریزی کے متواتر جملے ان کو کہیں سے بھی کم تعلیم یافتہ نہیں بتا رہے تھے مگر پھر بھی کچھ ایسا تھا جو وہ استاد ہو کر جانچ چکی تھیں۔
شاید ان کے اندر علم کا بوٹا لگا ہی نہیں تھا لگا بھی تھا تو جڑ نہیں پکڑ سکا تھا، بس اکڑی اکڑی شاخیں تھیں، جو غیر متوازن سوچ کا آئینہ تھیں۔
''آنٹی! آپ یہ لیں ناپزا میں نے، میں نے خود بیک کیا ہے۔''
وہ سب خوش رنگوں میں ملبوس تھیں خوشبو لٹاتی ان کے پہلو سے ہی تو لگی بیٹھی تھیں، ان کے آگے پلیٹ بڑھا کر بولی اور ابھی انہوں نے کچھ جواب بھی نہیں دیا تھا کہ اس نے وہی پلیٹ بے تکلفی سے بلال کے آگے کر دی۔
''آپ تو لیں نا! اسپینش پزا کے تو ہم سب دیوانے ہیں آپ کو بھی پسند ہوگا۔''
''نو تھینکس۔'' بلال کے سرد تاثرات بہت کچھ کہہ رہے تھے مگر شاید ان تینوں نے نہ سمجھنے کا عزم کر رکھا تھا۔
اور یہ سب کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا۔
تینوں کی عمروں میں کچھ خاص فرق نہیں تھا۔ بڑی گریجویشن کر چکی تھی۔ دوسری نے اسی سال امتحان دیا تھا اور تیسری دے دینا تھا گویا سال سال بھر کا فرق تھا۔

تینوں باشعور تھیں اور اپنی خوب صورتی سے آگاہ بھی اور آج کل جس طرح کے رجحانات تھے، ان کے مطابق منو... بھی نہیں تھ مگر فضیلہ مبشر کے دماغ میں تو بردکھووے کے لیے آکر بیٹھنے والی ان ہی لڑکیوں کا تصور تھا جو سامنے بھی ... تی تھیں، آبھی جاتی تھیں تو چھپ چھپ جاتی تھیں، جبکہ یہ تو...... انہوں نے پھر سے بلال کی طرف دیکھا جو پوری ... ح سے بے زار تھا، اس نے کچھ بھی ڈھنگ سے نہیں لیا تھا۔ ان کے سامنے جہازی سائز میز ایک سرے سے دوسرے ... ے تک بھری ہوئی تھی، اس نے فقط چائے کا کپ لیا تھا۔

انہوں نے مس فوزیہ کو اجازت لینے کا اشارہ کیا۔

تینوں لڑکیوں کی ماں، بیٹیوں کی ہی ہم عمر لگ رہی تھی میک اپ اور ڈریسنگ کے لحاظ سے بیٹیوں کی طرح ... ریزی بولتی وہ ان پر اپنی علمیت کی دھاک بٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

تھوڑی دیر میں وہ اجازت لے کر باہر نکل آئے۔

''پھر میڈم! آپ کو کون سی پسند آئی؟'' مس فوزیہ تھوڑی سی بے خبر بھی تھیں۔ فضیلہ نے بلال کی طرف دیکھا اس نے منہ پھیر لیا۔

وہ دونوں کی طرف دیکھ کر چپ سی کر گئیں۔

''میں ان شاء اللہ آپ کو دو ایک روز میں بتا دوں گی۔'' وہ الوداعی کلمات کہہ کر باہر نکل آئیں، بلال گاڑی میں بیٹھا تھا۔

''بیگم صاحبہ! مجھے بھی اجازت دیں میرے گھر سے فون آیا ہے بیٹی کا میرے شوہر کی طبیعت اچھی نہیں اور ہمارے گھر کے روٹ کی تو وین بھی شام کو چھ بجے آتی ہے پھر آٹھ بجے...... بہت مشکل ہوگی مجھے۔'' مس فوزیہ کے گھر کام کرنے والی خدیجہ براؤن صاف ستھری چادر اوڑھے اس سے اجازت طلب کر رہی تھی۔ ''ابھی تو شام کے برتن رہتے ہیں تم......'' وہ متذبذب سی تھیں۔

''بیگم صاحبہ! صبح جلدی آجاؤں گی ابھی جانے دیں مجھے، اندھیرے میں اسٹاپ تک پیدل چلنا پڑے گا۔'' وہ لجاجت سے بولی تو مس فوزیہ نے مجبوراً اجازت دی تو وہ ان کے ساتھ ہی باہر نکل آئی۔

''آجائیں آپ کو ہم ڈراپ کر دیں گے۔'' فضیلہ کا نرم دل پسیجا تھا اسے اندھیرے میں اکیلے جاتے دیکھ کر۔

''جی!'' وہ بری طرح سے چونکی۔

''ہاں کدھر جانا ہے آپ کو؟'' اس نے پتا بتایا۔

''بھئی یہ تو ہمارے رستے میں آتا ہے آجائیں آپ۔'' انہوں نے پچھلا دروازہ کھول دیا اور وہ جھجکتی...... ہوئی بیٹھ گئی۔

رستہ بھر مکمل خاموشی رہی۔

''آپ مجھے گلی سے باہر ہی اتار دیں۔'' وہ مطلوبہ سڑک پر آ کر بولی۔

''اس گلی سے ہمارا شارٹ کٹ ہے۔ ہم آگے ڈراپ کر دیتے ہیں۔'' بلال نے گاڑی اس نیم پختہ گلی میں ڈال دی، جس کے اطراف کچے پکے گھر بنے تھے۔

''بہت شکریہ جی، بہت مہربانی! میں نے تو ابھی اسٹاپ تک بھی نہیں پہنچنا تھا۔'' وہ اتر کر مشکور لہجے میں بولی تو فضیلہ مبشر مسکرا دیں۔

وہ عورت کھلے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''چلو۔'' انہوں نے جلدی سے کہا اور اس کی طرف دیکھا۔ گاڑی عین اس کے دروازے کے آگے کھڑی تھی اور کھلے دروازے کے اندر سے جھانکتا چہرہ...... انہوں نے بلال کی نظروں کا تعاقب کیا اور ان کی نظریں جیسے ساکت ہو کر رہ گئیں۔

☆

ان کے لیے یہ منظر بہت حیران کن اور ناقابل یقین سا تھا۔
دروازے میں ثانیہ فیاض کھڑی تھی ان کے کالج کی ہونہار، ذہین ترین طالبہ انہیں آئیڈیلائز کرنے والی اور ان کی بھی پسندیدہ!
ثانیہ بھی انہیں دیکھ چکی تھی، جوش اور بے یقینی اس کے چہرے سے بھی ظاہر تھی۔ وہ دو قدم آگے بڑھ آئی تھی مگر ایک ہاتھ ابھی بھی دروازے کی چوکھٹ پر تھا شاید اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے۔
وہ گاڑی سے نیچے اتر آئیں تو ثانیہ کا چہرہ اور بھی کھل گیا۔
''آئیں میڈم! آئیں پلیز۔'' سلام کے بعد وہ کپکپاتی آواز میں بولی تھی پھر خیال آنے پر ماں کی طرف دیکھ کر بولی۔
''امی! یہ ہماری کالج کی پرنسپل ہیں آپ...... میں نے بتایا تھا نا جو......'' بے ربطی سے بولتی وہ خود ہی رک گئی۔
''میں ضرور بیٹھتی ثانیہ مگر اب دیر ہو گئی ہے پھر کبھی۔'' انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
''پلیز میڈم! صرف پانچ منٹ...... دو منٹ کے لیے...... مجھے خوشی ہو گی۔''
''جی بیگم صاحب! آپ آئیں گی تو ہمیں بہت خوشی ہو گی۔'' خدیجہ نے بھی آگے بڑھ کر ممنون سے لہجے میں کہا تو وہ متذبذب سی ہو کر بلال کو دیکھنے لگیں، جو گاڑی سے باہر آچکا تھا۔
اندر سے گھر کا نقشہ بالکل ویسا ہی تھا جیسے ان کا خیال تھا، بے حد خستہ پسماندہ اور بے بسی کی تصویر...... چار قدموں کا صحن اور اس کے آگے چھوٹا سا برآمدہ جہاں اس دور میں بھی مٹی کا چولہا جل رہا تھا۔ اندر دونوں کمرے نیم تاریک تھے۔ ایک کمرے میں لالٹین جل رہی تھی۔
اور سامنے لکڑی کی میز پر سلیقے سے سجی کتابوں کے ساتھ ثانیہ کو ملنے والے کپ اور شیلڈز بھی عجیب ہی منظر بنا رہی تھیں۔
''لائٹ گئی ہوئی ہے شاید......'' اس نیم تاریک منظر سے گھبرا کر انہوں نے کہا۔
''نہیں وہ...... آپ بیٹھیں نا پلیز۔'' ثانیہ افسردگی سے کچھ اور بتاتے بتاتے کچھ اور کہہ گئی۔
''نہیں بیٹا! چائے نہیں پیوں گی میں، تم بے شک اپنی امی سے پوچھ لو۔ ہم کس قدر فل ہو کر آئے ہیں۔ تم سے مل لیا۔ بے حد خوش ہوئی اور میرا فخر اور بھی دو چند ہو گیا کہ اتنی ناکافی سہولتوں کے بیچ جس شاندار طریقے سے تم اپنا تعلیمی سفر جاری رکھے ہوئے ہو، میرا سر فخر سے اور بلند ہو گیا ہے۔'' کہتے ہوئے وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔
''میڈم کچھ دیر تو بیٹھیں۔'' وہ ملتجی لہجے میں بولی۔
''نہیں بیٹا! پھر سہی......'' جاتے ہوئے رک کر اسے دیکھنے لگیں۔

''ثانیہ فیاض! آج مجھ سے ایک وعدہ کرو۔'' لالٹین کی زرد روشنی میں ان کا دراز قامت سایہ ثانیہ کے سائے پر غالب آ گیا تھا۔

کمرے میں لالٹین میں جلنے والے مٹی کے تیل کی بُو سارے کمرے میں پھیلی دماغ کو بوجھل سا کر رہی تھی۔

''حالات چاہے کتنے ہی کٹھن اور نامساعد ہوں تم اپنے اس سفر کو جاری رکھو گی۔ کبھی دل برداشتہ ہو گی نہ ہمت ہارو گی۔ اگر تم ایسے حالات میں ڈٹی ہوئی ہو تو پھر قسمت ضرور تمہیں کسی اس سے بھی کڑے امتحان میں ڈالے گی۔ تم وعدہ کرو، تم پیچھے نہیں ہٹو گی۔'' اس کی استاد قابل احترام، قابل تقلید ہستی اس سے کتنی بڑی بڑی توقعات وابستہ کیے ہوئے تھی اس خیال نے ہی ثانیہ کو بونے پن سے نکال کر ایک دم سے دراز قامت کر دیا تھا۔ اس کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔

''وعدہ میڈم! اپنی پوری کوشش، پوری ہمت کے ساتھ حالات اور حصول علم کی یہ جنگ جیتنے کی کوشش کروں گی۔'' اس نے لرزتی آواز میں کہا تھا، وہ کتنی دیر اس کی طرف دیکھتی رہیں۔

''میں ہمیشہ تمہارے لیے دعا گو رہوں گی۔ اپنا خیال رکھنا۔ اللہ حافظ۔'' کہہ کر وہ فوراً ہی باہر آ گئیں۔

اندر کے گھٹے ہوئے ماحول کے مقابلے میں باہر کی فضا بہت تازہ تھی مگر اس کے باوجود انہیں لگا۔ ان کے دھیان کا ایک بڑا حصہ اس زرد روشنی اور مٹی کے تیل کی بساند لیے کمرے میں ہی رہ گیا ہے۔

ان کی نظروں کے سامنے برسوں پہلے کے مناظر تصاویر کی طرح گزر رہے تھے۔

وہ ماضی، جسے وہ برسوں سے بھول چکی تھیں۔ آج جیسے ایک ہی جست میں ساری بے خیالی کی سیڑھیاں پھلانگ گیا تھا۔

وہ خود بھی تو ایسے ہی ماحول کی پروردہ تھیں۔

ان کے گھر میں بھی کب برقی روشنی تھی۔ اسی طرح لیمپ یا دیے کی روشنی میں، وہ رات بھر پڑھا کرتیں اور ان کے اسکول، اسٹرا باان کے شوق اور ان کو اور بھی مہمیز کیا کرتے۔

کبھی لہو کو گرما دینے والے اشعار پڑھ کر کبھی مشہور عالم لوگوں کے قصے اور جنون کی کہانیاں سنا کر انہیں چھوٹے سے یکدم بڑا کر دیا کرتے۔ وہ اسی جنون اسی لگن میں اس سفر میں آگے بڑھتی چلی گئیں۔

ان کے اس جنون کو دیکھتے ہوئے قسمت نے بھی اپنی پوٹلی میں سے ایک کے بعد ایک امتحان نکالا تھا۔ کبھی بھی کچھ بھی انہیں سیدھا اور باسہولت نہیں ملا تھا مگر مسلسل کوشش، مسلسل محنت اور ہمت نہ ہارنے والا سبق ایسا گھٹی میں پڑا تھا کہ انہوں نے ان آزمائشوں کے آگے سینہ تانے ہی رکھا۔

ور آج اس خام دھات سے وہ کندن بنی بیٹھی تھیں کہ لوگ ان کی مثالیں دیا کرتے تھے۔

راستہ بھر کتنی بار انہوں نے چپکے چپکے نم آنکھوں کے گوشے صاف کیے اور غور ہی نہ کیا کہ بلال اس قدر چپ کیوں ہے۔

✠ ✠ ✠

''تمہیں نہیں پتا یہ میرے لیے کتنے بڑے اعزاز کی بات ہے۔ میڈم فضیلہ مبشر کا ہمارے گھر آنا۔ او مائی گاڈ! مجھے تو ابھی تک یقین ہی نہیں آ رہا۔ وہ واقعی ہمارے گھر آئی تھیں۔''

وہ پرجوش انداز میں کہتے ہوئے آنکھیں بند کر کے بولی تو عمیر نے آہستگی سے اٹھ کر اس کے بازو پر زور سے چٹکی کاٹ لی۔ وہ بلبلا کر پیچھے ہٹی تو وہ منہ پھاڑ کر ہنسنے لگا۔

''اب آیا یقین؟'' وہ اسے گھورتے دیکھ کر ہنسے جا رہا تھا۔

''بہت بے ہودہ ہو تم اسی لیے۔'' وہ کہتے کہتے ایک دم رک گئی۔

''اسی لیے کیا؟ بولو آگے...... کیا اسی لیے۔'' وہ یکدم آستین چڑھا کر دو بدو انداز میں بولا۔

''امی! دیکھیں اس کو، بدتمیزی کر رہا ہے۔'' اس نے وہیں بیٹھے آواز لگائی۔

''عمیر! جا کر ان دونوں چھوٹوں کا پتا کرو۔ اتنی شام ہو گئی کدھر آوارہ گردی کر رہے ہیں۔'' خدیجہ نے باہر سے [illegible] لگائی۔

''کیوں بھیجتی ہیں آپ انہیں۔ اس نکمے کی طرح پڑھائی سے بھاگ رہے ہیں دونوں، عانیہ تو کتابوں کو ہاتھ بھی لگاتی اور زبیر۔''

وہ اٹھ کر باہر آ گئی جہاں خدیجہ گیلی لکڑیاں سلگاتے ہوئے خوب دھواں کیے بیٹھی تھیں۔

''میں بھیجتی ہوں انہیں باہر؟ سارا دن تو لوگوں کے گھر دھکے کھاتی ہوں۔ تم ہوتی ہو گھر میں، دیکھ نہیں سکتیں ان دونوں کو۔'' خدیجہ پہلے ہی گیلے دھوئیں سے چڑی بیٹھی تھیں۔ آنکھیں رگڑ کر غصے سے بولیں۔

''ہاں تو مجھے پڑھنا ہوتا ہے۔ اگر میں ان دونوں کے پیچھے بھاگتی رہوں تو پڑھ چکی۔'' وہ فوراً رکھائی و بے لحاظی سے بولی۔ پڑھائی کے معاملے میں وہ کسی سمجھوتے پر تیار نہیں ہوتی تھی۔

''ہاں امی! اس بقراطن عرف سقراطن کو پڑھائی سے دور رہنے والا کوئی مشورہ نہ دیں کاٹ کھائے گی یہ سب کو۔'' عمیر بھی اندر سے باہر نکل آیا۔

''ہاں تم جو جاہل گنوار بنے پھر رہے ہو۔ یہ چھولے بیچ کر سمجھ رہے ہو بڑا تیر مار رہے ہو۔ اس پڑھائی سے بچنے کے لیے تو تم نے یہ سارا ڈراما رچایا ہے۔'' وہ یکدم غصے میں آ کر بولی۔

''ڈرامہ، ڈرامہ رچایا ہے میں نے؟ اور یہ جو دونوں وقت کا تمہیں ٹھونسنے کو ملتا ہے۔'' وہ ایک دم اس کے بال پیچھے سے کھینچ کر غصے میں بولا تو ثانیہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

خدیجہ سلگتی دھواں دیتی لکڑیوں سے تنگ تھیں ان دونوں کی لڑائی پر جھلا گئیں وہیں سے پیر سے جوتی نکال کر ان کی طرف پھینکی اگرچہ لگی کسی کو نہیں مگر دونوں یک لخت چپ کر گئے۔

''بے شرمو اور کچھ نہ کرنا صبح شام اس لڑائی جھگڑے کے سوا، خوب برکت نازل ہوتی ہے تمہارے یوں چونچیں لڑانے سے، نہ ایک دوسرے سے پیار نہ ماں باپ کی مصیبتوں کا خیال۔ بس لڑائی طعنے اور گالیاں۔'' وہ غصے میں پھٹ پڑیں۔

''گالیاں کون دے رہا ہے؟'' عمیر کھسیا کر بولا۔ ''یہ تو ہر وقت مجھے نہ پڑھنے کے طعنے دیتی رہتی ہے۔ اگر میں بھی کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے بس رٹو طوطا بنا رہوں تو......'' وہ فوراً آواز دھیمی کر کے بولا تھا۔

''تو کیا خدائی کے کام رک جائیں گے جو تیرے کرنے سے ہو رہے ہیں۔ ساٹھ ستر روپے، یہی لاتا ہے نا روز، مت لا تو صرف پڑھ اور کچھ نہیں انٹر تو مکمل کر لے۔ کہیں نہ کہیں چھوٹی موٹی نوکری تو مل ہی جائے گی نا!'' خدیجہ خود بھی اس کے پڑھائی چھوڑ دینے پر خفا تھی اور یہ بحث اس دن سے روز گھر میں چلا کرتی جس دن سے عمیر نے پڑھائی چھوڑی تھی۔

''اب بات سن لو اماں! انٹر کر کے بھی میں نے چھولے ہی لگانے ہیں۔ کوئی تھالی میں سجا کر مجھے نوکری نہیں پیش کرے گا۔ یہ جو بہت اترائی پھر رہی ہے اپنے گریجویشن کرنے کے بعد ذرا نوکری کی تلاش میں نکلے پھر پتا چلے گا۔'' وہ ثانیہ کو گھور کر بولا۔

''تم سے کس نے کہا میں گریجویشن کے بعد نوکری کروں گی۔'' وہ بے نیاز سے لہجے میں بولی۔
آگ کے جلتے ہی خدیجہ جو مطمئن ہو کر آٹا گوندھنے لگی تھیں اس کی بات پر رُک کر اسے دیکھنے لگیں۔
''تو اور کیا کرو گی؟ دوبارہ سے گریجویشن کرو گی۔'' عمیر مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔
''آگے پڑھوں گی میں ہر صورت۔'' وہ ہٹیلے پن سے بولی۔
''اچھا!'' وہ سر ہلانے لگا۔ ''یہ جو ابھی تمہاری میڈم صاحبہ آئی تھیں یہی کانوں میں پھونکا ہے تمہارے ہاں.... بڑوں کے خواب میری بہنا ان چھوٹی آنکھوں میں نہیں سمائیں گے۔ آنکھیں تو بدلنے سے رہیں۔ میرا مشورہ ہے خواب بدل لو۔'' وہ اسی تمسخر سے بولا۔
''یہ وقت بتائے گا۔ آنکھیں کون بدلتا ہے اور خواب کس کے تعبیر پاتے ہیں۔'' وہ اسی انداز میں بولی۔
''کتابی باتیں ساری کتابی۔ ذرا نکل لو ان کتابوں سے باہر۔ چار دن کمانا پڑے گا نا تو خواب تعبیر، خیال دَ باتیں بھاپ بن جائیں گی۔'' وہ اسے چڑانے کو بولا۔
''بس دونوں یہاں کھڑے مناظرہ کرتے جانا۔ جاؤ تم اپنے ابا کو دیکھو اٹھ گئے ہیں تو کھانا بناؤں۔ دوا کھا کر سوئے ہیں اور عمیر تم جاؤ اور ان دونوں کو لے کر آؤ۔ کسی گھر میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے ہوں گے۔'' ثانیہ پہلے ہی اندر جا چکی تھی۔ عمیر، ماں کی بات سن کر باہر نکل گیا۔

✠ ✠ ✠

''ماما!'' وہ اٹھ کر جانے لگیں تو بلال نے پیچھے سے کہا۔
''کیا...... بلایا تم نے مجھے؟'' وہ چونک کر آئیں۔
''ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔'' وہ نظریں چرا کر بولا۔
''ہاں کرو...... لیکن وہ بات نہ ہو۔'' وہ بیٹھتے ہوئے وارننگ دینے والے انداز میں بولیں تو بلال کچھ دیر یونہی بیٹھا

''بولو نا! اب مسئلہ کیا ہے؟'' وہ اس کی خاموشی پر بولیں۔
''آپ یہ شادی والا مسئلہ ابھی میری واپسی تک ڈیلے نہیں کر سکتیں۔'' وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا کچھ اور کہہ گیا۔
''نہیں...... اور کچھ؟'' وہ قطعیت سے بولیں۔
''تو کس طرح کریں گی...... اتنے تھوڑے سے دنوں میں۔'' وہ کچھ توقف سے بولا۔
''ہو جائے گا کچھ نہ کچھ۔ آج جو لڑکیاں دیکھ کر آئے ہیں بری وہ بھی نہیں، اگر تمہارے دل کو کوئی لگی ہو تو......''
وہ بلال کی شادی کے لیے کسی بھی سمجھوتے پر تیار نہ تھیں۔ یوں بھی گھر آ کر انہوں نے سوچا تو انہیں ان لڑکیوں میں کوئی بڑی خرابی تو دکھائی نہ دی۔ فقط نمود و نمائش کے۔ اور یہ تو اب کوئی قابل اعتراض بات نہیں رہی، ہر دوسرا بندہ اس مرض کا شکار ہے۔
''لگی تو ہے۔'' وہ بے حد آہستگی سے بولا۔
پہلے تو انہیں لگا انہوں نے غلط سنا ہے۔ مگر پھر بلال کے چہرے پر نظر ڈال کر انہیں اندازہ ہوا۔ وہ کچھ طے کر چکا ہے۔
''بلال کی سوچ بھی اس قدر عامیانہ ہو گئی ہے۔ ان کے چھچھورپن اور نمائش کے آگے ریجھ گیا۔ فیشن بھی تو خوب

رکھے تھے انہوں نے۔ اوپر سے میک اپ اور دودھیا رنگتیں...... آج کل لڑکے اور بھلا کیا چاہتے ہیں اور اوپر سے خود اعتمادی کسی میں بھی ذرا سی جھجک نہ تھی۔ چلو زندگی اس نے گزارنی ہے جو اسے پسند ہو پھر فیملی بھی اچھی ہے۔ گھر بھی زبردست ہے اور کیا چاہیے لوگ یہی کچھ تو دیکھ رہے ہیں۔''

بلال کی خاموشی کے وقفہ کے دوران انہوں نے فٹافٹ یہ سب کچھ سوچ لیا۔

''کون سی والی اچھی لگی تمہیں بڑی...... اس کا کیا نام تھا شاید سارہ اور چھوٹی فروا...... ویسے تو دونوں ہی اچھی تھیں۔'' وہ خود ہی بولیں۔

''آپ میری بات پر ناراض تو نہ ہوں گی؟'' وہ اس طرح سنجیدگی سے بولا۔

''اس میں ناراضی کی کیا بات ہے یہ میری ہی تو خواہش ہے اور پھر زندگی تو تمہیں گزارنی ہے۔ جو تمہیں پسند آئے مجھے کیا اعتراض ہوگا بھلا؟'' وہ فوراً ہی فراخ دلی سے بولیں۔

''آپ سوچ لیں اچھی طرح۔'' جانے وہ کیا کہنے جا رہا تھا جو انہیں یوں ہوشیار کیے جا رہا تھا۔

''بلال اس میں سوچنے کی کیا بات ہے بیٹا! دونوں میں سے جو تمہیں اچھی لگی ہے۔ تم مجھے بتاؤ میں کل ہی فوزیہ سے بات کرتی ہوں، وہ لوگ یوں بھی دیر نہیں کریں گے جس طرح ہمیں جھٹ پٹ شادی کرنی ہے۔ وہ اس کے لیے بھی تیار ہوں گے۔''

وہ خود ہی آگے کا سب پلان کر کے بولیں۔

''ماما! شاید آپ کو میری بات پسند نہ آئے۔''

اس بار وہ ٹھٹکیں۔

''کیا مطلب؟ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''شاید ایک مشکل سی بات۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''بلال! کیوں مجھے پریشان کر رہے ہو۔ جو کہنا چاہتے ہو کھل کر کہو یہاں بات قطعاً میری پسند یا ناپسند کی نہیں ہے صرف تمہاری خوشی کی ہے۔''

''آپ سوچ لیں ایک بار پھر بھری خوشی...... شاید آپ کو بہت اچھی نہ لگے۔''

''پھر پہیلیاں...... میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا ہے جو بات ہے کھل کر کہہ ڈالو نا!'' وہ کچھ پریشان سی ہو کر بولیں۔

''ماما! میں......'' وہ بے چارگی سے بولا تو انہیں بے ساختہ اس پر پیار آ گیا۔

''بیٹا! مجھ سے کیا گھبرانا اور آج تک ہماری درمیان کبھی کوئی ایسی بات ہوئی ہے کہ ہم ایک دوسرے سے کہتے ہوئے یوں ہزار بار سوچیں۔ کہو تو تم جو کہنا چاہتے ہو۔''

''ماما ایک بات بتائیں۔'' وہ شاید ابھی مزید کچھ وقت لینا چاہتا تھا۔

''سن رہی ہوں۔'' وہ گہرا سانس لے کر بولیں۔

''آپ کی نظر میں انسانوں میں، ان کی درجہ بندی میں فرق کس وجہ سے ہو سکتا ہے۔''

وہ الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

''بتائیں ماما! کیا دو انسانوں کے درمیان طبقات کی لکیر کھینچی جا سکتی ہے؟''

''جو میرے رب نے فرمایا۔ انسانوں کے درمیان فرق صرف تقویٰ کا ہے یا علم کا...... وہی آدمی کے درجات

گھٹتا ہے یا بڑھتا ہے۔''

''تھینک گاڈ!'' وہ بے اختیار گہرا سانس لے کر بولا۔

''اور اگر کوئی شخص اس معیار پر پورا اترتا ہو، صرف دنیاوی مال و دولت کے لحاظ سے پسماندہ ہو تو کیا اسے قابل اعتنا نہیں سمجھنا چاہیے۔'' وہ اب کے حوصلہ مند لہجے میں بولا تھا۔

ماں کی بات نے اسے ہمت سی دی تھی۔

''قطعاً نہیں، مال و دولت لوگوں کی تقسیم کا پیمانہ نہیں، نہ اب نہ کسی پچھلی یا اگلی صدی میں۔'' وہ قطعی انداز میں بولیں۔

''آپ نے میری مشکل آسان کر دی ماما! یو آر گریٹ۔ اب میری سمجھ میں آیا آپ اپنے کالج کی بہترین استاد کیسے ہیں۔''

''اب زیادہ مکھن نہیں لگاؤ۔ بتاؤ کیا معاملہ ہے۔ تم پہلے ہی بہت ٹائم لے چکے ہو۔ مجھے کام ہے بہت۔'' وہ اب کے کچھ عجلت میں بولیں۔

''وہ خاتون، شام کو جنہیں ہم نے فوزیہ آنٹی کے گھر سے پک کیا اور ڈراپ......''

''ہاں ہاں اس کا یہاں کیا ذکر۔ تم اپنی بات کرو۔'' وہ بات کاٹتے ہوئے جھلا کر بولیں۔

''اپنی بات ہی تو کر رہا ہوں۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''کیا مطلب...... میں بالکل نہیں سمجھی۔'' اب کے انہیں کسی انہونی بات کا احساس ہوا تھا۔ ذرا ٹھٹک کر بولیں۔

''وہ خاتون ان کی بیٹی جو آپ کے کالج کی اسٹوڈنٹ ہے اور جس کی تعریفیں آپ پچھلے دو گھنٹے کے دوران کئی بار کر چکی ہیں۔ وہ، وہ لڑکی ثانیہ...... ماما!'' وہ رک رک کر بولا تھا اور وہ اسے یک ٹک دیکھے جا رہی تھیں۔

''بلال...... میں اب بھی نہیں سمجھی۔'' وہ ایسے نڈھال سے لہجے میں بولیں جیسے ان کے اندر سے ساری ہمت ختم ہو گئی ہو اور ڈوبنے سے پہلے وہ بے یقینی سے کسی تنکے کا سہارا لینے کی کوشش کر رہی ہوں۔

بلال پل بھر کو نظریں چرا گیا۔

''ماما! میں نے بتایا نا!'' وہ نرمی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر بولا جیسے کسی بچے کو سمجھا رہا ہو۔ ''میں ثانیہ...... آپ کے کالج میں جو پڑھتی ہے، جس کے گھر ہم شام کو اس کی ماں کو ڈراپ کرنے گئے تھے۔ اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ اتنی وضاحت بھری تفصیل کے بعد پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

''کیا یہ ممکن ہے؟'' وہ بہت دیر بعد بولی تھیں۔ کمرے کی خاموشی کو صرف وال کلاک کی چلتی سوئیاں مرتعش کرتی رہی تھیں۔

''کیوں ماما...... کیوں ممکن نہیں؟'' وہ احتجاج بھرے انداز میں بولا۔

''ہمارا ان کا فرق...... تم کچھ بھی نہیں دیکھ رہے۔'' وہ سہمے ہوئے سے انداز میں بول رہی تھیں جیسے انہیں اس بات سے بہت ڈر سا لگا ہو۔

''نہیں، کچھ بھی نہیں۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

''ماما! ابھی آپ نے خود ہی تو وضاحت کر دی تھی۔ انسانوں میں فرق کا صرف ایک پیمانہ تقویٰ اور علم ورنہ تو سب انسان برابر ہیں...... ہیں نا!''

وہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔

''آپ تو استاد ہیں۔ ساری زندگی لوگوں کو اچھے برے۔ نیک، بد، کی پہچان کراتی رہیں۔ بس یہی پہچان کا عدسہ آپ نے ہم لوگوں کی آنکھوں میں اس مہارت سے فٹ کیا ہے ماما! کہ مجھے تو کوئی بھی انسان بلحاظ دنیاوی مال و دولت اپنے سے کمتر نظر ہی نہیں آتا اور یہ سب آپ کی شان دار تربیت اور آپ کے کلیئر وژن کی بدولت ہے۔ آپ خود اس بات پر مضبوطی سے قائم ہیں کہ انسانوں کے درمیان تقسیم ممکن ہی نہیں سوائے علم کی کمتری کے...... پھر آپ کی اولاد آپ کے نظریات سے مختلف کس طرح سوچ سکتی ہے ایم آئی رائٹ ماما جانی؟''

اس نے کس بری طرح سے انہیں ان کے ہی اقوال و نظریات کی رسی میں جکڑ کر پیس ڈالا تھا کہ وہ کچھ بولنے کے قابل بھی نہیں رہی تھیں۔

اور یہ سب اتنا اچانک اور ناقابل یقین سا تھا کہ وہ اس کے بارے میں ذرا سا بھی پہلے ذہنی طور پر تیار ہوتیں تو شاید فوری طور پر بلال کو انسانیت کے امتیاز کی کچھ اور ہی دلیل دیتیں۔

انہوں نے خود اپنی شکست کے اسباب پیدا کیے تھے۔ سب الفاظ بلال نے کس چالاکی سے ان کے منہ سے نکلوائے تھے۔

''ماما!'' ان کو یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے دیکھ کر بلال نے آہستگی سے انہیں پکارا۔

وہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

''آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟'' وہ اس بات پر اور بھی چونکیں۔

یہ تو انہوں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ اس بات پر خوش بھی ہونا چاہیے۔

''آپ کی اتنی بڑی خواہش جو پوری ہونے جا رہی ہے پھر لڑکی بھی وہ جو آپ کی پسندیدہ ہے...... بلکہ زونی تو بہت خفا ہوگی۔ اس کی رقیب اس کے گھر میں ہی آ جائے گی۔ کیسے انوکھے رشتے سے۔''

بلال خود ہی اس متوقع منظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا جو یہ بات سننے کے بعد زونیرا نے کری ایٹ کرنا تھا۔

''سو جاؤ۔ صبح بات کریں گے۔'' وہ ایک دم سے اٹھیں اور کہہ کر باہر نکل گئیں، بلال انہیں دیکھتا رہ گیا۔

* * *

کچن سے مسلسل کھٹر پٹر کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''ارے شاد دیکھ کچن میں بلی تو نہیں آ گئی۔'' اندر سے نصرت کی چنگھاڑ برآمد ہوئی تھی۔

''امی بلی نہیں، بلا ہے۔'' شاد بوتل کے جن کی طرح کچن کے دروازے پر آ کر کھڑی ہوئی تھی۔

''ہاں ماں باپ کا مال ہے اڑاؤ، وہ مزدور ملا جو ہوا ہے سارا دن مزدوری کرنے کے لیے۔ کما کما کر لاتا جائے اور بھیک منگے بھکاری اڑاتے جائیں۔'' وہ وہیں سے چیختی چلاتی چلی آئی۔

''اپنے باپ کی کمائی کھاتا ہوں۔ تمہارے باپ کی نہیں۔ جو سارے محلے کو سنا رہی ہو۔'' وہ بھی دو بدو لڑنے کو تیار کھڑا ہو گیا۔

ایک تو کچن میں کچھ کھانے کو نہیں ملا تھا پھر صبح سے فاقہ اور اب نصرت کے طعنے، اس کا مشتعل ہونا لازمی تھا۔

''سارے محلے کیا سارے جگ کو سناؤں گی۔ تمہارا باپ میرا خصم ہے اور ان بے زبانوں کا بھی کچھ لگتا ہے۔ پر تیرے جیسے بے حیا شرم ہو تو کچھ احساس کرے۔ ہٹا کٹا مشٹنڈا۔ کسی نہ کام جوگا۔ ذرا ہاتھ پیر ہلا، کما کر لا تو پتا چلے کیسے کمایا جاتا

ہے پھرآ کرادھر برتن پھرول۔'' اس کا نام بھی نصرت تھا نہ ڈرنے والی نہ ہارنے والی۔

''مفت کا عذاب، مفت کی مصیبت جان نہیں چھوڑتی ہماری کہ سکون آ جائے، پتا نہیں کن گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔'' وہ خوامخواہ برتن اٹھا اٹھا کر پٹخنے لگی۔

''سکون دے دوں سارے ٹبر کو...... ابھی اسی وقت؟''

اس نے ایک دم سے دراز کھولی اور چھری تان کر کھڑا ہو گیا۔

نصرت کے ہاتھ سے پتیلا چھوٹ کر نیچے گر گیا۔

آنکھیں جیسے پھٹنے کو آ گئیں۔ وہ چھری ہاتھ میں لیے اس کی طرف لپکا تھا۔

''ہائے میں مر گئی۔ ہائے ہائے لوگو دیکھو آؤ...... باؤ ثنا کے ابو کو، مار ڈالے گا آج یہ ہمیں۔ خون کر دے گا ہائے...... ہائے میرے بچے!''

اس نے چیخ چیخ کر رونا شروع کیا اور دونوں کو لے کر وہاں سے بھاگتی ہوئی نکل گئی۔

روحیل نے ہاتھ میں پکڑی چھری گھما کر سنک میں ماری جو سیدھی شیشے کی پلیٹ کو دولخت کر گئی۔

باہر نصرت کا واویلا بین کی شکل میں جاری تھا۔ وہ خوف زدہ سا کھڑا اس کی بکواس سنتا رہا۔

پھر ایک دم سے اندر گیا نصرت نے اسے دیکھ کر فوراً کمرے کا دروازہ بند کرنا چاہا مگر روحیل کے ایک ہی دھکے سے دروازے سے لگی نصرت پیچھے جا گری۔

ثنا اور وہاب سہمے ہوئے بیڈ کے پیچھے کھڑے تھے۔

اس نے آگے بڑھ کر الماری کھولی اور کپڑوں سمیت سارا سامان نکال کر باہر پھینکنے لگا۔

آخر میں نصرت کا پرس ہاتھ لگا۔ اس نے کھول کر جتنے پیسے تھے سب نکالے اور چیزوں کو ٹھوکریں مارتا ہوا باہر نکل گیا۔ دروازے پر رک کر گالیاں اور کوسنے بکتی نصرت کو دیکھ کر نفرت سے بولا۔

''آئندہ گھر میں میرے لیے کچھ کھانے کو نہ رکھا تو تم سب کے اسی چھری سے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ بتا دینا چاہے اپنے کچھ لگتے کو بھی...... اب میری برداشت کی حد ختم ہوتی جا رہی ہے، کچھ کر بیٹھوں گا تم سب کا سن لیا؟'' وہ اسی طرح دروازے اور چیزوں کو ٹھوکریں مارتا باہر نکل گیا۔

نصرت کے کوسنے اور بین اور بھی بلند آہنگ ہو گئے تھے مگر تیز تیز قدم اٹھاتا وہ منٹوں میں گلی ہی پار کر گیا۔

خون میں ابھی بھی جیسے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ غصہ تھا کہ ٹھنڈا ہی نہیں ہو رہا تھا۔

پیر کو کسی پتھر سے ٹھوکر لگی اور وہ گرتے گرتے بچا۔

''یہ میں ابھی کیا کرنے لگا تھا اگر اسی غصے کی رو میں...... وہ چھری...... او میرے خدایا!'' وہ سر پکڑ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

''اور جس طرح وہ چڑیل مجھے مشتعل کرتی ہے۔ اس کا مقصد بھی تو یہی ہے کہ میں ایسا کچھ کر گزروں اور عمر بھر کے لیے۔'' وہ جھرجھری لے کر رہ گیا اس پر جیسے انکشافات کا در کھل گیا۔

''میں آج تک وہی تو کرتا آیا ہوں جو وہ چاہتی رہی ہے۔ اس نے چاہا کہ میں نہ پڑھوں، نہ تعلیمی سلسلے میں کسی طور آگے نکل سکوں اور میں نے ضد میں آ کر وہی کیا۔ ابا کی منتوں، مار پیٹ اور غصے کی پروا کی نہ اپنے ان پیار کرنے والوں کی دلیلوں کو قابل غور سمجھا جو صرف اور صرف میرا بھلا چاہتے ہیں۔ کیا تو وہی جو یہ عورت چاہتی تھی۔ تعلیم کو خیر باد کہہ کر اپنے ہی مستقبل کا قتل کر ڈالا۔

''ماما! حد ہوتی ہے احمقانہ پن کی بھی۔ چلو کسی گزارے لائق فیملی سے اس کا تعلق ہوتا تو بھی...... ایک معمولی میڈ کی بیٹی ان بلیوایبل ریئلی ماما! آئی ایم شاکڈ۔'' وہ تیزی سے بولتی چلی گئی۔

''وہ تو میں بھی ہوں زونی! مگر سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔'' وہ سر پکڑ کر بولیں۔

''ماما! ابھی بھی کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ آپ بھائی سے صاف صاف انکار کر دیں۔ اتنی کرٹسی دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ مشورہ دیتے ہوئے بھی حقارت سے بولی۔

''میں نے بلال سے زیادہ بحث نہیں کی کہ معلوم نہیں وہ اس بات پر کس حد تک تیار ہو چکا ہے۔ اگر میں نے زیادہ بات کی تو کہیں ضد میں ہی نہ آ جائے۔ بس اس لیے خاموشی سے اٹھ کر آ گئی۔'' دلی پریشانی ان کے چہرے سے عیاں تھی۔

''میں رات بھر نہیں سوئی۔'' ان کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔

''نیند آ بھی کیسے سکتی تھی آپ کو...... اور ماما!'' وہ رک کر بولی۔

''وہ آپ کی ہی تو فیورٹ شاگرد ہے اور باندھیں تعریفوں کے پل۔ کل بھائی کے سامنے بھی......''

''زونی! وہ بات اور ہے۔ یوں بھی بلال ان تعریفوں کے زیر اثر تو نہیں آیا۔'' وہ اسے ٹوک کر بولیں۔

''اوہ...... تو بھائی صاحب کو پہلی نظر میں عشق کا بخار ہوا ہے۔ چہرہ دیکھ کر محترمہ کا...... کچھ ایسی قلوپطرہ بھی نہیں وہ۔'' وہ طنز سے بولی۔

''زونی! یہ وقت ان باتوں کا نہیں پھر اس میں ثانیہ کا کیا قصور؟ یہ تو خود بلال نے اسے دیکھا اور...... اس بے چاری نے تو شاید اسے دیکھا بھی نہیں۔ وہ تو مجھے دیکھ کر......'' وہ پست لہجے میں بولیں۔

''تو کیا ضرورت تھی، آپ کو ایسی رحم دلی دکھنے کی کہ اس میڈ کو اٹھا کر لفٹ دے دی اور وہ بھی گھر کے آگے، وہیں کسی بس اسٹاپ پر دھکیل کر آ جاتیں گھر......'' زونی کا لب ولہجہ بے حد تیکھا تھا۔

''زونی! کنٹرول یور سیلف۔'' وہ کسی بھی نازک سے نازک مرحلے میں اس طرح کے زبان و خیالات کی حماقت نہیں کر سکتی تھیں۔

''تو پھر کر دیں جہاں وہ کہہ رہے ہیں۔'' وہ یکدم بھڑک گئی۔

''تم مجھے کوئی مشورہ نہیں دو گی؟'' وہ بے بس سی ہو کر بولیں۔

''آپ کو پسند نہیں آئے گا۔ ہر وقت تو آپ استانی جی بنی رہتی ہیں۔'' زونی بدتمیزی سے بولی۔

فضیلہ اس کی بدتمیزی کو پی گئیں۔

''اس عجیب صورت حال سے نکلنے کی تمہارے ذہن میں کوئی ترکیب ہے؟'' وہ اس وقت بہت مجبور تھیں۔

''آپ فی الحال بھائی کی شادی کا خیال اور ضد چھوڑ دیں۔ انہیں آرام سے جانے دیں۔ دو سالوں میں سب بھول بھال جائیں گے، لوٹیں گے تو ان کے خیالات ہی بدل چکے ہوں گے، یا ہو سکتا ہے وہیں کسی کو پسند کر کے شادی ہی کر لائیں۔'' زونی نے انہیں آسان اور سامنے نظر آتا رستہ دکھایا۔

''ہرگز نہیں۔ یہی تو میں نہیں چاہتی۔'' وہ فوراً بدک گئیں۔

''تو پھر کیا کریں گی؟ اس نوکرانی کی بیٹی کو بیاہ لائیں گی؟ کیا رہ جائے گی آپ کی عزت اور آپ کو لیگز، فوزیہ آنٹی کیا بتائیں گی کالج میں سب کو کہ میڈم فضیلہ کی بہو ان کی نوکرانی کی بیٹی ہے۔ آپ تو اچھی خاصی پاپولر ہو جائیں گی شاید لوگ آپ کو مستقبل میں ایدھی کی جانشین بھی قرار دینے لگیں۔''

یہ تو وہ بہت دنوں سے نوٹ کر رہی تھیں کہ زونی بولتے ہوئے آگا پیچھا نہیں دیکھتی مگر آج اس کی تفسیر وہ سہہ

[illegible] پائیں۔

''بہت بے ہودہ ہوتی جا رہی ہو تم اور لینگویج......زونی! کیا بچوں میں؟'' وہ غصے میں بولیں۔

''جو مرضی۔ جب آپ یہ ہر وقت اخلاقیات، تمیز، حدود، اپنی کیٹس کرتی رہتی ہیں کہ بس ہم احترام تقدس، تہذیب کی چادر میں لپٹے ڈپلومیسی کرتے رہیں جو ہمارے دل میں ہے، وہ نہ بتائیں۔ نہ اختلاف کریں تو ماما! سوری ٹو سے [illegible] یم فیڈ اپ۔'' وہ یک دم بے زاری سے بولی تو وہ کچھ دیر بول ہی نہ سکیں۔

''زونی......! تم یہ فیل کرتی ہو؟'' وہ دکھ سے بولیں۔

''شاید اس سے بھی زیادہ مگر آپ کی پابندیاں......'' پھر ماں کی شکل دیکھ کر خود کو کچھ کہنے سے روکا۔ ''ایک ترکیب ہے......''

''وہ کیا؟'' وہ مشتاق ہو کر بولیں۔

''آپ کو تھوڑا سا یہ اخلاقیات کی رسی تڑانی ہوگی۔''

''کیا مطلب؟ کوئی غیر اخلاقی حرکت؟''

''اونہوں بالکل بھی نہیں۔ بہت آسان اور محفوظ طریقہ ہے کہ سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی محفوظ۔'' اس کی آنکھوں میں انوکھی سی چمک تھی۔

اس کی ترکیب سن کر فضیلہ بھی سر ہلانے لگیں۔ ان کا دل ایک دم سے ہلکا پھلکا ہو گیا۔

✠ ✠ ✠

''بہت [illegible] ہے۔'' وہ چولہے کے قریب ہی بیٹھا سر جھکائے تنکے سے مٹی میں نقش بنا رہا تھا جب خدیجہ [illegible]

[illegible] اس نے ہاتھ میں کتاب لیے بیٹھی ثانیہ کی طرف دیکھا جو بالکل بھی ادھر متوجہ نہیں تھی۔

[illegible] ہیں۔'' اس نے سوچا اور پھر سے سر جھکا لیا۔

[illegible] اس کے آگے کی۔

[illegible] جیسے بھوک ہی اڑ گئی تھی۔

[illegible]

''تم بھی [illegible] پھر بار بار چولہا نہیں تپایا جاتا مجھ سے۔'' خدیجہ نے ثانیہ سے کہا۔

''ابھی مجھے بھوک نہیں، آپ پکا کر رکھ دیں۔ میں ٹیسٹ کی تیاری کر کے پھر کھاؤں گی۔'' وہ نظریں اٹھائے بغیر بولی۔

''دیکھو! روحیل بیٹا! ایک کام تو کرنا تھا پھر......'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

''کون سا کام پھپھو؟''

''چھوڑو۔'' وہ خستگی سے بولی۔

''پھپھو! بتائیں تو۔'' وہ اصرار کرتے ہوئے بولا۔

''تمہارے پھوپھا اچھے بھلے تھے تو اس گھر میں کیسے اچھے دن تھے۔ اتنا اچھا ہمارا گھر بکا، ان کے ایکسیڈنٹ سے نوکری گئی، زیور بکا اور پھر یہ گھر...... یہاں ہم کبھی رہنے کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے، جو نصیب میں لکھا ہو، بس یہ تمہارے پھوپھا

کی معذوری نے تو سب کچھ ختم کر دیا۔ ان تین سالوں میں ..... مجھے دیکھو کبھی سوچا تھا کہ لوگوں کے گھروں میں کام کروں گی اور عمیر..... کس چاؤ سے تمہارے پھوپھا نے اسے اتنے اعلیٰ انگلش اسکول میں داخل کرایا تھا، پڑھائی چھوڑ بیٹھا۔ تمہارے پیچھے بھاگ دوڑ کرتے رہے نہ تم نے پڑھ کر دیا اور اب..... اب تو بس۔'' وہ آہ سی بھر کر چپ کر گئیں۔

''آپ کچھ کام کہہ رہی تھیں مجھ سے۔'' وہ انہیں یاد کراتے ہوئے بولا۔

''کیسے کہوں کام، جیب میں بھی تو کچھ ہو۔'' انہوں نے بالآخر کہہ ڈالا جس سے ان کی زبان جکڑی سی گئی تھی۔

''آپ کام تو بتائیں۔'' وہ مصر رہا۔

''یہ اندھیرا.....'' وہ سر اٹھا کر بولیں۔ ''دیکھ رہے ہو اس گھر میں۔ جب سے وہ بجلی کا میٹر اتار کر لے گئے ہیں..... چلو ہماری تو خیر ہے پر یہ ثانیہ جسے پڑھائی کا خبط ہے رات بھر اس اندھی لالٹین کی روشنی میں پڑھتی ہے تو ساری رات فکر مندی سے سو نہیں سکتی کہ کہیں خدانخواستہ اس کی بینائی..... پر کیا کروں؟''

''آپ مجھے بل دے دیجیے گا۔ میں صبح پتا کروں گا۔'' وہ ذرا توقف سے بولا تو ثانیہ نے ماں کو گھور کر دیکھا۔

''امی! کیا ضرورت ہے جب جیب میں پیسے نہیں۔ بلی لگی تو پھر بل بھی آئے گا تو کہاں سے دیں گے۔ میری پڑھائی تو اسکالرشپ سے چل رہی ہے مگر یہ اخراجات..... ابو کی دوائیں بھی تو آنی ہیں۔ آپ رہنے دیں یہ میٹر وغیرہ۔'' وہ رہ نہ سکی تو بول اٹھی۔ ''اور کہہ بھی کس سے رہی ہیں جن سے اپنا کوئی بھلا نہیں ہوتا۔'' وہ آخر میں ذرا بڑبڑانے والے انداز میں بولی تھی۔

روحیل نے یکدم کھانے کی ٹرے پیچھے کر دی۔

''کھاؤ نا۔ مجھے پتا ہے صبح سے بھوکے ہو گے۔ وہ نصرت بھابی کو خدا جانے تم سے کیا بیر ہے جب میرے دن اچھے تھے تو جا کر بھائی نے بھابی کے اتنے ناروا سلوک کا گلہ بھی کر آیا کرتی تھی مگر اب تو..... جاؤں تو لگتا ہے بھائی سے سوال کرنے جا رہی ہوں بھابی کا رویہ..... خدا کسی کو ایسے دن نہ دکھائے۔''

اسی وقت اندر سے فیاض کی آواز آئی تو خدیجہ اٹھ کر اندر چلی گئیں۔

دونوں بیٹھے رہے ایک دوسرے سے باخبر مگر بظاہر انجان۔

''تم ابھی تک مجھ سے ناراض ہو؟'' وہ تھوڑی دیر بعد اس کی طرف دیکھ کر بولا ثانیہ نے ایک نظر دیکھا اور نظر جھکالی۔

''میں کیوں ناراض ہونے لگی۔'' وہ کٹھور پن سے بولی۔

''میں نے غلط کیا بہت غلط، مانتا ہوں اس وقت تمہاری بات مان لیتا پڑھائی جاری رکھتا تو آج سال پہلے گریجویشن کر چکا ہوتا بلکہ.....'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔

اور ثانیہ حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

روحیل کے منہ سے غلطی کا اعتراف..... کیسی ناممکن سی بات تھی۔

''ثانیہ! وقت میرے ہاتھوں سے نکل گیا اور اب میں ہوں اور میری ناکام زندگی۔'' وہ دل گرفتی سے بولا۔

''روحیل!'' ثانیہ حیرت سے بڑبڑائی۔

''آگے اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ کیا کروں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نے خود اپنے ساتھ بہت برا کیا۔ اس عورت کو چڑانے کی ضد میں، میں اس کے ہاتھوں میں کھلونا بن گیا اور ٹوٹ کر بکھر گیا۔'' وہ واقعی بکھرا ہوا تھا۔ بہت بری طرح سے۔

''اللہ نہ کرے روحیل! تم ایسا کیوں سوچ رہے ہو؟'' اس کا حساس دل روحیل کی یہ حالت دیکھ نہ سکا۔ فوراً اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھی۔ اس کا جھکا ہوا سر گرے ہوئے کندھے ایک دم سے بے چین کر گئے۔

''تو اور کیا سوچوں اب میرے پاس بچا ہی کیا ہے۔'' وہ تڑخ کر بولا۔

''ابھی تو بہت کچھ باقی ہے۔ ابھی دیر تو نہیں ہوئی اگر تم نے سنبھلنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو یقین کرو۔ ابھی دیر نہیں ہے۔'' وہ خود بھی تو اکثر اس طرح خود کو حوصلہ دیا کرتی تھی۔

''دیر تو ہو چکی ثانی! میرے ہاتھ خالی ہیں اور آگے کچھ سوجھتا نہیں لیکن میں نے ایک فیصلہ لیا ہے۔'' وہ سر اٹھا کر بولا۔

''کیسا فیصلہ؟'' ثانیہ کو وہ آج ایک بدلا ہوا روحیل لگ رہا تھا۔ ویسا روحیل جیسا وہ کبھی اسے دیکھنا چاہتی تھی۔

''میں گھر چھوڑ آیا ہوں۔ اب دوبارہ نہیں جاؤں گا۔'' وہ بولا تو ثانیہ کو جھٹکا سا لگا۔

''روحیل! یہ کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''ہاں اور میں نے یہ فیصلہ کیوں کیا۔ یہ مت پوچھنا۔'' اس کی آنکھیں لال بوٹی ہو رہی تھیں۔ ثانیہ نے نظریں چرا کر دیکھا۔

''ضرور پوچھوں گی اگر تم نے خود کو بدلنے کا، سنبھلنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو پھر تمہیں اپنی زندگی کے لیے اچھے قدم کی ابتدا گھر سے ہی کرنی ہوگی، نصرت...... ماں کا دل جیت......''

''نام مت لو اس عورت کا میرے سامنے۔'' وہ ایک دم سے چیخ کر بولا تو وہ کچھ دیر بول ہی نہ سکی۔

''کیا مطلب......؟ تم کچھ...... کر تو نہیں آئے وہاں؟'' وہ ڈرتے ہوئے بولی۔

''اسی لیے تو وہاں جانا نہیں چاہتا۔'' وہ ہولے سے بولا۔

''کیا...... کیا کر کے آئے ہو؟'' وہ اٹک اٹک کر بولی۔

''کچھ نہیں مگر شاید کر ڈالتا...... ثانیہ! وہ عورت مجھے اس درجہ غصہ دلاتی ہے۔ اتنی نفرت پر اکساتی ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں یا اسے اس کے بچوں سمیت پٹرول چھڑک کر آگ لگا دوں۔'' وہ غصے اور نفرت کی آگ میں سلگتا ہوا بول رہا تھا۔ ثانیہ کو پہلی بار اس سے ڈر لگا۔

''روحیل!'' وہ ڈر کر بولی۔

''چھری اٹھالی تھی میں نے۔ اسے قتل کرنے کے لیے۔'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔

ثانیہ ذرا سا پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔

''اس لمحے اگر میں کچھ کر ڈالتا...... ثانی! وہ یہی تو چاہتی ہے کہ میں کوئی ایسا بڑا قدم اٹھا لوں کہ ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد ہو جاؤں اور اس کے دل کو ہمیشہ کی تسکین دے جاؤں اور میں اس کے اشاروں پر چلتا رہا۔ تعلیم چھوڑی، اچھی عادتیں چھوڑیں اور انسان سے حیوان بنتا چلا گیا اور آج تو حد ہی ہونے لگی تھی ثانی! مجھے خود سے بھی ڈر لگا۔''

''تھینک گاڈ! تم نے ایسا کچھ کیا نہیں۔'' وہ گہرا سانس بھر کر طمانیت سے بولی تو روحیل نے پھر سر جھکا لیا۔

''اس لیے میں نے طے کر لیا ہے کہ میں اب اس گھر میں نہیں رہوں گا۔ یوں بھی سوچا جائے تو میں وہاں کیوں رہتا ہوں۔ کس کے لیے؟ ابو کو میری پروا ہے نہ ضرورت۔ وہ رات گئے گھر آتے ہیں تو وہ عورت میری شکایتوں کی پٹاری کھول کر انہیں اس حد تک مجھ سے بدظن کر دیتی ہے کہ وہ میری شکل دیکھنے کے روادار نہیں پھر ان کے پاس ان کا دوسرا بیٹا موجود تو ہے۔ ایک چلا بھی جائے گا تو کیا فرق پڑے گا۔'' وہ رنجیدگی سے بولا۔

''روحیل! ماموں تو......''

''پلیز کوئی حمایت نہ کرنا ان کی۔ انہوں نے آج تک مجھ سے پیار سے باپ بن کر تو کیا ہمدرد بن کر بھی بات نہیں کی۔ ان کی بیوی بچے مجھے دیکھنا نہیں چاہتے۔ کوئی مصرف نہیں ہے میرا اس گھر میں، پھر میں وہاں کیوں پڑا ہوں۔'' وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے سر اٹھا کر بولا۔

''تو کہاں جاؤ گے؟'' وہ ہولے سے بولی۔

''کہیں بھی...... کہیں بھی...... چلتا ہوں۔'' وہ ایک دم سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ ثانیہ اس کے پیچھے لپکی مگر وہ باہر نکل چکا تھا۔

* * *

''کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' بلال بھونچکا سا ان کی شکل دیکھ کر رہ گیا۔

''مجھے خود جان کر شاک لگا ورنہ اتنی اچھی لڑکی میں ہاتھ سے نہ نکلنے دیتی۔'' وہ قدرے افسردہ شکل بنا کر بولیں۔

''آپ کو کس نے بتایا؟'' وہ کافی دیر بعد کرب بھرے لہجے میں بولا۔

''اصل میں، میں نے ثانیہ کو خود بلا کر بات کی تھی کہ میں آج شام ان کے گھر آنا چاہتی ہوں۔ اب بیٹا یونہی تو کسی کے گھر بندہ اٹھ کر نہیں چلا جاتا۔ وہ حیران اور خوش ہوئی میں نے سوچا اشارتاً بتا دیتی ہوں جا کر ماں سے ذکر کر دے گی۔ یوں بھی اس کی ماں تو شام ڈھلے گھر واپس آتی ہے تو شام کو ذرا جلدی آ جائے گی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں کس مقصد کے لیے آنا چاہتی ہوں تو کہنے لگی۔ میڈم پھر آپ رہنے دیجیے مت آیئے گا۔'' میں حیران سی ہوئی اور تھوڑی خجل بھی۔ وہ خود ہی بتانے لگی کہ اس کا نکاح تو اس کے کزن سے تین سال پہلے ہی ہو چکا ہے اور گریجویشن کے فوراً بعد شادی ہے۔ اب بتاؤ میں آگے کیا کہتی۔'' وہ سوالیہ نشان بن کر بیٹھ گئیں۔

بلال خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھے گیا۔

یکبارگی تو ان کا دل ڈوب کے اور ابھرا کہ وہ بیٹے کے ساتھ کیسا دھوکا کرنے چلی ہیں۔ بیٹا بھی وہ جس نے کبھی نادانستگی میں بھی ان کا دل نہیں دکھایا ان کی دل آزاری نہیں کی اور وہ اپنے پیارے بیٹے کو کیسا رنج دینے چلی ہیں۔

بات تھوڑے سے دکھ کی تو تھی مگر اتنے بڑے اسکینڈل سے بچنے کے لیے یہ ذرا سا دکھ کوئی بہت بڑے خسارے کی بات نہیں تھی۔

دنیا سے خوف کے علاوہ یہ معاملہ تو ان کی اگلی نسل کی بقا اور نام کا تھا۔ اور وہ ایسا کبھی نہ چاہ سکتی تھیں کہ ان کی آئندہ آنے والی نسل ایک گھریلو ملازمہ کی بھی نسل کے طور پر پہچانی جائے۔

''مجھے تمہاری خوشی سے بڑھ کر کچھ بھی عزیز نہیں۔ اب تم اس بات کو دل پر نہ لو۔ ہر معاملے میں انسان کی قسمت کا دخل ہوتا ہے۔ وہی ملتا ہے جو نصیب میں لکھا ہو۔ میرے چاند سے بیٹے کے لیے لڑکیوں کی کمی تو نہیں۔'' وہ اس کے بال سہلاتے ہوئے بڑے پیار سے بولیں۔

''پھر ماما! میرا بھی ایک فیصلہ سن لیں۔'' وہ ان کے بہلاوے سے بہلا تھا یا نہیں مگر اس کی آواز تنبیہہ سی تھی۔ وہ چونکیں۔

''میں ابھی شادی نہیں کروں گا اور پلیز آپ مجھے مجبور بھی نہیں کریں گی۔ ورنہ شاید میں آپ کی نافرمانی کر بیٹھوں اور ایسا میں کرنا نہیں چاہتا پلیز۔'' وہ یوں ٹوٹے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا جیسے اس کا وجود کسی بہت بھاری بوجھ کے

بیٹے ... یہ ہو۔اس نے کچھ بھی ایسا نہیں کہا تھا مگر فضیلہ مبشر کو لگا انہوں نے اپنے بیٹے کے ساتھ کچھ غلط کر دیا ہے۔
''اونہوں، وقتی صدمہ ہے اور یہ تو ذرا سا اک نظر کا معاملہ تھا۔کون سا دل دے بیٹھا تھا۔خود ہی ٹھیک ہو جائے گا ... دنوں میں۔'' وہ خود کو بہلاتے ہوئے کھڑی ہو گئیں۔
''او کے ہم اس موضوع پر پھر بات کریں گے۔ابھی تم آرام کرو اور پلیز کچھ بھی دل پر نہ لینا۔وہ لڑکی تمہارے نصیب میں ہوتی تو ضرور تمہیں ملتی۔اب معاملہ ہی ایسا ہے کہ ہم چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتے۔بی ریلیکس۔'' وہ جاتے جاتے اس کے بال سہلا کر اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر اپنی ممتا کا حق ادا کرتی چلی گئیں۔
اتنا بڑا مسئلہ کس خوبی سے نبٹ گیا، یہ تو انہیں گمان بھی نہیں تھا۔
''زونی تو واقعی بہت ذہین ہے۔میرا تو دھیان اس طرف کبھی بھی نہ جاتا اور میں خوامخواہ پریشر میں آ کر بلال کی بات ماننے پر مجبور ہو جاتی اور جو جگ ہنسائی ہوتی وہ الگ...... تھینکس زونی!''
وہ اس کے کمرے میں ذرا سا جھانک کر اسے سویا دیکھ کر دور سے پیار کرتے ہوئے ہلکی پھلکی ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔یہ جانے بغیر کہ بلال اس پوری رات ایک پل بھی نہ سو سکا۔

✠ ✠ ✠

''عمیر! دیکھو میں تم سے سیریسلی کہہ رہی ہوں تم یہ سب اوٹ پٹانگ کام چھوڑ دو اور اپنا دھیان اپنی پڑھائی کی طرف لگاؤ، دو ماہ بعد تمہارے ایگزام ہیں ایگزام دے لو۔اس کے بعد جو جی میں آئے کرنا۔'' وہ پھر سے آج عمیر کو گھیر کر بیٹھ گئی۔
''تم کیا سمجھتی ہو۔میرا دل نہیں کرتا پڑھنے کو۔مگر میں کیا کروں امی کو یوں لوگوں کے گھروں میں کام کرتا دیکھ کر یا ابو کو یوں ہمیشہ کے لیے بستر پر پڑے دیکھ کر میرا دل کس طرح خون کے آنسو روتا ہے مجھ سے کچھ بھی پڑھا نہیں جاتا۔'' وہ ... سے بولا۔
''تو اس طرح تم انہیں کون سی خوشی دے رہے ہو۔ساٹھ ستر روپوں سے کیا بنتا ہے۔جو تم خود کو یوں ڈی گریڈ کر رہے ہو۔میں یہ نہیں کہتی کہ یہ چھوٹے کام کرنا باعث شرم یا باعث ذلت ہے مگر عمیر! تمہارا یہ وقت بہت قیمتی ہے۔یہ تین چار ... ہاتھ سے نکل گئے تو پھر ہاتھ نہیں آئیں گے، روزی کمانے کے مواقع تو عمر بھر ملیں گے۔'' وہ پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر ... ۔
''صرف دو ماہ...... صرف دو ماہ دے دو اپنی پڑھائی کو، پھر جو جی چاہے کرنا میں تمہیں منع نہیں کروں گی۔'' وہ ... نرم پڑتا دیکھ کر اور بھی لجاجت سے بولی۔
''مگر میں کیسے تیاری کروں گا۔میں سب بھول چکا ہوں۔''
''میں کراؤں گی تمہیں تیاری، ہم دونوں مل کر کریں گے بے شک تم صبح کے تین چار گھنٹے جو کرنا چاہتے ہو کر لو۔ ... دوپہر بارہ بجے سے لے کر رات بارہ بجے تک صرف پڑھائی۔''
''بہت مشکل ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔
''کوئی مشکل نہیں۔میں تمہاری مدد کروں گی۔دیکھو ہمیں اس غربت کی دلدل سے نکلنا ہے مگر عزت کے ساتھ، ... ریڑھی ٹھیلے لگا کر خود کو اس اسٹینڈرڈ پر مین ٹین مت کرو۔'' وہ رکی۔
''میں یہ نہیں کہتی کہ ریڑھی لگانے والے کمتر لوگ ہوتے ہیں۔یہ وہ لوگ ہوتے ہیں، جنہوں نے تمہاری طرح

وقت کو گنوا دیا ہوتا ہے اور آخر میں ان کے پاس صرف یہی چوائس بچتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کی بسر اوقات کے لیے یہی کچھ کریں۔"

"ثانی! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ ابو کی دوائیں ختم ہیں۔ بجلی کٹ چکی ہے۔ امی صبح سے شام تک لوگوں کے گھروں میں کام کرتی ہیں۔ ان کی صحت دیکھی ہے تم نے۔ کتنی کمزور ہو گئی ہیں اور ہم دونوں خود غرضی سے کتابیں کھول کر رٹے لگاتے رہیں، ان تمام مسائل سے آنکھیں بند کر کے۔ مجھ سے یہ نہیں ہوگا۔" وہ پھر سے بدک گیا۔

"نہ پڑھ کر کیا تم یہ سارے مسائل حل کر سکتے ہو؟ اگر کر سکتے ہو تو پھر میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی۔"

وہ پھر بے بسی سے اسے دیکھنے لگا۔

"یاد ہے ابو کو کتنا شوق تھا کہ تم بہت پڑھو۔ انجینئر بنو۔ انہوں نے تمہیں مہنگے ترین اسکول میں داخل کرایا ورنہ اگر چار پیسوں کا لالچ کرتے تو شاید تمہیں کسی ورکشاپ میں ڈال دیتے، بن رہے ہوتا۔" وہ اسے لاتعلقی سے کھڑا دیکھ کر تلخی سے بولی۔

"اب اگر تم نہیں پڑھو گے تو دیکھنا یہ زبیر بھی چند دنوں بعد اسکول سے بھاگ جائے گا اور آخر میں کسی ورکشاپ میں چھوٹا بنا ہوگا اور ہم...... ہم سفید پوش طبقے سے تعلق توڑتے ہوئے اس زندگی کا ہمیشہ کے لیے حصہ بن جائیں گے اور ہماری آنے والی نسلیں کوئی ریڑھی بان ہوں گی۔ کوئی ہوٹل کا بیرا، ورکشاپ کا چھوٹا یا گاڑیاں صاف کرنے والا...... پھر چاہو گے بھی نا کہ تمہارے بچے پڑھیں تعلیم حاصل کریں تو تمہیں لگے گا شاید یہ تم خود سے مذاق کر رہے ہو یا تمہارے بچے تمہارا مذاق اڑائیں گے۔ انہیں کون بتائے گا عمیر! کہ ہم کون تھے؟" اس کا سانس پھول گیا۔

"ہمارے ابو ایک باعزت گورنمنٹ ملازم تھے۔ ہماری امی ایک گریس فل گھر سے محبت کرنے والی ہاؤس وائف تھیں اور ہمارا اپنا بھی گھر تھا۔ ہم اس کرائے کی کوٹھری میں پیدا نہیں ہوئے تھے اور یہ لائف اسٹائل ہمارا نہیں...... اٹھو عمیر خود کو اس پستی سے اٹھاؤ ورنہ آگے ذلت ہی ذلت کے گڑھے ہیں۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"جانتے ہو اس پسماندہ کچی بستی کے سارے لوگ اب یہی کہتے ہیں کہ ہم پہلے بھی کسی ایسی ہی بستی میں رہتے آئے ہیں۔ ایسی ہی زندگی گزارتے آئے ہیں۔ ہماری ماں شروع سے لوگوں کے گھروں میں برتن مانجھتی رہی ہے۔ ہمارے ابو ایک جاہل ناکارہ اور ہیشگی کے معذور شخص ہیں، میں، میں نے کبھی اپنی کسی دوست کو اپنا گھر نہیں دکھایا۔ ان تین سالوں میں، میں نے کس طرح خود کو ٹوٹتے اور جڑتے دیکھا ہے اور پھر بھی اپنی تعلیم کا سلسلہ ٹوٹنے نہیں دیا۔ تم اس کرب سے واقف نہیں۔ تم ان ساٹھ ستر روپوں سے آگے کا کیوں نہیں سوچتے۔

ابو ہر وقت نیند کی گولیاں کیوں مانگتے رہتے ہیں۔ تمہیں دیکھ کر سوتے کیوں بن جاتے ہیں؟ اس دن مجھ سے کہہ رہے تھے ثانی! میں نے تم لوگوں کے لیے یہ سب تو نہ سوچا تھا کہ زندگی کے اس نازک ترین موڑ پر میں تمہیں اتنا لاچار اور خود کو ایسا بے بس دیکھوں گا۔ میں نے تو تم لوگوں کے لیے بڑے اعلیٰ بڑے شاندار خواب دیکھ رکھے تھے اور ان خوابوں کی تعبیر...... تم عمیر کو سمجھاتی کیوں نہیں۔ اب بتاؤ میں انہیں کیا کہتی؟ عمیر! تم انہیں دکھ دے رہے ہو کوئی خوشی نہیں پہنچا رہے۔ کوئی خوشی نہیں۔"

وہ ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ عمیر اسے دیکھتا رہ گیا۔

☩ ☩ ☩

وہ گھر میں داخل ہوئی تو حیران سی کھڑی رہ گئی۔

سارے گھر میں روشنی تھی۔ تینوں بلب اور ابو کے کمرے کی ٹیوب لائٹ جل رہی تھی۔ اسے لگا اس کی آنکھوں کو تنے سارے اندھیرے دنوں کے بعد کسی نے بصارت دے دی ہو۔

مگر اس سے بھی حیران کن منظر کمرے میں تھا۔

عمیر کتابیں لیے بیٹھا پڑھ رہا تھا اور اس کے پاس زبیر اور عانیہ بھی اپنے بستے کھول کر بیٹھے تھے۔

''عمیر......!'' وہ دروازے میں کھڑے کھڑے بولی۔

''ذرا مجھے چٹکی تو کاٹنا، میں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔'' وہ بولی تو عمیر مسکرانے لگا۔

''ہیں چنے بیچ کر ابھی آیا ہوں تو کتابیں پکڑ لیں کہ استانی جی نے گھر آ کر ڈانٹنا شروع کر دینا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''استانی جی کے ٹیوشن سینٹر میں ایک اور بھگوڑے کو ایڈمشن مل سکتا ہے؟'' روحیل گیلے ہاتھ منہ تولیے سے رگڑتے ہوئے اندر آ کر بولا تو وہ اور بھی حیران ہوئی۔

''کیا مطلب؟ کون سا بھگوڑا؟'' وہ سمجھتے ہوئے بھی انجان بن کر بولی۔ ''اور یہ بجلی......میٹر کیسے لگا؟'' اسے خیال آیا تو پھر سے سر گھما کر ہر طرف پھیلی روشنی کو دیکھنے لگی۔

''الہ دین کا چراغ رگڑا جن آیا اور میٹر لگا گیا۔'' عمیر بولا۔

''اور بے چارہ خود پھر سے چراغ کے اندھیروں میں گھس گیا۔ کیسا احمق جن تھا۔'' ثانیہ نے مسکرا کر کہا۔

''جن تو واقعی احمق ہے۔ اسے اپنے گھر کے اندھیروں سے پری کے گھر کی روشنی عزیز ہے۔'' روحیل اتنی آہستگی سے بولا کہ زبیر سے کچھ کہتا عمیر سن ہی نہیں سکا۔

''اچھا بہت لفاظی ہوگئی۔ اب چائے چلے گی۔'' وہ ذرا اونچی آواز میں بولا تو ثانیہ مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گئی۔

''تم نے بتایا نہیں میٹر کیسے لگا؟'' روحیل اس کے پیچھے ہی کچن میں چلا آیا تھا۔

''بس ایک دوست کے ابو واپڈا میں ہیں۔ کچھ ان کی مدد لی، کچھ خدا نے غیبی مدد کی۔'' وہ گول مول انداز میں بتانے لگا۔

''اسی غیبی مدد کے بارے میں تو پوچھ رہی ہوں؟''

''تم آم کھاؤ پیڑ مت گنو۔''

''ضروری ہیں پیڑ گننے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''افوہ اب یہ چولہا کون جلائے یہ تو امی ہی جلاتی ہیں۔'' وہ چولہے کے پاس بیٹھی جھلا کر بولی۔

''سیکھ لو تم بھی کچھ۔ آگے جا کر کیا سسرال والوں کو صرف کتابوں کی ڈشز بنا کر کھلاؤ گی؟'' وہ شرارت سے بولا۔

''تم فکر نہیں کرو ابھی یہ مرحلہ میری زندگی میں دور دور تک نہیں۔'' وہ لکڑیوں کو آگ دکھاتے ہوئے بولی۔

''کسی خوش فہمی میں نہ رہنا۔ کیا پتا بالکل قریب ہو۔''

''ماشاءاللہ اب کیا طوطا لے کر فال نکالنے کا دھندا شروع کر رہے ہو؟''

''کچھ برا بھی نہیں یہ۔'' وہ دونوں بہت دنوں بعد اس طرح دوستانہ ماحول میں باتیں کر رہے تھے ورنہ تو جب سے روحیل نے پڑھائی چھوڑی تھی۔ دونوں کی سرد جنگ چل رہی تھی۔

سوتیلی ماں کے مظالم سے فرار کے لیے اس کے پاس پھوپھی کا ہی گوشہ عافیت تو تھا جہاں اس نے بچپن کے ہر

کھیل میں ثانیہ کو ہی اپنا ساتھی بنایا تھا۔

اب بڑے ہونے پر بھی وہ تصور کی آنکھ سے جب بھی اپنے زندگی کے ساتھی کو دیکھتا تو خود بخود ثانیہ اس کے پہلو میں آ کھڑی ہوتی۔ اس ایک بات پر اس کا دل دماغ دو رائے نہیں رکھتا تھا۔

مگر یہ کیسے ہوگا؟ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

اس کے دل کو پتا تھا ثانیہ بھی اس کے بارے میں اس طرح کے خیالات رکھتی ہے جس کے لیے کسی تصدیق کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ یہ تو دونوں کے درمیان جیسے طے شدہ سی بات تھی۔

''شکر ہے جل گئی۔'' ثانیہ کے کہنے پر وہ چونکا، آگ واقعی اس نے جلالی تھی۔

''امی سے کہا بھی ہے کہ مٹی کی تیل کا چولہا لے لیں۔ کم از کم میں تو یہ نہیں جلا سکتی۔''

وہ چائے کا پانی رکھنے کے لیے کیتلی کو لکڑیوں پر جمانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''پرانا چولہا پڑا ہے مگر کبھی اس میں بتیاں نہیں تو کبھی تیل۔'' وہ خود ہی بولتی جا رہی تھی اور وہ بڑی دلچسپی سے آگ کے شعلوں کی حدت سے دہکتے رخساروں کو تکے جا رہا تھا۔

''تمہاری دوبارہ تو نصرت مامی سے لڑائی نہیں ہوئی۔'' کیتلی ٹک گئی تو وہ مطمئن ہو کر پوچھنے لگی۔

''نہیں۔'' اس نے لمبا سا سانس لیا۔

''چلو شکر ہے ورنہ اس دن تو تم مجھے ڈرا ہی گئے تھے۔ اب تو وہ کوئی جھگڑا نہیں کرتیں؟''

''پتا نہیں۔'' وہ آگ میں اِدھر اُدھر سے پڑے تنکے اٹھا کر ڈالنے لگا۔

''کیا مطلب؟'' وہ حیرانی سے بولا۔

''میں ہفتہ بھر سے گھر ہی نہیں گیا۔'' وہ ذرا توقف سے بولا۔

''گھر نہیں گئے تو کہاں رہے؟''

''بس اِدھر اُدھر۔'' وہ اسی طرح تنکوں سے آگ کو چھیڑتے ہوئے بے نیازی سے بولا۔

''اِدھر اُدھر کیا مطلب روحیل! یہ کیا طریقہ ہے؟'' وہ کچھ جھلا کر بولی۔

''یہی طریقہ ہے۔ میں نے تمہیں اس دن بتا دیا تھا نا!''

''تم واقعی گھر نہیں گئے؟'' وہ مشکوک لہجے میں بولی۔

''تو کیا مذاق کر رہا ہوں؟''

''تو کیا کرتے رہے؟''

''جاب ڈھونڈ رہا ہوں۔ اب میٹرک پاس کو کون نوکری دے گا کسی دکان میں سیلز مین کے لیے کئی جگہوں پر گیا ہوں۔ امید ہے آج کل میں ہو جائے گا یہ کام تو پھر کوئی ٹھکانہ ڈھونڈیں گے اور استانی صاحبہ سے ٹیوشن لیں گے۔ اس سال عمیر کے ساتھ ہم بھی قسمت آزماتے ہیں۔'' ثانیہ حیرانی سے اسے تکے جا رہی تھی۔

محض ایک معمولی سے واقعہ نے اس پورے کے پورے جاہل، غصیلے اکھڑ اور جھگڑالو روحیل کو بدل ڈالا تھا۔

محض ایک چھری اٹھا لینے پر...... اگر ہر جرم کرنے والا جرم کرنے سے پہلے ایک بار اپنا محاسبہ کرے کہ یہ جرم وہ دوسرے کو تباہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ خود کو برباد کرنے کے لیے کر رہا ہے تو شاید اس دنیا سے جرائم مٹ ہی جائیں۔

چند سال پہلے وہ ایسا ہی تو روحیل کو دیکھنا چاہتی تھی مگر اس چاہت کا سفر بیچ میں ہی کہیں رک سا گیا تھا۔ وہ روحیل کو دیکھ کر سوچتی رہی۔

* * *

''ان میں سے دیکھو تمہیں کون سی پسند ہے۔ ویسے تو ماشاء اللہ یہ ساری لڑکیاں ہی لاجواب ہیں۔ شکل میں بھی اور سیرت میں بھی۔ ان چار میں سے تین کو تو میں ذاتی طور پر بھی جانتی ہوں۔ میرے کالج میں پڑھ چکی ہیں اور بہت اچھی فیملیز سے تعلق ہے ان کا، دیکھو تم بھی۔'' انہوں نے چاروں تصویریں بلال کے سامنے کیں۔

اس نے ایک سرسری نظر ڈال کر تصویریں ریک پر رکھ دیں۔

''بلال!'' وہ کچھ حیران سی ہوئیں۔

''ماما پلیز میں نے کہا تھا نا آپ سے مجھے ابھی فی الحال کچھ ٹائم چاہیے۔ کم از کم اپنی واپسی تک پھر بھی...... آپ کو میرا خیال نہیں۔'' وہ آخر میں پھٹ پڑنے والے انداز میں بولا تو فضیلہ چپ سی ہو گئیں۔

''تمہارا ہی تو خیال ہے ورنہ......'' وہ بولتے بولتے رک گئیں۔

''ایک ہی تو خوشی چاہی ہے میں نے تم سے۔'' ذرا دیر بعد وہ دل گرفتی سے بولیں۔

بلال نے ایک تلخ سی نظر ان پر ڈالی۔

''اور میں نے بھی تو ایک ہی خوشی چاہی تھی آپ سے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں سے پھسل گیا۔

''کیا اس میں میرا قصور ہے؟'' وہ تڑپ کر بولیں۔

''شاید میری قسمت کا۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''پھر مجھے الزام کیوں دیتے ہو؟'' وہ ترشی سے کہہ بیٹھیں۔

''کب دے رہا ہوں آپ کو الزام...... میں تو......'' وہ ایک دم سے کھڑا ہو گیا۔

''بلال! بیٹھو میرے پاس۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے بولیں۔

اگر وہ بلال کو ٹائم دیتیں۔ وہ بھی دو سال کا...... واپس آ کر اگر ثانیہ اسے دوبارہ کہیں ٹکرا جاتی اور جس کلاس سے اس کا تعلق تھا وہاں اتنی جلدی لڑکیوں کے رشتے ہوتے کہاں ہیں، اور بلال کو پتا چل جاتا تو کیسے اس کے دل میں ان کی شخصیت کا بے داغ آئینہ چور چور ہوتا اور یہ وہ کبھی گوارا نہ کرتیں۔

''اب تو چاہے رو کر، چاہے ممتا کی بلیک میلنگ سے، چاہے کسی بھی طرح مجھے بلال کی شادی کر کے ہی اسے یہاں سے بھجوانا ہے۔'' انہوں نے دل میں ٹھان لیا تھا۔

''تم جانتے ہونا میں یہ سب کچھ کیوں چاہ رہی ہوں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولیں۔

وہ چپ بیٹھا رہا جیسے اسے اس سے کچھ غرض نہ ہو۔

''تم جانتے ہونا اپنی اس دکھیا ٹوٹی ہوئی ماں کے بارے میں جس کے اعتبار کا کانچ، زندگی نے کچھ یوں ریزہ ریزہ کیا ہے کہ تم بیت گئے میری انگلیاں فگار ہو گئیں مگر اس اعتبار کا کانچ جڑ نہیں پایا پھر میں کیسے تقدیر پر بھروسہ کر کے بیٹھ جاؤں؟'' وہ شکست خوردہ انداز میں بولیں۔

''ماما! ہر بار وہی نہیں ہوتا جس کے خدشے ہمیں ڈراتے ہیں۔'' وہ قدرے چڑ کر بولا۔

''اکثر وہی ہوتا ہے جس کا خوف ہمیں اندر سے جکڑے ہوئے ہو۔'' وہ پر یقین لہجے میں بولیں۔

''کیا اس سارے میں آپ کا کچھ قصور نہیں تھا؟'' وہ بولا تو فضیلہ مبشر زندگی میں پہلی بار جیسے لاجواب سی ہو گئیں۔

بلال نے ان سے ایسا سوال کبھی نہیں کیا تھا بلکہ کسی نے بھی نہیں کیا تھا انہوں نے خود بھی خود سے یہ سوال کبھی نہیں پوچھا تھا۔

''شاید ہو۔'' اعترافی انداز میں انہوں نے گردن جھکا کر کہا۔

''مگر میں سب بھول چکی ہوں۔''

''نہیں بھولیں......اگر بھول چکی ہوتیں تو یہ فضول سا فیصلہ مجھ پر مسلط نہ کرتیں۔ ماما! پلیز ٹرسٹ می۔ وہاں جا کر شادی نہیں کروں گا اور اگر کر بھی لوں گا تو یہاں کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ ہاں اگر آپ زبردستی کریں گی اور میں وہاں جا کر اپنی مرضی سے کچھ کر بیٹھا تو پھر بہت نقصان ہو جائے گا۔ اتنا یاد رکھیے۔ اور پلیز اب مجھے اور مجبور مت کیجیے گا۔'' وہ تیز تیز بولتا انہیں لاجواب کرتے ہوئے چلا گیا۔ وہ گنگ سی بیٹھی رہ گئیں۔

✠ ✠ ✠

آج رباب اور عروج دونوں نہیں آئی تھیں۔

سارا دن بھی اس نے اکیلے گزارا اور اب واپسی پر بھی گھر اکیلے جانا پڑ رہا تھا۔ یوں بھی کالج اس کے گھر سے بہت دور تھا۔ کالج وین یا بس کا کرایہ وہ روز افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔ کبھی کبھار امی کے پاس کچھ پیسے ہوتے تو وہ یہ عیاشی کر لیتی۔

رباب اور عروج کے گھر کالج سے محض دس منٹ کی واک پر تھے اس لیے وہ دونوں اس کا ساتھ دینے کے لیے پیدل ہی چل پڑتیں، ورنہ انہیں گھر سے بھی کنوینس کی سہولت تھی۔ وہ محض ثانیہ کی وجہ سے واپسی پر پیدل جایا کرتی تھیں۔

مگر آج کل تو اسے یہ طویل فاصلہ بھی زیادہ طویل نہیں لگتا تھا۔

گھر میں بجلی تھی۔ ابا کے کمرے میں اب روشنی رہتی تھی ورنہ انہیں اندھیرے کمرے میں مستقل کسی مردے کی طرح لیٹے دیکھ کر اس کا دل خون کے آنسو روتا تھا، وہ اکثر اس اندھیری کوٹھری میں آنے والے کو پلکیں جھپک جھپک کر شناخت کرنے کی کوشش کرتے تو ثانیہ کا جی چاہتا ان کے گلے لگ کر رونے لگے۔ ایک بھیانک حادثے نے ایک باوقار شخص کو کیسا لاچار کر ڈالا تھا۔

پھر عمیر میں آنے والی تبدیلی......اگرچہ اس نے چھوٹی موٹی دکان داری ترک تو نہیں کی تھی مگر پڑھنے لگا تھا۔ یہیں سے اسے مثبت تبدیلیوں کا آغاز ہوتا نظر آ رہا تھا۔

اس علاقے میں لوگ بچوں کو پڑھاتے ہی کم تھے۔ ٹیوشن کی طرف کس کا دھیان جاتا، ورنہ وہ ٹیوشن پڑھا لیا کرتی۔ پچھلے سال گرمیوں کی چھٹیوں میں وہ ایک ٹیوشن سینٹر میں ٹیوشن پڑھاتی رہی تھی جس سے تین چار مہینے گھر میں سہولت سے گزرے تھے۔

بے حد آہستگی سے سبک خرام شیراڈ اس کے قریب آ کر رکی تھی کہ وہ بے اختیار اپنے خیالوں سے چونک ہی تو گئی۔ جلدی سے دو قدم پیچھے ہو گئی۔

گاڑی میں بلال بیٹھا تھا اور وہ اس کو قطعاً نہیں پہچانی تھی۔ اس نے تو بالکل بھی اس پر دھیان نہیں دیا تھا وہ تو میڈم فضیلہ کو دیکھ کر ہی پاگل سی ہو گئی تھی۔

ماتھے پر بل ڈال کر اس نے بلال کو دیکھا اور بیگ دوپٹہ سنبھالتی آگے چلنے لگی۔

''ایکسکیوز می! مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ کار بالکل اس کے برابر لا کر بولا۔

ثانیہ کے لیے دوسرا لمحہ حیرت کا تھا۔
''آپ ہوش میں تو ہیں۔ میں کیوں کروں گی یوں سرراہ آپ سے رک کر بات۔ آپ ہیں کون؟'' وہ ماتھے پر بل اور آنکھوں میں بیگانگی لیے سخت لہجے میں بولی۔
''آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔'' وہ شائستہ لہجے میں بولا۔
''پلیز راستہ چھوڑیے۔'' وہ کترا کر جانے لگی۔
''میرا نام بلال ہے۔ بلال مبشر۔ میڈم فضیلہ مبشر کا بیٹا، اس شام ماما کے ساتھ آپ کے گھر آپ کی مدر کو ڈراپ کرنے آیا تھا۔'' اس نے جلدی جلدی اپنا تعارف کرایا۔ مبادا وہ غصے میں کوئی پتھر اٹھا کر اسے نہ دے مارے۔
اس کا تعارف واقعی ثانیہ کے لیے ایک جھٹکا ثابت ہوا، وہ تھم سی گئی۔ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔
بغور دیکھنے پر اسے اس شام کا وہ منظر یاد آیا تو بلال کا چہرہ کچھ شناسا سا لگا۔
''پلیز آپ جو بھی ہیں یوں راستے میں......'' اس نے کن اکھیوں سے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے اس کم رش والے راستے کو دیکھا۔
''مجھے آپ سے بے حد ضروری فقط ایک بات پوچھنی ہے اور آپ کو اس بات کا بالکل سچ جواب دینا ہوگا۔'' اس کی عجیب سی فرمائش پر وہ لمحہ بھر کو حیران سی رہ گئی۔
''کیسی بات؟'' اس کے منہ سے نکلا۔
''کیا آپ گاڑی میں بیٹھیں گی، کہیں بیٹھ کر بات کر لیں تو اچھی بات ہوگی۔'' وہ اسی شائستگی سے بولا۔
''جی نہیں سوری۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' اس نے کتابوں پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے جانے کے لیے قدم اٹھایا۔
''او کے تو پھر مجھے میری بات کا جواب دے دیں۔ میں آپ کو اور کسی بات کے لیے مجبور نہیں کروں گا۔''
''جی پوچھیے؟'' وہ پھر سے اردگرد دیکھتے ہوئے محتاط لہجے میں بولی۔
''بہت ذاتی سا سوال ہے اور یوں سرراہ کسی لڑکی سے پوچھنا بھی نہیں چاہیے، مجھے اچھا بھی نہیں لگ رہا مگر......'' وہ متذبذب انداز میں بولا۔
''پلیز مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' اس بار وہ بے لحاظی سے بولی۔
''کیا آپ کا نکاح ہو چکا ہے؟'' اس نے جھٹ سے پوچھ ڈالا۔
''واٹ؟'' ثانیہ کو کرنٹ ہی تو لگا تھا۔ ''کیا بے ہودگی ہے یہ؟''
اس کا جی چاہا اینٹ اٹھا کر اس عجیب خبطی سے شخص کے سر پر دے مارے جو میڈم فضیلہ مبشر کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا۔
''تو آپ کا نکاح نہیں ہوا؟'' اس نے خود ہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے قدرے بے صبری سے پوچھا۔
''آپ حد سے بڑھ رہے ہیں او جس شخصیت سے تعلق کا حوالہ آپ نے دیا ہے میں اتنی دیر محض انہیں کے لحاظ میں خاموش رہی ہوں، ورنہ میں ایسی بات کرنے پر آپ کو راستہ دکھا دیتی آپ کے گھر کا، ہونہہ!'' وہ کہہ کر غصے میں پیر پٹختی تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

بلال کے ہونٹوں پر بڑی گہری معنی خیز مسکراہٹ اسے یوں غصے کا اظہار کرتے جاتے دیکھ کر ابھری تھی۔ اور ثبت ہو کر رہ گئی۔ وہ بڑے فرصت بھرے انداز میں گاڑی سے ٹیک لگائے اسے جاتا دیکھتا رہا۔ وہ ذرا دیر بعد اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی مگر جیسے دل میں ہمیشہ کے لیے سما گئی۔

اسے ہمیشہ کے لیے زندگی کا حصہ کس طرح بنانا ہے۔ اسے تھوڑا تھوڑا سمجھ میں آ رہا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ سیٹی پہ شوخ سی دھن گنگناتے ہوئے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

وہ رات تک اس شاک سے نہ نکل سکی، اس کے لیے یہ سب ناقابل یقین سا تھا۔ میڈم فضیلہ مبشر کا بیٹا یوں سر راہ روک کر اس سے ایسا بے ہودہ سوال پوچھے گا۔ بغیر کسی تمہید و توجیہ کے۔

اسے گاڑی میں بیٹھنے کی آفر کرے گا؟ دوسری سوچ اور بھی جھٹکا لگاتی۔ فضیلہ مبشر کا اتنی اونچائی پر رکھا آئیڈیل کا بت لرزنے لگا تھا۔ ان کا بیٹا اور اتنی عامیانہ حرکت؟

سوچ سوچ کر اس کا دماغ تھکنے لگا۔ اب یہ بات وہ کسی سے کر بھی نہیں سکتی تھی، نہ گھر میں، نہ کالج ...... ''اس نے مجھ سے یہ پوچھا کیوں، آپ کا نکاح ہو چکا ہے؟'' اس کی سوئی اسی سوال پر آ کر اٹک جاتی۔

''یہ تم پڑھ رہی ہو یا کوئی وظیفہ کر رہی ہو؟'' عمیر نے پیچھے سے اتنی زور سے ہاؤ کرتے ہوئے اسے ڈرایا تھا کہ یونہی پکڑی ہوئی کتاب اسکی ہاتھ سے نکل کر گر گئی۔

''تکلیف کیا ہے تمہیں؟'' اسے یوں لگا، جیسے گہری نیند سے بیدار ہوئی ہو۔

''تمہیں۔'' وہ انگلی اٹھا کر بولا۔ ''تمہیں کیا تکلیف ہے، اس طرح گم صم ہو جیسے کچھ کھو گیا ہو۔ ویسے تمہارے پاس واقعی کچھ تھا جو کھونے کے لائق ہو؟'' وہ جھک کر بڑی رازداری سے پوچھ رہا تھا۔

ثانیہ یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ جھک کر کتاب اٹھائی اور عمیر کے سر پر مارتے ہوئے اندر چلی گئی۔ عمیر کچھ حیران سا کھڑا دیکھتا رہا۔

✠ ✠ ✠

''آپ نے میرے ساتھ جھوٹ کیوں بولا؟'' بلال کا سوال اتنا اچانک تھا کہ وہ جو ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر اپنی اسٹڈی کی طرف جا رہی تھیں، وہیں ٹھٹک کر رہ گئیں۔

خطرے کی گھنٹی ٹن کر کے بجی تھی۔

''ماما! بیٹھ جائیں۔'' انہیں بے حس کھڑے دیکھ کر بلال نے آہستگی سے کہا۔

''یہ بات کیوں کی تم نے؟'' خود کو سنبھالتے ہوئے وہ بیٹھ چکی تھیں۔

''آپ نے کیوں کی؟'' وہ بھی ان ہی کے لہجے میں بولا۔

''میں نے کیا کیا ہے، کچھ بھی نہیں۔'' وہ عادی جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں تھیں۔ کبھی کبھار مصلحتاً جھوٹ بول بھی لیتی تھیں مگر اس لمحے وہ مصلحت والا نظریہ بھی آڑے نہیں آ رہا تھا۔ ان کی آواز کتنی پست تھی، انہیں خود بھی اندازہ ہو رہا۔

''ثانیہ کا نکاح نہیں ہوا اور آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا۔'' اس کے لہجے میں دکھ اور افسوس تھا۔

وہ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

''اگر یہ بات جھوٹ ہے تو یہ جھوٹ میں نے نہیں ثانیہ نے بولا ہے۔ میں نے خود اس سے پوچھا تو......'' بات کے بیچ میں ہی اس کا سانس کچھ پھول سا گیا۔ پانی گلاس میں ڈال کر دو گھونٹ بھر کر وہ خود کو کمپوز کر رہی تھیں۔

بلال پلکیں جھپکے بغیر انہیں دیکھے جا رہا تھا، یہی چیز انہیں کنفیوز کر رہی تھی۔

''اس نے یہ جھوٹ کیوں بولا؟''

''مجھے کیا پتا...... ہو سکتا ہے، وہ کہیں انوالو ہو۔'' وہ قدرے رکھائی سے بولی تھیں۔

''یہ بھی ہو تو سکتا ہے......'' وہ رکا۔ ''آپ نے اس سے ایسا پوچھا ہی نہ ہو۔'' وہ رک رک کر بولا تھا جیسے اس بات کا یقین ہو۔

''بہت دکھ کی بات ہے۔ تم اپنی ماں پر شک کر رہے ہو۔'' وہ تاسف سے بولیں۔

''یہی تو دکھ کی بات ہے ماما! آپ نے یہ سب کیوں کیا؟''

''بلال......! تمہیں یہ سب کس نے بتایا؟''

''اس بات کو چھوڑیں، اگر آپ کو وہ میری پسند کے طور پر قبول نہیں تھی تو بھی آپ کو صاف گوئی سے کام لینا چاہیے تھا۔''

''تو کیا تم مان جاتے؟'' وہ طنز سے بولیں۔

''میں مانتا یا نہیں مگر مجھے یہ دکھ تو نہ ملتا کہ میری اتنے اونچے آئیڈیاز رکھنے والی ماں نے وہی امیری غریبی کے فرق کو مدنظر رکھ کر مجھ سے کس دھڑلے سے جھوٹ بولا ہے۔''

''بلال......! دس از ٹو مچ...... تم مسلسل مجھے جھوٹا کہے جا رہے ہو۔ ایسا ہے تو مت بات کرو مجھ سے کوئی بھی۔ میں تو......'' اب خود کو بچانے کی فی الحال یہی صورت تھی کہ وہ خفگی دکھاتیں۔

''بات تو مجھے آپ سے کرنا ہے۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

''اب کیا رہ گیا ہے بات کرنے کو۔'' وہ نروٹھے پن سے بولیں۔

''ابھی تو بات شروع ہو گی۔ ٹھیک ہے۔ آپ نہیں مانتیں۔ جو ہو سکتا ہے آپ کو سننے میں غلط فہمی ہوئی ہو مگر حقیقت یہی ہے کہ ثانیہ کا نکاح نہیں ہوا۔ میں ابھی شادی وادی کے چکر میں پڑنا نہیں چاہتا تھا مگر آپ کی ضد......'' وہ گہرا سانس لے کر رکا۔

''اگر آپ کو یہی خوشی عزیز ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ مجھے آپ کی ضد عزیز ہے کہ میں خود پر جبر کر کے مان رہا ہوں تو آپ کو بھی...... کیا ماما! یہ بہت غلط انہونی سی بات ہے۔'' وہ ان کے مدمقابل کھڑا پوچھ رہا تھا۔

وہ بالکل خاموش رہیں، پہلے اس طرح کے دلائل جوش خطابت میں دے کر پھنس چکی تھیں۔

''اگر یہ بات غلط ہے تو آپ اپنے کہے سے مکر رہی ہیں ماما! میں اپنی باقی کی عمر اس بات کو صحیح ثابت کرنے میں لگا دوں گا کہ انسانوں میں فرق کی وجہ دولت اور اسٹیٹس نہیں، علم اور تقویٰ اور کردار ہے۔''

''بلال!'' وہ اس کو حیرت سے دیکھنے لگیں۔
''اگر یہ بات صحیح ہے تو آپ کو چاہیے اپنی سو کالڈ ریپو سے نظریں چرانی پڑیں، آپ کو ثانیہ کے گھر میرا پرپوزل لے کر جانا ہوگا ورنہ شاید میں آپ کی ضد پوری نہ کر سکوں۔'' وہ کہہ کر تیزی سے چلا گیا۔ فضیلہ کھڑی رہ گئیں۔

✠ ✠ ✠

''یہ تم سو رہے ہو یا پڑھ رہے ہو؟'' روحیل زمین پر بیٹھا دیوار سے ٹیک لگائے کتاب آگے رکھے سو رہا تھا، ثانیہ کمرے میں آئی تو دیکھ کر بولی۔
''آں..... نہیں.....'' وہ ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔
''تمہاری پرانی عادت ہے کتاب آگے رکھی اور خواب خرگوش کے مزے لوٹنے لگے۔'' وہ اپنے نوٹس نکالتے ہوئے بولی۔
''اس وقت دھیان دے لیتا تو آج.....'' اس نے کوفت سے آگے پڑی کتاب کو دیکھا اور منہ کھول کر جمائی لینے لگا۔
''منہ کے آگے ہاتھ ہی رکھ لو۔'' جاہلانہ انداز سے اسے جمائی لیتے ہوئے دیکھ کر ثانیہ ناگواری سے بولی۔
''منہ کے آگے ہاتھ رکھنے سے جمائی زیادہ خوبصورت لگنے لگتی ہے کیا؟'' وہ چڑ کر بولا۔
''تمہیں ہوا کیا ہے، نہیں پڑھنا تو رکھ دو کتاب۔'' وہ بھی اسی کے لہجے میں بولی۔
''لو رکھ دی۔ نیند سے برا حال ہے۔ یوں بھی اچھے دنوں میں نہیں پڑھ سکا تو اب کیا پڑھوں گا۔ بہت مشکل ہے۔'' اس نے واقعی کتاب رکھ دی۔
''بچپن سے آج تک تمہارا یہی نسخہ ہے، ہر مشکل سے فرار کا..... بہت مشکل ہے۔'' وہ چڑ کر بولی۔
''پہلے اور بات تھی، واقعی پڑھائی میں دل نہیں لگتا تھا مگر اب میں دل لگانا چاہتا ہوں مگر.....'' وہ بے بسی سے بولا۔
''مگر کیا..... اب کیا ہو گیا دل کو؟''
''پتا نہیں تم کیسے اتنا پڑھ لیتی ہو۔ رٹو طوطا ہو تم۔ مجھ سے تین لائنیں حفظ نہیں ہوتیں۔'' وہ بے زاری سے بولا۔
''سمجھ کر پڑھو نا۔ حفظ کیوں کرتے ہو؟'' وہ اپنی کتاب اور فائل کھول کر پڑھنے میں مصروف ہو چکی تھی۔ سرسری لہجے میں بولی۔
''نا سمجھ ہوں جو سمجھے بغیر پڑھ رہا ہوں بس اس نیند نے۔'' وہ پھر سے جمائی لینے لگا اور یاد آنے پر بے ساختہ منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر اسے دیکھنے لگا۔
''تم گھر نہیں جا رہے؟'' ثانیہ اسے دیکھ کر بولی۔
اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''تو سوتے کہاں ہو؟'' اسے خیال آیا۔
وہ چپ کر گیا جیسے اس سوال کا جواب سوچ رہا ہو۔
''روحیل رات کہاں گزارتے ہو؟'' وہ پھر سے بولی۔
''یہی تو مسئلہ ہے۔'' وہ سوچ کر بولا۔ ''کوئی ٹھکانہ نہیں، کبھی کسی شٹر کے نیچے، کسی پارک یا کہیں بھی جہاں جگہ مل

ہے۔''

اور ثانیہ اسے یوں دیکھنے لگی۔جیسی اس کا دماغ چل گیا ہو۔

''تم پاگل تو نہیں ہو، اس طرح تمہیں کہیں سے بھی پولیس پکڑے، کسی بھی کیس کے شک میں......تم جولاوارثوں کی طرح......گھر کیوں نہیں جاتے؟'' وہ بگڑ کر بولی۔

''گھر......کون سا گھر......میرا کوئی گھر نہیں۔'' وہ خفگی سے بولا۔

''کچھ زیادہ ہی فلمی نہیں ہو رہے تم......اس طرح در بدر بھٹک کر کیا تم اپنی زندگی سنوار لو گے۔'' وہ تاسف سے کہنے لگی۔

''کچھ نہ کچھ تو بن ہی جاؤں گا۔'' وہ ٹانگیں پسار کر بولا۔

''کل ماموں آئے تھے، امی پر خوب بگڑ رہے تھے اور تمہیں......'' وہ رک گئی۔

''اور مجھے گالیاں اور کوسنے دے رہے ہوں گے۔ آوارہ گرد، بدمعاش، لفنگا کہہ رہے ہوں گے؟'' وہ سر کے پیچھے ہاتھ رکھے مطمئن لہجے میں بولا۔

''دیکھو اگر تم خود کو بدلنے کا فیصلہ کر چکے ہو تو پھر تمہیں کس بات کا خوف؟ تم گھر جاؤ، ماموں کی باتوں پر دھیان مت دو۔ یوں بھی تم تو رات گئے جاؤ گے۔ صبح کسی نوکری پر......تمہارا سامنا ہی کتنا ہوگا۔'' اس نے بے اختیار ہاتھ اٹھا کر اسے ......دیا۔

''گھر جانے کا نام نہیں لو، میں اس بات کو بھول چکا ہوں۔'' وہ قطعی لہجے میں بولا۔

''تو پھر کیا کرو گے؟'' وہ تیز لہجے میں بولی۔

''نوکری تو مل گئی ہے ایک دکان میں۔ اب تنخواہ ملے گی تو کسی ہاسٹل میں دیکھ لوں گا۔'' وہ سرسری لہجے میں بولا۔

''تو پھر ایک کام کرو۔'' ثانیہ زچ ہو کر بولی۔

''تم جب تک ہاسٹل میں نہیں چلے جاتے، رات کو ادھر آ جایا کرو۔''

وہ تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔

''ادھر......کہاں ہے جگہ۔ یہ چھوٹی چھوٹی سی دو کوٹھڑیاں......جہاں بمشکل تم لوگوں کے بستر لگتے ہیں۔'' وہ ذرا ہنس کر بولا۔

''باہر برآمدے میں......ایک چارپائی کی جگہ تو ہے۔''

اس نے راہ دکھائی تو روحیل لحہ بھر کو خاموش ہو گیا۔

''میں امی سے بات کر لیتی ہوں۔ ویسے انہیں تو کوئی اعتراض ہوگا بھی نہیں۔'' وہ پھر سے بولی۔

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟'' وہ سوچ کر بولا۔

''کیا مطلب......؟ وہ بہت پیار کرتی ہیں تم سے۔ اگر ہمارے حالات اس طرح کے ہوتے تو وہ یقیناً تمہیں پہلے ہی......''

''میں اگر رہ بھی جاؤں، ابا آ کر ادھر کیسا ہنگامہ کریں گے، ان کی جگ ہنسائی ہوگی کہ باپ کا گھر ہوتے ہوئے میں انکی بہن کے گھر لاوارثوں کی طرح آ پڑوں۔''

''عجیب ہو تم......کسی بھی بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''ثانیہ......ثانیہ......!'' باہر آؤ۔'' خدیجہ کی آواز پر وہ کتابیں رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اور آج تو یوں بھی رات بہت ہو چکی ہے، کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ کھانا بھی تیار ہے۔ شاید امی اسی لیے بلا رہی ہیں۔ تم جانا نہیں، سنا۔'' وہ جاتے ہوئے اسے تاکیداً کہہ گئی۔

وہ ان سنی سی کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ ہاتھ میں پکڑی کتاب سامنے پلنگ کی طرف اچھالی اور باہر جانے لگا کہ ایک دم اس کے قدم رک گئے۔

برآمدے میں سے کچن سے خدیجہ کی دھیمی مگر غصیلی آواز آ رہی تھی۔

''تیرا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا، جو اسے رات میں رہنے کا کہہ رہی ہے۔''

''کیا ہوا امی؟'' وہ روہانسی ہو کر بولی۔

''پتا نہیں وہ آج کل کن میں اٹھتا بیٹھتا ہے۔ گھر وہ جا نہیں رہا۔ نصرت نے ہر طرف واویلا کر رکھا ہے کہ وہ اسے اور اس کے بچوں کو قتل کرنا چاہتا ہے، اب دن بھر غائب اور رات کو اِدھر اُدھر جانے کدھر پھرتا ہے۔ کن کی صحبت میں پڑ گیا ہے۔'' وہ غصے میں بڑبڑا رہی تھیں۔

''امی......!'' ثانیہ دکھ سے بولی۔ ''روحیل ایسا نہیں ہے، وہ کچھ بننا چاہتا ہے، شرمندہ ہے۔''

''بن چکا...... جب بننے کی عمر تھی، تب اسکول سے بھاگا پھرتا تھا۔ کچھ نہ ملا تو چھین لیا، چوری کر لیا۔ عادتیں پکی ہو چکی ہیں اس کی، اب کیا بنے گا بھلا اور تو یہ ختم کر استانی بننے کا شوق، اب وہ کیا پڑھے گا بھلا۔'' وہ ترشی سے کہہ رہی تھیں۔

''امی! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟' ثانیہ بے حد حیران تھی۔

''پاگل ہو گئی ہوں میں، دن بھر میں باہر رہتی ہوں۔ شام ڈھلے آتی ہوں اور تو تو بالکل دیوانی ہے۔ جوان بیٹی کتنا بڑا دھڑکا ہوتی ہے، کام کے دوران بھی میرا دھیان صرف تجھ میں اٹکا رہتا ہے اور تو نے اسے پڑھائی کے بہانے وقت بے وقت بلانا شروع کر دیا ہے، اور اب رات ادھر رہنے کا مشورہ دے رہی ہے۔ کیا ماں مر گئی ہے کہ اس سے پوچھنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ باپ تو پڑا ہے۔'' وہ غصے میں بولتی چلی گئیں۔

''امی!'' ثانیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، ماں کے اس بدلے ہوئے روپ کو وہ کیا نام دے اور ان سے کیا سوال کرے۔

''بھتیجا ہے وہ میرا، خون ہے مگر اپنا پیٹ پہلے۔ آدمی بڑا خود غرض ہوتا ہے اور جہاں عزت کی بات آ جائے..... تمہاری تو کتابوں نے عقل خبط کر لی ہے۔ کچھ دنیا داری کا تجھے ہوش نہیں، مجھے تو پردا ہے نا! اتنے سال اس گھر میں رہتے، اب کیا کیڑے پڑ گئے وہاں۔ ضرور کوئی اور بات ہو گی۔'' وہ مشکوک لہجے میں بولیں۔

''بھلا کیا بات ہو گی، خوامخواہ۔'' ثانیہ چڑ کر بولی۔

''جانے کون سے گروہ گروپ میں چلا گیا ہو۔ مار دھاڑ، چوری چکاری گلی گلی تو ہو رہی ہے، اب یہ میٹر لگوانے کا معاملہ بھلا آسان کام تھا۔ اتنا پیسہ، اتنی سفارش، ورنہ دو دن میں میٹر لگ سکتا تھا۔ تجھے نہیں نظر آتیں اس کی پراسرار سرگرمیاں..... ہر وقت آنکھیں لال ہوئی رہتی ہیں۔ اللہ جانے کوئی نشہ وشہ بھی کرنے لگا ہے۔'' وہ آج اپنے دل کے ہر خدشے کو زبان پر لانے کا تہیہ کر چکی تھیں۔

''امی......! روحیل ایسا نہیں ہے۔'' وہ کمزور لہجے میں بولی۔

''جتنی تیری عمر ہے، اس سے دوگنا میرا تجربہ۔ تجھے کیا پتا کون کیسا ہے؟ باپ نے گھر سے نکالا، کوئی یونہی تو گھر سے نہیں نکالتا جوان بیٹے کو۔۔ کچھ نہ کچھ دیکھا ہو گا اس میں، ورنہ کسی کا دماغ خراب ہے۔ بس اب میری بات کان کھول کر سن لو۔''

وہ وارننگ دینے والے انداز میں بولیں۔
''اب زیادہ دوستانہ جتانے کی ضرورت نہیں، یوں بھی تم لڑکی ہو۔ اپنی حدود کو سمجھو، اس طرح جوان کزن سہی، فری ہونا، ہنسی مذاق مجھے پسند نہیں۔ تجھے انسانوں کی پہچان ہی کب ہے؟''
''امی!'' اس کی آنکھوں میں صدمے سے آنسو ہی تو آ گئے۔
''باپ تمہارا بستر پر لاچار پڑا ہے، کہیں آنے جانے، دیکھنے دکھانے سے قاصر۔ میں تو ہوں نا! مجھے تمہاری ماں اور باپ دونوں بننا ہے۔ گھر سے روزی کمانے نکل جاؤں تو کیا گھر سے غافل ہو جاؤں، ہرگز نہیں۔ بس آئندہ میں تمہیں یوں اس کے ساتھ محفل جماتے فری ہوتے نہ دیکھوں۔ پڑھنا ہے اسے تو شہر میں بہتیری اکیڈمیاں اور سینٹر کھلے ہیں، کہیں بھی داخلہ لے۔ باپ سے کہے، اتنا بھی پتھر دل نہیں کہ اس کی پڑھائی کا خرچہ نہ اٹھا سکے اور تم جو کہہ رہی ہو......'' وہ سانس لینے کو رکیں۔
ثانیہ نے سر جھکا کر تیزی سے بہتے آنسو صاف کیے۔
''بدلنا چاہتا ہے خود کو تو پہلے باپ کو۔ ماں سوتیلی سہی، انہیں تو راضی کرے، تب ہی تو پتا چلے گا وہ اپنی زندگی کو سنوارنا چاہتا ہے۔ باپ کے ہوتے، گھر کے ہوتے یوں دربدر رلتا پھرے، کون سی زندگی سنورے گی اس کی۔ پوچھ ابا سے جا کر روٹی لے آؤں۔'' انہوں نے اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر شاید موضوع بدلا تھا۔
اس نے اپنی صابر شاکر مثبت سوچ رکھنے والی ماں کو شکایتی نظروں سے دیکھا۔
''امی! آپ بہت غلط سوچ رہی ہیں۔'' وہ اٹھتے اٹھتے دکھ بھرے لہجے میں بولی۔
''غلط نہیں سوچ رہی، اس دنیا کے بارے میں تیری آنکھیں کھول رہی ہوں۔ تجھے سمجھ ہی کہاں ہے۔ ہر جگہ یہ کتابی عقل نہیں چلتی۔ چل روحیل کو کھانا دے اور اس کو چلتا کر۔ زیادہ ہمدردیاں دکھانے کی ضرورت نہیں۔''
وہ کچھ دیر کھڑی ماں کو روٹیوں کے پیڑے بناتے دیکھتی رہی۔ کیسی بے یقینی سی تھی اس کی نگاہوں میں۔
اس نے ایک نظر مڑ کر دیکھا۔
کوٹھری سہی اور اس برآمدے میں فاصلہ ہی کتنا تھا، یقیناً یہ سب کچھ روحیل بھی سن چکا ہوگا۔
پہلی بار اسے خیال آیا تو شرمندگی کے احساس سے جیسے قدم ہی جکڑے گئے۔ ''اگر اس نے یہ سب سن لیا ہو تو......''
وہ مرے مرے قدموں سے جانے کے لیے مڑی، اسی وقت روحیل اندر سے نکل کر آیا۔
ثانیہ نے ایک چور نظر اس پر ڈالی۔
اس کے چہرے پر کچھ بھی نہیں تھا جس سے پتا چلتا کہ اس نے کچھ سن لیا ہے۔ ہاتھوں سے بال سنوارتا، وہ لاپروا سے انداز میں باہر نکلا تھا۔
''آؤ آؤ روحیل بیٹا!'' گرم گرم روٹیاں اتار رہی ہوں۔ آؤ بیٹھو۔'' خدیجہ کی زبان، الفاظ ہی نہیں لہجہ بھی بدل چکا تھا۔
''تو امی! یہ ہے آپ کی دنیاداری جو آپ مجھے سکھانا چاہ رہی ہیں۔'' وہ دکھ میں گھری کھڑی رہی۔
''پھپھو! ایک دوست کو نو بجے ملنے کا ٹائم دے رکھا ہے، ضروری کام ہے۔ بس آدھے گھنٹے میں آیا پھر آ کر کھاتا ہوں۔ آپ میری روٹی پکا کر رکھ دیجیے گا۔'' وہ بالکل نارمل لہجے میں بول رہا تھا۔
''او ہو زیادہ ٹائم نہیں لگے گا۔ تیار ہے، کھا جاؤ پہلے۔'' خدیجہ نے اصرار کیا۔

"نہیں پھپھو! وہ نکل گیا تو بڑا مسئلہ ہو جائے گا۔ بہت ضروری کام ہے مجھے اس سے۔ بس ابھی آدھے گھنٹے میں آیا۔ خدا حافظ۔" وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا چھوٹا سا صحن عبور کر گیا۔

اور ثانیہ اسے دروازہ کھول کر جاتا دیکھتی رہی۔

جانے کیوں اس کے دل کو یقین ہو گیا، روحیل یہ سب سن چکا ہے اور اب شاید وہ کبھی ادھر نہ آئے۔

امی کہتی ہیں مجھے دنیاداری کا پتا ہے، نہ انسانوں کی پہچان...... امی! آپ کا تجربہ ہار گیا۔ روحیل کتنا بدل چکا ہے، میرا کم عمر مشاہدہ جانچ چکا ہے اور آپ اپنے تجربے کے زعم میں دھوکا کھا گئیں۔

اللہ کرے میرا اندازہ غلط ہو کہ وہ یہ سب سن چکا ہے ورنہ شاید...... وہ جو خود کو بدلنے کا ارادہ کر چکا ہے، اس سے پھر جائے۔ اللہ نہ کرے۔" وہ بے تحاشا دکھ اور کرب میں گھری ابا کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ یوں جیسے اس کا کچھ بہت قیمتی کھو گیا ہو۔

✠ ✠ ✠

ان کے لیے زندگی میں اس سے کڑا امتحان اور کوئی نہیں آیا تھا۔ سوچ سوچ کر ان کے دماغ کی رگیں پھٹنے لگی تھیں مگر کوئی رستہ نہیں سوجھ رہا تھا۔

"مجھے بلال سے جھوٹ بولنا ہی نہیں چاہیے تھا، پہلے ہی دن اسے دوٹوک الفاظ میں بتا دینا چاہیے تھا کہ وہ جو چاہ رہا ہے، وہ ممکن نہیں۔ کسی بھی طرح نہیں۔ آخر یہ کوئی معمولی بات تو نہیں، مذاق ہے کوئی۔"

"ایک اتنی کم حیثیت لڑکی جس کی ماں لوگوں کے گھروں میں کام کرتی ہے، اس کی بیٹی خواہ کتنی لائق فائق ذہین ہو، میں فضیلہ مبشر اس شہر کے بہترین کالج کی پرنسپل، اپنی بہو بنا لے آئے، ناممکن۔"

اس سوچ پر آ کر ان کی عقل مختل ہونے لگتی تھی۔ "ٹھیک ہے، مجھے بلال سے قطعی انداز میں بات کرنا ہو گی کہ یہ ممکن نہیں۔ وہ اگر شادی کر کے نہیں جانا چاہتا تو نہ جائے مگر میں ثانیہ سے اس کی شادی نہیں کر سکتی۔ دیٹس آل۔"

وہ فیصلہ کن انداز میں بڑبڑاتی ہوئی باہر کی طرف بڑھیں، دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر ٹھٹک سی گئیں۔

"اگر وہ ضد پر اڑ گیا اور ایسا ہی ہوتا ہے اگر ماننا ہو تو پہلی بار مان جاتا ہے۔ نہ ماننا ہو تو پھر اس سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں منوا سکتی۔ ایک فضول بات کے پیچھے میں اپنا بیٹا گنوا دوں۔ پہلے اس کی نظروں میں جھوٹی پڑ چکی ہوں، اب اگر اسے اس ضد سے، پیچھے ہٹنے کا حکم دوں اور وہ انکار کر دے تو میری اپنی ہی نظروں میں کیا عزت رہ جائے گی۔ نہیں، بالکل نہیں۔" وہ نڈھال سی صوفے پر گر گئیں۔

"اور اگر دیکھا جائے تو ثانیہ میں سوائے غربت کے اور کوئی کمزوری یا کمی ہے بھی نہیں۔ شکل و صورت، کردار، ذہانت، اعتماد، وہ ساری خوبیاں جو میں بہو کے لیے ڈھونڈ رہی ہوں ثانیہ میں موجود ہیں۔ بس ایک اسٹیبل خاندان نہیں۔" وہ خود کو سمجھاتے ہوئے کنپٹی میں سر ہلانے لگیں۔

"یہی تو وہ پوائنٹ ہے، جہاں ثانیہ کی ساری خوبیاں ہار جاتی ہیں۔ میں کس کس کا منہ بند کروں گی اور وہ فوزیہ کیسی فطرت کی ہے۔ مجھے معلوم ہے اس نے اس سارے قصے کو کس رنگ میں مسالا لگا کر سارے کالج میں مشہور کرنا ہے، او مائی گاڈ!" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"زونی بھی تو کبھی نہیں مانے گی اور دیکھا جائے تو بات ہے ہی بہت غیر معقول۔ اس بلال کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ایک نظر اس عام سی صورت والی لڑکی کو کیا دیکھ لیا، کیا امیج بنے گا سارے خاندان میں بلال کا بھی کہ کیسا نظرباز لڑکا ہے

ـ حصیہ مبشر کا، ایک نوکرانی کی بیٹی کو پسند کر بیٹھا۔'' ان کا خون کھولنے لگا۔

'' اور اس کو نکاح والی بات بھلا کس نے بتائی ہو گی، جتنا وہ کنفرم تھا۔ یقیناً کسی معتبر ذرائع...... کیا ہو سکتا

ثانیہ...... کیا اس کی ثانیہ سے بات چیت ہے...... پہلے سے...... نہیں، نہیں...... یہ ثانیہ سے ملتا ہو گا۔ وہ گھٹیا لڑکی شکل

...... '' انہیں غصہ آنے لگا۔

'' ہو سکتا ہے، ایسا کچھ بھی نہ ہوا ہو۔ بلال نے کسی اور ذریعے سے معلوم کرایا ہو۔ اب اس کا پتا لگانے کا کچھ فائدہ

۔ ایک صورت ہو سکتی ہے۔ بلال تو شاید نہ ٹلے مگر...... '' وہ سوچنے لگیں اور پھر سر ہلانے لگیں۔

'' مجھے ایک کوشش اور کرنی ہو گی اور مجھے یقین ہے میری یہ کوشش کامیاب ہو گی۔ ثانیہ میری بات کبھی نہیں ٹال

۔ مجھے اس بات کا تو یقین ہے۔''

ایک دم ان کے اندر سکون سا اترنے لگا۔ ایک مستقل سر درد جیسا مسئلہ حل ہوتا نظر آ رہا تھا، وہ مطمئن سی ہو گئیں۔

✠ ✠ ✠

اگر چہ اتنی سردی نہیں تھی مگر اسے لگ رہی تھی۔ دو راتوں سے اس کی نیند ادھوری تھی۔

دو دن سے اس نے ڈھنگ سے کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔ ادھوری نیند اور ادھوری بھوک اسے مل کر شکست دے رہی

...

کبھی جی چاہتا ماچس اور پیٹرول لے کر اس سارے جیتے جاگتے، ہنستے کھیلتے، کھاتے پیتے اور آرام دہ بستروں

ـ سہولت گھروں میں رہائش پذیر ان پتھر دل لوگوں کو آگ لگا دے۔ وہ آگ جو اس کے دل اور دماغ میں اس وقت

ـ رہی تھی۔ اس میں سنگین نہیں تھی۔ زور کا بھانبڑ تھا اور اس کو بھڑکایا تھا خدیجہ پھپھو کی باتوں نے۔

وہ چلتا جا رہا تھا۔ بغیر رکے، بغیر دیکھے۔ اسے کدھر جانا تھا، کہاں پہنچنا تھا، کچھ خبر نہیں تھی، بس یہی احساس تھا یہاں

ـ ...ر بہت دور چلا جائے۔

'' کتنی دور...... کتنی بھی دور چلا جاؤں، اس ظالم جسم کی ضرورتوں اور حاجتوں سے پناہ تو کہیں بھی نہیں۔'' وہ ایک

ـ سے نڈھال ہو کر سڑک کے کنارے کچی زمین پر یونہی بیٹھ گیا۔

نیند...... بھوک...... بس دو بھوت تھے جو ہر طرف ناچتے نظر آ رہے تھے۔ وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا ہی سر دبوچے

...ت زدہ سا یوں بیٹھا تھا کہ سڑک سے گزرتی اکا دکا گاڑیوں میں بیٹھے لوگ یقیناً اسے کوئی خبطی فقیر یا عادی نشئی سمجھ رہے

ـ گے۔

لمحہ بھر کو کسی نے بھی رک کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی کہ اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔

وہ آج کس وجہ سے یہاں بیٹھا تھا، بنیادی وجہ کچھ بھی ہو، اپنی اس حالت کا ذمہ دار وہ خود ہی تھا۔

'' کیا مجھے گھر چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔ آخر اتنی جذباتیت دکھانے کی ضرورت کیا تھی۔ وہ عورت بھاڑ میں

...

اور اتنے دن گزر گئے ابا نے کون سا مجھے پوچھ لیا۔ میں لاوارثوں کی طرح سڑکوں میں رُل رہا ہوں، میں پارکوں

ـ سو رہا ہوں اور انہیں ذرا احساس نہیں۔ اس سے تو اچھا تھا میں واقعی کوئی پیشہ ور جیب کترا، اٹھائی گیرا یا چور بن چکا ہوتا۔

ـ بیٹھ کر اپنی بھوک، اور نیند کا ماتم نہ کر رہا ہوتا۔''

'' اس میں ابھی بھی کوئی رکاوٹ نہیں۔'' خیال بجلی کی طرح کوندا تھا، وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

کسی بھی گلی کے نکڑ پر چھپ کر کھڑا ہو جاتا ہوں، کوئی بھی مسکین سا شخص نظر آیا، قابو تو کر ہی سکتا ہوں۔ مجھے
بن کر کون سا کسی سے میڈل لینا ہے اور کس کو پروا ہے میں نیک بنوں یا بد کار اور پھوپھی کی طرح باقی بھی فرض کر چکے
ہے۔ میں کسی نہ کسی گینگ میں شامل ہوں اور راتوں کو وارداتیں کرتا ہوں۔ شاید دو چار قتل بھی کر چکا ہوں۔ ایسے میں
میری نیکی اور پارسائی کا یقین کرے گا۔ کوئی نہیں۔'' وہ ایک اندھیری گلی کے موڑ پر چھپ کر کھڑا ہو گیا تھا۔
نیند سے زیادہ بھوک نے اسے پاگل کر رکھا تھا۔ اس وقت کہیں سے بھی کسی بھی طرح بس کھانے کا بندوبست
جائے، اسے اور کچھ نہیں چاہیے تھا۔

رات کافی گہری ہو چکی تھی، زیادہ تر لوگ گھروں میں گھس کر آرام کر رہے تھے، گلی کے تقریباً سب ہی گھروں
روشنیاں گل ہو چکی تھیں۔

ایک طرف سے قدموں کی آواز ابھری۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کا شکار آ رہا تھا۔ اسے کس طرح سے
شکار کو دبوچنا تھا فوری طور پر سمجھ نہیں آیا۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار، کوئی ڈنڈا، چھری کچھ بھی تو نہیں تھا۔
ایک ضعیف بوڑھا لاٹھی ٹیکتا اندھیرے میں بہ دقت چلتا اس کے قریب آ چکا تھا اور وہ بے بسی سے دیکھتا رہ گیا
بوڑھا آہستہ آہستہ چلتا اس کے قریب سے گزر گیا۔ ایک آسان شکار اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکا۔
''اس کو پکڑ بھی لیتا تو اس بڈھے کے پاس سے نکلنا بھی کیا تھا۔ حلیے سے ہی مفلوک الحال لگ رہا تھا'' اس
اپنی بے بسی کی دلیل دی۔

پھر وہ گھنٹہ بھر وہاں دیوار کے ساتھ پہلے کھڑا رہا پھر تھک کر بیٹھ گیا۔ صرف دو موٹر بائیک گزریں جن کو وہ
نہیں پکڑ سکتا تھا۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اور اس کی بھوک بھی مر چکی تھی۔ وہ نڈھال سا اٹھا اور سونے کے لیے کوئی چھ
سایہ ڈھونڈنے لگا۔ قسمت کو شاید اس کا چور ڈاکو بھی بننا منظور نہیں تھا۔

''لعنت ہو ایسی زندگی پر......'' اس نے راستے میں آئے ہر پتھر کو ٹھوکروں سے اڑایا۔
ایک گلی کے آخری سرے پر پہنچ کر اس کے قدم بے اختیار ٹھٹک گئے۔ وہ اپنے ہی گھر کے آگے کھڑا تھا۔ گھ
تمام روشنیاں بجھی ہوئی تھیں۔

وہ بے حس کھڑا گھر کے بند دروازے کو دیکھتا رہا۔
اگر گھنٹی بجا بھی دوں تو کوئی رات کے اس پہر کھولے گا نہیں۔ کھولا بھی تو......ابا ہوئے یا دادی چڑیل......ہنگامہ
ہنگامہ......وہ کھڑا کچھ دیر سوچتا رہا۔

پھر ہمیشہ کی طرح اس نے گھر کی باؤنڈری وال کو جانچتی نظروں سے دیکھا اور پورا زور لگا کر دیوار پھلانگ گیا
اور کچھ نہیں سونے کو جگہ تو مل ہی گئی تھی۔ صبح کیا ہو گا اسے اس کی پروا نہیں تھی۔
وہ سیڑھیوں کے نیچے بنے اسٹور میں چارپائی پر پڑے بستروں کے ڈھیر پر یوں گرا، جیسے اب کبھی نہیں اٹھے گا۔

✠ ✠ ✠

''کیسا جا رہا ہے تمہارا پروجیکٹ فوزیہ؟'' انہوں نے اپنے آگے پڑی فائل پر دستخط کرتے ہوئے سامنے بیٹھی
فوزیہ سے پوچھا۔

''فائن میڈم۔ اوہ کیا سوچا پھر آپ نے؟'' فوزیہ نے دوسری باران سے پوچھا تھا اور وہ ''ابھی کچھ نہیں سو

کچھ دنوں میں بتاؤں گی'' کہہ کر ٹال گئی تھیں۔

''ابھی تو کچھ نہیں، بلال ہی ڈبل مائنڈڈ ہو رہا ہے۔ وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا اور میں...... میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' وہ گہرا سانس لے کر بولیں۔

''لڑکی کون سی والی آپ کو پسند آئی فرو ایا......؟'' فوزیہ اس دن سے اسی تجسس میں تھی۔ ظاہر ہے لڑکی والے اس کے ہمسائے تھے۔ ان کے گھر سے پچھوایا جا رہا ہوگا، جبکہ وہ واضح طور پر انکار بھی نہیں کر رہی تھیں۔

انہوں نے سوچ کر نفی میں سر ہلایا۔

''یہ بھی کنفرم نہیں، بچیاں تو دونوں اچھی تھیں۔'' انہوں نے پین ہولڈر میں رکھا۔ پین خواہ مخواہ نکالا اور پھر بند کر کے رکھ دیا۔

فوزیہ کچھ مایوس سے ہو کر بیٹھ گئی۔

''ایک بات تو بتاؤ فوزیہ!'' بہت دیر سے دل میں جو سوال تھا، وہ کرنے کے لیے تمہید باندھنے لگیں۔

''پوچھیں میڈم!'' فوزیہ ہمہ تن گوش تھی۔

''تمہارے گھر میں جو خاتون کام کرتی ہے، وہ جو اس شام ہمارے ساتھ گئی تھی، یاد ہے تمہیں؟'' ان کی سمجھ میں نہ آیا آگے کیا پوچھیں۔

''جی یاد ہے، آپ خدیجہ کی بات کر رہی ہیں نا؟''

انہوں نے سر ہلا دیا اور پھر سے پین ہولڈر سے نکالا۔

''کیسی خاتون ہے؟'' وہ نظریں ملائے بغیر بولیں۔

''اچھی ہے، آپ کیوں پوچھ رہی ہیں۔ او وہ اس شام اس نے کچھ مس بی ہیو تو نہیں کیا آپ کے ساتھ؟'' وہ چونکی ہو کر بولی۔

''نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ پست سے لہجے میں بولیں۔

''کاش! کر دیتی، بلال ہی متنفر ہو جاتا۔'' انہوں نے کڑھ کر سوچا۔

''کیا آپ کو اپنے گھر میں لگوانا ہے؟'' فوزیہ بولی۔

''نہیں، میری تو آل ریڈی دونوں میڈز بہت اچھی ہیں۔ مجھے تو یونہی اچھی سلجھی ہوئی خاتون لگی وہ مجھے...... عام کام کرنے والیوں سے ہٹ کے...... تو اس لیے کوئی مجبوری ہوگی جو یوں کام کرتی ہے۔'' وہ رک رک کر بولی تھیں۔ مدعا کیسے زبان پر لاتیں۔

''ہاں، ان لوگوں کی مجبوریاں تو تمام ہوتی نہیں جب دیکھو کسی نہ کسی بات کا رونا جاری رہتا ہے۔ ویسے تو بے چاری اچھی ہے، زیادہ گھروں میں کام نہیں کرتی۔ بس تین گھر لگا رکھے ہیں اس نے اور زیادہ چخ چخ بھی نہیں۔ اپنے کام سے کام رکھتی ہے، صاف ستھری ہے اور وقت کی پابند۔'' فوزیہ نے تفصیلاً بتایا۔

''کتنے سالوں سے ہے تمہارے پاس؟'' فوزیہ کے لیے میڈم کا تجسس ایک معمولی سی گھر کے کام کرنے والی عورت کے لیے حیران کن تھا۔

''بمشکل دو سال ہوئے ہیں۔ ویسے بھی وہ کہتی ہے کہ اس نے یہ کام دو سال پہلے ہی شروع کیا تھا، اس کے شوہر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، جس کے بعد مجبوراً اسے یہ سب کرنا پڑا۔''

میڈم فضیلہ سن کر خاموش کچھ سوچتی رہیں۔

''ویسے میں ان لوگوں کو میڈم! ایک فاصلے پر ہی رکھنا پسند کرتی ہوں۔ وہ کہتے ہیں نا منہ لگایا سر چڑھایا ذرا ان کو منہ لگا دو۔ ان کے تقاضوں کی پٹاری کھل جاتی ہے۔ ہر روز نیا دکھڑا۔ آج شوہر کی دوائی لینی ہے۔ بجلی کا میٹر کٹ گیا، بچہ بیمار ہے، ایڈوانس دے دیں۔ قرض دے دیں، میں تو صاف بات ہے اتنا فری نہ ہوتی ہوں، نہ ہونے دیتی ہوں، اپنے کام سے کام رکھتی ہے اور کام نپٹا کر چلتی بنی، بچا کھچا ہوا تو دے دیا ورنہ زیادہ مانگتی نہیں۔''

وہ اسی طرح خاموش بیٹھی رہیں۔

''میں چلوں میڈم! میرا پیریڈ ہے۔'' وہ کچھ دیر ان کے بولنے کا انتظار کرتی رہی، پھر اٹھتے ہوئے بولی، انہوں نے سر ہلا دیا۔

فوزیہ کے جاتے ہی انہوں نے گہرا سانس لیا۔

''کیا کروں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، کس سے مشورہ لوں، ذرا منہ سے بھاپ نکلی تو کہانی بن جائے گی۔'' انہوں نے تھک کر سر کرسی پر ڈال دیا۔

✠ ✠ ✠

''میں نے بلال کو فون کر دیا ہے، وہ تمہیں آج پک کر لے گا، مجھے آفس میں کام ہے۔'' انہوں نے زونیرا کے اندر آتے ہی کہا۔

''میں ویٹ کرلوں گی ماما!'' وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

''نہیں۔ مجھے دیر ہو جائے گی، تمہارا ٹائم ویسٹ ہوگا، گھر جا کر تھوڑا ریسٹ کر لینا۔ پھر پڑھنا ہوتا ہے تمہیں۔'' انہوں نے ذرا سختی سے کہا۔

''آپ مجھے ٹینس لگ رہی ہیں۔'' زونیرا انہیں دیکھ کر بولی۔

''نہیں۔ میں کیوں ہوں گی۔'' وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

''شیئر نہیں کرنا چاہ رہیں؟'' وہ شکایتی لہجے میں بولی۔

''آئی تھنک تمہارا پیریڈ ہے۔ لیٹ ہو رہی ہو تم۔'' انہوں نے بات ٹالتے ہوئے کہا تو وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''اگر آپ فارغ ہو جائیں، ذرا جلدی تو میں آپ کے ساتھ ہی چلوں گی۔'' وہ جاتے ہوئے بولی۔

''نہیں۔ اب بلال آنے والا ہے۔ یہ تمہارا لاسٹ پیریڈ ہے بھائی کو زیادہ ویٹ نہیں کروانا، مجھے دیر ہو جائے گی۔'' وہ کہہ کے آگے پڑی فائل کی طرف متوجہ ہوئیں تو زونیرا کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد چلی گئی۔

''مجھے اس کے گھر جانے کی کیا ضرورت ہے، گھر جانے سے پہلے یہ معاملہ طے ہونا چاہیے، اب اور دیر مناسب نہیں۔'' انہوں نے لمحہ بھر کو سوچا اور پیون کو بلانے کے لیے گھنٹی بجائی۔ کتنا عجیب لگے گا۔ انہیں کوفت سی ہو رہی تھی۔

✠ ✠ ✠

زندگی ایک وقت تک امکانات اور انتخاب کے دروازے کھلے رکھتی ہے۔ ایک وقت معینہ کے بعد یہ سارے دروازے خود بخود بند ہو جاتے ہیں۔ پھر کسی بھی رستے پر چلنے کے لیے اپنے لیے دروازہ درز یا کوئی کھڑکی خود اپنے زور بازو سے کھولنی پڑتی ہے، ورنہ آدمی ان ہی اندھیروں میں بھٹک کر رہ جاتا ہے۔

اور بہت کم خوش نصیب ہوتے ہیں، جو اس وقت معینہ کے گزر جانے کے بعد اپنے لیے ان کثیف اندھیروں میں

سے روشنی کی کوئی لطیف کرن ہی ڈھونڈ سکیں۔

اس کے لیے بھی کھلی چوائس اوپن رستے کا وقت معینہ گزر چکا تھا، اب جبکہ اس نے ان اندھیروں سے نکلنے کا ارادہ کرلیا تھا تو ایک ایک کر کے آگے سے پیچھے سے دائیں بائیں سارے دروازے ٹھک ٹھک بند ہوتے چلے گئے۔

جب تک وہ کسلمندی عیش اور بے کاری کی زندگی سے سمجھوتہ کیے وقت کی دھوپ تاپتا اپنے مقصد حیات سے آنکھیں موندے اونگھ رہا تھا، حالات اتنے دگرگوں نہیں تھے اور تو اور اسے دنیا میں اپنا سب سے بڑا ہمدرد پھوپھو خدیجہ ہی نظر آئیں، جو کسی بھی کڑے وقت پر اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتیں، یہ اسے پتا تھا۔

اس نے آج تک ابا کے سامنے ہاتھ پھیلا کر اپنے لیے کچھ نہیں مانگا تھا۔ جو بچا کھچا باسی کھانے کو ملا کھا لیا۔ نہ ملا تو چھین جھپٹ کر لی اور وقت ٹلتا گیا، اسے یہ یقین ضرور تھا جس دن وہ ابا سے ہاتھ پھیلا کر زبان ہلا کر اپنا حق مانگے گا وہ انکار نہیں کرسکیں گے۔

اس کی اپنی ماں کے مرنے کے بعد اس کے باپ پر اس کی محبتوں اور فرائض کے بہت سے قرض تھے اور وہ یوں بے فکر تھا کہ جب چاہے گا اپنے مقروض باپ سے سامنا کر کے یہ سارے قرضے بمعہ سود وصول کرے گا۔

وہ کس قدر خوش گمان تھا یا کس قدر غلط فہم یا کم عقل! وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔

دو، تین دن تک اسے ہر رستہ کھلا اور روشن نظر آ رہا تھا اور آج، آج ہر طرف تاریکیاں اور گھپ اندھیرے تھے۔

اور ان اندھیروں میں سے روشنی کھوجنا...... کیا وہ اتنا باہمت تھا، یہی سوچ سوچ کر کمزور پڑتا جا رہا تھا۔

اس کے کس بل تو تین، چار دن کے فاقے اور رتجگے نے نکال دیے تھے، تب ہی تو وہ بڑے آرام سے گھر کے اسٹور میں گھس کر خوب بے فکری کی گہری نیند سو گیا تھا۔

اس بات سے بے خبر کہ زندگی کا وقت معینہ اوپن چوائس کے لیے اس کے سرہانے سے اٹھ کر آہستگی سے رخصت ہو گیا ہے۔

نصرت نے اسے اسٹور میں سوئے دیکھ کر ہی واویلا، وہ چیخ پکار کی کہ اس کا باپ غسل خانے سے ادھورا غسل چھوڑ کر باہر نکل آیا اور اس پر اس روز اپنی حقیقت کھل گئی۔

اس کا مقروض باپ اپنے قرضے تو کیا اس کے وجود ہی سے غافل تھا اور اس سے کس حد تک متنفر ہو چکا تھا۔

''میں پولیس کو خبردار کر چکا ہوں کہ میرا ناخلف بیٹا، میری بیوی، مجھے اور میرے بچوں کو قتل کرنے کا ارادہ کر چکا ہے، تھانے دار سے میری ساری بات ہو چکی ہے، ارادۂ قتل بھی ایک جرم شمار کیا جاتا ہے، میں ابھی ایک فون کروں تھانے سے بھاری نفری آ جائے تجھے اٹھانے۔ اب یہاں سے نکل، ورنہ زندگی بھر جیل میں سڑتا رہے گا۔ تجھے اس دنیا میں لانے کا سزاوار ہوں۔ اس لیے یہ چھوٹ دے رہا ہوں۔ آج کے بعد تو مجھے اس گھر، گلی، محلے میں نظر نہ آنا، ورنہ...... شاید میں خود اپنے ہاتھوں سے تیری گردن اتار دوں۔ نکل اب یہاں سے۔''

وہ کچھ تو گہری نیند کے خمار میں تھا اور کچھ باپ کے منہ سے نکلنے والے بے یقین سے جملوں کی زد میں اور بیک گراؤنڈ میں چلتا نصرت کے واویلے کا میوزک...... اس کی سدھ بدھ تو کچھ دیر کو بالکل گم ہی ہو کر رہ گئی۔

اس کے باپ نے اسے ہاتھ پکڑ کر یوں گھر کے بیرونی دروازے سے باہر دھکیلا، جیسے کوئی پلید جانور اس کے پاک گھر میں آ گھسا ہو۔

وہ خود اقرار کر چکا تھا، روحیل کو دنیا میں لانے کے جرم میں سزاوار ہے اور پھر بھی سزا صرف اسی کے حصے میں آئی۔

وہ چیخ چیخ کر باپ کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ بدل چکا ہے، بدلنے کا تہیہ کر چکا ہے۔ اس نے وہ چھری محض ڈرانے کے لیے...... کھانے کو کچھ نہ ملنے پر اٹھائی تھی، ورنہ خدا کی قسم...... ابا میں بدل گیا ہوں، کام کرنا چاہتا ہوں، پڑھنا چاہتا ہوں، آپ کا بازو بننا...... مگر وہ کچھ بھی نہ بول سکا۔

اس کے لب ایک دوسرے میں یوں پیوست تھے، جیسے واقعی کسی نے سی دیے ہوں۔

اس کے باپ نے اس کی خاموشی کو بھی جرم کا اقرار ہی سمجھا اور بے دردی سے اپنا ہی بازو کاٹ کر گھر سے باہر پھینک دیا۔

وہ کتنی دیر بے حس و حرکت یوں دروازے کے آگے کھڑا رہا جیسے ابھی دروازہ کھلے گا اور ابا اسے دو، چار گالیاں دے کر اندر بلا لے گا۔

اور پھر وہ کھڑے کھڑے تھک گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

وہ بھول ہی گیا کہ وہ مرد ہے۔ یاد تھی تو اپنی بے بسی اور بے اعتباری!

شاید میں کسی کڑی آزمائش کے لیے منتخب کر لیا گیا ہوں، شاید میرا نیک ارادہ ہی میرے راستے میں دیوار بن کر کھڑا ہو گیا ہے۔ یا میں اس دیوار کو یونہی کھڑا رہنے دوں اور خود پلٹ کر زندگی کی اندھیری راہوں میں جرم کے رستوں پر چل پڑوں یا آگے بڑھ کر اس دیوار کو گرا ڈالوں۔

وہ ایک تھڑے پر بیٹھا زندگی کے وقت معینہ گزر جانے کے بعد کی صورت حال پر غور کرتا رہا۔

اب واپسی کا رستہ کہیں بھی نہیں تھا۔ اس کے گھر میں بھی نہیں، جرم کی راہ اتنی بھی اندھیری نہیں ہوتی کہ میں اپنے لیے تھوڑی سی روشنی بھی نہ پا سکوں، بہت کچھ مل سکتا ہے اور مجھے اچھا بننے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ کس کو پروا ہے میرے اچھا بننے کی۔ یہ سب مجھے برا سمجھتے ہیں تو میں برائی کی انتہا پر جا کر کیوں نہ دکھاؤں۔

''کسی کو میری پروا نہیں تو میں کیوں کسی کی پروا کروں۔'' وہ دل میں عزم لیے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کا دوست کاشف آج کل ان گلیوں میں ڈکیتیوں کا بے تاج بادشاہ بنتا جا رہا تھا کہ اس کا گھر چند قدموں کے فاصلے پر تھا۔ وہ بس ایک بار اس کے ساتھ جا کر کھڑا ہو جاتا پھر کچھ مشکل نہیں تھا۔

سب سے پہلا ڈاکا اس کا اپنے ہی باپ کے گھر پڑے گا، یہ خیال ہی اسے توانا کرنے کو کافی تھا۔

''کسی کو تمہاری پروا نہ ہو، مجھے تو ہے۔'' سامنے کالج جاتی دو، تین لڑکیوں کو دیکھ کر جیسے ثانیہ کا ہیولہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا، اس کے تیز تیز چلتے قدم جیسے پتھر ہو کر رہ گئے۔

''برائی کے راستے میں زندگی کے لیے یہ سہولت ہر آسائش لازما ہو گی، مگر اسکے درمیان یا اختتام پر ثانیہ کہیں بھی نہیں، میں اگر کروڑوں، اربوں کا مالک بھی بن جاؤں تو بھی ثانیہ میری طرف تھوکے گی نہیں۔ اسے جرم سے، جہالت سے کتنی نفرت ہے۔ اس کا پتا مجھ سے زیادہ کس کو ہو گا، نہیں، میں سب کچھ کھو چکا ہوں، مگر ثانیہ کو کھونے کا مجھ میں حوصلہ نہیں، میں سب کچھ ہار سکتا ہوں، مگر اپنی زندگی کی اس اکلوتی خوشی کو کبھی قربان نہیں کر سکتا۔''

اس کے قدم خود بخود ڈھیلے پڑ گئے۔

''تو کیا کروں۔ کہیں بھی کوئی راستہ نہیں۔'' پھر سے تھکن اس کے کندھوں پر گرنے لگی۔

''مجھے اپنے لیے خود رستہ تلاشنا ہو گا۔ جرم کی دنیا سے ہٹ کر ایک مثبت خوش حال نہ سہی مناسب زندگی کے لیے رستہ۔ جس میں ثانیہ میری ہم سفر ہو گی تو سب آسان ہوتا چلا جائے گا۔ سارے ملال، سارے دکھ ڈھل جائیں گے، ہر خسارے کا احساس مٹ جائے گا۔ ایک بار ہمت کرنا ہو گی، ایک بار۔''

وہ بہت پرعزم ارادے سے اٹھا، اگرچہ اس کا پیٹ بھی خالی تھا اور جیب بھی، مگر دل و دماغ عزم کی طاقت سے
...ہوئے تھے، برائی کو شکست دینے کے لیے بس اسی عزم کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ بھری جیب اور بھرے پیٹ کی، مجھے
...آخری بار سے پہلے، ایک بار بھرپور کوشش کرنی ہوگی۔'' اس کے قدموں میں جیسے کسی نے بجلی بھر دی تھی۔

✠ ✠ ✠

''دیکھو ثانیہ! جو بات میں تم سے کرنے جا رہی ہوں اسے بہت دھیان اور توجہ سے سننا اور اس بارے میں میری
...باتیں کو سمجھتے ہوئے میرے بارے میں دل میں کچھ غلط نہ سمجھنا۔'' انہوں نے اس مشکل بات کو کہنے کے لیے تمہید باندھی،
...نے کئی راتوں سے ان کی نیند حرام کر رکھی تھی۔
''جی میڈم! میں سمجھی نہیں۔'' ثانیہ جو بہت خوش خوش ان کے بلاوے پر آفس آئی تھی۔ یہی سوچ کر شاید انہوں
...نے شاباشی کے لیے بلایا ہے یا حوصلہ افزائی کے لیے۔ ان کی یہ انوکھی تمہید سن کر بھونچکی سی رہ گئی۔
''میں بہت مشکل میں ہوں۔'' وہ بے بس سی اس کے سامنے میز پر کہنیاں ٹکا کر بیٹھ گئیں۔
''میڈم! میں...... میں آپ کی مشکل حل کرنے میں اگر کوئی مدد کر سکوں تو۔'' اس نے جھجک کر آفر کی۔
''تم...... تم ہی میری اس مشکل کو حل کر سکتی ہو ثانیہ! صرف تم۔'' وہ ذرا سی پُرجوش ہو کر بولیں۔
''میں۔'' اس کے لیے حیرانی سی حیرانی تھی۔ ''اگر میں آپ کے کسی کام آ سکوں میڈم! تو مجھے بے حد خوشی
ہوگی۔'' اس کا دل خوامخواہ تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔
''میں نے ...زنیرا کا رشتہ اس کے بہت بچپن میں اس کے ماموں کے گھر طے کر دیا تھا اور اپنے بیٹے بلال کا بھی
...ن بیٹی کے ساتھ۔ دونوں ایک دوسرے کو پسند بھی بہت کرتے ہیں۔ ثانیہ! میرا ایک ہی بھائی ہے۔ اس بھری دنیا میں
...ف ایک بھائی۔ میرا خون کا رشتہ، جسے میں کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہوں گی اور اسے تم صرف تم بچا سکتی ہو۔'' وہ رقت
...میز لہجے میں کہتے ہوئے رکیں۔
''میں...... میرا کیا تعلق میڈم اس سے؟ میں بالکل نہیں سمجھی۔'' وہ واقعی نہیں سمجھ سکی تھی۔
''میرا بھائی ہارٹ پیشنٹ ہے اور کینسر کی آخری اسٹیج پر بھی، مگر اس کی زندگی کی اکلوتی کنڈیشن صرف اسے خوش
...دیکھنا ہے اور اس آخری سالوں میں، میں اسے اتنا بڑا صدمہ نہیں دے سکتی۔''
''کیسا صدمہ میڈم پلیز! آپ کھل کر کہیں۔'' اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اسے میڈم کی کوئی بھی بات سمجھ
...میں نہیں آ رہی تھی۔
''اگر کسی بستر مرگ پر پڑے شخص کو یہ خبر ملے کہ اس کی بیٹی کا بچپن سے طے شدہ رشتہ ایک دم سے ٹوٹ گیا ہے تو
...س کے دل پر کیا بیتے گی۔''
وہ جانتی تھیں، بات کی اہمیت سے زیادہ تمہید پُراثر ہونی چاہیے۔
''اور مجھے بے حد دکھ ہے کہ اس کی وجہ تم ہو۔''
ثانیہ کو لگا کسی نے اس کے سر پر پتھر کھینچ مارا ہو۔
''نہیں...... میڈم! میں تو نہیں...... میں کیسے؟'' وہ بھونچکی سی ہو کر بولی۔
''بلال...... میرا بیٹا اس دن اس نے تمہیں دیکھا اور وہ علیزہ سے رشتہ توڑنے پر تل گیا ہے، بلکہ وہ مجھے مجبور کر رہا
ہے کہ میں آج کل میں تمہارے گھر پرپوزل لے کر جاؤں اس کا۔ اب میرا سوچ سوچ کر دماغ پھٹا جا رہا ہے۔ میں یہ سب

اپنے بستر مرگ پر پڑے بھائی اس کی معصوم بیٹی کو کیسے بتاؤں۔ پھر زونیرا کا رشتہ، سہیل اور زونیرا ایک دوسرے کو دل و جان سے چاہتے ہیں، اگر بلال کا رشتہ چھوٹا تو کیا وہ زونیرا کو بہو بنائیں گے۔ میرا تو پورا گھر...... میرے سارے رشتے، سارے خواب بکھر جائیں گے۔ ثانیہ! تم، تم کر سکتی ہو۔ ان کو بکھرنے سے ٹوٹنے سے بچا سکتی ہو پلیز۔'' اپنی بے بسی پر انہیں رونا آ گیا۔

رونا یوں بھی ضروری تھا، مگر شاید وہ نہ روتیں تو ثانیہ بے یقین سی رہتی، مگر ثانیہ تو کسی بت کی طرح سامنے بیٹھی تھی۔

اس کے لیے یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہیں تھی کہ بلال، اسے پسند کر چکا ہے۔ اسی لیے وہ اس روز اس کے پاس آیا تھا۔

نکاح۔ مگر وہ تو نکاح کا پوچھ رہا تھا۔

فضیلہ مبشر کی سسکیوں پر وہ اپنے خیالوں سے چونکی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کن الفاظ میں ان کو تسلی دے۔

''میڈم پلیز! یوں تو نہ کریں۔ آپ روئیں نہیں۔ مجھے بتائیں، میں کیا کر سکتی ہوں۔ آئی پرامس، میں ضرور کروں گی جو بھی میرے بس میں ہو۔'' وہ اٹک اٹک کر بولتی اٹھ کر ان کے پاس آئی تھی۔

''میں بہت شرمندہ ہوں۔ تم ایک جوہر قابل ہو۔ جس گھر میں جاؤ گی روشنی کرو گی اور ان کی اگلی سات نسلیں بھی باکمال نکلیں گی یہ میں شرطیہ کہہ سکتی ہوں، مگر۔ یہ خوش نصیبی شاید میرے مقدر میں نہیں۔ میں بہت مجبور ہوں بیٹا! اپنے رشتوں کے ہاتھوں، ورنہ میں بلال کی پسند کو سر آنکھوں پر بٹھاتی۔'' انہوں نے ٹشو سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے آبدیدہ لہجے میں کہا۔

''بیٹھ جاؤ پلیز۔'' وہ کھڑی تھی۔ انہیں خود کو کمپوز کرنے کے لیے اور کچھ مزید جھوٹ بولنے کے لیے اس سے تھوڑے فاصلے کی ضرورت تھی۔

''ہم لوگ کل آئیں گے تمہارے گھر پرپوزل لے کر۔ جواب...... جواب میں ہمیں انکار ہو جائے تو میں لمحہ بھر تمہاری احسان مند رہوں گی، بہت بہت زیادہ ثانیہ بیٹا! میں کس قدر شرمندہ ہوں، میں بتا نہیں......'' وہ پھر سے ان ہی جملوں پر آ گئیں۔

ثانیہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

اس کا چہرہ تاریک سا ہو رہا تھا یا فضیلہ مبشر کو ایسا لگا۔

''ٹھیک ہے میڈم! جیسا آپ نے کہا ویسا ہی ہوگا، میں...... میں اپنی امی سے کہہ دوں گی۔ آپ پلیز پریشان نہ ہوں۔'' وہ متین لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''تھینکس...... تھینکس...... آلوٹ مائی ڈیئر ڈاٹر تمہارا یہ احسان......''

وہ اس کے پاس آ کر اسے اپنے ساتھ لپٹائے ہوئے لگاوٹ سے بولیں۔ ''کاش! تم روشنی بن کر میرے گھر میں اتر سکتیں تو مجھے کس قدر خوشی ہوتی، اللہ تمہیں عمر بھر کامیابی اور کامرانی عطا کرے۔ تمہاری ہر مشکل کو سہولت میں بدل دے۔ آئی ایم ریئلی پراؤڈ آف یو مائی ڈاٹر!'' وہ اسے گلے سے لگائے دعائیں دیئے جا رہی تھیں۔

''میں چلتی ہوں میڈم! چھٹی ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے، خدا حافظ۔'' وہ انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے باہر نکل آئی۔

باہر دھوپ بے حد تیز تھی اور نوکیلی بھی۔
اسے گھر تو پیدل جانا تھا اور یہ فاصلہ کتنا زیادہ تھا کہ یہ تصور ہی اس کے قدم تھکانے لگا۔
وہ نڈھال سی ہو کر آفس کے باہر سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔
''رباب اور عروج تو جا چکی ہوں گی، نہیں بھی گئی ہوں گی تو چلی جائیں، پھر میں نکلوں گی۔ ابھی تو کسی سے بھی بات کرنے کی ہمت نہیں۔''
وہ دل میں سوچنے لگی اور چبھتی دھوپ کو یک ٹک دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ڈھیر سا پانی اتر آیا، مگر وہ اسی طرح پلکیں جھپکے بغیر دھوپ کو تکتی رہی۔

✠ ✠ ✠

''ثانیہ! ثانیہ۔'' وہ تھکی ہاری چور چور کمرے میں داخل ہوئی تو ابا کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔
''جی ابا!'' وہ کمرے میں گئی۔
''کوئی بھی گھر میں نہیں، کب سے پکار رہا ہوں، پانی پینا تھا پیاس...... تمہاری ماں روز رکھ جاتی تھی، آج بھول گئی شاید......''
وہ جلدی سے پانی لا کر انہیں پلانے لگی۔
''عمیر کہاں ہے؟'' پانی پی کر انہوں نے پوچھا۔
''پتا نہیں ابا!'' میں تو ابھی کالج سے آئی ہوں۔ آپ کے لیے کھانے کو کچھ لاؤں؟''
''نہیں۔ ابھی تم تھکی آئی ہو گی تھوڑا آرام کر لو۔ یہ زبیر اور عافیہ بھی نظر نہیں آتے۔ سارا دن آوازیں دیتا رہتا ہوں۔ کوئی پاس آ کر بیٹھتا ہی نہیں کہ یہ خبطی بوڑھا جانے اپنے ساتھ ہی جوڑ کر بٹھا لے گا۔'' وہ تلخی سے بولے۔
''نہیں ابا! آپ ایسے کیوں سوچتے ہیں اسکول سے آ کر کھیلنے نکل جاتے ہیں۔ امی جو گھر میں نہیں ہوتیں۔ آپ اخبار پڑھ رہے تھے۔'' اس نے ان کے سرہانے پڑا مہینہ بھر پرانا اخبار دیکھ کر کہا۔
''کیا اخبار پڑھنا مہینہ بھر سے یہی پڑھ رہا ہوں، وہی بار بار کی پڑھی خبریں۔ روڈ ایکسیڈنٹ میں اتنے مارے گئے۔ بم دھماکوں میں اتنے، ایک مجھ جیسے بد نصیب دائمی مریض ہیں جن کی بستر پر پڑے پڑے اللہ عمر دراز کرتا رہتا ہے، جانے کب......'' وہ یک دم سے چپ کر گئے۔
وہ کچھ دیر کھڑی دیکھتی رہی، پھر آہستگی سے باہر آ گئی، اس وقت وہ کسی کو بھی تسلی نہیں دے سکتی تھی، حتیٰ کہ خود کو بھی نہیں۔

✠ ✠ ✠

''امی! خوش خبری سنیں۔ سنیں خوش خبری۔'' عمیر اس رات گئے گھر آیا تھا، خدیجہ کام سے بھی واپس آ گئیں۔ سب نے کھانا بھی کھا لیا اب اس کی طرف سے فکر مند بیٹھی تھیں کہ وہ شور مچاتا آ گیا۔
''کیا ہو گیا ہے، اس گھر میں کون سی خوش خبری آ سکتی ہے بھلا؟'' وہ پھر سے بجھتی لکڑیوں کے نیچے سے چنگاریاں ٹٹول کر آگ سلگانے لگیں۔
وہ میرا دوست تھا نا اویس، اس کے ابا کی دکان تھی، کریانے کی۔ اس کے دادا کے مرتے ہی ان کی حویلی بکی اور

اس کے ابا نے یہ بڑا سپر اسٹور بنایا ہے، پندرہ ملازم چاہئیں ان کے اس سپر اسٹور میں، اویس کو میں نے کچھ دن پہلے کسی نوکری کا کہہ رکھا تھا۔ اور وہ خود مجھے بلانے آ گیا۔" وہ خوشی سے خدیجہ کے کندھوں سے پکڑ کر جوش میں بول رہا تھا۔

"امی! انہوں نے مجھے رکھ لیا ہے اسٹور میں سیل بوائے کے طور پر، اب آپ کو بھی لوگوں کے گھروں میں کام کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔" وہ ضرورت سے زیادہ ہی خوش فہم ہوا جا رہا تھا۔

"ایسا کون سا قارون کا خزانہ بخش دیں گے وہ۔" لکڑیاں کم بخت جل ہی نہیں رہی تھیں۔ کوئی لکڑی ان میں گیلی ضرور تھی، کیسا کڑوا دھواں دے رہی تھی۔

"خزانہ ہی سمجھیں امی! اگلے ہاتھوں پانچ ہزار روپے تنخواہ اور چھ ماہ بعد اس میں اضافہ بھی کریں گے۔ دوپہر کا کھانا بھی دیں گے۔ صبح نو بجے سے رات کو دس بجے کہہ رہے تھے، میں نے کہہ دیا۔ بھئی ابھی تو میرے امتحان ہیں مجھے چھ سات بجے چھٹی چاہیے اس کے ابا مان گئے، کل سے کام پر جانا ہوگا، ہے نا امی! خوش خبری۔" وہ ساری خوشی نکال کر اب ہلکا پھلکا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

"اللہ مبارک کرے اور برکت ڈالے۔ میں کوئی شوق سے لوگوں کے گھروں میں چھوٹا موٹا کام کرتی ہوں مجبوری ہے نا! تمہارے ابا کی دوائیں، گھر کا کرایہ، بل، کھانا راشن سب پانچ ہزار میں کہاں ہوگا بھلا، آہستہ آہستہ کچھ جمع کر لیں گے تو، اپنا گھر ہوتا تو......" وہ یاسیت سے کہتی کہتی رک گئیں۔

کتنا اچھا چار کمروں کا ان کا گھر تھا، جس کی وہ مالکن تھیں، قسمت نے ٹھوکروں پر لا ڈالا۔

"شکر ہے اس کا چھت تو دے رکھی ہے اس نے۔" ایک دم انہیں اس ناشکرے پن پر جھرجھری سی آئی تھی۔

"چل کھانا کھانے سے پہلے اپنے ابا کو یہ خوش خبری سنا آؤ تو میں روٹی پکاتی ہوں۔" وہ جل اٹھنے والی لکڑیوں پر توا رکھتے ہوئے بولیں۔

"عمیر! بات سنو۔" کمرے کے آگے ہی ثانیہ کتابیں لیے یونہی بیٹھی تھی، پڑھا تو اس سے کچھ بھی نہیں جا رہا تھا۔

"کیا ہے، دیکھا اپنا کمال۔" وہ کالر اونچا کرتے ہوئے بولا۔

"تم کہہ رہے ہو نا انہیں اور بھی لڑکوں کی ضرورت ہے۔"

"ہاں کہہ تو رہے تھے اس کے ابا، زبیر کو نوکری پر لگا دینا، کمبخت کا قد گھٹنے سے اونچا ہی نہیں ہو رہا۔"

"بکواس نہیں کرو۔ اب اسے اپنے رستے پر نہیں لگاؤ، پڑھنا ہے اس نے ابھی۔" وہ ناگواری سے بولی۔

"تو پھر تم نے جاب کرنی ہے تو معاف کرنا اویس کے ابا بھی اتنے ماڈرن نہیں ہوئے کہ سیل گرلز کو رکھ لیں۔"

"بکے جانا بات تو سن لیا کرو۔"

"اور میرا جو بھوک سے دماغ الٹا جا رہا ہے، تم بات کو کھینچے جا رہی ہو، جو ہے کہہ ڈالو۔" وہ بھی تلملا کر بولا۔

"تم روحیل کی بات کرو اویس کے ابا سے۔ اسے بھی تو جاب چاہیے۔" وہ کن اکھیوں سے چولہے کے پاس بیٹھی خدیجہ کو دیکھ کر آہستگی سے بولی۔

"ہاں، یہ تو ہے میں کروں گا انکل سے بات۔ روحیل بھائی آئے نہیں۔" وہ اندر کی طرف جھانکتے ہوئے بولا۔

"نہیں دو دن ہو گئے، پتا نہیں۔" وہ نظریں جھکا کر اداسی سے بولی۔

"دن میں آئے ہوں گے، زبیر سے پوچھنا تھا۔" وہ خود ہی بولا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ اب شاید ہی آئے۔ وہ ہولے سے بولی۔

"کیا مطلب؟ کیوں نہ آئیں؟" وہ چونکا۔

''یونہی...... پڑھنا جو نہیں چاہتا وہ۔'' خدیجہ کے اٹھ کر آنے پر وہ کہہ کر باہر نکل گئی۔
عمیر کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا۔

✠ ✠ ✠

''امی! مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' خدیجہ ہائے ہائے کرتی اپنے ہی ہاتھوں سے ٹانگیں دباتی لیٹی تھیں کہ ثانیہ ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

''تجھے فرصت ہے ماں کے پاس دو گھڑی بیٹھنے کی اور کوئی بات کرنے کی۔'' وہ طنز سے بولیں ''ہر وقت تو یہ منحوس کتابیں۔''

''امی پلیز! میرے سر میں بہت درد ہے۔'' وہ حسب عادت کتابوں کے خلاف بولنے پر تقریر کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

''کیا ہوا؟'' انہوں نے ذرا غور سے اسے دیکھا۔

''ایک یہ روحیل کو دیکھو، جانے دو دن سے کدھر ہے، کہیں سے کھاتا پیتا بھی ہو گیا، شاید باپ سے صلح ہو گئی ہو۔ ہو ہی جانی تھی، آخر کتنے دن ناراض رہتا۔ باپ ہی ہے نا منا لیا ہو گا، ہاں تم بولو'' یاد آنے پر وہ روحیل کے خیال کو جھٹک کر بولیں۔

''امی! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیسے کروں یہ بات۔'' وہ الجھ کر بولی۔

''ایسی کیا بات ہے؟'' وہ ٹھٹکیں۔

''امی! اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔'' وہ ایک دم سے بولی۔

''کس میں۔ کچھ بتاؤ گی تو پتا چلے گا'' وہ منہ بنا کر بولیں۔

ثانیہ نے آہستہ آہستہ بے ربط سے انداز میں انہیں ساری بات بتا ڈالی۔

وہ لیٹے سے اٹھ کر بیٹھ گئیں، کچھ دیر بول ہی نہ سکیں۔

''بہت عجیب بات بتائی تم نے۔'' وہ ذرا دیر بعد بولیں۔

''میری خود سمجھ میں نہیں آیا، پہلے تو مجھے لگا میڈم مذاق کر رہی ہیں۔''

''مذاق بھلا وہ کیوں کرے گی۔ سیانی عورت ہیں...... پھر بیٹے کے نام پر۔'' خدیجہ کسی گہری سوچ میں پڑ گئیں۔

''امی!'' اس نے ان کا گھٹنا ہلایا۔

''کیا بیٹے؟'' وہ یوں چونکیں جیسے اس کی موجودگی سے بے خبر ہوں۔

''پھر کیا کریں گی؟''

''تم بتاؤ، کیا کرنا ہے؟'' وہ الٹا اس سے پوچھنے لگیں۔

''میں ان سے وعدہ کر چکی ہوں۔'' وہ ناگواری سے بولی۔

''کیسا وعدہ؟'' وہ انجان پنے سے بولیں۔

''افوہ! بتایا تو ہے انکار...... انکار کر دیں گی آپ، کل جب وہ آئیں گی پرپوزل لے کر۔''

''ہوں۔'' وہ سر ہلانے لگیں۔ ''ظاہر ہے۔'' گہرا سانس لیتے ہوئے وہ پھر سے لیٹ گئیں۔ ''ہم جیسے غریبوں کی کٹیا میں ایسا چراغ کہاں جل سکتا ہے کہ نصیب چمکا ڈالے۔''

''ثانی! میں ایک بات سوچ رہی ہوں۔'' وہ کسی خیال کے آنے پر ذرا سا اٹھ کر بولیں۔

''کیا امی؟''

''ایک بات بتا۔'' ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

''کون سی بات؟ امی! قسم ہے میرا کچھ تعلق نہیں۔ میں نے تو ان کے بیٹے کو ڈھنگ سے دیکھا بھی نہیں۔'' وہ صفائی دیتے ہوئے بولی اور اس سرزد ملاقات کو صاف چھپا گئی۔

''وہ بات نہیں۔ میں جانتی ہوں تو ایسی نہیں۔ تیرا آگے زندگی میں کیا پروگرام ہے؟'' ان کے سوال پر اسے ہنسی آتے آتے رہ گئی، جیسے زندگی پہلے اس کے متعین کردہ پروگرامز پر چل رہی ہو۔

''پڑھنا چاہتی ہوں امی، اور کیا۔ اگر حالات اچھے رہتے نہ بھی رہتے پڑھنا تو ہے نا مجھے۔'' وہ ست سے لہجے میں بولی۔

''ہاں شوق تو تیرا جنون ہے، تیرے باپ کی قسمت نے یاوری نہیں کی ورنہ تیری قابلیت دیکھ کر تو وہ پتا نہیں کیسے کیسے وسائل پیدا کر ڈالتا۔ اور اب یہ دیکھو قسمت کی باتیں اگر تیرا ایسے کسی گھر میں رشتہ ہو جاتا تو اتنے وسائل تھے کہ جب تک چاہتی جہاں جس مہنگے ادارے میں چاہتی پڑھتی۔ پر وہی قسمت، خوش بختی آئی بھی تو انکار کے لفافے میں بندھ کر۔ واہ میرے مولا! تیرے کام۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے پھر سے لیٹ گئیں۔

ثانیہ آہستہ آہستہ ان کی ٹانگیں دبانے لگی۔

''آپ سمجھ گئی ہیں نا امی!'' وہ خیال آنے پر بولی۔

''ہاں اتنی ناسمجھ تو نہیں، کرلوں گی بات۔'' وہ چڑ کر بولیں۔

''بات نہیں کرنی امی! انکار کرنا ہے۔ یوں بھی دیکھا جائے تو ہمارا ان کا کیا جوڑ، بھلا زمین سے آسمان بھی کہیں ملا ہے۔'' وہ خود ہی بولی۔

''ملتا تو ہوگا کہیں نہ کہیں۔ ہمیں نظر نہیں آتا۔ پر یہ میرے اللہ کے کام ہیں، یہ زمین آسمان کے کنارے بھی تو کہیں ملتے ہوں گے۔ چل چھوڑ، سو جا اب یا ابھی اور کتابیں چاٹنا ہیں تجھے، بس کر۔'' وہ جمائی لیتے ہوئے بولیں۔

''می! کل آپ جلدی آ جایئے گا گھر پتا نہیں وہ کس وقت آئیں تو میں بھلا کیا بات کروں گی۔'' وہ اٹھتے ہوئے تاکید کرنا نہ بھولی۔ خدیجہ کی آنکھیں بند تھیں۔

''جاؤں گی جلدی۔ یاد ہے مجھے، پیسے الماری میں رکھ جاؤں گی، کچھ آئیں تو چائے کا سامان منگوا لینا۔ مجھے دیر سویر ہو گئی تو۔ پھر بھی استاد تو ہے نا تیری اور سن۔'' کوئی بات یاد آنے پر وہ آنکھیں کھول کر بولیں۔

''تم بھی کالج سے ذرا جلدی آ کر گھر اچھا صاف کر لینا۔ بات رشتے ناتے کی نہیں۔ انسان کو خود کو اچھا ہی پیش کرنا چاہیے، برے حالوں میں اگلے ترس کھاتے ہیں اللہ بھی اسے ناشکرے پن میں شمار کرتا ہے، سن لیا۔'' خدیجہ صفائی ستھرائی کی بہت شوقین تھیں۔ مگر اب دوسرے گھروں کے کام کر کے اتنی تھکی ہاری آتیں کہ اکثر گھر کا ضروری کام بھی نپٹانا مشکل نظر آتا۔

''سن لیا ہے، آ جاؤں گی جلدی۔ ویسے امی خوامخواہ اس کی ضرورت تو نہیں ہے، اول تو نہ انہوں نے ایسا کوئی جائزہ لینا ہے اور نہ چائے شائے پئیں گی، فضول پیسے ضائع کرنے سے فائدہ۔'' وہ بڑبڑائی۔

''مہمان نوازی ہر زحمت سے بڑھ کر ہے، بیس تیس میں ہمارا کیا بن جائے گا، تھوڑا دل نہ کر سو جا اب۔'' خدیجہ

نے کہہ کر کروٹ بدل لی تو ثانیہ پھر سے کتابیں لے کر بیٹھ گئی۔

✠ ✠ ✠

اس نے ریت اور بجری سے بنے ملغوبے کو تسلے میں بھرا اور لینٹر کے لیے گول گول گھومتی اس صراحی میں ڈال دیا۔

اسے اس بلڈنگ میں مزدوری کرتے آج تیسرا دن تھا۔

اپنے بارے میں سارے بلند و بانگ خیالات بھول کر اس نے مزدوری کو اپنے لیے چن لیا تھا، اسے صرف کام چاہیے تھا، بے حد محنت طلب کام، جس میں اس کا دماغ اور جسم دونوں اس بری طرح سے تھک کر چور ہو جائیں کہ کوئی بھی شارٹ کٹ و لا فاسد خیال اس کے دماغ میں آ کر نہ بیٹھ سکے۔

وہ دن بھر کام کرنے اور شام ڈھلے اپنے مزدور ساتھیوں کے ساتھ کھانا کھا کر اس بلڈنگ کے احاطے میں بنے خیمے میں ایسی میٹھی گہری نیند سوتا کہ صبح ہی آنکھ کھلتی۔

ایک ہفتہ بعد اسے ہفتہ بھر کی اکٹھی مزدوری ملی تو لمحہ بھر کو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

اپنی محنت کی اپنے خون پسینے کی یکمشت اتنی کمائی! اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''میں ان کو کہاں سنبھالوں گا۔'' خوشی پر قابو پاتے ہی اسے پہلا یہ پریشان کن خیال سوجھا۔

''کوئی گھر، کوئی ٹھکانہ کچھ بھی تو نہیں۔'' وہ رقم کو جیب میں ڈالے اداس سا ایک طرف کھڑا سوچتا رہا۔

''کسی کے پاس امانتاً رکھوا دیتا ہوں، کچھ جمع ہو جائیں گے تو اپنا کوئی کام شروع کرلوں گا۔'' اس کے ذہن میں تصور تو اپنا کام ہی شروع کرنے کا تھا، مگر اس کے لیے موٹی رقم کی ضرورت تھی۔

''کس کے پاس رکھواؤں؟ کون اس بھروسے کے لائق ہے۔''

دوسرا خیال بھی بے سرا ہی تھا کہ ایسا کوئی شخص بھی اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔

''ثانیہ کے پاس رکھوا دیتا ہوں۔'' جگنو کی طرح اس کے ذہن میں یہ خیال چمکا۔

''مجھے ادھر نہیں جانا ابھی نہیں۔ کچھ بن کر۔'' پھر سے وہی خدیجہ پھوپھو کی باتیں یاد آئیں اور اس کے خون میں چنگاریاں سی دوڑنے لگیں۔

''وہ یہی کہیں گی کہ کسی کی جیب کاٹ کر یہ روپے اڑا لایا ہوں یا کسی کے چرا کر۔'' اس نے کوفت سے سر ہلایا۔

اس کے مزدور ساتھیوں کو اگلی بلڈنگ کا کام مل گیا تھا۔ وہ بھی ان کے ساتھ جانا چاہتا تھا، مگر اس رقم کو کسی محفوظ جگہ پہنچا کر۔ وہ ایک بار پھر اٹھ کر بے سمت رستوں کی جانب چل پڑا۔

''اسے کس سے ملنا ہے کس کے پاس جانا ہے۔ کہیں نہ کہیں تو اس کے حصے کی منزل اس کا انتظار کر رہی ہوگی۔''

''اوئے روحیل! یہ تم ہو۔'' کسی نے موٹر بائیک سے اسے پکارا تھا۔ وہ یوسف تھا، ان کے محلے میں وہ لوگ رہ کر گئے تھے۔

''یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟'' سلام دعا کے بعد وہ اس کے خستہ حال لباس اور بڑھی ہوئی شیو کو دیکھ کر بولا۔

''بس یار قسمت۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''قسمت آدمی کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ چل بیٹھ میرے ساتھ۔'' اس نے بائیک پر بیٹھنے کو کہا۔

''مگر کہاں لے کر جاؤ گے؟'' وہ متذبذب ہو کر بولا۔

''فی الحال تو تمہیں اس حیوان نما حلیے سے انسان بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر کچھ اور......آؤ بیٹھو۔''
اس کی یوسف سے اتنی دوستی تو نہیں تھی کہ اس پر اپنے دل کا سارا احوال آشکار کرتا، مگر اب جس انداز اور اپنائیت سے وہ ملا تھا، روحیل کو لگا وہ زیادہ دیر اپنی زندگی کے ان تکلیف دہ اوراق کو چھپا نہیں سکے گا۔

✠ ✠ ✠

''ماما! یہ کیا مذاق ہے؟'' انہیں آسمانی ساڑھی میں میچنگ جیولری پہن کر تیار ہوتے دیکھ کر زونیرا تپ کر بولی۔
''کیا مطلب؟'' وہ ناسمجھی سے بولیں۔
''آج آپ کو ضرورت کیا ہے ان کے گھر جا کر فضول رشتہ مانگنے کا ڈھونگ رچانے کی۔''
''اونہوں، یوں نہیں کہتے، دیکھو بلال کی ضد......''
''اوہ اسٹاپ اٹ مام! بلال کی ضد......وہ گٹر میں گرنے کی ضد کریں گے تو آپ انہیں گرنے دیں گی۔''
''زونی!'' انہوں نے تنبیہی انداز میں اسے گھورا۔
''میں تو بہر حال نہیں جاؤں گی۔'' وہ صاف انکار کرتے ہوئے بولی۔
''او کے مت جاؤ۔ میں اکیلی چلی جاؤں گی۔''
''آخر آپ نے کیا سوچ لیا ہے؟'' وہ جھنجلا کر بولی۔
''یہ تو تمہیں آ کر بتاؤں گی۔'' وہ سسپنس پھیلاتے ہوئے بولیں۔
''مام! آپ پرپوزل لے کر جا رہی ہیں......واقعی؟'' انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
زونیرا سوچوں میں گھری کچھ دیر جان ہی نہ سکی۔
''ان لوگوں کی حیثیت اور اپنی حیثیت کا اندازہ ہے آپ کو۔''
''ہے نا زونی، چھوڑو ان باتوں کو کچھ چیزیں تقدیر کے حوالے کر دیا کرتے ہیں، جان پر بوجھ اپنے ہی سر پر لاد کر ہلکان نہیں ہوا کرتے۔ میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے، میں نے پانچ بجے کا کہہ رکھا ہے انہیں۔'' وہ اپنی ضروری چیزیں اٹھا کر شولڈر بیگ میں ڈالتے ہوئے بولیں۔
''ماما! مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی۔''
''تو کیا کرتی۔ جوان بیٹے کی ناخوشی......نہیں زونی! میں خدانخواستہ اپنے بیٹے کو کھونا نہیں چاہتی۔ ٹھیک ہے یہ اس کی خوشی ہے۔ ہماری نہ سہی تو کیا ہوا زندگی تو اس نے گزارنی ہے۔ ڈونٹ وری۔'' وہ اس کا گال تھپتھپا کر جانے لگیں۔
اسی وقت بلال اندر داخل ہوا۔
''ماما! بس میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔'' وہ کچھ اتنا اچانک سے بولا کہ لحہ بھر کو فیصلہ کچھ بول ہی نہ سکیں۔
''ہُم، مگر کیوں، اوہ؟'' حیرت کے بعد ان کے چہرے پر طنز سا ابھر آیا۔
''اعتبار نہیں ماں پر۔'' وہ دیکھ کر بولیں۔
''ایسی بات نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔
''میں اپنی قسمت کا فیصلہ خود اپنے سامنے ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں، کیا یہ کوئی معیوب بات ہے؟''
انہوں نے کچھ دیر اسے دیکھا، پھر نفی میں سر ہلا دیا۔
''چلو۔'' زونیرا غصے میں بیٹھی دونوں کو دیکھتی رہی اور وہ آگے پیچھے باہر نکل گئے۔

اس نے کمرے کی دو، تین چیزیں اٹھا کر پھینکیں اور پھر خود بھی باہر نکل گئی۔

✠ ✠ ✠

''یار! یہ کوئی طریقہ نہیں کہ تم بالکل ان پڑھ جاہلوں کی طرح اینٹیں اٹھا کر مزدور بن جاؤ۔'' اس کے آگے چائے رکھتے ہوئے یوسف نے کہا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

نہانے کے بعد یوسف کا صاف ستھرا لباس پہننے اور شیو کرنے کے بعد اسے واقعی یوں لگا تھا، جیسے وہ انسان بن گیا ہو۔

پیٹ بھر کر کھانا اور اب چائے کے دو کپ...... اسے نیند آنے لگی تھی، دل چاہ رہا تھا، یہیں صوفے پر ٹانگیں پسار کر سو رہے۔

''تو اور کیا کروں؟'' وہ بے بسی سے بولا۔

''اور بہت سے طریقے ہیں۔''

''مثلاً؟'' وہ طنز سے کہتے ہوئے چائے پینے لگا۔

یوسف کچھ دیر سوچتا رہا۔

''بائیک چلانی آتی ہے تمہیں؟'' وہ کچھ دیر بعد بولا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''مارکیٹ کا کام کر لو گے؟'' وہ ذرا دیر بعد بولا۔

''مگر میرے پاس بائیک نہیں ہے۔''

''سال پہلے میرے پاس بھی نہیں تھی۔ اسی سال لی ہے۔ وہ لوگ بائیک دیں گے تمہیں نائن ٹو سیون کے لیے اور تنخواہ شروع میں اگرچہ اتنی پرکشش نہیں، مگر محنت کرو گے تو بہت کچھ کر سکتے ہو۔''

''اس کی تو تم فکر نہ کرو محنت اور ان تھک محنت کا تو میں نے تہیہ کر لیا ہے، شاید مجھے قدرت کی طرف سے سنبھلنے کا یہ آخری چانس مل رہا ہے، یوں سمجھو گڑھے میں گرنے سے پہلے کا تو میں اس چانس کو مس نہیں کروں گا۔''

وہ پورے عزم سے بولا۔

''او کے۔ پھر تم چائے پی کر اٹھو۔ میں تمہیں اپنی کمپنی میں لے چلتا ہوں۔ ساری بات کر لیں گے اور رہائش کے لیے ہمارے ایک جاننے والے کا ہاسٹل ہے، بہت معمولی کرائے پر تمہیں کسی کے ساتھ کمرہ شیئر کرنا پڑے گا اور میرے خیال میں یوں سڑکوں اور فٹ پاتھوں کے کنارے رہنے سے بہتر ہے، کیا خیال ہے؟'' یوسف اٹھتے ہوئے بولا۔

''بہت اچھا خیال ہے میں تیار ہوں چلو۔'' اور اب اس کے دل کو یقین ہو گیا، قدرت واقعی اس کا امتحان لے رہی تھی یہ پانچ راتیں اور دن اگر وہ شارٹ کٹ کی طرف بھاگ جاتا پھر مسلسل اندھیرے تھے اور سراب روشنیاں......

مگر یہ ذرا سے اندھیرے کے بعد مسلسل روشنی تھی۔ وہ آزمائش پر پورا اترا تھا، جو قدرت نے یوسف کی شکل میں اس کے لیے خضر بھیج دیا تھا۔

''وہ صحیح کہتا ہے کہ میرے رستے پر چل کر آؤ تو سہی میں خود تمہیں سہارا دینے آؤں گا۔'' اس کا دل پر یقین سا تھا۔

✠ ✠ ✠

''جی ہم نے سن لی آپ کی درخواست بھی اور سمجھ...... مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' خدیجہ نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔

وہ رات کو ثانیہ کی بتائی ہوئی بات کو ''ایویں'' ہی سمجھ رہی تھی مگر شام کو ان دونوں کی آمد اور پھر واقعی پرپوزل پیش کرنا اگرچہ خدیجہ جانتی تھیں۔ یہ پرپوزل انکار کے لیے آیا ہے پھر بھی اتنی بڑی خوشی ان سے سنبھالی نہ جا رہی تھی۔

''اصل میں آنٹی! مجھے دو سال کے لیے یو کے جانا ہے اپنی اسٹڈیز کے سلسلے میں اس لیے ماما چاہ رہی ہیں کہ جانے سے پہلے......''

فضیلہ کو بلال سے ایسی کسی بات کی امید تھی نہ خدیجہ کو...... دونوں ہی لمحہ بھر کو ہق دق سی رہ گئیں۔

یوں تو خدیجہ کے لیے بلال کا خود ماں کے ساتھ چل کر آنا ہی خاصے اچنبھے کی بات تھی اور پھر اب یوں اس رشتے کے لیے عجلت کا اظہار...... فضیلہ نے خائف نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

''ہمیں کچھ ٹائم تو ملے۔'' خدیجہ تذبذب سے بولیں۔

''آنٹی! ٹائم ہی تو نہیں ہے۔ آپ میرے بارے میں ماما کے بارے میں جو چاہیں جہاں سے چاہیں پوچھ سکتی ہیں۔''

سارے معاملے تو وہ خود ہی طے کیے جا رہا تھا۔

''نہیں بیٹا! یہ تو آپ ہمیں شرمندہ کر رہے ہیں ایسی کوئی بات نہیں...... وہ تو میں......'' خدیجہ نے ایک نظر فضیلہ کو دیکھا۔

''ٹھیک ہے۔ ہمیں رشتہ منظور ہے آپ کے سامنے ہماری حیثیت کیا ہے میں بیٹی کو تین کپڑوں کے سوا رخصتی میں اور کچھ نہیں دے سکوں گی۔'' وہ دونوں کی طرف دیکھ کر بولیں۔

خدیجہ کا فیصلہ تھا یا بم بلاسٹ فضیلہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہ گئیں اور دروازے میں آ کر کھڑا ہوا روحیل تو جیسے پتھر بن کر رہ گیا۔

بلال کے تاثرات ان دونوں سے جدا تھے۔

☙

''ٹھیک ہے ناماما!'' بلال نے خوشی سے تمتماتے چہرے کے ساتھ ہولے سے ماں سے کہا۔

''ہوں۔'' وہ کسی پتھر کی طرح ساکت تھیں۔

ساری گیم ''ہاں'' اور ''نہیں'' کی ان کے ہاتھ سے نکل چکی تھی، وہ پہلے ہی داؤ میں سب کچھ ہار گئی تھیں۔

''ماما! بات کریں نا۔'' اپنے دل میں ناچتی پھدکتی خوشی کو بمشکل قابو میں کرتے ہوئے ذرا سے انتظار کے بعد بلال نے پھر سے .ت بنی ماں کو ٹہوکا دیا۔

''آپ یہ چائے تو لیں۔'' خدیجہ باری باری بہت گہری نظروں سے ماں بیٹے کی بالکل متضاد کیفیات کا جائزہ لے رہی تھی۔

اور اندر کھڑی ثانیہ کا بس نہیں چل رہا تھا، جا کر ابھی خدیجہ سے دو دو ہاتھ کر لے اور خود ہی اس رشتے سے انکار کر دے۔

''آنٹی! اصل میں مجھے جانا ہے ہائر اسٹڈیز کے لیے تو...... ہمیں ذرا جلدی...... ماما بتائیں نا......'' اب کے وہ کچھ جھنجلا کر بولا۔

''ہاں جلدی...... ہے ہمیں۔'' جانے کیسے ان کے منہ سے یہ چار لفظ نکلے۔

''میرا خیال ہے اسی فرائیڈے کو اگر نکاح......'' اس کا انداز ماں کو صلاح دینے سے زیادہ حتمی فیصلہ سنانے کا سا تھا۔

''اتنی جلدی بیٹا! ہماری کوئی تیاری......'' خدیجہ چہرے پر مصنوعی سی پریشانی طاری کرتے ہوئے بولیں۔

''آنٹی! آپ کو کچھ بھی تو تیاری نہیں کرنی، کیوں ماما؟''

ہ ماں کی کیفیت بخوبی سمجھ میں آ رہی تھی، وہ اس ساری گفتگو کے دوران ہونے والی خالی جگہ کے وقفے خود ہی پُر کرتا جا ر

وہ پھر اسی طرح پتھرائی نظروں سے دیکھ کر رہ گئیں۔

''ٹھیک ہے۔ اگر ابھی ان کی تیاری مکمل نہیں تو ہم کچھ ٹائم دے دیتے ہیں، انہیں بھی...... اور خود کو بھی...... تمہارا سٹڈیز پیریڈ مکمل ہو جائے تو دوبارہ ہم آ جائیں......'' ایک طویل تھکا دینے والی پریشان کن سوچ کے درمیان انہیں یہ امید کی ننھی سی کرن ٹمٹماتی دکھائی دی تھی۔

خدیجہ کا چہرہ اتر سا گیا۔

''نہیں ماما...... مجھے آتے آتے دو سے تین سال بھی لگ سکتے ہیں پھر ہو سکتا ہے، میں ثانیہ کو وہیں بلا لوں...... یا میرا خیال ہے۔'' وہ لمحہ بھر کو رکا۔

''ہم جمعہ کو تین چار لوگوں کے ساتھ آئیں گے اور نکاح کے بعد رخصتی ساتھ ہی۔ ٹھیک ہے ناماما؟'' اس نے بے

حد سنجیدگی سے حتمی لہجے میں کہا تو میڈم فضیلہ مبشر نے یوں اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے جیسے اب ان میں مزید لڑنے کی سکت نہیں رہی۔

✠ ✠ ✠

''آپ کیسے اتنا بڑا فیصلہ اکیلے کر کے آ سکتے ہیں۔'' زونی تو پھٹ ہی پڑی یہ سب سن کر۔

''میں نے اکیلے یہ فیصلہ نہیں کیا ماما، میرے ساتھ تھیں۔'' بلال اطمینان سے کہنے لگا۔

''خوش فہمی ہے آپ کی، ماما قطعاً آپ کے ساتھ نہیں ہیں۔ آپ کے ساتھ اور آپ..... آپ کو ہو کیا گیا ہے، بالکل ہی عقل سے پیدل ہو گئے ہیں۔'' زونی ہر حد سے گزر جانے کا ارادہ کر چکی تھی۔

فضیلہ نے بھی اسے نہیں ٹوکا۔

''تمہیں اس بات سے کیا مسئلہ ہے؟'' وہ یک دم رکھائی سے بولا۔

''مسئلہ..... اتنا بڑا مسئلہ آپ کو نظر نہیں آتا۔'' وہ زور سے چلا کر بولی۔

''کون سا مسئلہ؟'' بلال دونوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

''تھرڈ کلاس عاشقوں کی طرح، آپ ایک دو ٹکے کی لڑکی پر عاشق ہو کر ہمارا اسٹیٹس، ہماری.....''

''شٹ اپ..... شٹ اپ یور ماؤتھ زونی.....'' وہ بری طرح سے بھرا تھا۔ ''تم نے اس سے زیادہ ایک لفظ بھی کہا تو بس ہاتھ اٹھا بیٹھوں گا تم پر..... سنا تم نے؟''

''اور اس بات کی تکلیف تمہیں یا کسی کو بھی نہیں ہونی چاہیے، شادی ایک بالکل پرسنل اور میرا ذاتی فیصلہ ہے۔ ہ باشعور بالغ انسان کی طرح..... وہ کیا ہے اس کا فیصلہ کرنے کا حق تمہیں کسی نے نہیں دیا کہ تم اپنے اسٹیٹس پر یوں مغرو ہونے کے باعث کسی کی غربت کی وجہ سے اسے اس درجہ حقیر سمجھو، مجھے افسوس ہے تم پر۔'' غصے میں بولتے بولتے بلال کا سانس پھول گیا۔

''اور مجھے آپ پر آپ کی اس گھٹیا پسند پر بے حد افسوس ہے۔ گھر گھر لوگوں کے برتن مانجھنے والی لوگوں کا جھوٹا کھانے والی کی بیٹی ہی آپ کو پسند آئی تھی، اتنا ٹیسٹ گر جائے گا آپ کا، میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' وہ بھی جواباً چلا کر بولی۔

بلال کے ماتھے پر لکیریں بڑھ گئیں اور چہرے کا رنگ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔

''آپ آپ مجھے جواب نہیں دے پا رہے، کل کو اس معاشرے میں اپنے حلقۂ احباب میں ماما کے حلقے میں..... کیا کہہ کر متعارف کرائیں گے ایک میڈم، ایک کام والی کی بیٹی آپ کی بیوی اور ہمارے گھر کی بہو۔ نیور۔'' وہ اس کی خاموشی پر اور بھی شیر ہو کر تیز لہجے میں بولتی چلی گئی۔

''آئی ڈونٹ کیئر۔ نہ تمہاری نہ اپنے حلقے کی اور نہ کسی اور کی۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں اور اس سے پھر نہیں سکتا۔ بشرط زندگی، صرف موت ہی مجھے اس فیصلے سے باز رکھ سکتی ہے، سنا تم نے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ کر دونوں کی طرف دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔

✠ ✠ ✠
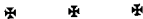
''یہ آپ نے کیا کیا امی.....؟'' ان لوگوں کی گاڑی ابھی گلی سے باہر بھی نہیں نکلی تھی کہ ثانیہ اندر آ کر خدیجہ پر

نے پڑی۔

''وہی جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔'' وہ اطمینان سے چائے کے برتن سمیٹتے ہوئے بولیں۔

''میں نے آپ سے یہ سب کرنے کو نہیں کہا تھا، آپ بھول گئیں اور آپ نے ......اف مائی گاڈ امی!'' اسے وہ محہ بہ گہری شرمندگی میں مبتلا کرتا جا رہا تھا۔

میڈم فضیلہ مبشر کی ماتم زدہ پتھرائی ہوئی صورت اس کے دماغ پر کسی کیل کی طرح گڑ گئی تھی۔

''میں تمہارے فیصلے ماننے کی پابند نہیں۔'' وہ بے نیاز سے لہجے میں بولیں۔

''کیوں، کیوں پابند نہیں، جب میں نے آپ سے کہا تھا۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''ثانیہ! میں نے جو کیا، بہت سوچ سمجھ کر کیا؟'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بولیں۔

''کیا سوچ سمجھ کر......کیا سوچ کر کہ وہ آپ کی بیٹی کو بیاہ لے جائیں گے آپ نے دیکھا نہیں شاید میڈم کے چہرے کی طرف، وہ کبھی بھی کسی بھی حالت میں ایسا نہیں ہونے دیں گی۔''

''یہ ان کا مسئلہ ہے، ہمارا نہیں۔'' وہ اسی بے نیاز انداز سے بولیں، ثانیہ ان کے بدلے ہوئے انداز دیکھ کر رہ گئی۔

''امی آپ سمجھ نہیں رہیں میڈم کے بھائی کی ڈیتھ بیڈ میرا مطلب ہے بالکل مرنے کے قریب ہیں اور یوں ان کی بیٹی کے ساتھ رشتہ توڑ کر......'' وہ ذرا سے تحمل انداز میں ان کے پاس بیٹھ کر انہیں سمجھانے لگی۔

''یہ بھی ہمارا مسئلہ نہیں۔'' وہ یوں مطمئن تھیں جیسے سب کچھ ان کے حسب منشا ہو رہا ہو۔

''کسی مرتے ہوئے شخص کی زندگی کی گھڑیاں ہمارے کسی غلط فیصلے کی وجہ سے کم ہو جائیں۔ ایسا چاہیں گی آپ؟'' وہ ترشی سے بولی۔

''زندگی موت کا ہر شخص کا وقت معین ہے، کوئی اس وقت معین سے ایک گھڑی پہلے جاتا ہے نہ بعد میں......ہم کون ہوتے ہیں خدانخواستہ کسی کی جان لینے والے۔'' وہ اب چائے کے برتن دھو رہی تھیں۔

''میں ان سے وعدہ کر چکی ہوں۔'' وہ تھوڑی دیر بعد قطعی لہجے میں بولی۔

''مگر میں نے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا۔

''مگر آپ کا فیصلہ میرے وعدے پر اثر انداز ہو رہا ہے، میں کسی صورت نہیں ہونے دوں گی یہ۔'' وہ سخت ناراضی سے

خدیجہ نے لحہ بھر کو کچھ سوچا اور ٹونٹی بند کر دی۔

''ثانیہ! تم بہت بے وقوف ہو۔''

انہوں نے برتن اٹھائے اور برآمدے میں بنے باورچی خانے میں آ گئیں، بڑے اطمینان سے لکڑیاں جلانے لگیں۔

''امی پلیز......آپ ایسا نہیں کریں، مجھے یوں بھی ابھی شادی وادی نہیں کرنا۔ مجھے پڑھنا ہے ابھی۔'' وہ اب رو دینے کو تھی۔

''اسی لیے تو پہلے یہ سب کر رہی ہوں۔'' اور ثانیہ نے پہلی بار غور سے ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ کیسا مطمئن، پُرسکون، بے ہیجان سا تھا ان کا چہرہ۔ ورنہ وہاں تو ہر گھڑی کوئی نہ کوئی فکر، پریشانی کسی تحریر کی صورت لکھی نظر آتی تھی۔

''اچھے گھر میں بیاہ کر چلی جائے گی۔ تیرا علم حاصل کرنے کا سارا شوق پورا ہو جائے گا۔'' آگ پہلے سے سلگ رہی تھی، ذرا سی کوشش سے جل اٹھی۔

''مجھے اس طرح اپنا شوق پورا نہیں کرنا۔ کسی کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر۔''

''کیسی مجبوری؟'' وہ پہلی بار ماتھے پر بل ڈال کر بولیں۔

''ان کے بھائی...... دونوں بچوں کے ٹوٹے رشتے۔''

''تم ملی ہو ان کے قریب المرگ بھائی سے؟'' وہ دیکھ کر بولیں۔

''نہیں، مگر انہوں نے کہا۔''

''تمہیں معلوم ہے نہ انہوں نے کیوں کہا یہ سب؟''

''وہ مجھے بتا چکی ہیں ان کے بھائی......''

''ثانیہ! ثانیہ! تیری اپنی عقل تو جیسے بالکل فارغ ہے۔ اس نے کہا اور تو نے مان لیا۔'' وہ جھنجلا کر بولیں۔

''سن میری بات غور سے...... تیری اس میڈم کا کوئی بھائی وائی نہیں ہے، نہ بیمار نہ تندرست۔ میں نے آج فوزیہ باجی سے...... رات تم نے مجھے یہ سب بتایا تھا تو میں نے یونہی باتوں میں باجی سے پوچھ لیا، انہوں نے مجھے دوٹوک انداز میں بتایا کہ ان کا کوئی بھائی، بہن نہیں، دو، تین بہن، بھائی شاید تھے۔ مگر وہ بچپن ہی میں فوت ہو چکے...... مگر اب...... اس وقت ان کا کوئی بھائی، بہن کچھ بھی نہیں ہے اور اصل معاملہ پتا ہے کیا ہے میری بھولی بٹی؟'' وہ تو بالکل گنگ سی بیٹھی رہ گئی تھی۔

''وہ بیٹے کی ضد کے آگے خود کو بے حد بے بس پا رہی ہیں۔ وہ اپنا مرتبہ و مقام تمہاری نظروں میں بھی قائم رکھنا چاہتی ہیں اور بظاہر بیٹے کی ضد مان کر...... اسے بھی خود سے متنفر نہیں کرنے دینا چاہتیں۔ اتنی سی بات ہے جو تیری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''امی! یہ تو اور بھی انسلٹنگ ہے۔'' وہ ایک گہری چپ کے بعد بولی۔

''کیا مطلب؟''

''وہ مجھ سے ایسا کوئی تعلق جوڑنے میں اپنی ذلت سمجھ رہی ہیں اور بیٹے کی ضد کی وجہ سے...... بیٹا بھی وہ جس کو باہر چلے جانا ہے۔ نہیں امی بالکل نہیں...... آپ انہیں انکار کر دیں، میں بالکل بھی...... پلیز امی!'' وہ ایک دم گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

''پہلی بات میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی۔'' وہ قطعی لہجے میں بولیں۔

''دوسری بات یہ ہمارا مسئلہ نہیں کہ وہ تمہیں دل سے راضی ہو کر بیاہ لے جاتی ہیں یا بیٹے کی ضد سے مجبور ہو کر...... یہ ان کا مسئلہ ہے۔ یہ سادہ سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی کہ ہمارے کتنے مسئلے حل ہو جائیں گے۔'' وہ جھنجلا کر بولیں۔

''کون سے مسئلے؟''

''تمہاری تعلیم، تمہاری شادی ساری زندگی سنور جائے گی اور کیا چاہیے۔''

''مجھے نہیں چاہیے یہ بھکاریوں کی طرح حاصل کی جانے والی مراعات۔''

''تمہارے بڑے مزاج ہیں یہ جو آج تک تین، چار سالوں میں لوگوں کا جھوٹا کھاتی رہی ہو، کیا آگے بھی عمر بھر یہی ذلت کھانے کا ارادہ ہے تو غور سے سن میری بات...... میں یہ شادی کروا کے رہوں گی۔ پوری زندگی میں ایک

چوائس .....ایک گولڈن چانس چاہیے وہ مشروط انداز میں مل رہا ہے، میں اسے ہاتھ سے جانے نہیں دوں گی، سنا تم نے۔''
ثانیہ دیکھتی رہ گئی اور یہ تو وہ بھی جانتی تھی کہ خدیجہ اول تو ضد میں آتیں نہیں اور جب آ جائیں .....انہیں ان کی ضد سے کوئی ہٹا نہیں سکتا اور اس وقت ان کی آنکھوں میں جیسی سختی اور لہجے میں مضبوطی تھی وہ شاید ہی اپنے ارادے سے پیچھے ہٹیں، وہ بے بسی سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

✠ ✠ ✠

''ماما میں آپ کو فائنلی بتا رہا ہوں۔ میں اس فیصلے پر کوئی دوسری بات نہ سنوں۔ یہ میرا ذاتی فیصلہ ہے اور کم از کم زونی کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ آپ اسے اپنی زبان میں سمجھا لیں۔''
زونیرا کھانے کی میز پر نہیں آئی تھی اور بلال نے پروا بھی نہیں کی تھی، الٹا کھانے کے بعد ماں نے ایک بار پھر سے کٹیلے پن سے یہ سب کہا تھا۔
''بلال! تم شاید بہت جذباتی ہو کر سوچ رہے ہو۔'' انہوں نے ایک بار پھر کوشش کرنے کا سوچا۔
''واٹ؟'' وہ شاید ہاں اور نہیں کی منزلوں سے بہت آگے جا چکا تھا۔
''زونی کی ناراضی کچھ ایسی بے جا بھی نہیں۔''
''تو گویا آپ بھی ایسا ہی چاہتی ہیں۔''
''ہماری کچھ مجبوریاں ایسی ہوتی ہیں۔'' انہوں نے بات کا آغاز کیا۔
''پلیز ماما! لیکچر نہیں۔ اب اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ مجبوری آپ کی ہوگی۔ میری نہیں اور بیوی وہ میری بنے گی، نوکرانی کی بیٹی اگر وہ ہے تو اس کی فکر بھی مجھے ہونی چاہیے، آپ کو نہیں، آپ بے شک اپنے حلقے میں کسی کو بھی اس کے بارے میں نہ بتائیں۔ پھر بھی آپ سمجھتی ہیں تو کہہ دیجئے گا سب سے کہ بلال نے کورٹ میرج کر لی تھی۔ یہ ہوگی آپ کی مجبوری اور اس کی وجہ۔'' وہ انہیں رستہ نہیں دکھا رہا تھا، اپنے آپشن کے بارے میں بتا رہا تھا۔
''وہ ثانیہ کو پسند کرنے کے معاملے میں اتنا آگے نکل چکا ہے کہ کورٹ میرج بھی کر سکتا ہے۔'' وہ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔
''تو پھر بیچ کا رستہ اختیار کر لیتے ہیں۔'' بہت دیر بعد وہ اس دل برداشتہ کیفیت سے نکل کر صلح جو انداز میں بولیں۔
''کون سا راستہ؟'' اس کا انداز ایسا تھا۔ اب اسے کوئی بھی تدبیر اپنے فیصلے سے ایک انچ آگے پیچھے نہیں کر سکتی۔
''تم ابھی اپنی تعلیم مکمل کر آؤ۔ ہم انگیج منٹ کر دیتے ہیں، واپس آؤ گے تو ثانیہ کی تعلیم بھی مکمل ہو جائے گی اور ان کے حالات .....ہم سب بھی ذہنی طور پر تیار.....'' وہ آخر میں اٹک اٹک گئیں۔
''نہیں ماما! آپ لوگ کبھی بھی ذہنی طور پر تیار نہیں ہوں گے۔'' وہ ایک دم دکھی سا ہو کر بولا۔
اصل بات یہ ہے کہ نہ اب نہ شاید آئندہ کبھی آپ اسے دل سے اپنائیں، آپ لوگوں نے معاشرے کے مروجہ اصولوں کو کچھ ایسے سخت ڈھانچے میں ڈھال کر خود پر مسلط کر لیا ہے کہ آپ لوگ چاہیں بھی تو اس میں سے نکل نہیں سکتے۔
''بلال! ایسی بات.....'' انہوں نے صفائی دینا چاہی۔
اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔
''پہلے، میں بات کر لوں ماما پلیز۔'' اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔

''ماما اگر میں انگیج منٹ کر بھی لوں اور دو سال کے لیے چلا جاؤں تو ان دو سالوں کے دوران پتا ہے کیا ہوگا۔ کچھ ایسی سازشیں، کچھ ایسے بہانے اور نا قابل تردید شواہد کہ یہ منگنی ختم کر دی جائے، یا پھر آپ خود پوری جدوجہد سے ثانیہ کی شادی کہیں اور کروا کے میرے سامنے اپنی بے بسی و مجبوری پر آنسو بہاتے ہوئے ثانیہ کی سرکشی یا قسمت میں نہ ہونے کی بات کریں گی۔ پورا منصوبہ جوان دو سالوں میں بنایا جا سکتا ہے ماما! ان دو سالوں میں اس کو دلی طور پر اپنانے کی کوشش ایک بار ایک لمحے کے لیے بھی نہیں کی جائے گی۔ اتنا میں جان گیا ہوں۔''

''اس قدر...... اس قدر شک کر رہے ہو تم مجھ پر؟'' وہ ششدر سی رہ گئیں۔

''نہیں۔ آپ کو آج کل چلنے والے انڈین چینلز کی گھسی پٹی اور بار بار دہرائی جانے والی روایتی سی کہانی سنا رہا ہوں۔'' وہ ایک دم سے موڈ بدل کر بولا۔

''ورنہ میری پڑھی لکھی، اتنی عقل مند، اتنا سوفٹ ہارٹ رکھنے والا ماما ایسی ہو سکتی ہیں۔ کبھی نہیں۔ آئی ایم شیور۔'' وہ ایک دم پیچھے سے آ کر لپٹ کر بولا۔

وہ ان کے لیے ایک ایک کر کے ہر راستہ بند کرتا جا رہا تھا۔

✠ ✠ ✠

''تم اتنے دن کہاں رہے۔'' چولہے کی بجھی ہوئی راکھ کریدتے ہوئے اس نے بہت دیر بعد سوال کیا تھا۔

وہ کب سے اس کے پاس آ کر بیٹھا تھا۔ ثانیہ کو خبر نہیں ہوئی وہ اتنی گہری سوچوں میں گم تھی۔ روحیل کو دیکھا تو چونک سی گئی۔

''وہ لوگ شام کو کیوں آئے تھے؟'' وہ اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''شام کو۔'' وہ اچنبھے سے اسے دیکھنے لگی اور چپ سی ہوگئی۔

''بتاؤ نا ثانی! وہ کیوں آئے تھے؟''

''اگر تم آئے تھے۔ ہوں! مجھے شک سا ہوا تھا کہ تم آئے تھے دروازے تک، تو پھر سن بھی لیا ہوگا کہ وہ کیوں آئے تھے؟'' وہ رک رک کر بولی۔

''میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔'' وہ چڑتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''میں بتا نہیں سکوں گی۔'' وہ سر جھکا کر اس راکھ کو کریدنے لگی۔

''کیوں؟ شرم آتی ہے؟'' وہ طنز سے بولا۔

''ہاں شرم آتی ہے؟'' وہ گہری سانس لے کر سر اٹھاتے ہوئے بولی۔ ''میں نے امی کے بارے میں کبھی ایسا نہیں سوچا تھا۔ روحیل! کتنی عجیب بات ہے ہم خود کو کسی بھی انسان کو مکمل طور پر جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر زندگی کے کسی نہ کسی ایسے موڑ پر اچانک سے اس شخص کے اندر کی بالکل ان دیکھی پرت یوں کھلتی ہے کہ ہم ششدر سے رہ جاتے ہیں اور سب کچھ جاننے کے ہمارے دعوے کتنے کھوکھلے ثابت ہوتے ہیں۔''

وہ رنجیدہ تھی، خوش تھی یا حیران یا ان تین کیفیات کے بیچ کسی چوتھے جذبے کے حصار میں...... کسی ان ہونی چاہت کے ملنے کی بے یقینی سی خوشی۔

وہ یوں غور سے اس کے چہرے کو حرف حرف پڑھنے لگا، جیسے واقعی اس جذبے کو کرید لے گا، جو اس لمحے ثانیہ کو اپنے حصار میں لیے ہوئے ہے۔

''ایک بات پوچھوں؟'' وہ بہت دیر بعد بولا۔
اس نے جواب نہیں دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں اتر چکی تھی۔
''تم نے کبھی میرے چہرے کو غور سے پڑھا ہے۔ پڑھا اس لیے کہہ رہا ہوں تم کتابیں جو بہت پڑھتی ہو۔'' وہ ذرا سا ہنس کر بولا۔
ثانیہ نے ایک خفا سی نظر سے اسے دیکھا اور پھر اپنے مشغلے میں گم ہو گئی۔
''میں اس وقت کسی بھی مذاق کے موڈ میں نہیں۔''
''اوہ!'' وہ ٹھٹک سا گیا۔
''تمہیں کیا ہوا؟'' وہ چونکی۔
''یعنی میں تم سے جو بھی کہوں گا۔ وہ تمہارے نزدیک مذاق ہی ہوگا۔'' وہ یک ٹک اسے دیکھتے ہوئے بولا۔
''امی کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے خود سے بڑبڑائی۔
''اور تم...... تم کیوں اتنی ڈسٹرب ہو۔ کیا تمہیں یہ سب پسند نہیں۔'' وہ بغور اسے دیکھے جا رہا تھا اور کتنی عجیب سی بات تھی ثانیہ کو اس کی ان مسلسل نظروں کا ارتکاز محسوس بھی نہیں ہو رہا تھا۔
''تو میرے ہی جذبے خام تھے۔'' وہ مایوس سا ہو کر خود سے بولا۔
''ہاں تو نہیں ہونا چاہیے امی کا اتنا عجیب اچانک سا رویہ۔ میں نے سمجھایا بھی تھا نہیں، وہ کوئی رشتہ پکا کرنے تو نہیں آ رہے تھے جو امی نے خوشی خوشی، ڈیٹ بھی فکس کر دی۔'' وہ جھنجلا کر بولی۔
''ڈیٹ......'' روحیل ششدر رہ گیا۔
وہ تو پوری بات سنے بغیر ہی عجلت میں چلا گیا تھا۔ اس پر مزید سننے کا یارا نہیں تھا۔
''تو اور کیا؟'' وہ جھلا کر بولی۔ ''اور میڈم...... وہ کیا سوچیں گی۔ میری وعدہ خلافی، ہمارا کمینہ پن ہی تو سمجھیں گی وہ۔'' وہ اپنی ہی پریشانی میں مبتلا تھی۔
''کیسی وعدہ خلافی؟'' وہ شکست خوردہ لہجے میں پوچھ بیٹھا۔
وہ جو اتنے سالوں سے تصورات کی حسین دنیا سے خود کو بہلاتا آیا تھا، اس کا شائبہ بھی ثانیہ کے تصور میں نہیں تھا۔
وہ اسے کچھ بتا رہی تھی۔ اس کے لب متحرک تھے، مگر روحیل کے کان کچھ بھی نہیں سن رہے تھے۔
''اب میں کیا کروں، اور امی نے سب پتا بھی کرا لیا کہ میڈم کا کوئی بھائی نہیں۔ میڈم نے کہانی گھڑی تھی...... جو آپ کو گوارا نہ کرنا چاہتا ہو آپ خود کو اس کے سر پر...... مستقلاً مسلط ہونے کا منصوبہ بنائیں۔ یہ بہت ذلت آمیز ہے۔'' وہ منہ میں بڑبڑائی۔
''ذلت آمیز'' روحیل نے اس کے لفظ دہرائے۔''
اس نے تو کبھی ایسا نہیں سوچا تھا کہ ثانیہ اسے پسند نہیں بھی کرتی تو ناپسند بھی نہیں کرنے گی، اس کے باوجود وہ میری ہی تو ہے۔ وہ تو بہت پہلے سے سب طے کیے بیٹھا تھا۔
اور اگر ثانیہ راضی نہیں ہوگی تو بھی وہ اس وقت تک اسے چاہتا رہے گا، جب تک وہ واقعی دل سے اسے نہیں چاہنے لگتی اور اس سارے میں کچھ بھی تو ذلت آمیز نہیں۔
''روحیل پلیز۔ تم امی سے بات کرو۔'' وہ ملتجی لہجے میں بولی۔
''نہیں، وہ تمہاری بھی نہیں مانیں گی۔'' اگلے لمحے وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

''امی نے ہمیں بہت صبر، ضبط، برداشت، اللہ پر بھروسہ کا سبق دیا اور اب ایک موقع نظر آیا اور ان کی ساری اخلاقیات...... میں کیا کروں...... اور دکھ تو مجھے میڈم کی گھڑی ہوئی جھوٹی کہانی پر بھی ہے، وہ اگر یونہی مجھ سے کہتیں، میں کون سا مرنے جا رہی تھی، ان کے بیٹے سے شادی کے لیے۔'' وہ منہ میں بڑبڑائی۔

''کیا وہ تمہیں پسند نہیں۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''پاگل ہو تم تو...... مجھے بھلا وہ کیوں پسند یا ناپسند ہونے لگے گا، میرا کیا تعلق بھلا اس سے اور یہ سب کیا دھرا اسی کا تو ہے، تم مرد بھی کتنے عجیب ہوتے ہو...... خوامخواہ ایک نظر دیکھا اور...... کیا مصیبت ہے۔'' ایک نظر کے دو لفظی سحر نے اس کے دل کو پل بھر کو مٹھی میں لیا تھا۔

کوئی آپ کو ایک نظر دیکھے اور ہر فرق، ہر اختیار کو بھلا کر دیوانہ وار آپ کو پانے کا اظہار کر بیٹھے۔ اس سے بڑی خوشی، لذت، کون سی ہوگی بھلا۔ اس نے تو اس پر ابھی سے پہلے سوچا ہی نہیں تھا۔

وہ سر جھکا کر خفیف سے مسکراتے لبوں کو بھینچ کر سوچنے لگی۔

''تم نہیں چاہتیں یہ سب؟'' زوحیل نے ذرا توقف سے پوچھا۔

''ہوں۔'' وہ چونکی ابھی جو وہ اس سوال کا دھڑلے سے نفی میں جواب دینے جا رہی تھی، لمحہ بھر کو چپ سی رہ گئی۔

''زوحیل! میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، میں یہ سب واقعی نہیں چاہتی اور اگر یہ ہو بھی جائے تو اس کے بعد جو حالات ہوں گے، امی نے کبوتر کی طرح اس سوال سے آنکھیں بند کر کے ہاں کر دی ہے، مگر مجھے سب نظر آ رہا ہے۔ میں کیا کروں۔'' وہ سر تھام کر بولی۔

''کیا کرنا چاہتی ہو۔ انکار؟'' وہ دیکھ کر بولا۔

ثانیہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

پھر آہستگی سے اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

''تو پھر ایک راستہ اور بھی ہے سنو۔'' وہ اسے کچھ بتانے لگا۔

✠ ✠ ✠

''آپ ان سے دوٹوک الفاظ میں کہتیں کیوں نہیں کہ آپ کسی بھی صورت یہ شادی نہیں کرنا چاہتیں، سمپل ناؤ۔'' زونی پھٹ پڑنے والے انداز میں بولی۔

''اٹ از ناٹ سمپل ناؤ'' وہ پست لہجے میں بولیں۔

''کیوں نہیں سمپل۔ آپ ماں ہیں، آپ ان سے منوا بھی سکتی ہیں۔'' اس نے انہیں ان کی ویٹو پاور کی یاد دہانی کرائی۔

''میں تو پہلے استعمال کر چکی ہوں۔ ضد سے منوایا تھا کہ شادی کر کے ہی جائے اور اب کچھ نہیں ہو سکتا۔''

''کیوں نہیں ہو سکتا؟'' وہ تڑپ کر بولی۔

''ڈیٹ فکس ہو چکی ہے۔''

''ڈیم اٹ...... میں کبھی نہیں ہونے دوں گی۔'' وہ غصے میں بولی۔

''ابھی کچھ دیر پہلے مجھ سے اور اس سے پہلے تم سے بلال سب کچھ صاف لفظوں میں کہہ چکا ہے۔ وہ پیچھے ہٹنے والا نہیں۔''

''آپ کو کہا تھا کہ ٹھیک ہے، انگیج منٹ کر دیتے ہیں، شادی وادی واپسی پر۔''

''کہہ چکی ہوں سب اور جواب میں اس نے جو کہا ہے میں دہرانا نہیں چاہتی۔''

''تو آپ بیاہ لائیں گی اس میڈ کی بیٹی کو؟'' زونیرا حقارت سے بولی۔

''اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ میں سوچتی ہوں زونی! ہم ایک ہی رخ پر سوچ جا رہے ہیں۔'' وہ رک کر بولیں۔

''کیا مطلب؟'' وہ تیکھے پن سے بولی۔

''دیکھو، اس میں بظاہر کوئی برائی بھی نہیں۔ وہ کوئی خاندانی لوگوں کے گھروں میں کام کرنے والی نہیں، مجبوری تھی۔ یہ سب کر رہی تھیں، پھر ہم بعد میں ثانیہ کو مجبور کر دیں گے۔ وہ ان سے تعلق نہ رکھے، بس کبھی کبھار جا کر مل آئے اور ... وہ مثبت راہ دیکھنے پر خود کو تیار کر رہی تھیں۔

''ماما! اس کے بعد بس نہیں سوالوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہوگا، ہماری ذہنیت ہی نہیں...... بلال بھائی پر کیچڑ اچھلے گا۔ انہوں نے کس جیسے کی لڑکی...... جو انہیں شادی کے بغیر محض چند ہزار میں بھی باآسانی حاصل ہو سکتی ہے۔''

''زونی!'' وہ بے اختیار تڑپ کر بولی تھیں۔

''زونیرا اس سوچ اتنی بھی گر سکتی ہے، کیا وہ اتنی بڑی ہوگئی ہے کہ یہ سب نہ صرف سوچ سکے، بلکہ اسے اپنی زبان پر بھی لاسکے۔'' وہ تو صدمے سے ششدر سی رہ گئی تھیں۔

''اٹس اے فیکٹ ماما! آپ کس دنیا میں رہ رہی ہیں، کیا نہیں ہوتا یہاں بھائی کو اپنی لو آف فرسٹ سائٹ کی satisfaction چاہیے نا۔ بھول ہوئی آپ سے وہاں ڈیٹ فکس کر کے آنے کے بجائے اس لالچی ماں، بیٹی کے آگے یہ پیش کش رکھ آتیں، انہوں نے چند دنوں کیا چند گھنٹوں میں ہر طرح سے تیار ہو جانا تھا۔''

وہ یوں کھل کر یہ سب کہہ رہی تھی کہ وہ جواب میں اسے ڈپٹ سکیں، نہ اختلاف کر سکیں۔

یہ تو وہ جانتی تھیں، نئی نسل ان کی سوچ سے بہت آگے، بہت ذہین اور چیزوں کے ہشت پہلوؤں سے بھی زیادہ فہم رکھنے والی ہے۔ مگر یہ تیز نگاہیں چیزوں کے گرے ہوئے معیار کی کچھ اس برق ریزی سے چھان پھٹک بھی کر سکتی ہے، یہ انہیں اندازہ نہیں تھا۔ ان ساری باتوں کو کہانیوں، فلموں اور اسٹوریز میں پڑھنا، کلاس ڈفرینس پر کڑھنا ایک الگ بات ہے اور اس سب کو عام زندگی میں اپلائی کرنا بالکل دوسری چیز...... یہ حقیقت ناقابل عمل......

''زونیرا! میری بات دھیان سے سنو۔'' اپنی ہی سوچوں سے تھک کر وہ حتمی فیصلے پر پہنچ گئیں۔

''میرا خیال ہے اور میں سوچ چکی ہوں، اب ہمیں اس مخالفت برائے مخالفت کو چھوڑ کر ٹھنڈے دل سے اس حقیقت کو قبول کر لینا چاہیے اور محض لوگوں کی باتوں سے خوف زدہ ہو کر......'' وہ ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہی تھیں۔

''مائی فٹ! میں کبھی بھی نہ تو اس حقیقت کو تسلیم کروں گی اور نہ آپ مجھ سے ایسی کوئی توقع رکھیے گا، اب جو کچھ بھی ہوگا آپ خود کیجیے گا، نہ میں اس شادی میں شامل ہوں گی اور نہ...... نہ اس کی موجودگی میں، اس گھر میں رہوں گی، اینڈ دیٹس اٹ۔''

وہ تلخ لفظوں میں انہیں دھمکاتی ہوئی کچھ اس طرح سے پیر پٹختی گئی کہ وہ گم صم سی بیٹھی رہ گئیں۔

انہیں زونیرا سے اتنے سخت ردعمل کی توقع نہیں تھی۔ وہ بری طرح پھنس گئی تھیں۔

✠ ✠ ✠

''آپ کو اس رشتے پر کیا اعتراض ہے؟'' وہ لبوں پر دلکش سی مسکراہٹ لیے اس سے پوچھ رہا تھا۔
اس کے دل کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہو رہی تھیں، وہ ہمت کر کے یہاں تک تو آ گئی تھی، مگر اب بات کرنا کس قدر دشوار تھا۔
اس نے مدد طلب نظروں سے دور کھڑے روحیل کی طرف دیکھا۔
''میں ابھی پڑھنا چاہتی ہوں۔''
''تو آپ کی اسٹڈیز میں رشتہ رکاوٹ نہیں ڈالے گا، بلکہ ہیلپ فل ہوگا، ماما آپ کو اسٹڈیز میں بھرپور مدد دیں گی۔ مجھے تو یوں بھی چلے جانا ہے دو سال تک جتنا چاہیں پڑھتی رہیں......اس کے بعد......'' وہ شرارتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ کر مسکرانے لگا۔
وہ اسے کیا بتاتی کہ میڈم فضیلہ مبشر کے زیر سایہ پڑھنا تو شاید اس کی زندگی کا ناقابل یقین خواب تھا، مگر......
''کیا آپ کہیں اور انوالو ہیں؟'' اس نے ثانیہ کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے روحیل کو دیکھا۔
روحیل ہی اسے یہاں تک لایا تھا اور پارک میں اس وقت رش نہ ہونے کے برابر تھا۔
''جی نہیں۔'' وہ جیسے الرٹ ہوئی ہو، فوراً سے پیشتر بولی۔
''پھر اور کیا وجہ ہے؟''
''جس طرح آپ کو اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق ہے، اسی طرح مجھے بھی یہ حق حاصل ہے۔''
اس کی مسکراہٹ لاکھ دل پذیر سہی، انداز دوستانہ اور محبت بھرے سہی اور لہجہ بھر کے ساتھ کی دعوت مسلسل سہی، مگر......مگر یہ سب فریب نظر بھی تو ہو سکتا ہے دھوپ چھاؤں کا کھیل بھی، وہ ابھی اس تیکھی دھوپ میں تھی، چھاؤں میں جائے تو زاویہ نظر یکسر بدل چکا ہو۔
''اور یہ ساری گیم تو یوں بھی پہلی نظر کے کمزور پتے پر استوار تھی، ادھر ذرا تیز ہوا کا جھونکا آیا تو پتا......'' اس نے جھرجھری سی لی۔
''بے شک! آپ کو حق حاصل ہے، مگر اس انکار کی کوئی ٹھوس وجہ بھی تو ہونی چاہیے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔
اس کی بے تاب نگاہوں میں کرب سا چھلکنے لگا تھا۔
''وجہ بتانی بہت ضروری ہے؟'' وہ نظروں سے نظریں چرا کر بولی۔
''اگر کوئی شخص اس درجے آگے جا چکا ہو کہ واپسی کا راستہ شاید ہو، مگر اس کی کوتاہ بینی کو نظر ہی نہ آتا ہو تو ایسے شخص سے ہمدردانہ نہ سہی وجہ بیان کرنی لازم ہونی چاہیے۔'' وہ ماں کی طرح دقیق لفظوں سے کھیلتے ہوئے اسے بھی الجھانے لگا تھا۔
''میں......میں کسی بھی طرح آپ کی کلاس، آپ کی فیملی، آپ کے سیٹ اپ میں......سوٹ ایبل نہیں......مس فٹ رہوں گی تمام عمر۔'' اس نے تیز چمکتی دھوپ میں پھیلے بڑے پتوں پر نظریں جما کر رک رک کر کہا۔
''اور جب آپ کا نام میرے نام کے ساتھ جڑ جائے گا تو پھر کچھ بھی مس فٹ نہیں رہے گا۔ اس کی میں گارنٹی دیتا ہوں۔'' وہ یک دم عین اس کی نگاہوں کے سامنے چہرہ لا کر بولا۔
''گارنٹی۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہی کہہ سکی۔
''ثانیہ! میرا ارادہ ہی نہیں وعدہ بھی ہے۔ میں جس چیز کو منطقی طور پر درست سمجھتا ہوں پھر میں اس کو ثابت کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں، میں کلاس کانشس نہیں ہوں اور اس فرق کو کچھ سمجھتا بھی نہیں، جب مجھے فرق نہیں پڑتا تو آپ ا

بھی محض اس معمولی بات کو ایشو بنا کر اس طرح سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔''
وہ پُر یقین لہجے میں اس سے کہہ رہا تھا۔
''اول تو یہ معمولی بات نہیں ہے۔'' وہ بھی سنجیدگی سے بولی۔ ''دوسرے یہ رشتہ...... محض آپ سے نہیں جڑے گا بلکہ آپ کے اردگرد میرے اردگرد موجود لوگوں کے درمیان بھی...... آپ کو سمجھنا چاہیے اس سارے سلسلے کو۔'' وہ اس کے انجان پنے پر جھنجلا سی گئی۔
''میں لوگوں کی کم ہی پرواہ کرتا ہوں، ہاں اگر میں کوئی غلط کام کر رہا ہوں، پھر میں یقیناً کانشس ہوں گا، مگر جب میں جانتا ہوں، میں کچھ بھی غلط نہیں کر رہا تو پھر مجھے پرواہ نہیں کہ کوئی کیا کہہ رہا ہے۔'' وہ شکل سے ایسا لاابالی لگتا تو نہیں تھا۔
وہ کوفت سے سوچنے لگی۔
''رہی میرے اور آپ کے گھر والوں کی پرابلم اسے صرف وقت ہی سلجھا سکتا ہے اور جب مجھے کسی کی پرواہ نہیں تو آپ کو بھی تردّد کرنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ بڑے باسہولت انداز میں بولا۔
''آپ پھر چیزوں کو غلط اینگل سے دیکھ رہے ہیں، چیزیں اس قدر سادہ نہیں ہوتیں جتنی ہمیں نظر آتی ہیں۔'' وہ زِچ ہو کر بولی۔
''تو پھر آپ ہی بتا دیں چیزیں کس قدر پیچیدہ ہوتی ہیں۔'' وہ بھی جھلا کر بولا۔
''اور یوں بھی یہ بحث تو لاحاصل ہے، جب میں راضی ہوں، آپ راضی ہیں تو......''
''سوری آپ میرے بارے میں خود سے فیصلہ نہیں کر سکتے۔'' وہ تیزی سے اس کی بات کاٹ کر بولی۔
''ایک بات بتائیں۔'' ذرا دیر کو وہ چپ رہنے کے بعد بولا۔
''آپ کی زندگی کا سب سے بڑا خواب کیا ہے؟''
وہ اس عجیب سوال پر لمحہ بھر کو خاموش سی رہ گئی۔ کوئی اور موقع ہوتا تو جھٹ سے کہہ دیتی۔ ''میڈم فضیلہ مبشر جیسا بننا۔''
مگر جانے کیوں اسے پہلی بار اس طے شدہ آئیڈیلزم پر کچھ سوچنا پڑا۔
''پڑھنا اور بہت پڑھنا...... شادی ابھی کہیں بھی......''
''بس تو پھر ڈن۔ آپ جتنا چاہیں پڑھیں اور شادی...... فقط نکاح نامے پر دستخط ہی تو ہوں گے۔ اس کے بعد پرامس میں آپ سے کوئی ڈیمانڈ نہیں کروں گا۔'' وہ معصومانہ انداز میں بولا۔
''حد کرتے ہیں آپ جب کہہ رہی ہوں مجھے ابھی یہ شادی وادی کرنی ہی نہیں تو ڈیمانڈ کا کیا سوال؟''
''آپ جانتی ہیں نا۔ آپ کا خواب صرف اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے جب آپ فنانشل بہت نہ سہی اتنی اسٹرونگ ہوں کہ اعلیٰ تعلیمی اخراجات برداشت کر سکیں اور یہ صرف...... کس طرح ممکن ہے، یہ بھی آپ کو معلوم ہے۔'' وہ اسے دانہ ڈال رہا تھا۔
اور یہ ایسا لالچ تھا جس کے جال میں وہ بخوشی پھنس سکتی تھی۔
''ہاں۔'' وہ سر ہلانے کو تھی کہ میڈم فضیلہ مبشر کا چہرہ اس کے سامنے آ گیا۔ وہ تھم سی گئی۔
بے اختیار نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔
''سوری مسٹر بلال! یہ ممکن نہیں۔'' کہہ کر جانے لگی۔
''او کے یہ فیصلہ بڑوں کے بیچ ہوا تھا اور فرائیڈے کون سا دور ہے فقط تین دن بعد...... ہم صرف سات یا پانچ

لوگ ہوں گے، اگر آپ کو نکاح نامے پر سائن کرنے ہوں گے تو کر دیجئے گا، ورنہ مجھے سات لوگوں کی بارات خالی ہاتھ لے جاتے قطعاً کوئی شرمندگی نہیں ہوگی اور میں فیصلہ کر کے پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں، اتنا سوچ لیجئے گا۔'' وہ حتمی انداز میں کہتے ہوئے بولا۔

''اور اگر آپ انکار بھی کر دیں گی تو جو بھی ہوگا فقط میری ذات کو ہوگا اور مجھ سے بھلا آپ کو کیا غرض......خدا حافظ۔''

وہ عجب نظروں سے اسے دیکھتا ہوا لمبے لمبے ڈگ بھرتا روحیل کے آگے سے چلا گیا۔

''کر دیا انکار تم نے......تیور دیکھے تھے تم نے امیر زادے کے؟'' روحیل اس کے پاس آ کر بولا۔

وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

✠ ✠ ✠

''ماما! اگرچہ نکاح سادگی سے ہے، مگر پھر بھی آپ کو کچھ تیاری تو کرنی چاہیے۔ دو دن تو رہ گئے ہیں۔'' وہ ڈنر کر کے اٹھنے لگیں تو بلال نے انہیں ٹوکتے ہوئے کہا۔

زونی نے احتجاجاً ڈائننگ ٹیبل پر آنا چھوڑ دیا تھا اور بلال نے پروا بھی نہیں کی تھی۔

وہ دکھ بھری نظروں سے اکلوتے بیٹے کو دیکھ کر رہ گئیں۔ زونیرا نے جب بھی بلال کی شادی کی پلاننگ کی سب میں وہ خود کو آگے آگے پیش کرتی، ہر تقریب، ہر رسم میں......

اور اب......نہ اسے اس ذکر سے کچھ واسطہ تھا، نہ بلال کو ہی اس کا خیال تھا۔

دو بچے، ان کی عمر بھر کی کمائی اور یوں دونوں کے بیچ اتنی بڑی خلیج آ گئی اور وہ بے بسی سے دونوں کو سمجھانے سے بالکل قاصر تھیں۔

''تم اگر خود......زونی سے بات کرو۔ ذرا نرمی اور پیار سے......اسے کس قدر شوق تھا تمہاری شادی کی شاپنگ کا۔'' انہوں نے آخری کوشش شروع کی۔

''اس کا دماغ بہت خراب ہو چکا ہے ماما! وہ اس معاملے میں کچھ سننا چاہتی ہے نہ سمجھنا، تو اس کے ساتھ بک بک کرنا فضول ہے۔'' وہ خود غرض سے لہجے میں بولا تو چپ سی رہ گئیں۔

''بہن ہے تمہاری۔ شوق تھا اسے تمہاری شادی کا بہت۔ خفا ہے......اور تم تو اس کی ذرا سی خفگی نہیں سہ پاتے تھے، اب کیوں اتنا فرق آ گیا تم میں؟'' انہوں نے جتا کر کہا۔

''فرق مجھ میں نہیں، اس میں آیا ہے۔ ایک حد تک ضد اور خفگی کو دور کیا جا سکتا ہے مگر ایک فضول سی ضد پر ہٹ دھری، اڑے رہنا......اور ماما سوری! وہ خاصی بدتمیز ہو گئی ہے، بہت آؤٹ اسپوکن ہو جاتی ہے۔ آپ کو اسے سمجھانا چاہیے۔ بہر حال کل کو آپ کو اس کی شادی بھی کرنی ہے۔''

وہ حیرت سے اسے تکے گئیں، وہ کتنا بدلا بدلا سا نظر آ رہا تھا۔

''تم اس کے بارے میں فکر مند نہ ہو، آج کل تم صرف اپنے بارے میں سوچ رہے ہو، سو وہی فکر کرو بس۔ میرے یا میری بیٹی کے ساتھ کیا ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے، تمہیں پروا نہیں ہونی چاہیے۔'' وہ ایک دم سے کہتے ہوئے کھڑی ہوئیں اور جانے لگیں۔

''کل میرے ساتھ چل کر شاپنگ کر لینا یا اس ثانیہ کو ساتھ لے جا کر اس کی پسند سے جو چاہو خرید لینا، مجھے کام

ہے۔'' وہ کہہ کر اجنبی سی چلی گئیں۔
اور بلال بیٹھا اپنی غلطی کا سرا پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔

✠ ✠ ✠

''تم نے تو کمال کر دیا، زبردست......اس سال کی، پورے سال کی بریکنگ نیوز......ان بلیوایبل۔''
رباب اور عروج دونوں اس کے پاس آ کر اتنی تیز آواز میں بولیں کہ وہ لحہ بھر کو کچھ سمجھ ہی نہیں سکی۔ اس نے آج خلاف معمولی آخری پیریڈز بنک کیے تھے اور ان دونوں کیا سب سے الگ تھلگ اسی سوچ میں گم بیٹھی تھی کہ وہ دونوں جانے کیسے اسے ڈھونڈتی ڈھانڈتی آ گئیں۔
''کیا مطلب؟'' وہ نظریں چرا کر رہ گئی۔ دل بے اختیار دھڑکا۔ ''کہیں......ان کو تو پتا......نہیں نہیں......''
اس نے خود ہی تردید کی، ان کے چہروں سے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔
''تمہاری شادی ہو رہی ہے؟'' رباب نے اس کے قیاس کی دھجیاں اڑاتے ہوئے خوشی سے کہا۔
''اور وہ بھی میڈم فضیلہ مبشر کے بیٹے سے۔ واؤ، بڑا اونچا ہاتھ مارا ہے تم نے۔'' عروج کا انداز پل بھر میں اس خبر کے ساتھ جڑی لوگوں کی ذہنیت اور نتائج اخذ کرنے کی تیز رفتار صلاحیت کی عکاسی کر گیا۔
''بولو نا، سچ ہے نا یہ؟'' رباب نے اسے گم صم بیٹھے دیکھ کر ٹہوکا دیا۔
''اب کیا بولے گی، بنو شرما رہی ہے۔ دیکھتی نہیں، شکل سے دیکھو کیسی معصوم اور ہمیں، اپنی بیسٹ فرینڈز تک کو ہوا نہیں لگنے دی۔''
''سرپرائز دینا چاہتی تھیں نا۔'' رباب بولی۔
''تت......تم لوگوں کو کس نے بتایا؟'' وہ بہت مشکل سے پوچھ پائی تھی۔
''لو پورے کالج میں پھیل چکی ہے یہ بریکنگ نیوز۔ وہ ہیں......مس فوزیہ......وہ ٹیچرز کے گروپ میں کھڑی کہہ رہی تھیں اور یار! ان کا انداز کچھ ایسا تھا، جیسے وہ سب کچھ آتے جاتوں کو بتانا چاہتی ہوں۔ سیکنڈ ایئر کا گروپ وہیں تھا بس پھر......''
اس کا دل تھم کر رواں ہوا۔
''مس فوزیہ......کا سورس آف انفارمیشن......ای، اوہ نو......'' اس کا دل چاہا یہ سامنے کی دیوار شق ہو، اور وہ اس میں کہیں گم ہو جائے۔
''اور تم نے ہم سے یہ بات بھی اتنے سال چھپائے رکھی، دوست نہیں سمجھتی تھیں نا۔'' عروج نے شکوہ کیا۔
اب جو وہ بولنے والی ہے، شاید وہ اس سے بھی بڑا دھچکا ہو۔
''تمہاری امی مس فوزیہ کے گھر کام کرتی ہیں ہاؤس میڈ اور تم نے کبھی ذکر نہیں کیا۔ امیزنگ یار! تم کیا چیز ہو، وہ فلمی اور افسانوی سی کہانی نہیں تمہاری۔'' رباب چٹخارا لے کر بولی۔
''ہاں ملازمہ کی بیٹی پسند آ گئی اور ظالم سماج سے ٹکرا کر۔''
''پر نہیں یار! اسے تو میڈم فضیلہ نے ہی پسند کر لیا ہوگا، وہ تو یوں بھی اس پر فریفتہ تھیں۔''
''بڑا جگرا ہے میم کا۔ اتنا بڑا دل کسی کا ہوگا کہ ایک ہاؤس میڈ کی بیٹی کے ساتھ......ارے اتنی اونچی کلاس ہے ان کی پھر ان کا حلقہ احباب......سارے کالج میں یہ خبر پھیل گئی ہے۔'' رباب کی نظریں مستقل ثانیہ کے چہرے پر تھیں۔

''بظاہر تو سب ہی واہ واہ کر رہے ہیں اور پتا ہے، میڈم فوزیہ ہی شاید کہہ رہی تھیں کہ فضیلہ میم کے بیٹے نے خود ثانیہ کو پسند کیا ہے۔ ہیں ثانیہ؟'' وہ تصدیق کرنے کے لیے اس کے فق چہرے پر مسکراتی طنزیہ نگاہ ڈال کر بولی۔

''ارے کتنا مضبوط ہاضمہ ہے اس کا، سب کچھ پک پکا گیا تو پھر خبر لیک آوٹ کی ہے۔ لاٹری نکل آئی بھئی تمہاری تو پھر جب تمہارا تعلق ایسی فیملی سے ہو...... پھر تو بمپر پرائز ہی سمجھو اس رشتے کو۔''

دونوں ہنس رہی تھیں، کیا کیا بول رہی تھیں اور ارد گرد سے گزرتی لڑکیوں کا گروپ، سب ہی کی نگاہیں شاید اس پر جمی آر پار جا رہی تھیں۔ اسے لگا وہ کسی جلتے توے پر کھڑی ہے۔

ہر طرف شعلے ہی شعلے تھے۔

ہاؤس میڈ کی بیٹی...... لاٹری...... بمپر پرائز...... بڑی معصوم لگتی تھی شکل سے۔

وہ دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر بھاگتی چلی گئی، ان دونوں کے پکارنے کی پروا کیے بغیر۔

✠ ✠ ✠

آخر میں اسے بتا کیوں نہیں دیتا، یوں دل میں جلنے کڑھنے اور محبت کو اس طرح روگ بنانے سے کیا حاصل......

وہ راضی بھی تو نہیں ہے اس رشتے کے لیے...... اگر میں خود سے اپنا پرپوزل...... شاید وہ اس کی منتظر ہو، ورنہ بظاہر اتنے اچھے رشتے سے انکار کی وجہ تو کوئی نہیں ہو سکتی۔''

وہ اندھیری سڑک پر چلا جا رہا تھا۔ دور تک جاتی سڑک اکیلی بھی تھی اور اندھیری بھی۔

''آخر کب تک میں یونہی اکیلا اندھیروں میں بھٹکتا رہوں گا، مجھے اسے سب بتانا ہی ہوگا۔'' وہ رک گیا۔

''اور میرے پاس اسے دینے کے لیے ہے ہی کیا، سوائے ان اندھیروں کے۔''

دوسری سوچ نے اس کے پلٹتے قدم روک لیے۔

''مگر ایک بار...... ایک بار تو مجھے اسے بتانا ہی ہوگا۔'' وہ دل میں مصمم ارادہ کر کے تیز تیز قدموں سے واپس مڑ گیا۔

✠ ✠ ✠

''آپ کو ضرورت کیا تھی مس فوزیہ سے یہ سب کہنے کی۔'' وہ بری طرح سے بری تھی خدیجہ پر۔

''کیوں، ہم کوئی چوری کر رہے ہیں یا ہم نے ان کے گھر جا کر ان کے پیر پکڑے تھے کہ رشتہ کرو ہمارے ساتھ۔ وہ خود آئیں، خود سوال ڈالا اور خود ہی تاریخ دے کر چلتی بنیں، تو ہم کیا چور ہیں، خدانخواستہ، ہم جو یوں لب سی رہیں یا تو عدالت میں جا کر بیاہ کر رہی ہے، چار بندوں میں ہماری بھی عزت......'' خدیجہ نے بھی اسے خوب آڑے ہاتھوں لیا۔

''ہونہہ...... عزت...... کیا عزت ہے ہماری جانتی ہیں، ایک معمولی گھٹیا گھریلو ملازمہ کی بیٹی نے کیا اونچا ہاتھ مارا...... اور کیا ہوتا ہے گیم کھیلنا......'' وہ رو ہی تو پڑی۔

''ہاں تو ملازمت کرتی ہوں، کام کرتی ہوں، چوری یا ڈاکہ تو نہیں ڈالتی یا خدا نہ کرے...... تجھے بازار میں تو نہیں لے کر بیٹھی جو دام کھرے کر رہی ہوں۔ اتنا پڑھ لکھ کر بھی تجھے خود پر فخر کرنا نہیں آیا تو ثانیہ بی بی تف ہے تیری پڑھائیوں پر......''

وہ حقارت سے کہہ رہی تھیں۔

''ارے محنت تو عیب نہیں، یہ تو فخر ہے۔ محنت کرنے والے ہاتھ خدا کے بھی پسندیدہ ہیں اور تو میرے محنت کرنے پر شرماتی ہے۔ چاہتی تو میں بھی تیرے باپ کے بستر پر پڑنے کے بعد کوئی بھی گندہ دھندا کر سکتی تھی اور بھی کئی ناجائز طریقے تھے پیسہ کمانے کے۔ ارے میں نے تو تجھے، عمیر کو عزت نفس سکھانے کے لیے خود پر اپنے ہاتھ کی، معمولی کمائی پر فخر سکھانے کے لیے یہ ذلت جھیلی اور جو اس کام کو برا سمجھتے ہیں، ان کے دل بھی تنگ ہیں اور ان کے ظرف بھی چھوٹے۔ ارے تجھے تو غرور ہونا چاہیے تو ایک محنت کش کی بیٹی ہے اور اس کے باوجود بھی تیرے لیے اتنے اعلیٰ گھرانے سے رشتہ آیا ہے۔''

وہ ہانپنے لگیں۔

''اور لوگ...... لوگوں کا کیا ہے، وہ جل بھن کر تو ایسی ہی باتیں کریں گے تو کیا ہم خدا کی گھر آئی نعمت کو لات مار کر باہر پھینک دیں۔ ہرگز نہیں، میں کفران نعمت کروں گی نہ مجھے خدا...... کی ناشکری کرنا آتی ہے۔'' وہ جانے لگیں۔

''مگر مجھے اپنے نفس، اپنی ذات کی یہ ہتک منظور نہیں۔ میں ہر دن ہر لحہ یہ گالی...... جسے آپ محنت کہہ رہی ہیں، ہمارے معاشرے میں یہ ایک گالی ہے۔ میں یہ گالی ہر لحہ نہیں کھا سکتی۔'' وہ آنسو پونچھ کر بولنے لگی۔

''تو کیا کرے گی، بول کیا کرے گی۔'' وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر غصے میں پھنکاریں۔

''انکار...... اگر آپ انکار نہیں کرتیں نہ کریں، اس زبردستی کے رشتے کو میڈل سمجھ کر نعمت سمجھ کر ماتھے پر سجانا چاہتی ہیں تو سوچتی رہیں ایسا مگر...... امی! بہ وقت نکاح...... انکار یا اقرار...... یہ حق صرف مجھے ہے...... اور میں اپنی عزت نفس کے لیے کسی بھی انتہا سے گزر سکتی ہوں۔''

وہ رک رک کر فیصلہ کن انداز میں بولی۔ خدیجہ ششدر سی کھڑی رہ گئیں، وہ جس دوٹوک انداز میں بات کر کے گئی تھی۔ اسے لگا ثانیہ کو اب کچھ بھی سمجھانا بے کار ہوگا۔

''کس قدر احمق بے وقوف ہے یہ خبیث۔ گھر آئی لکشمی کو ٹھوکر مار رہی ہے۔ جانے کیا زعم ہے، کون سا آسمان سے گل فام آئے گا اس کے لیے، وہ بھی اس کا سچا قدردان۔ پتا نہیں ہے اسے، یہ دنیا کتنی ظالم ہے، اس گھر سے باہر پتھر ہی پتھر ہیں۔ دو چار سال پڑھ کر کیا کرے گی، دو چار ہزار کی نوکری اور رشتے کا انتظار پھر روئے گی سر پکڑ کر اس نعمت کو ٹھکرا کر۔ یاد رکھیو ماں کی بات......''

وہ زور زور سے چلاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

✠ ✠ ✠

''تمہیں شاید اندازہ نہیں...... بہت سالوں سے جانے کب سے مجھے تو یاد بھی نہیں...... ثانی میرے دل میں صرف تم ہی تم ہو۔'' وہ بہت اٹک اٹک کر مگر بڑے جذب بھرے انداز میں بظاہر اپنے آگے کتاب رکھے ثانیہ سے کہہ رہا تھا۔

ثانیہ نے کتاب چہرے کے آگے سے نہیں ہٹائی۔

''ثانی! تم سن رہی ہونا...... میں نے...... میں نے تو تمہارے علاوہ کبھی کسی اور کے بارے میں کچھ سوچا ہی نہیں۔'' وہ رقت سے بولا۔

''میرے بارے میں بھی نہیں۔'' وہ سرد لہجے میں کتاب ہٹائے بغیر بولی۔

''کیا مطلب...... تمہارے بارے میں ہی تو......''

''میرے بارے میں...... میں کیا چاہتی ہوں، میری بھی کچھ خواہشیں ہیں، کچھ آرزوئیں ہیں...... اپنے جیون

ساتھی کے بارے میں......اگر تم نے ذرا سا بھی میرے بارے میں سوچا ہوتا تو آج یوں لاچار سے بیٹھے فقط جذبوں...
خالی خولی جذبوں کی نمائش نہ کرتے۔ کچھ...... کچھ تو ہوتا تمہارے پاس......'' اس نے کہتے ہوئے یکدم سے کتاب چہرے
کے آگے سے ہٹالی۔

اس کی آنکھیں مسلسل گریہ وزاری سے سوجی ہوئی تھیں۔ ''میں جانتا ہوں، میں نے وقت گنوا دیا......اور میں
جانتا بھی تھا تمہاری خواہش کے بارے میں پھر بھی اپنی کوتاہی پر نادم ہوں مگر میں تم سے وعدہ کرتا ہوں، میں پڑھوں گا بھی
اور خود کو منواؤں گا بھی۔ صرف تم......تم میرا ساتھ دینے کی ہامی بھر دو۔'' وہ پرجوش انداز میں بولا۔

''بس روحیل! اب جاؤ، رات بہت ہوگئی ہے، اماں خفا ہوں گی اور اب ان وعدے وعید کا وقت گزر گیا۔ پلیز
مجھے پڑھنا ہے، آئی ایم سوری۔'' وہ رکھائی سے کہتی ہوئی کتاب لے کر باہر نکل گئی۔

اور روحیل یوں بیٹھا رہ گیا، جیسے اس سے جینے کا ہر جواز چھن گیا ہو۔ اس کے بعد تو صرف ایک ہی راستہ تھا
خودکشی۔

✠ ✠ ✠

''تم یہ کپڑے پہن لو، تمہاری سسرال ہی سے یہ قیمتی سوٹ آیا ہے۔ بارات آنے والی ہے۔'' خدیجہ قیمتی میرون
سنہری کامدانی سے سجا سوٹ اور میچنگ جیولری اور جوتی اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولیں۔

اس نے سرسری نظر سے کپڑوں کو دیکھا۔

''اس کی ضرورت نہیں پڑے گی امی! آپ کو اس کی پیکنگ کھولنا نہیں چاہیے تھی۔'' وہ سرد لہجے میں بولی۔

''ثانی......'' خدیجہ ساکت سی رہ گئیں۔

''امی! میں انکار کر دوں گی۔ میں فیصلہ کر چکی ہوں، پلیز آپ چلی جائیں۔'' وہ کہہ کر رخ پھیر کر بیٹھ گئی۔ خدیجہ
پتھرائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔''

اس کے پاس سوچنے کے لیے بہت ٹائم نہیں تھا اور اس نے اب کچھ سوچنا بھی نہیں تھا۔ فیصلہ وہ کر چکی تھی، وہ یہ شادی نہیں کرے گی۔

اس لیے کپڑے، سامان ایک طرف رکھے وہ یونہی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھنے لگی، پھر وہ بھی دوسری طرف ڈال دی۔ آنے والے لمحات اس کا جی دھڑکا رہے تھے۔

فیصلہ کرنا یقیناً آسان تھا مگر اس پر عمل کرنا اور زبان سے سب کے سامنے دہرانا یقیناً اس سے بھی زیادہ مشکل تھا جتنا اس نے سوچ رکھا تھا۔

''ثانیہ......ثانیہ......'' ابا جانے کب سے پکارے جا رہے تھے، اس نے بہت دیر میں سنا تھا۔ وہ چہرہ صاف کرکے باہر نکل گئی، جانے کب اس کے آنسو بہہ نکلے تھے۔

''جی ابا! آپ نے بلایا؟'' حتی الامکان اس نے لہجہ نارمل رکھنے کی کوشش کی۔

''دو گھڑی میرے پاس بیٹھ جاؤ پھر تو تم نے چلے ہی جانا ہے۔'' وہ دھک سے کھڑی رہ گئی۔ ابا بے شک کسی معاملے میں شامل نہیں تھے مگر بیٹی ہونے کے ناتے یہ فیصلہ اسے ان کو بھی سنانا تھا۔

''مجھے کہاں جانا ہے ابا؟'' پھیکی سی جبری مسکراہٹ کے ساتھ اس نے کہا۔

''جہاں بیٹیاں چلی جاتی ہیں۔ بیٹھو۔'' وہ ان کے پاس پڑے موڑھے پر بیٹھ گئی۔

''میں جانتا ہوں تم پریشان ہو اور ناخوش بھی۔'' انہوں نے شاید تمہید باندھی۔

''جی......'' وہ ''نہیں'' کہنا چاہتی تھی مگر رک گئی۔

''یہ سب تو بیٹا ایک نہ ایک دن ہونا ہی تھا۔ اگرچہ میری دلی خواہش تھی کہ چاروں بہن بھائی خوب پڑھو لکھو مگر آدمی کی سب ہی آرزوئیں پوری تو نہیں ہوتیں نا!'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولے۔

''اور میں تو اس کو بھی اپنی خوش قسمتی گردانتا ہوں کہ تم میرے چاروں بچوں میں سے سمجھ دار، عقل مند اور علم کی دیوانی نکلیں اور اس سے بھی بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم جس گھر میں جا رہی ہو، وہاں ہر طرف علم کا اجالا ہے، اس کی روشنی ہے، جس نور میں، میں تمہیں اجالنا چاہتا تھا۔''

''مگر میں......نہیں کرنا چاہتی ابھی شادی وادی اور پھر......'' اس نے دل کڑا کر کے کہہ دیا۔

وہ کتنی دیر اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھتے رہے پھر ایک دم سے ان کی ویران آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔

''ابا......ابا! کیوں رو رہے ہیں......پلیز ایسے نہ کریں......آپ تو بڑے سے بڑے غم پر کبھی نہیں روئے پھر......'' وہ ان کے یوں رونے پر تڑپ ہی تو اٹھی تھی۔

''بیٹا! خوش قسمتی ہم جیسوں کے دروازے پر بار بار یوں دستک نہیں دیا کرتی۔ میں تو اس وقت سے کس قدر خوش تھا جب سے سنا کہ اتنی بڑی پرنسپل تمہارا رشتہ خود چل کر لینے آئی، اس سے بڑا اعزاز کیا ہوگا مگر تم......'' انہیں شاید پورے

معاملے کا پتا بھی نہیں تھا۔

''ابا! یہ خوش قسمتی نہیں ہے۔'' وہ ان سے نظریں چرا کر کہنے لگی۔

انہوں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ایک دم سے اس کے آگے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

''تم خدا کی اس نعمت سے انکار نہیں کرو گی، قدر کرو گی رب کی رحمت کی، وعدہ کرو۔'' اور وہ ان کے بندھے ہوئے ہاتھوں کو آنسو بھری نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔

* * *

خدیجہ کے لیے بھی یہ لمحہ خاصا حیران کن اور غیر متوقع سا تھا۔

اس نے بغیر کچھ کہے سنے خاموشی سے نکاح نامے پر دستخط کر دیئے۔

فضیلہ مبشر اور بلال کے ساتھ صرف چار لوگ تھے دو گاڑیوں میں۔ گھنٹہ بھر میں نکاح اور مٹھائی کے ساتھ کولڈ ڈرنک جن کو ذرا سا انہوں نے چکھا تھا، تقریب اختتام پذیر ہو گئی۔

''ابا! میں نے آپ کا کہا مان لیا، آپ کی تجربہ کار آنکھ وہ نہیں دیکھ سکتی، جو میرے جیسی ناپختہ اور ناتجربہ کار بھی دیکھ سکتی ہے مگر پھر بھی۔ ابا! پھر بھی میں کوشش کروں گی کہ آخری دم تک آپ کو کوئی دکھ نہ ملے میری طرف سے۔'' وہ ان کے پاس کھڑی اسی عروسی جوڑے میں کچھ ہراساں وحشت زدہ سی تھی جیسے ان سے آخری بار ملنے آئی ہو۔

''تم نے اپنے معذور باپ اور مجبور ماں کی لاج رکھی ہے۔ ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اور تمہیں پتا ہے نا کہ دعا، تقدیر کو بھی بدلنے کی طاقت رکھتی ہے پھر ماں باپ کے سکھی دل کی دعا...... ثانی بیٹا! تُو نے واقعی ہمارے دلوں کو ٹھنڈک بخشی ہے، جب تک اس گھر میں رہی تب بھی اور اس بات کو مان کر بھی تُو نے ہمارے کمزور دلوں کو بڑی طاقت دی ہے۔ خدا تمہیں کبھی کسی دکھ کے پاس نہ کرے میری بیٹی!'' پتا نہیں کیا بات تھی ابا آج بار بار روئے جا رہے تھے پھر سے رونے لگے۔

''اب تو میں نے آپ کی ہر بات مان لی ہے پھر آپ اس طرح کیوں رو رہے ہیں؟'' وہ پریشان ہو کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

''خوشی کے آنسو ہیں میرے بیٹے! آج خدا نے مجھ جیسے نااہل کو اتنے بڑے فرض سے بخیر و خوبی عزت کی ساتھ سبکدوش جو کیا ہے۔'' وہ روتے روتے ہنس پڑے تھے، ثانیہ کو پیار کر کے بولے۔

''ناراض ہو اپنی ماں سے؟'' خدیجہ جانے پیچھے کب آ کھڑی ہوئی تھی۔

وہ خاموش رہی۔

''کچھ نہیں بولو گی؟ بے شک میں نے جوا کھیلا ہے مگر میرے سینے میں ایک ماں کا دل بھی تو ہے، جو ہر لمحہ دعا گو ہے کہ خدا میری بچی کو اس آزمائش میں ضرور کامیاب کرے گا۔'' وہ اسے اپنے ساتھ لگا کر بولیں۔

ثانیہ کسی بت کی طرح خاموش تھی۔

ابا کے لیے اس کا دل پگھل گیا تھا مگر امی نے جس طرح جانتے بوجھتے اس ان چاہی دنیا میں دھکیلا تھا، اس نو نے چھوٹے گھر کی جائے پناہ سے نکال کر جانے کیوں اس کا دل انہیں معاف کرنے پر تیار نہیں تھا۔

''امی! یہ ثانی کی بچی اوپر اوپر سے پوز کر رہی ہے ورنہ اندر سے اس کے کیسے پھلجھڑیاں چھوٹ رہی ہیں آپ کو اندازہ نہیں۔'' عمیر نے پیچھے سے آ کر اسے چھیڑا تھا۔

ثانی نے ایک شکایتی نظر اس پر ڈالی اور رخ پھیر لیا۔
''وہ لوگ جانے کو تیار ہیں، بلا رہے ہیں۔'' ماحول کی سنجیدگی کو محسوس کر کے ذرا دیر بعد عمیر نے کہا تو خدیجہ نے جو بے حسرت بھری نظر سے اسے دیکھا، شاید وہ ماں کی محبت کی گرمی سے پگھل کر خود سے ان کے سینے آ لگے۔ مگر وہ اسی طرح بے حس کھڑی رہی۔
تھوڑی دیر بعد وہ تینوں بہن بھائیوں اور ابا سے مل کر یوں رخصت ہوئی جیسے اب ادھر کبھی نہیں آئے گی۔ اگرچہ انہوں سے ایسی کسی بات یا شرط کا ذکر نہیں ہوا تھا، مگر پھر بھی، اسے یہ لگ رہا تھا۔ اس کی زندگی کا سب سے بڑا خواب کس طرح میں اور کس قدر جلدی پورا ہو رہا تھا، اس کا اسے گمان تک نہیں تھا۔
میڈم فضیلہ مبشر کا خوشبو سے مہکتا مہنگے لباس سے سجا وجود اس کے پہلو سے جڑا تھا۔ وہ اپنے آئیڈیل سے ایسی قریب تر ہو سکے گی یہ سپنا تو اس نے کبھی جاگتی آنکھوں سے بھی نہیں دیکھا تھا۔
اور وہ انہیں کے وجود کے حصے کے نام سے منسلک ہو کر ہمیشہ کے لیے ان کے گھر کا حصہ بننے جا رہی تھی، ایک اور ان دیکھا خواب تھا جو اس کی دھڑکنوں کو منتشر کر رہا تھا۔ مگر فضیلہ مبشر کا سرد انداز ان منتشر دھڑکنوں کو کس طرح سے سہارا تھا، وہ اس سہم سے سکڑی جا رہی تھی۔
اور کوئی اسے مسلسل بیک مرر میں فوکس کیے ہوئے ہے۔ اس کا اسے پل بھر کو بھی احساس نہیں ہوا تھا۔
''بس بلال بیٹا! مجھے تو ادھر ہی ڈراپ کر دو۔ دیر بہت ہوگئی ہے۔'' فرنٹ سیٹ پر کوئی خاتون بیٹھی تھیں، بولیں تو ثانیہ کو بلال کی موجودگی کا خیال آیا۔
''ارے آنٹی گھر تک تو چلیں۔ ابھی کھانا بھی کھانا ہے۔'' بلال نے خاموش بیٹھی ماں کو دیکھ کر خود سے حق میزبانی ادا کرنا چاہا۔
''نہیں بیٹا! کھانے میں تو ابھی ٹائم ہے، یوں بھی میں کھانے سے پہلے اپنی دوا لیتی ہوں۔ ان شاء اللہ کل ریسپشن میں ضرور آؤں گی۔ اللہ تمہیں خوش رکھے، او کے فضیلہ......!''
وہ الوداعی کلمات بول کر گٹھری بنی ثانیہ کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے اپنے گھر کے سامنے اتر گئیں۔

✠ ✠ ✠

کمرہ بالکل سادہ تھا، مگر اس سادگی میں بھی پرکاری اور آسائش نمایاں تھی، وہ ساری لگژری سہولیات جو ثانیہ نے کم از کم صرف ٹی وی اسکرین پہ دیکھی تھیں، اس ڈبل روم میں موجود تھیں۔
لگژری بیڈ روم کے ساتھ اٹیچ ڈریسنگ روم اور دوسری طرف مربع شکل کی اسٹڈی جسے مہین پردوں سے الگ کیا گیا تھا، اسے اپنے خوابوں کی تعبیر لگ رہا تھا۔
''امی نے یونہی یہ فیصلہ نہیں کیا۔'' پہلی بار اسے لمحہ بھر کو سہی خدیجہ کے فیصلے پر پیار سا آیا تھا۔
اس شاندار لگژری ٹھنڈے خوشبودار ماحول میں رہنا پڑھنا زندگی گزارنا یقیناً کسی خواب سے کم نہیں۔
وہ بھول ہی گئی کہ خوابوں کی قیمت بھی ہوتی ہے اور وہ خواب جو بن مانگے تعبیر بن جائے۔ ان کی قیمت تو اور بھی بھاری ہوتی ہے......
اس سارے میں ز دنی اسے ایک بار بھی، اور وہ تو شاید بارات...... جو بھی تھا ان کے ساتھ بھی نہیں تھی، کیوں؟
اس پرآسائش خوشبودار ماحول میں پہلی بار اس کے دماغ میں کسی کیڑے نے ڈنک سا مارا تھا۔

اس سارے واقعہ کے بعد وہ کالج میں بھی اس سے صرف ایک بار ملی تھی تو اس کی نگاہوں میں ثانیہ کے لیے کر قدر تضحیک تھی۔ اسے اسی پل یاد آ گیا۔

''تو کیا...... وہ...... نہیں......'' اس نے بے اختیار آنکھیں میچ لیں۔ وہ اتنا تکلیف دہ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی..

مگر اس کے سوچنے یا نہ سوچنے سے یہ اذیت ناک خیال اس کے دماغ سے نکل تو نہیں سکتا تھا۔

میڈم فضیلہ بھی اسے کسی روبوٹ کی طرح کمرے میں بٹھا کر گھنٹہ بھر پہلے جو کمرے سے گئی تھیں تو ابھی تک دوبار نہیں آئی تھیں۔

ملازمہ خاموشی سے آکر کمرے میں کولڈ ڈرنکس اور فروٹ کی ٹرالی رکھ گئی تھی جو اسی طرح پڑی تھی، اگرچہ اسے بہت پیاس لگ رہی تھی۔

کمرے کے دروازے کے باہر ہلکی سی آہٹ ہوئی وہ الرٹ ہو کر بیٹھ گئی۔

''بلال!'' اس کی دھڑکنوں نے سرگوشی سی کی۔

''وہ شخص...... شاید وہ اکیلا شخص جس کی وجہ سے میں یہاں ہوں، ورنہ......'' اسے بلال کے تصور کے ساتھ ہی یہ پختہ خیال آیا تھا کہ وہ یہاں صرف بلال کی وجہ سے...... ''اور اسے تو چلے جانا ہے چند دنوں بعد...... تو...... پھر۔''

سوچ کے سلسلے کی ہر کڑی کسی نہ کسی تکلیف دہ ''پھر'' پر آ کر رک گئی تھی، کسی بھی پھر کے آگے کوئی خوش کن امید، کوئی رنگین منظر یا پر یقین روشنی نہیں تھی۔

''ان سب کے بغیر...... کسی بھی امید، روشنی یا یقین کے بغیر میں یہاں کیسے رہ پاؤں گی...... اگر بلال مجھے اپنے ساتھ لے جائے۔'' پہلی بار اس کے دل نے اسے کوئی امید بھرا راستہ دکھایا تھا۔

''بلال...... ابھی تم اس کے بارے میں جانتی کیا ہو...... وہ پہلی رات تمہاری یہ فضول خواہش جسے سر آنکھوں پر رکھے گا۔ اور وہ تمہارے بڑے بڑے دعوے آگے پڑھنے کے...... میڈم فضیلہ مبشر میرا آئیڈیل...... وہ کیا ہوئے...... تو تمہیں صرف یہیں تک پہنچنا تھا، اگرچہ اس کے لیے بلال سیڑھی بنا۔'' انوکھی سی سوچ اس کے دماغ میں ابھری تھی۔

''نہیں، میں بلال سے خود سے کبھی اس خواہش کا اظہار نہیں کروں گی، وہ سمجھ جائے گا کہ میں اس کو اور ان ساری آسائشوں کو پانے کے لیے اس کا ساتھ قبول کر بیٹھی ہوں اور اب اس کی ماں سے چھٹکارا پانے کے لیے اس کے ساتھ یہاں سے فرار ہونا چاہتی ہوں، نہیں......'' اس نے فوری طور پر فیصلہ کر لیا کہ وہ بلال سے کبھی بھی ایسا مطالبہ نہیں کرے گی۔

اسے پتا نہیں چلا کوئی بے آہٹ قدموں سے چلتا اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔ لباس کی ہلکی سرسراہٹ سے اسے احساس ہوا۔

اس نے ذرا سی نظریں اٹھائیں اور دھک سے رہ گئی۔

اس کے سامنے ملگجے لباس میں متورم آنکھیں اور چہرہ لیے زونیرا کھڑی تھی۔ اسے نفرت بھری نظروں سے یک ٹک دیکھتی ہوئی۔

''کیا سمجھتی ہو تم، اس طرح...... اس طرح ہمارے گھر میں گھس آنے سے تم اس گھر کا حصہ بن جاؤ گی، کبھی نہیں...... میں تمہیں اس گھر میں رہنے نہیں دوں گی، تم ایک معمولی دو ٹکے کی ملازمہ کی بیٹی ہمارے گھر میں ملکہ بن کر آ جاؤ اور ہم تمہیں ہنسی خوشی قبول کر لیں۔ تو یہ تمہاری بڑی بھول ہے، بہت بڑی بھول، مکار لڑکی!'' وہ ٹھہر ٹھہر کر پھنکاری۔

''مجھے تم سے کس قدر نفرت ہے۔ شاید تمہیں میری ان باتوں سے اندازہ نہ ہو سکے، تم اپنے اس حسن کے زور سے

یہ ... ہوئی کی آنکھیں تو چندھیا سکتی ہو، مگر میری یا میری ماں کی نہیں۔ آج سے ابھی سے میری یہ بات اپنے دل پر لکھ لو کہ تمہیں ... گھر سے نکلنا ہی ہے۔ آج نہیں تو دو چار ماہ میں...... اس لیے ذرا بھی پیر جمانے کی کوشش کرو گی تو منہ کے بل گرو ... دھکے دے کر تمہیں اس گھر سے نہ نکلوایا تو میرا نام بھی زونی نہیں۔''

وہ نفرت بھرے انداز میں کہہ کر کچھ دیر کھڑی اسے دیکھتی رہی اور پھر پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی۔

ثانیہ کے جسم سے جیسے ساری جان نکل گئی۔

''دھکے دے کر تمہیں اس گھر سے نہ نکلوایا تو میرا نام بھی زونی نہیں۔'' اس کے کانوں میں جیسے کوئی کھولتا ہوا سیسہ انڈیل رہا تھا۔

وہ ابھی یہاں داخل بھی نہیں ہوئی تھی کہ اسے واپسی کا پروانہ تھما دیا گیا۔

وہ متوحش نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''یہ بلال کدھر رہ گئے...... میں ابھی ان سے ساری بات کر لوں گی، مجھے میرے گھر چھوڑ آئیں۔ مجھے یہاں نہیں رہنا۔ امی! یہ کیا کیا آپ نے؟ میں اتنی بہادر نہیں ہوں۔ میں نفرتوں اور سازشوں کو نہیں سمجھ سکتی، نہ ایسے ماحول میں رہ سکتی ہوں۔ امی میں مر جاؤں گی۔ پلیز مجھے آ کر لے جائیں۔'' وہ ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح رونے لگی۔

''کیا میرے دیر سے آنے پہ تم اس طرح رونے لگیں۔'' وہ اپنی دھن میں رونے میں مگن تھی کہ بلال کی آواز سن کر اس کے آنسو اور ہچکیاں ایک دم سے تھم گئیں۔

اس کا سر کچھ اور بھی جھک گیا۔

''کچھ شیئر نہیں کرو گی مجھ سے۔ اب تو ہم دونوں کے بیچ ایسا مضبوط نہ ٹوٹنے والا رشتہ موجود ہے کہ تمہیں اب اپنے دل کا ہر خیال، ہر احساس صرف اور صرف مجھ ہی سے شیئر کرنا چاہیے۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں؟'' وہ بے تکلفی سے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

وہ اسی طرح سانس روکے بیٹھی رہی۔

''کیوں رو رہی تھیں؟'' اس کی مسلسل چپ پر وہ پھر بولا۔

''امی...... امی کے پاس جانا ہے۔'' وہ بھینچی بھینچی آواز میں بول ہی پڑی۔ اور دوسرے لمحے بلال کا قہقہہ اسے سن کر بھی سہما گیا۔

''ثانیہ! تم کون سی کلاس میں ہو؟'' اس کا سوال غیر متوقع تھا۔

''فورتھ ایئر میں۔'' چار سال پہلے اس سوال کے جواب میں وہ سال کے ساتھ سیکشن بھی بتایا کرتی تھی۔ اسی بے خودی سے بول پڑی۔

''ہوں۔ پھر تو تمہیں شادی کا مطلب آتا ہوگا میرج...... میرج نہیں شادی...... اور شادی کے بعد اور کیا ہوتا ہے۔ یہ بھی تمہیں پتا ہوگا۔'' اس کے سنجیدہ سے انداز سے وہ کچھ ہراساں ہو کر ذرا سی پرے کھسک گئی۔

''اچھا! پلیز۔ ڈرو نہیں۔ میں مذاق کر رہا تھا، جیسا تم سمجھ رہی ہو ایسا کچھ بھی نہیں کروں گا پرامس کر چکا ہوں نا پہلے بھی تم سے۔'' وہ آہستگی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنائیت سے بولا۔

پل بھر کو اس کے پورے بدن میں ہاتھ کے رستے برقی رو دوڑ گئی اور دوسرے لمحے گہرا سکون سا مل گیا۔

اس کے روتے تکلیف سے بھرے دل پر جیسے کسی نے تسلی کا ہاتھ رکھ دیا۔

''میں سمجھا تم میرے جانے کے خیال سے رو رہی ہو۔ دیکھ لو اس دل کو کیسی کیسی خوش فہمیاں ہیں اور تم...... کوئی

بات ہی نہیں کرتیں ہم سے۔''

وہ ذرا سا اس کے چہرے سے دوپٹہ سرکا کر بولا۔

پہلی بار دونوں کی نظریں ملیں۔

وہی برقی رو پھر سے سارے بدن میں دوڑ گئی۔ اس نے تیزی سے پلکیں جھکا دیں۔

''دیکھو، تمہاری یہ خاموشی اور ایسی معصومیت بھری خوب صورت ادائیں مجھے اپنا وعدہ توڑنے پر مجبور کر دیں گی۔''

وہ اور بھی چہرہ اس کے قریب کر کے بولا اس کا چہرہ کچھ اور بھی جھک گیا۔

''جی!'' جھکے چہرے کے ساتھ اس کے لب گویا ہوئے۔

''کچھ بولو گی نہیں؟'' وہ اپنے پگھلتے سیال بنتے جذبات کے ہاتھوں کچھ پریشان سا ہو کر بولا۔ ''میرے لیے مشکل ہوتا جا رہا ہے۔''

''جی۔'' وہ اسے دیکھ کر یہی کہہ سکی۔

''پھر جی...... بابا اور بھی کچھ تو بولو۔ مجھے خود کو سنبھالنا...... پھر مجھے نہ الزام دینا۔'' وہ اس کی ٹھوڑی پکڑ کر بولا۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ آنکھیں بند کر کے بولی۔

''مجھ سے؟ نہیں یار! میری شکل قسم سے اتنی خوف ناک تو نہیں۔'' وہ ایک دم معصومیت سے بولا۔

''آپ مذاق کرتے جا رہے ہیں بس اب میں کچھ نہیں بولوں گی۔'' وہ روٹھ کر بولی تو وہ ہنس پڑا۔

''اسی لیے تو مذاق کر رہا ہوں کہ تمہارا یہ بلا وجہ کا ڈر خوف تو دور ہو...... تم اپنے شوہر کے گھر میں ہو کسی جنگل میں اندھیرے غار میں نہیں۔''

''جنگل یا اندھیرے غار کو خوفناک کیا چیز بناتی ہے؟'' اس کی جھجک کچھ کم سی ہو گئی تھی۔

''ڈر اور خوف۔'' وہ اس کی چوڑیوں کو چھو کر بولا۔

''کیا یہ ڈر اور خوف صرف جانوروں سے ہوتا ہے؟''

''کیا مطلب......؟'' وہ ٹھٹک سا گیا۔ ''تم مما سے خوفزدہ ہو؟'' اس نے کتنی جلدی پک کیا تھا ثانیہ کو اس کا اندازہ نہیں تھا۔

اس نے سر جھکا دیا۔

''میں جانتا ہوں۔'' خاموشی کا مختصر سا وقفہ بیچ میں آیا تھا شاید وہ اس کا خوف دور کرنے کے لیے مناسب الفاظ منتخب کر رہا تھا۔

''ماما نے یہ سب میری وجہ سے مجبور ہو کر تھوڑا بے دلی سے کیا ہے۔ انہیں پہلے تم سے کوئی اختلاف نہیں تھا مگر تمہارا بیک گراؤنڈ...... مگر تم یقین رکھو کہ ماما ایک پڑھی لکھی روشن خیال عورت ہیں...... یہ سب بناوٹ تصنع کی باتیں وہ اپنے سٹیٹس کانشس احساس کے تحت کر تو رہی ہیں مگر وہ اس کو بہت دیر تک خود پر طاری نہیں کر سکتیں۔''

وہ جواب میں کیا کہتی۔ ان کا سرد رویہ جو وہ اسے بٹھا کر گئیں اور رزونی کا کہا ہوا ایک ایک لفظ...... اس کے اپنے خوف کو بیان کرنے کے لیے الفاظ ہی نہیں تھے۔

''وہ یوں بھی تم سے متاثر ہیں۔ پسند کرتی ہیں تمہیں۔ چند دن...... میں تمہیں گارنٹی دیتا ہوں صرف چند دن لگے ان کا یہ مصنوعی خول اترنے میں۔ اس کے بعد ان شاء اللہ بالکل پہلے جیسی ہو جائیں گی۔ پولائٹ اینڈ ہمبل، ماما میں نفرت اور پھر لوگوں سے اجتناب وہ بھی محض کلاس ڈیفرنس کی بنیاد پر تھے ہی نہیں۔ میں بھی تو ان کا بیٹا ہوں ان ہی کی تر

ے یہ سب۔'' وہ اسے یقین دلانے کو بولا۔

وہ اسے محض دیکھ کر رہ گئی۔

''یقین کرو اس سب کا، اور نہیں تو میرا، میرا بھروسا تو تمہیں کرنا چاہیے میں نے جو کہا، وہ پورا کر کے دکھایا۔ آگے بھی ان شاء اللہ تمہاری ساری خواہشیں پوری کروں گا۔ تم اسی طرح اپنی تعلیم مکمل کرو گی جس طرح تم چاہتی تھیں اور جو بھی ... میں کہیں تمہارے رستے میں کھڑا نہیں ہوں گا۔''

''میں آپ کو کب کہہ رہی ہوں ایسا۔'' بے ساختہ ہی اس کے منہ سے نکلا تھا۔

''تو گویا ہمارے جذبات نے اثر دکھا دیا۔ محبت رنگ لاتی ہے۔'' ثانیہ کا ہاتھ بے اختیار اس کے لبوں پر آ گیا تو وہ ہنس پڑا۔

✠ ✠ ✠

اگلی شام ان کے ولیمہ کی ریسپشن تھی۔

وہ سارا دن اس نے بلال کے ساتھ کمرے میں ہی گزارا۔

فضیلہ مبشر اور زونیرا صرف ایک بار اسے لنچ کا کہنے آئیں اور پھر دوسرے لمحے انہوں نے فیصلہ بدل دیا۔

''تم دونوں ادھر کمرے میں ہی کھا لو۔ میں ادھر لگوا دیتی ہوں۔'' ان کا رویہ رات کے رویے سے بھی اجنبی اور سرد تھا۔

''ابھی تو بلال ہیں تو یہ اس طرح بی ہیو کر رہی ہیں ان کے جانے کے بعد میں کیسے رہ پاؤں گی یہاں۔'' بس یہی ایک خیال تھا جو اسے بلال کی محبت بھری کمپنی کو بھی انجوائے نہیں کرنے دے رہا تھا۔

اسے پارلر نہیں لے جایا گیا بلکہ بیوٹیشن نے گھر آ کر ہی اسے تیار کیا۔

''واقعی صحیح کہتے ہیں ولیمہ کی دلہن کا روپ ہی اور ہوتا ہے، مان گئے بھئی۔'' بلال نے ہی اس کی تعریف کی تھی۔

ان دونوں ماں بیٹی نے تو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا، ریسپشن ہوٹل میں تھا۔

وہ بلال کے ساتھ ہوٹل پہنچی تو میڈم فضیلہ اور ان کی دو چار قریبی کولیگ اور کچھ بلال کے دوستوں کی فیملیز نے ان کا استقبال کیا۔

''مان گئے ہم! آپ کی چوائس کو...... آپ نے کالج کی کوئن اڑا کر اپنے گھر میں سجا لی۔ ذہانت اور حسن کا ایک جگہ یوں اکٹھا ہونا کم ہی دیکھا گیا ہے۔''

پتا نہیں مس انیلا نے یہ بات تعریف میں کی تھی یا طنز میں۔

انہوں نے جواب میں ایک پھیکی سی مسکراہٹ ہی دکھائی تھی۔

کھانے تک سب ہی لوگ مختلف ٹولیوں کی شکل میں باتیں کرتے رہے۔ اڑتی اڑتی کچھ آوازیں کچھ دل جلے نعرے یا طنزیہ جملے اس کے کانوں سے ٹکراتے رہے مگر آج اسے کل جتنا شاک نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی وجہ بلال کا بار بار اس کے پاس آ کر بیٹھنا، باتیں کرنا اور کسی نہ کسی بات پر مسکرانے پر مجبور کر دینا تھا۔

وہ واقعی اس کی محبت میں سب کی طنزیہ جتلاتی نظروں کو نظر انداز کرنے لگی تھی جیسے اسے ان باتوں کی پرواہی نہیں۔

''امی اور عمیر وغیرہ نہیں آئے۔'' اس نے تیسری بار بے چین ہو کر بلال سے پوچھا۔

''میں نے ڈرائیور کو بھیج دیا تھا گاڑی لے کر۔ آتے ہی ہوں گے۔''
بلال نے تیسری بار بھی وہی جواب دیا جو پہلی بار دیا تھا۔
''بلال! ہماری بکنگ فکس ٹائمنگ تک ہے۔ میرا خیال ہے کھانا شروع کروایا جائے۔'' میڈم فضیلہ نے بلال کے پاس آ کر اچٹتی سی نظر ثانیہ پر ڈال کر نارمل لہجے میں کہا۔
''لیکن ماما! ثانیہ کے گھر والے۔'' وہ ثانیہ کی طرف دیکھ کر بولا۔
''دیکھو ڈرائیور گیا تو تھا۔ میں نے اسے فون بھی کیا ہے کہہ رہا تھا۔ ٹریفک جام میں پھنس گئے ہیں۔ تھوڑی دیر میں پہنچ جائیں گے۔ میرا خیال ہے کھانا شروع کروایا جائے۔'' وہ کہہ کر چلی گئیں۔
پھر فنکشن کے اختتام تک اس کے گھر والوں میں سے کوئی بھی نہیں پہنچا تھا۔
''کیا امی نے مجھے کسی بوجھ کی طرح گلے سے اتار پھینکا'' اس کی آنکھیں بار بار بھیگے جا رہی تھیں۔
فضیلہ اب باقی مہمانوں کو رخصت کر رہی تھیں۔
''چلو بھئی گھر، تھک گئے آج تو......'' وہ ان کے پاس آ کر ذرا سی مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔
''زدنی کہاں ہے؟ وہ آ کر ہمارے ساتھ تھوڑی وڈیو اور پکچرز تو بنوا لیتی۔'' بلال نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔
''اس کے سر میں درد تھا۔ گھر چلی گئی ہے وہ......چلیں میرے خیال میں۔'' اس کے بعد بلال نے کچھ نہیں کہا۔
''ہمیں تو ڈرائیور نے یہی کہا تھا کہ اسے کہا گیا تھا کہ ہمیں گھر لے کر آئے، ہوٹل وہوٹل کا تو نہیں بتایا۔'' وہ گھر پہنچے تو خدیجہ، عمیر کے ساتھ زبیر اور عانیہ بیرونی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔
چاروں نے پچھلی عید پر بننے والے اپنے سب سے اچھے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس کے باوجود وہ کپڑے دور ہی سے ان کی کلاس کا اعلان کر رہے تھے۔
اسی لیے میڈم فضیلہ نے انہیں ہوٹل نہیں بلوایا۔ گھر بھیج دیا۔ وہاں وہ کس کس کو جواب دیتیں اس لیے انہوں نے مس فوزیہ کو انوائٹ ہی نہیں کیا مگر پتا تو سب کو چل چکا تھا۔
وہ ان چاروں کو یوں ولیمہ کے فنکشن سے ہٹ کر علیحدہ بلائے جانے پر اس گھر میں اپنی آئندہ دنوں میں بننے والی پوزیشن کا تعین کرتی رہی۔
''ماشاء اللہ یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی پری زمین پر اتری ہو۔ میری بیٹی اتنی پیاری ہے۔ مجھے تو آج پتا چلا'' خدیجہ کے بے ساختہ پیار کرنے پر وہ ان تکلیف دہ خیالوں سے نکلی۔
''تمہاری ساس کا بھی بڑا رعب ہے اور نخرہ تو تمہاری نند کا بھی بڑا ہے۔ ہم نے سلام کیا۔ اس نے جواب بھی نہیں دیا، ملازمہ سے بولی، ان کو ادھر بٹھاؤ جا کر، جیسے ہم......'' خدیجہ تلخی سے بولتے ہوئے ایک دم چپ ہو گئیں۔
وہ سر جھکا کر اپنی ہتھیلی دیکھنے لگی۔ صفائی میں کیا کہتی۔
انہوں نے تو اسے نہیں ڈھنگ سے بلایا تھا تو......''تیرے ساتھ تو ٹھیک ہیں نا دونوں؟'' وہ پھر سے بولیں۔
''ہوں'' ان پانچوں کو تنہائی دینے کی غرض سے یا شاید کسی کو ان کے پاس بیٹھنا پسند نہیں تھا۔ علیحدہ بٹھا دیا گیا۔
بلال تھوڑی دیر کو ان کے بیچ آ کر بیٹھا تھا پھر اٹھ کر چلا گیا۔
ملازم نے وہیں میزوں پر ان کے آگے کھانا لگا دیا۔
اتنا شاندار کھانا وہ بھی ایک وقت میں تین چار ڈشز اتنی اعلیٰ کراکری میں شاید انہوں نے سالوں بعد دیکھا تھا مگر ثانیہ نے دیکھا وہ چاروں ہی بڑی مشکل سے تھوڑا تھوڑا کھا رہے تھے۔

''ابا ... پاس کون ہے؟'' اسے خیال آیا اگر وہ بھی ہوتے تو یہ سب کھاتے۔ اسے شاید زیادہ خوشی ہوتی۔ وہ اپنے حصے کے اچھے کھانے میں سے ہمیشہ ابا کے لیے بچا کر رکھتی تھی۔

''ساتھ والی رقیہ کا بیٹا۔ اس لیے کہہ رہی ہوں بس اب ہم چلتے ہیں۔'' انہوں نے ایک دم سے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

''امی! کھانا تو کھائیں۔''

''بس کھا لیا۔'' وہ گہرا سانس لے کر بولیں۔

''کیا اچھوتوں کی طرح ولیمہ کے فنکشن سے علیحدہ کر کے کھلایا ہے جیسے کوئی ملازموں کو یا کمیوں کو دیتا ہے۔ بس ... تم تینوں بھی اور کتنا کھاؤ گے؟'' انہیں ضبط کرتے کرتے بھی غصہ آ ہی گیا تھا۔

ملازموں میں سے بھی دوبارہ کسی نے جھانک کر کسی چیز کا نہیں پوچھا تھا، تینوں نے فوری طور پر کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

''اس میں میرا کیا قصور ہے؟'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی گلہ آمیز لہجے میں کہہ گئی۔

''تمہارے ہی فائدے کو کیا ہے یہ سب، ورنہ ہمارا کیا نفع ہے اس میں۔ رہنا بسنا تو تم نے ہے۔ آج جس طریقے سے ہماری عزت افزائی ہوئی ہے ہم دوبارہ ادھر آئیں گے تو سوچ کر ہی۔'' وہ بری طرح سے دکھی تھیں۔

انہوں نے تو سوچا تھا۔ بیٹی بیاہ دی انہیں بھی عزت مل گئی اتنے علم اور عزت والے گھرانے میں جو گئی تھی بیٹی ....

''وہی ہندوؤں والی سوچ ..... اتنا پڑھ لکھ کر اتنے علم کے بعد بھی وہی چھوت چھات، ذات پات، امیری غریبی ... کیا فائدہ ایسے علم کا ..... ہم بے علم بھلے۔'' وہ کہتے ہوئے کھڑی ہو گئیں۔

''چلیں امی!'' عمیر، بہن کی اتری شکل دیکھ کر بولا۔

''اب کیا کوئی وزیر ہمیں الوداع کہنے آئے گا۔ جس طرح آئے تھے ویسے تو نہیں جائیں گے نا! باہر نکل کر کوئی ٹیکسی رکشہ بھی ڈھونڈنا ہے اتنی رات ہو رہی ہے۔''

''امی! رکیں تو، ڈرائیور آپ کو چھوڑ آئے گا۔'' اسے کہنا ہی پڑا۔

''جس چیز پر تمہارا اختیار نہ ہو، اسے استعمال کرو گی؟'' وہ طنز سے بولیں۔

''ارے، آپ لوگوں نے کھایا نہیں کھانا۔'' اسی وقت بلال اندر داخل ہوا تو تمام ڈشیں جوں کی توں دیکھ کر بولا۔

''بس کھا چکے۔'' وہ بے زاری سے بولیں۔

''جا رہی ہیں امی۔'' ثانیہ نے شکوہ بھری نظر سے شوہر کو دیکھا۔

''آنٹی کچھ دیر تو بیٹھیں ..... ماما بس آ رہی ہیں۔''

''نہیں بیٹا! انہیں زحمت نہ دو اور انہوں نے ہمیں یہاں تک بلا کر اپنے گھر میں عزت دے دی۔ ان کا بڑا شکریہ۔ ورنہ کبھی ہم آپ لوگوں کے عزت دار عالی شان مہمانوں سے ملنے کے قابل کب تھے۔''

خدیجہ ایسی نہیں تھیں۔ یوں طعنہ دینا، منہ پر جتانا انہیں آتا تو تھا مگر اس کا استعمال وہ بہت کم کرتی تھیں۔ مگر آج جس طرح سے ان کی عزت افزائی کی گئی تھی وہ انہیں بہت بری طرح سے کھلا تھا۔

''ڈرائیور کی غلطی ہے آنٹی! ورنہ میں نے تو اسے ہوٹل لانے ہی کو کہا تھا۔'' وہ کچھ شرمندہ سا ہو کر بولا۔

''نہیں بیٹا! تمہاری غلطی ہے نا ڈرائیور کی، یہ تو ہمارے نصیب ایسے ہیں کوئی اپنی مرضی سے غریب، امیر نہیں بنتا۔ یہ رب کے فیصلے ہیں یا لوگوں کی تنگ نظری۔'' انہیں پتا تھا اب شاید ہی انہیں دوبارہ یہاں آنے کا موقع ملے اور اس

ذلت کا کچھ تو حساب وہ چکا ہی دیں۔

ثانیہ کا سر شرمندگی سے اور بھی جھکتا جا رہا تھا۔

''مما کی طرف سے اور اس سارے کے لیے میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔ آئیں میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں اور یہ کھانا ساتھ......''

''نہیں بیٹا! یہ نہیں کرو ہم بیٹی والے ہیں اور ہمیں ہماری نظروں میں نہ گراؤ۔ لوگوں کے گھروں میں کام ضرور کرتے ہیں مگر محنت طعنہ نہیں ہمارے لیے عزت ہے۔ اللہ تم دونوں کو خوش رکھے۔'' بولتے بولتے ہی انہیں احساس ہو گیا تھا کہ وہ کس نازک جگہ کس نازک رشتے کے سامنے کھڑی ہیں۔ بے اختیار بلال کے سر پہ پیار کر کے ثانیہ کی طرف مڑیں۔

''ساس اجازت دے بیٹا! تو ہماری طرف چکر لگا لینا ورنہ ماں کی دعائیں تو ہیں ہی تمہارے ساتھ۔ خوش رہو ہمیشہ۔'' وہ اسے ذرا سا ساتھ لگا کر باہر نکل گئیں۔

وہ تینوں پہلے ہی بلال کے ساتھ باہر جا چکے تھی۔ ثانیہ بے دم ہی ہو کر صوفے پر گر گئی۔

''صرف ایک رشتے کی خاطر امی! آپ نے مجھ سے میرے سارے رشتے چھین لیے اور اس ایک رشتے کا بھروسا......''

''اللہ نہ کرے۔ اب وہی تو میری زندگی کی کشتی کا پتوار ہے، مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہیے۔ اگر ماما خود مجھ سے گریزاں ہیں تو مجھے خود ان کی طرف پیش قدمی کرنا چاہیے۔ اگر بلال میری خاطر یوں سب کی مخالفت مول لے سکتے ہیں تو میں بلال کی خوشی کے لیے کیوں نہیں یہ سہہ سکتی۔ بلال! میں آپ کو آپ کے انتخاب پر شرمندہ نہیں ہونے دوں گی۔'' اس نے پُرعزم انداز میں سوچا۔

''بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ آپ اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں۔ ان کے کچھ مہمان آنے والے ہیں۔'' ملازم نے آ کر اسے چونکایا تھا۔

ملازمین کو بھی شاید اس کے مقام کی بھنک مل چکی تھی۔ بے حد فارمل اور تھوڑا عجیب سا رویہ تھا ان سب کا۔

وہ آہستگی سے اٹھ کر ملازمہ کی رہنمائی میں اپنے کمرے میں آ گئی۔ گھر میں بالکل خاموشی تھی۔

''اس وقت بھلا کون سے مہمان آنے والے ہیں۔ شاید یہ مجھے میرے کمرے تک محدود دیکھنا چاہتی ہیں جب تک بلال یہاں ہیں۔'' اس کے دل میں کچھ ٹوٹ سا گیا۔

''پتا نہیں میں اپنے ارادے پر قائم رہ سکوں گی یا نہیں۔'' وہ نڈھال سی بیٹھ گئی۔

✠ ✠ ✠

''اب میرے پاس زندہ رہنے کا کیا جواز ہے۔'' اس نے کیمسٹ سے نیند کی گولیوں کی شیشی لیتے ہوئے خود سے وہی سوال کیا جو ہزار بار کر چکا تھا اور جس کا ہر بار جواب اسی شیشی کی شکل میں آیا تھا۔

''جس کو جس میں فائدہ نظر آتا ہے وہ اس رستے کو اپناتا ہے۔ ابا کو اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ زندگی گزارنا سود مند لگا تو پھوپھو خدیجہ کو اپنی بیٹی امیر گھرانے میں بیاہنے میں، میرا کس نے سوچا؟ اس نے بھی نہیں جس کے لیے میں اس دنیا کے آخری کونے تک جانے کو تیار تھا، ہر انتہا سے گزر جانے کو ہر ناممکن کو ممکن بنا دینے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ کس لیے، کس کے لیے''

اسے یوں رات رات بھر سوچنے اور سوچتے چلے جانے کی عادت ہوتی جا رہی تھی خود سے باتیں کرنے اور بے

یہ سوال کرنے کی...... جو وہ دوسروں سے نہیں پوچھ سکتا تھا۔

''کاش پھپھو...... ! یا ثانیہ ایک بار...... ایک بار میرے جذبوں کی شدت ان کی گہرائی کو سمجھنے کی کوشش تو کرتیں۔'' پھر وہی لاحاصل پچھتاوے خسارے اور بے مقصد سوالات...... اس نے ان سوالوں سے بچنے کے لیے ویران سڑک پر تقریباً بھاگنا شروع کر دیا۔

وہ صرف دو دن اپنی نوکری پر جا سکا تھا اور پھر اسے سب کچھ بھول گیا کہ اسے کیا کرنا ہے یا اس نے اپنے لیے کچھ سوچ رکھا ہے۔

بہت...... بہت دور سے اس نے ثانیہ کی رخصتی کا وہ تکلیف دہ منظر دیکھا تھا کہ اسے لگا اس کی آنکھوں سے آنسو کی جگہ خون بہہ نکلا ہے۔

اور اس وقت اس نے اس بے مقصد بے فائدہ زندگی سے چھٹکارا پانی کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ ان ہی مزدور ساتھیوں کے آرام کے لیے بنے برآمدے نما چبوترے پر جا کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

سب مزدور دن بھر کی تھکا دینے والی مشقت کے بعد کچھ یوں بے سدھ سوئے پڑے تھے جیسے مر ہی چکے ہوں۔ کسی کی ٹانگ کسی کا بازو دوسرے کے نیچے دبا تھا مگر اسے کچھ ہوش نہیں تھا۔

''میں نے بھی تو زندہ رہ کر ان جیسی زندگی گزارنی ہے جاہل گنوار مزدور بننا جسے یہ معاشرہ کسی جانور یا کیڑے مکوڑے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ اور یہ مشقت کرتے ہیں ان کے لیے جوان پر جان دیتے ہیں جن سے ان کے دلوں کی رگیں بندھی ہیں۔ میرے دل کی رگ کس سے بندھی ہے جو میں اس بوجھ جیسی زندگی کو گدھے کی طرح اپنی کمر پر لادے پھروں؟ صرف اس پیٹ کے دوزخ کا ایندھن اکٹھا کرنے کے لیے ہر وقت جتا رہوں۔ اور درد کا وہ سمندر جو میرے اندر یوں ٹھاٹھیں مار رہا ہے کہ سینے کی دیواریں پھاڑ کر باہر نکل آئے گا اور اس طوفان کی زد میں میرے علاوہ نہ جانے کون کون آ جائے گا اس سے پہلے...... مجھے اس سے پہلے ہی اس طوفان کو ٹھنڈا کر دینا چاہیے۔''

اس نے آخری بار آنکھیں پھاڑ کر سامنے اندھیرے میں لیٹے ان نیم مردہ انسانوں کو دیکھا اور شیشی کھول کر پوری اپنے حلق میں انڈیل لی۔

✠ ✠ ✠

''بلال! میں صبح سے کالج چلی جاؤں؟'' چوتھے دن وہ اس کمرہ بندی کی سزا سے عاجز آ کر بول پڑی۔

''اونہوں میری جان کچھ دن اور...... پھر تو میں نے چلے ہی جانا ہے۔ چوبیس گھنٹے پڑھنا۔'' وہ ایک دم اداس ہو کر یوں بولا کہ اس کی اداسی تو ثانیہ کے دل کو بھی دہکا سی گئی۔

چار ہی دنوں میں کچھ ایسی قربت ایسی ناقابل بیان میٹھی چاہت کا رشتہ اس کا دل اس کھرے محبت کرنے والے انسان سے جوڑ بیٹھا تھا کہ اسے اب فضیلہ اور زونیرا کی بے اعتنائی اور تضحیک تو شاید نظر بھی نہیں آتی تھی۔

دونوں چار ہی دنوں میں کچھ ایسے ایک دوسرے کے واقف کار، واقف مزاج ہوئے تھے جیسے برسوں سے ساتھ رہ رہے ہوں۔

''میں آپ کے بغیر کیسے رہوں گی؟'' وہ نم آنکھوں سے بولی۔

''جیسے پہلے رہتی تھیں۔'' وہ اس کے بالوں سے کھیلتے ہوئے بولا۔

''کیسے......'' وہ کھوسی گئی ''کیسے؟ پہلے کی طرح آپ رہ لیں گے میرے بغیر؟'' بے ساختہ وہ پوچھ بیٹھی۔

بلال کے ہاتھ وہیں تھم گئے اور چہرہ گہری اداسی کے حصار میں آ گیا۔

''نہیں......'' وہ گہرا سانس لے کر بولا۔

''سوچتا ہوں، میں نے غلطی کی۔'' وہ کہنیوں کے بل ذرا سا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''کیا مطلب پچھتا رہے ہیں آپ؟'' وہ بری طرح سے ہرٹ ہوئی۔

''ہاں۔'' وہ اسی لہجے میں بولا۔ ''مجھے ماما کی بات مان لینی چاہیے تھی۔'' ثانیہ کا رنگ اڑ سا گیا۔

''ابھی صرف انگیج منٹ کر لیتے یوں ساتھ رہ کر بچھڑنا...... مجھے نہیں لگتا ثانی! میں جا بھی پاؤں گا یا نہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر دل گرفتی سے بولا تو ثانیہ کچھ دیر بول ہی نہ سکی۔

''ایسی باتیں کریں گے...... سوچیں گے تو سب مشکل ہوتا جائے گا۔'' وہ اسے یا خود کو تسلی دیتے ہوئے بولی۔

''یہ سب نہ سوچنا میرے بس میں ہے کیا؟'' وہ بے بسی سے بولا۔

''جانتی ہوں مگر جانا تو ہے نا آپ کو۔'' اس جملے کو بولتے، دہراتے یا سوچتے اس کا دل آج کل کس تکلیف سے گزر رہا تھا وہ چاہتے ہوئے بھی اس کے سامنے اس کا اظہار نہیں کر رہی تھی۔

''تم ماما اور زونی کے رویے سے ہرٹ ہوئی ہو نا؟'' تھوڑی دیر بعد وہ بولا تو وہ جواب میں کچھ کہہ نہ سکی۔

''ماما دل کی بری ہیں نہ فطرت کی مگر زونی...... اسے پتا نہیں تم سے کیا بلاوجہ کی دشمنی ہے۔ بس ماما کو اکسا کر...... اور مجھے تو ماما پر حیرت ہو رہی ہے۔ سارے زمانے کا علم دل میں سمو کر وہ سمندر ہونے کے بجائے کنوئیں سے بھی بدتر رویے کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔'' وہ دکھ سے بولا۔

''میں نے تو کچھ نہیں کہا۔ آپ کیوں دل پر لیتے ہیں۔'' وہ محض اس کی دلجوئی کو بولی۔

''ہاں سوچتا ہوں میرے جانے کے بعد ہو جائیں گی ٹھیک اور نہ بھی ہوں تو پلیز تم زیادہ ٹینشن نہ لینا میں کوشش کروں گا تمہیں وہاں بلوا لوں کسی طرح۔'' بلال نے ثانیہ کے دل کی بات کہہ دی۔

اور اس نے جو سوچ رکھا تھا کہ بلال کے ساتھ جانے کی ہامی نہیں بھرے گی۔ بلکہ ماما کا دل جیتنے کی کوشش کرے گی۔ اس نے بلال کی بات پر ذرا سا بھی اختلاف ظاہر نہ کیا۔

''آپ نے بتایا نہیں پھر؟''

''کیا پوچھا تم نے؟'' وہ چونکا۔

''میں کل سے کالج چلی جاؤں؟''

''بیس دن تو ہیں ہمارے پاس اگر ساتھ گزار لیں۔'' اس کی نظروں سے لمحہ بھر کو ثانی کا دل پگھل سا گیا۔

''ہفتے میں دو تین دن چلی جایا کروں گی۔ اس طرح اٹینڈینس میری شارٹ ہوتی جائیں گی۔ ایگزام تو دینا ہے نا میں نے۔''

''ہاں کیوں نہیں، بالکل دو گی اور میری جان خوب دل لگا کر پڑھنا۔ تمہاری پاکٹ منی یا جس چیز کی ضرورت ہو، مجھ سے کہنا۔ میں بھیجوں گا۔ بھئی بیوی کی ذمہ داری تو شوہر پر ہوتی ہے نا!'' وہ اس کی لٹ کھینچ کر بولا۔

''اس کی تو جناب فکر ہی نہ کریں۔ سب خرچ آپ ہی اٹھائیں گے۔ میں میڈم سے......'' بلال نے بے ساختہ اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ابھی بھی میڈم۔'' وہ اسے شرمندہ کرنے کو بولا۔

''منہ سے اتار واسے، بہت برا لگتا ہے۔ ماما بولا کرو اور یار! تم انہیں مخاطب بھی نہیں کرتی ہو اگر وہ آگے نہیں

منہ چاہتیں تو تم تھوڑی کوشش کرلو۔ میری خاطر۔“
بلال نے اس کے دل کی بات کہہ دی تھی مگر اس کو کرنے کے لیے جس جگر کی ضرورت تھی۔ وہ ابھی اتنا مضبوط نہیں تھا۔
اس نے جب بھی نفیسہ کو بلانے کی کوشش کی انہوں نے یوں نظرانداز کیا جیسے جانتی ہی نہ ہوں۔
وہ الٹا شرمندہ ہو کر اس جگہ سے ہی ہٹ جاتی۔
”اب کیا سوچنے لگیں؟“ بلال نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔
”میری بکس اور یونیفارم امی کی طرف ہیں پھر میں ابھی تک ان سے ملنے بھی نہیں گئی تو.....“ وہ جھجک کر بولی۔
”او گاڈ! یار مجھے بھی بالکل دھیان نہیں رہا کہ تمہیں ان سے ملوانے لے جاؤں۔ چلو تم تیار ہو جاؤ۔ ابھی چلتے ہیں۔“ وہ فوراً اٹھ گیا۔
”لیکن ماما سے تو پوچھ لیں۔“ وہ اسے یاد کرانے کو بولی۔
”تو میں پوچھ لوں گا بلکہ یوں کرو۔ تم تیار ہو جاؤ پھر دونوں چل کر انہیں بتا دیں گے۔“ وہ شاید دونوں کے بیچ قائم جھجک کو کچھ کم کرنا چاہتا تھا۔
”ہاں ٹھیک ہے۔“ وہ بھی کھڑی ہو گئی۔
”لیکن بلال اگر میں تیار ہو کر گئی تو شاید ان کو برا لگے کہ ہم ان سے پوچھنے نہیں بلکہ بتانے آئے ہیں کہ ہم جا رہے ہیں۔“ اسے فوراً خیال آیا۔
”ہاں بات تو ٹھیک ہے تمہاری تو پھر پہلے پوچھ لیں۔“ وہ سر ہلا کر بولا۔
”اگر انہوں نے اجازت نہ دی تو؟“ وہ ہچکچا کر بولی۔
”کیوں نہیں دیں گی۔ تم اپنی ماں سے ملنے جا رہی ہو اصولاً تو تمہیں ولیمہ کے اگلے دن ہی جانا چاہیے تھا مگر میں نے سوچا۔ چند دن تو ہیں ہمارے پاس۔ اچھا چلو اب تمہارے امی ابا بھی کیا سوچتے ہوں گے۔ بیٹا بھی ماں جیسا نکلا۔“ ثانیہ کو انوکھی سی خوشی ہوئی کہ بلال اس کو سمجھتا ہے۔
”اپنی نند سے بھی پوچھ لینا۔ کہیں وہ ہنگامہ کھڑا کر دے۔“ بلال اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔
”ابھی ماما سے پوچھنے کا حوصلہ ہو نہیں رہا تو زونی..... پتا نہیں پہلے تو..... بہت اچھی علیک سلیک تھی ہماری بلکہ وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم سے رک گئی۔“
”اچھا چلو آؤ اب اور دیر نہ کرو پھر تم نے تیار بھی ہونا..... اور تم تو یوں ڈر رہی ہو جیسے میں تمہیں محاذ جنگ پر لے جا رہا ہوں۔“ دونوں ہنستے ہوئے باہر نکلے کہ بلال کا بازو ثانیہ کے شانوں کے گرد تھا۔ کاریڈور میں کھڑی زونی نے عجیب سی نظروں سے دونوں کو دیکھا کہ بلال نے بے اختیار اپنا بازو ہٹا لیا۔ ثانیہ شرمندہ سی کھڑی رہ گئی۔

✠ ✠ ✠

پورے تین دن بعد اسے روحیل کا پتا ملا تھا۔
اگر اس کے پاس روحیل کے پیسے امانتاً نہ پڑے ہوتے تو شاید وہ اسے کبھی تلاش نہیں کرتا مگر امانت میں خیانت کے خیال نے، اسے تین دن اس کی تلاش میں بھٹکا کر رکھا۔
”کس قدر غیر ذمہ دار، لاپروا اور بے حس شخص ہو تم! اور سب سے بڑھ کر وعدہ خلاف بھی۔ مجھ سے وعدہ کر کے

گئے کہ کل ہاسٹل میں شفٹ ہو جاؤں گا۔ میں نے ایڈوانس بھی دے ڈالا اور خود پلٹ کر خبر بھی نہیں لی۔ تمہاری رقم نہ میرے پاس ہوتی تو میں لعنت بھیج دیتا تم پر۔'' یوسف نے بے حد غصے میں بولتے ہوئے اسے سیدھا کیا جو یوں کروٹ کے بل پڑا تھا جیسے زمانوں سے سو رہا ہو۔

''روحیل!'' یوسف کا دل یکبارگی دھڑکا۔

اس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔

یوسف نے اس کی کلائی پکڑی، سینہ پر ہاتھ رکھا۔

سب طرف خاموشی تھی۔

اس نے بدحواسی سے اس کی آنکھوں کے پپوٹے اٹھائے ساکت پتلیاں ڈھیروں سوال پوچھ پوچھ کر جیسے تھکن زدہ سی پڑی تھیں ایک ہی نکتے پر ٹھہری ہوئی...... میرا اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا تھا؟

یوسف کے منہ سے بے ساختہ چیخ سی نکلی اور وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر رونے لگا۔

✠ ✠ ✠

''امی! روحیل نہیں آیا دوبارہ؟'' بلال اسے امی کی طرف چھوڑ کر خود تھوڑی دیر میں آنے کا کہہ کر کہیں چلا گیا تھا۔

ثانیہ نے خود بھی اصرار نہیں کیا۔ ان کا گھر کون سا اس کے لائق تھا وہ اسے ان سے ملوانے لے آیا یہی بڑی بات تھی۔

''نہیں۔'' خدیجہ نے مختصراً جواب دیا۔

''تمہیں بھی نہیں ملا عمیر؟'' عمیر حد درجہ سنجیدہ ہو گیا تھا یا ریزرو۔ فوری طور پر ثانیہ سمجھ نہیں سکی۔

''نہیں ایک دن بازار میں جاتے نظر آئے تھے۔ میں نے آواز دے کر روکا تو عجیب روکھے پن سے کہنے لگے۔ میرے پاس ٹائم نہیں ہے اور چلے گئے۔'' عمیر نے رک رک کر بتایا۔

''بتایا تھا نا، میں نے ضرور الٹی سیدھی صحبت میں بیٹھنے لگا ہے۔ باپ بے چارہ رو دھو کر بیٹھ گیا جب ایسی خودسر باغی اولاد ہو جائے تو بے چارے ماں باپ کی ہی بدنامی ہے نا!'' خدیجہ کو تو جیسے روحیل سے چڑ سی ہو گئی تھی۔

''ماموں نے کون سا کبھی ان کی پروا کی یا ان کو پوچھا۔'' عمیر بھی تپ کر بولا۔ اس کی روحیل سے بہت دوستی تھی۔ آج کل یوں بھی وہ خود کو بہت اکیلا اکیلا محسوس کرنے لگا تھا۔

ثانیہ اور اپنے بیچ اسے نظر نہ آنے والی دیوار سی اٹھتی محسوس ہو رہی تھی۔

''امی! آپ جانتی ہیں نا روحیل ایسا نہیں اور آپ نے بھی تو ایک دم سے اس سے نظریں پھیر لیں۔ وہ آپ کی محبت کے سہارے ادھر آتا تھا اور نہ وہ نصرت مامی۔'' ثانیہ بھی رہ نہ سکی۔

''دفع کرو اس نصرت کو تو۔ کیسے تمہاری شادی کا پتا چلا تو جل بھن کر کباب ہو گئی۔ میں نے بھی صاف بات ہے صرف بھائی کو بلایا تھا۔ اس چنڈال کو بلا کر میں نے کوئی اور روخت ڈالنا تھا اور روحیل کو بدل کرنے میں بھی اس عورت کے سازشی ذہن کا کمال ہے، پر ہمارے بھیا کو کون سمجھاتا۔ انہوں نے کہا ایک مرگئی دوسری قسمت سے ملی ہے۔ اسے کیوں خفا کروں۔ لڑکا ہاتھوں سے نکل گیا۔''

محبت تو انہیں بھی تھی روحیل سے مگر مصلحت آمیز محبت!

'کچھ ہوا تیری ساس نند کا رویہ انسانوں والا۔'' بڑی دیر سے وہ یہ سوال کرنا چاہ رہی تھیں بالآخر پوچھ ہی لیا۔

''بس ٹھیک ہے۔'' وہ بے دلی سے بولی۔
''یہ نہیں تجھے ٹکنے دیں گی۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے بولیں۔
''کیا مطلب؟''
''جو بلی! بلال کو مٹھی میں کرنا تھا ابھی سے۔'' وہ کچھ جھلا کر بولیں۔
''کیا مطلب امی! میں سمجھی نہیں؟''
''اس سے زبردستی منوانا تھا کہ تمہیں بھی اپنے ساتھ لے چلے تم ادھر اکیلی کیا کرو گی۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولیں۔
''امی! جانا اتنا آسان تو نہیں۔ یوں بھی وہ پڑھنے جا رہے ہیں۔''
''تو کیا ہوا۔ دونوں ساتھ ہوں گے تو ایک دوسرے کا سہارا بنیں گے۔ ذرا زور لگا۔ ابھی نہیں تو دو چار مہینے میں بلالے۔ کاغذ لے جائے تیرے۔ پیسہ ہی لگے گا نا ذرا۔''
''آپ آج کام پر نہیں گئیں؟'' وہ موضوع بدلنے کو بولی۔
''چھوڑ دیا میں نے کام۔ بس ادھر پاس کی کوٹھی میں ہی صبح صبح کر آتی ہوں اور بس۔''
''تو امی گزارا...... کیسے ہوتا ہے اور کام کیوں چھوڑ دیا؟''
''تیری وجہ سے۔'' وہ فوراً بولیں۔
''میری وجہ سے، میں سمجھی نہیں؟''
''تیری ساس نند تجھے طعنہ دیں میرے کام تو سہہ جاتی، پر تجھے کچھ کہے...... عمیر کو اچھی تنخواہ ملنے لگی ہے۔ مشکل سے سہی گزارا ہونے ہی لگا ہے۔'' اسے دل ہی دل میں ماں پر پیار آ گیا۔ انہیں اس کی عزت کا اتنا خیال تھا ورنہ خدیجہ نے پہلے اس طعنے کو کبھی سنجیدگی سے لیا ہی نہیں تھا۔ الٹا برا مان جاتیں کہ محنت کو برا کہنے والا خود کیسا ہو گا مگر اب بیٹی کی خاطر......
''اور اس نے پڑھائی چھوڑ دی؟'' وہ پھر اپنے پسندیدہ سوال پر آ گئی تو عمیر اٹھ کر باہر چلا گیا۔
''سارا دن تو ادھر اسٹور میں گزر جاتا ہے، پڑھتا کس وقت۔'' وہ جو پہلے عمیر کی پڑھائی کو سب سے ضروری سمجھتی تھیں اب اس کی نوکری کی وجہ سے وہی پڑھائی انہیں غیر ضروری نظر آنے لگی تھی۔
''امی! آپ عمیر سے کہیں جا کر روحیل کا پتا کرے۔ میں ذرا ابا کے پاس ہوں۔'' وہ کہہ کر اندر چلی گئی اسے اب بے چینی سے بلال کی واپسی کا انتظار تھا۔

✠ ✠ ✠

''تم کس لیے تیار ہوئی ہو؟'' اسے یونیفارم میں تیار دیکھ کر وہ اتنے دنوں میں پہلی بار اس سے مخاطب ہوئی تھیں۔
''ماما! کالج جانے کے لیے۔'' ایک تو ماما کا لفظ اس کے منہ پر نہیں چڑھتا تھا پھر وہ جن نظروں سے اسے اس لفظ کے بولنے پر دیکھتی تھیں وہ شرمندہ سی ہو کر رہ جاتی۔
''ابھی ضرورت نہیں جانے کی۔ جب تک بلال ہے ادھر۔'' وہ سختی سے بولیں۔
''میری اٹینڈینس شارٹ ہو جائیں گی۔'' وہ منمنائی۔
''ہاں ماما! جانے دیں اسے، ہفتے میں دو تین دن چلی جایا کرے۔ یوں بھی اس کی اسٹڈیز کا حرج ہو رہا ہے۔''

بلال اندر آتے ہوئے بولا۔

''نہیں ہوتا حرج، ماشاء اللہ سے بڑی ذہین اور ہوشیار ہے۔کور کر لے گی۔'' انہوں نے ہوشیار کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ وہ سن سی کھڑی رہ گئی۔

''ابھی تو تم دونوں ذرا ایبٹ آباد سائیڈ پر گھوم پھر آؤ ایک ہفتہ، پھر آ کر تم نے تیاری بھی کرنی ہے جانے کی۔'' وہ ایک دم سے فراخدل ہو کر بولیں تو دونوں بے یقین نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔

''سویٹ ماما! آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔'' وہ فوراً ماں کے کندھوں سے لٹک کر بولا۔

''اچھا مسکہ نہیں، جاؤ اور تیاری کرو دو پہر کھانے کے بعد نکل جانا تم دونوں۔'' وہ کہتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

''دیکھا ماما کتنی اچھی ہیں۔'' وہ ان کے جاتے ہی بولا۔

''ہوں...... مگر بلال ان کا رویہ میرے ساتھ...... میری سمجھ میں نہیں آتا میرا قصور کیا ہے۔'' ان کے ہوشیار کہنے کا انداز جیسے اس کے دل میں ترازو ہو کر رہ گیا تھا۔

''اونہوں، خوشی کے موقع پر فضول باتوں کو سوچ کر اس خوشی کو بدمزہ نہیں کرنا چاہیے۔چلیں کالج گرل صاحبہ یونیفارم چینج کریں اور پیکنگ کریں۔ہم دوپہر تک واقعی نکل جائیں گے۔''

وہ اس کی دلجوئی کی غرض سے اسے چھیڑتے ہوئے بولا تو وہ مسکرا بھی نہ سکی۔

''ایک بات کہوں۔'' وہ اسی اداسی سے بولی۔

''دس کہو۔'' وہ فراخ دلی سے بولا۔

''بلال! اگر ممکن ہو...... آپ اگر مناسب سمجھیں جانے کے بعد کسی طرح اگر مجھے بھی اپنے پاس بلا لیں...... بلال! میں بہت بزدل ہوں۔'' وہ ایک دم سے اس کے کندھے سے لگ کر سسکنے لگی۔

''ارے کیا ذرا ذرا سی بات پر بچوں کی طرح رونے لگتی ہو۔اچھا ڈونٹ وری آئی ول ٹرائی مائی بیسٹ۔مجھ سے خود تمہارے بغیر رہا نہیں جائے گا تم اور میرا جانا دشوار کرو گی۔آؤ میرے ساتھ۔'' وہ اسے اپنے ساتھ لگائے کمرے میں لے گیا۔

✠ ✠ ✠
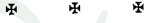
اس ایک ہفتے کا پتا بھی نہیں چلا۔

اور جو بھی وہ اپنی زندگی کے خوشگوار ترین دن گننے بیٹھے گی تو ان چوبیس دنوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہو گا جو اس نے بلال کی چاہت بھری رفاقت میں گزارے اور ان چوبیس دنوں میں یہ سات دن۔یہ سات دن وہ کبھی نہیں بھلا سکے گی۔

''بھول جاؤ گی ڈیئر! یہ سات دن بھی۔'' بلال سن کر سنجیدگی سے بولا۔

''جی نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔''

''ایسا ہو گا نا، لگا لو شرط۔''

''کیا میرا حافظہ اتنا کمزور لگتا ہے آپ کو؟'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''جب ہمارے ساتھ باقی کی زندگی گزارو گی تو تمہیں پتا چلے گا کہ یہ سات دن تو کچھ بھی نہیں تھے۔تمہیں اتنا پیار دوں گا آنے والی زندگی کے سارے سالوں میں۔'' اس نے کچھ ایسی بے ساختگی سے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا کہ ثانیہ اختلاف کر ہی نہ سکی۔

''بلال ایک بات کہوں؟'' تھوڑی دیر بعد پھر اس کے بے بھروسہ دل میں خدشے سر اٹھانے لگے تو بولی۔ ''اب
...ن ہم ہوگا۔'' وہ بھی اتنے دنوں اسے خوب سمجھنے لگا تھا۔

''آپ ...... آپ مجھے جاکر بھول تو نہیں جائیں گے؟''

''او بھئی تم میری بیوی ہو محبوبہ نہیں کہ ادھر شہر بدلا ادھر محبوبہ بدل لی۔ اب تو بھئی ہم بندھ گئے۔ ماما بھی بڑی
...ے ہیں ایسی بیڑیاں پاؤں میں ڈال کر بھیج رہی ہیں کہ چاہوں بھی تو وہاں ٹھہر نہیں سکوں گا۔ کچے دھاگے سے بندھے سرکار
...ئیں گے۔'' وہ شگفتگی سے بولا تو اس کا دل بھی مطمئن سا ہو گیا۔

''وہ اس کی بیوی تھی محبوبہ تو نہیں۔'' وہ اس خیال سے مسرور تھی باقی کے تین دن بلال کی مسلسل شاپنگ میں گزر
گئے۔

اس نے ضد کر کے ثانیہ کو بھی ڈھیروں شاپنگ کرادی۔

''جس کی جی چیز کی ضرورت ہو کہہ ڈالو پھر ایسا موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔'' وہ فراخ دلی سے کہتا اور وہ اوپرے دل
سے مسکراتی رہی۔

جوں جوں اس کے جانے کی گھڑیاں قریب آ رہی تھیں۔ ثانیہ کا دل نیچے سے نیچے بیٹھتا جا رہا تھا۔

وہ رات میں کتنی بار اٹھ کر بیٹھتی اور پلکیں جھپکے بغیر سوئے ہوئے بلال کو تکتی جاتی۔

کیسی گہری محبت ہوگئی تھی ان چند دنوں میں اور اس کے جانے کے خیال سے ہی وہ ہراساں ہوئی جا رہی تھی۔

''سو جاؤ اب، کب تک دیکھتی رہوگی۔ ہم تو آپ کے دل میں ہیں نظروں سے ہٹ بھی گئے تو دل تو ہے نا!'' کئی
...وہ اس کی چوری پکڑتا اور اسے لٹا دیتا اور وہ آنکھوں میں آئے آنسو پلکوں تلے چھپا لیتی۔

اور پھر اس کے جانے کی شام بھی آ پہنچی۔

✠ ✠ ✠

''بس کرو نا اب اور کتنا روؤ گی۔ چلو میں جاتا ہی نہیں۔'' وہ جتنی بار بھی کمرے میں آتا۔ اسے روتے دیکھ کر وہیں
بے بس سا ہو کر بیٹھ جاتا۔

''میں نے یہ کب کہا۔'' وہ فوراً آنسو پونچھ لیتی۔

''کوئی دیکھے تو کہے یہ وہی ثانیہ ہے جو مہینہ بھر پہلے میرا نام سننا گوارا نہیں کرتی تھی اور میرے پیچھے پتھر لے کر
مارنے کو دوڑی تھی۔''

''جھوٹ ...... میں نے کب ایسا کیا؟''

''اس روز جب میں نے تمہیں سر راہ روکا تھا پتھر مارنے کو دل تو کر رہا تھا نہ تمہارا۔'' وہ پھر سے اسے چھیڑتا۔

''اچھا اب تم اپنا سارا دھیان اسٹڈیز کی طرف لگانا۔ میں نے تمہیں موبائل بھی لے دیا ہے۔ رات کو خوب بات
کیا کریں گے۔ اور ایک بات اور ...... بیٹھو میرے پاس۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھاتے ہوئے بولا۔

''وعدہ کرو ثانی!'' وہ اسی طرح اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے بولا۔

''کیسا وعدہ؟'' بلال اس طرح سنجیدہ کم ہی ہوتا تھا۔

''تم ...... ماما کو میری ماں سمجھ کر نہیں اپنی ماں سمجھ کر ان کی کڑوی کسیلی باتوں کو یا کسی بھی دل دکھا دینے والے طعنے کو
پی جانا میری خاطر ......''

''بلال پلیز! مجھے خود بھی پتا ہے۔ وہ آپ سے زیادہ میرے لیے قابل احترام اور......'' وہ رک گئی آئیڈیل کا م
بولتے ہوئے۔

''آپ کو انشاء اللہ میری طرف سے شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔'' وہ اسے تسلی دینے کو ہی نہیں بلکہ تہہ دل سے کہ
رہی تھی۔

''مجھے یقین ہے ثانی! تم ایسی ہی ہو۔ جتنی اجلی اور پیاری تم باہر سے ہو اتنی پیاری اور بے ریا اندر سے بھی ہو
زونی اگر کوئی بدتمیزی کرے تو بہن سمجھ کر اگنور کر دینا کہ ماما کو تم دونوں کے کلیش سے کوئی دکھ نہ ملے۔''

''بلال! میں جانتی ہوں۔''

''تم نہیں جانتیں۔ ماما نے ہمارے لیے کیا نہیں کیا۔ پاپا کے بعد کس طرح انہوں نے ہمیں ماں اور باپ دونوں
کی توجہ اور پیار دیا اور ایسی تربیت کی کہ ہمیں ان پر فخر ہے تم سمجھ رہی ہو نا!''

''بالکل سمجھ رہی ہوں۔ آپ پلیز اس بات کو لے کر پریشان نہ ہوں میں خیال کروں گی ہر طرح سے۔''

''میں نے ماما سے کہہ دیا ہے۔ وہ تمہاری اسٹڈیز میں تمہاری ہیلپ کریں گی۔ کالج تم ان کے ساتھ آیا جایا کرنا۔
ہر ہفتے ڈرائیور کے ساتھ جا کر اپنے گھر بھی ہو آیا کرنا۔ باقی جو باتیں ہوں گی ہم فون پر کر لیا کریں گے۔ چلو اب ماما کھانے
پر بلا رہی ہیں پھر ہمیں ایئر پورٹ کے لیے نکلنا ہے۔'' وہ اسے دونوں ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولا تو ایئر پورٹ کا سن کر ایک
بار پھر اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

''اوہوں، اب نہیں...... اب روؤ گی تو قسم سے میں جاؤں گا ہی نہیں، تو پھر ماما تمہاری اچھی طرح کلاس لیں گی
سمجھیں۔'' وہ مسکرانے لگی۔

پھر اس کے بعد ٹائم اتنی جلدی گزرا کہ انہیں پھر بات کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

''او کے ڈیئر! اپنا خیال رکھنا بہت زیادہ اور دعا کرنا ہم پھر جلد ہی بہت جلد ملیں خدا حافظ۔'' وہ بار بار پلکیں جھپک
رہی تھی کہ امڈ آنے والے آنسوؤں پر اس کا اختیار نہیں تھا۔

وہ جاتے ہوئے مڑ مڑ کر اسے دیکھتا جاتا تھا۔

ایک بار تو اس کا جی چاہا دوڑ کر جائے اور پیچھے سے اس کی چوڑی پشت سے جا کر لپٹ جائے اور اسے کہیں جانے
نہ دے۔

''چلو ڈرائیور! گاڑی پارکنگ سے نکالو۔'' ماما کی کھردری آواز پر وہ بمشکل خود پر قابو پا کر نڈھال قدموں کے
ساتھ ان کے پیچھے چل پڑی۔

آتے ہوئے جس طرح بلال نے اسے اپنے ساتھ مصروف رکھا تھا کہ وہ اس کے علاوہ اور کچھ دیکھ ہی نہ پا رہی
تھی واپسی کا سفر اتنا ہی دشوار تھا۔

ان دونوں کی سرد بے حد اجنبی نگاہیں ثانیہ کو کنفیوز کر رہی تھیں۔

وہ بار بار نگاہیں چرا رہی تھی اور پھر ان کی یخ بستہ نظریں اسے دیکھنے پر مجبور کر دیتیں۔

''بلال! میں کیسے رہوں گی ان کے ساتھ۔'' اس کے دل سے ہوک سی اٹھی۔

✠ ✠ ✠

وہ رات بھر سو نہیں سکی۔

پہلی بار وہ جب سے اس کمرے میں آئی تھی اکیلی سو رہی تھی۔ پچھلی پوری رات بھی انہوں نے جاگتے اور باتیں
کرتے گزاری تھی۔ اس کے جانے کے خوف نے اسے رات بھر سونے نہیں دیا تھا اور آج اس کی جدائی نے .....
بار بار روتی اور پھر بلال کی ڈانٹ کا خیال آتا تو آنسو پونچھ لیتی۔ ساری رات ان گزرے چوبیس دنوں کی
بہت مختلف خوشنما مناظر میں ڈھل کر اس دوسرے تکیے پر آ بیٹھے جوان دونوں نے ساتھ گزارے تھے۔
''بلال! میں دو سال کیسے گزاروں گی مجھ سے ایک رات نہیں گزر رہی۔'' رات کے آخری پہر وہ تکیے پر سر رکھ کر
رو پڑی اور جانے کب روتے روتے اس کی آنکھ لگ گئی۔
خواب بھی اس کے تھے اور نیند بھی ..... جتنا ٹائم وہ سوئی رہی اس کے خواب دیکھتی رہی۔
دونوں ساتھ ساتھ ہنستے باتیں کرتے قہقہے لگاتے کتنے خوش تھے مگر اس کے باوجود ان خوابوں میں بھی ایک اداسی
تھی اور اس اداسی نے اس کا دماغ اپنے حصار میں جکڑ رکھا تھا۔
جانے دن کا سا پہر تھا جب کسی نے اس کے بیڈ روم کا دروازہ دیوانوں کی طرح پیٹ ڈالا۔ وہ ہڑبڑا کر جاگی اور
ہونق سی دروازے کو دیکھے گئی۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی فوری طور پر تو اسے سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا کہ وہ کہاں ہے۔
اب کے کسی نے پوری طاقت سے دو تین ہاتھ مارے تھے، ثانیہ نے بھی تیزی سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا، اس کے سامنے فضیلہ مبشر کھڑی تھیں۔
ان دنوں میں پہلی بار اس نے ان کے چہرے پہ اپنے لیے کوئی ناپسندیدگی نہیں دیکھی تھی۔ ان کے ماتھے کی وہ سلوٹیں جو ثانیہ کو دیکھتے ہی گہری ہوتی چلی جاتی آج خلاف معمول موجود نہیں تھیں۔ آنکھوں میں البتہ اجنبیت اسی طرح برقرار تھی۔
''سو رہی تھیں تم اتنی گہری نیند۔'' بالکل غیر متوقع سا جملہ جو انہوں نے شاید جبراً کہا تھا، کسی خبر کی تمہید کے لیے اس کا دل دھڑکا۔
''تمہارے گھر سے اطلاع آئی ہے۔'' ثانیہ کا ہاتھ بے اختیار اپنے سینے پر ٹھہر سا گیا۔
''تمہارے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔'' انہوں نے تیزی سے جملہ پورا کیا، شاید اس سے زیادہ تمہید وہ باندھ نہیں سکتی تھیں۔
ثانیہ پتھرائی نظروں سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔
''میں نے ڈرائیور سے کہہ دیا ہے وہ تمہیں چھوڑ دے گا۔ میں کالج سے فارغ ہو کر کوشش کروں گی آنے کی۔'' وہ ان کی آنکھوں سے بے اختیار امڈ آنے والے سیلاب کو نظر انداز کر کے پلٹنے لگیں کہ جانے کس احساس نے ان کو ٹھٹکایا تھا۔
''حوصلہ کرو، تم تو یوں بھی بہت حوصلہ مند ہو، جانا تو سب ہی کو ہے مگر اتنی طویل معذوری کے بعد...... موت ان کی نجات ہی تو بن کر آئی ہوگی۔ اللہ ان کی مغفرت کرے...... تم چینج کر لو ڈرائیور گاڑی نکال رہا ہے۔''
اتنے دنوں میں یہ ذرا سی نرمی، رعایت بھری تسلی، حقیری تشفی...... اسے ملی بھی تو کب...... جب وہ اسے محسوس کرنے کے قابل بھی نہیں تھی۔
ان کے جاتے ہی وہ پلٹ کر بیڈ پر اوندھی ہو کر منہ کے آگے تکیہ رکھ کر زور زور سے رونے لگی کہ اس کے رونے کی آوازیوں چیخنے پر اس گھر کے باذوق مکین کہیں برا ہی نہ مان جائیں۔
'تو ابا یہ سب یوں ہونا تھا آپ کو صرف یہ انتظار تھا کہ ثانیہ کسی ایسی جگہ پر چلی جائے جہاں وہ خوش رہنے نہ دیتے مگر آپ کو فرض کی ادائیگی ایسی سکون بخشے کہ آپ اتنے سالوں کے رنجگوں کے بعد آپ میٹھی پرسکون گہری نیند سو سکیں۔ ابا! میں نے تو اسی لیے آپ کی بات مان لی تھی کہ آپ، آپ کے بیماری جھیلتے اس کمزور دل کو میری طرف سے کوئی ٹھیس نہ لگ جائے اور آپ...... کہیں اور جانے کا ارادہ نہ کر لیں پر ابا! یہ کیا کیا آپ نے میری فرمانبرداری کا یہ صلہ دیا کہ پھر بھی اپنے اور ہمارے بیچ اتنی دوریاں اتنے فاصلے پیدا کر لیے...... ابا!'' وہ ہچکیوں سے گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔
اور یہاں اسے گلے لگا کر رونے والا یا تسلی دینے والا کوئی نہیں تھا۔

'''مجھے امی کے پاس جانا چاہیے، جانے ان کا کیا حال ہوگا......ابا۔'' وہ اپنی غیر ہوتی حالت کو سنبھالتی اٹھی منہ پر تین چھینٹے مارے، کاٹن کا سادہ سوٹ نکال کر پہنا اور کمرے سے کچھ بھی لیے بغیر تیزی سے باہر نکل گئی۔
اس کے کمرے سے نکلتے ہی سرہانے رکھا موبائل بجنے لگا۔
اور پھر وقفے وقفے سے بجتا چلا گیا......زونیہ کسی کام سے ادھر سے گزری تو موبائل کی آواز سن کر کمرے میں آ ئی۔
''بھائی کا فون......ہونہہ ابھی بھی چین نہیں، اپنے دل کے سارے ارمان پورے کر کے بھی۔'' اس نے غصے میں نت پیسے۔
وہ غصے میں موبائل فون پٹخ کر جانے لگی کہ پھر کچھ خیال آنے پر اس نے سیل اٹھایا اور خاموشی سے کمرے سے نکل گئی۔

✠ ✠ ✠

آخری گھڑیوں میں ابا کے چہرے پہ کیسا سکون کتنا آرام سا تھا۔
''ارے، ثانی کی ماں میرا رومال اور جرابیں کہاں ہیں؟'' اسے لگا وہ دفتر جانے کے لیے تیار ہوتے ہوئے امی کو آوازیں دے رہے ہیں۔
''اور یہ میری بیٹی کے لیے اسٹوری بک اور یہ نظموں کی کتاب اور یہ معلومات کا خزانہ......پڑھے گی نا ثانی......میری پڑھا کو بیٹی!'' ہر مہینے تنخواہ ملنے پر امی کے غصہ کرنے، بولنے کے باوجود ابا لازمی چاہے اس کے لیے کچھ کھانے پینے یا کھیلنے کی کوئی چیز لاتے یا نہیں مگر اس کے لیے کوئی نہ کوئی کتاب ضرور لے کر آتے۔ اور یہ تیس دن بعد آنے والی کسی نہ کسی کتاب کے تحفے نے اس کے اندر علم کا کیسا شوق جگایا تھا کہ پھر یہ کبھی سرد ہوا نہ کم پڑا، بڑھتا ہی چلا گیا۔
اور اس کی زندگی کا وہ اداس ترین دن تھا......ابا کی بیماری سے بھی اداس ترین دن جب ابا کو تنخواہ ملنے کی تاریخ تھی، ابا ہسپتال میں تھے اور اس شام کے لیے کوئی کتاب نہیں آئی تھی اور وہ جاننے کے باوجود کہ ابا اسپتال میں ہیں بالکل غیر ارادی طور پر اس آواز کی منتظر ہی رہی جو ابا گھر میں داخل ہوتے ہی اسے لگایا کرتے تھے، گھر کے سودے سلف کے لفافوں میں سے ایک لفافہ اس کا بھی تو ہوگا۔
اس شام ان کے گھر میں کوئی لفافہ نہیں آیا تھا۔
صرف، ابا کی مستقل معذوری موت کے لفافے سے پھٹ کر ان کے گھر کے در و دیوار سے آ لپٹی اور آج اس لفافے پر رخصتی کی مہر لگ گئی تھی اور اسے اب یہاں سے روانہ ہونا ہی تھا۔
''چوری چھپے شادی کی بیٹی کی جھٹ پٹ اللہ جانے کیا چکر تھا اور ہاتھ بھی بہت اونچا مارا، یہ لمبی لمبی گاڑیاں آئی تھیں، ساتھ کے گھر والوں کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔ نکاح ہوا کسی کو پتہ بھی نہیں چلا، وہاں بیٹی ضرور آنے جانے لگی ان لمبی کاروں میں بیٹھ کر۔''
وہ ابا کی چارپائی کی پٹی سے لگی بیٹھی تھی، پائنتی کے اس طرف بیٹھی دو تین خواتین آپس میں سرگوشیاں کر رہی تھیں، اس کا چارپائی کی پٹی سے لگا چہرہ جیسے ثبت ہو کر رہ گیا۔
''کالج والج آتی جاتی تھی ہر وقت گھر کے باہر کہیں پہ آنکھ مٹکا کر لیا ہوگا۔'' دوسری نے رائے دینا ضروری سمجھا۔
''تجھے، پتا ہے وہ کالج جاتی تھی اللہ جانے کہاں جاتی تھی، خدیجہ نے روز کی مشقت سے جان چھڑانے کا اچھا حل

ڈھونڈ اور یہی تو ہر بات آج کل ہر طرف ......اور یہ لوگوں کے گھروں میں کام کرنے والیاں اللہ توبہ، ہزار چور راستے آتے ہیں انہیں۔''

اسے لگا وہ اب کبھی سر نہیں اٹھائے گی۔

امی اپنی غربت اور بچت کے خیال سے اور فضیلہ مبشر جگ ہنسائی اور کم سے کم لوگوں کو پتہ چلنے کی پالیسی پر چلتے ہوئے سادگی سے نکاح پر راضی ہوئی تھیں اور اس سادگی کا نتیجہ موت ہو یا شادی دونوں کا پتا رونق سے چلتا ہے اور اس کی شادی پر تو اتنی رونق بھی نہیں تھی، جتنی ابا کی روانگی کے سمے۔

اس کے آنسو یوں تھمے اور ابا کی میت اٹھنے پر بھی نہ بہے، جیسے وہ اندر ہی کہیں جم گئے ہوں۔

✠ ✠ ✠

اس نے پورے چالیس گھنٹوں کے بعد آنکھ کھولی تھی، مگر ذہن ابھی بھی مکمل طور پر سویا ہوا تھا، اتنا کہ سامنے شاید ہاتھ بھر کے فاصلے پر کھڑا یوسف بھی اس کی پہچان میں نہیں آ رہا تھا۔ ذہن کسی اندھیرے گنبد میں چک پھیریاں کھا رہا تھا، جہاں نہ کوئی آواز تھی نہ تصویر۔

بس ایک ''گھم'' کی سی گونج والا شور تھا۔ یوسف کے ہونٹ ہل رہے تھے مگر اسے کوئی آواز سنائی نہیں دی، پھر اس نے کچھ اور بھی کہا روحیل نے تھک کر آنکھیں بند کر لیں۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کے پپوٹوں پر دوبارہ ہاتھ رکھ دیے ہوں ذرا سی دیر میں وہ پھر غافل ہو چکا تھا۔

دور کہیں کوئی چیز زوردار آواز کے ساتھ گری، اس آواز نے اسے پورے سات گھنٹوں بعد پھر آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔

سارا کمرہ خالی تھا ارد گرد سفید دیواریں سفید کھڑکیاں اور سفید پردے......دوسرا کوئی رنگ نہیں تھا۔ وہ یک ٹک اسی ایک رنگ کو دیکھتا رہا، وہی رنگ اب اس کے ذہن کے خلا میں بھرتا جا رہا تھا، ہر طرف سفید دھواں سا اڑتے بادلوں کے مرغولے......ہلکی ہلکی خنکی کا احساس...... پہلا احساس اس سفید رنگت کا تھا، جو اس کے دماغ نے گرفت میں لیا اور دوسرا احساس اس خنکی کا تھا۔

''کیا میں......مر چکا ہوں۔'' تیسرا احساس اس دوسرے احساس کے ساتھ جڑا ہوا بہت تیزی کے ساتھ اس کے دماغ کو جھنجوڑ گیا تھا۔

''شاید......ہاں......شاید نہیں۔'' اسے اپنے ناک منہ پر لگے آکسیجن ماسک نے ذرا سی گردن ترچھی کرنے سے روکا تو چوتھا احساس فوراً ہی بیدار ہوا تھا۔

''وہ زندہ ہے...... موت کے دام سے بچ نکلا......زندہ......زندگی ہاں زندگی اس کے اندر ابھی زندہ تھی، دھڑکتی سانس لیتی۔ ہولے ہولے احساس کی دنیا کو جگاتی۔''

اس نے آہستگی سے پھر آنکھیں موند لیں اب اسے اس کمرے سے باہر ہلکا ہلکا شور، آوازیں سنائی دے رہی تھیں گزرتے قدموں کی چاپ دروازے کھلنے بند ہونے کی آواز۔

''تو میری کوشش ناکام گئی اب پھر سے جینا پڑے گا۔'' بالآخر اس کی حسیات کی پوری دنیا جاگ چکی تھی۔

''تو میں نے یہ سب کیوں کیا تھا؟'' اس کا دماغ پیچھے کے واقعات کو سوچتا جا رہا تھا مگر وہ شعوری طور پر اس سوچ سے نکل آنا چاہتا تھا۔

باہر کوئی کھلکھلا کر ہنسا تھا...... نقرئی سکوں کی سی کھنکھناتی ہنسی اور اس ہنسی کے ساتھ ہی اس کے دماغ میں بننے والی تہہ میں تصویر کی صورت اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی...... ثانیہ کی تصویر۔
بے اختیار سسکی سی اس کے منہ سے نکل گئی، جیسے کسی تیز دھار آلے کی نوک اس کے دل کے اندر تک اتر گئی ہو۔
''میں تو تم سے تمہاری اس تصویر صورت اور تمہاری بے حد یادوں کی دنیا سے دور چلا جانا چاہتا تھا بہت دور تقدیر کا سو تیلا پن دیکھو یہاں بھی جیت گئی۔''
سب منفی رویے سارے منفی فیصلے سب دکھ دینے والے لوگ، خدا نے میرے نصیب ہی میں کیوں لکھ دیے اور میں نصیب سے بھاگ جانے کا اختیار...... اس اختیار کی ساری ڈوریاں اپنی مٹھیوں میں کس کر مجھے خالی ہاتھ...... اس نصیب سے جنگ کرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا۔
اس کا دل چاہا اپنے ہی ساتھ ہونے والے اس اذیت ناک سلوک پر خوب روئے چیخیں مار کر...... یا وہ بھی بس...... اپنی تنہائی اپنی بربادی اپنی حرماں نصیبی پر رو تو سکتا تھا اور شاید وہ رو ہی پڑتا کہ کمرے کا دروازہ چوں کی آواز کے ساتھ کھلا اور کوئی اندر آ گیا۔
وہ اگر زندگی کی جنگ نہیں لڑ سکتا تھا۔ لڑے بغیر ہی اس نے ہتھیار پھینک کر خود کو ختم ہو جانے کا ارادہ کر لیا تھا اور ان کا یہ ارادہ کیسے اس کی طرح منہ کے بل چت پڑا تھا کہ وہ اب...... شاید بہت دنوں تک خود سے کیا کسی سے بھی نظر ملا کر بات نہ کر سکے گا۔
بس یہی ایک احساس تھا جو آنکھ کی جھری سے نظر آتے یوسف کے چہرے کو دیکھ کر بھی اس نے ہاتھ پیر چھوڑتے ہوئے خود کو اس ذہنی اندھیرے گنبد میں پھینک دیا، اور یہ الگ بات کہ اب وہاں کوئی اندھیرا تھا نہ اندھیرا گنبد...... بلکہ آوازیں بھی نہیں، تصویریں بھی اور اس پر قہقہہ زن اس کی ظالم تقدیر بھی!

✠ ✠ ✠

ابا کا جنازہ اٹھنے سے چند منٹ پہلے فضیلہ مبشر آئی تھیں، اسی طمطراق اور ذرا سی شکن مستقل ماتھے پر سجائے انہوں نے بے حد سرسری انداز میں غم واندوہ سے نڈھال گریہ زاری کرتی، خدیجہ سے تعزیت کے دو بول بولے تھے، چند ایک منٹ خاموشی سے اردگرد بیٹھی ان کمتر عورتوں، گندی گلی اور بھاگتے دوڑتے کالے پیلے بچوں کو دیکھتی رہیں۔
خدیجہ کی گریہ زاری حلق خشک ہونے پر ذرا دیر کو رکی تھی کہ وہ موقع غنیمت جانتے ہوئے اجازت طلب کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں، جمگھٹا بنا کر بیٹھی عورتوں سے خود کو اپنے لباس کو بچاتی وہ یوں گزریں جیسے کیچڑ بھرے رستے پر چل رہی ہوں۔
ایک نگاہ غلط بھی انہوں نے خدیجہ کے پہلو سے لگی، ثانیہ پر نظر ڈالنے کی زحمت نہیں کی تھی اور ان کے جاتے ہی ثانیہ کو جیسے اپنی وقعت کا اندازہ نئے سرے سے ہونے لگا تھا۔ شاید اب میں دوبارہ کبھی اس گھر میں نہ جا سکوں۔
''ہٹو بچو والے'' انداز میں چلتی فضیلہ مبشر کو گاڑی میں بیٹھتے دیکھ کر اس نے حسرت بھرے انداز میں سوچا تھا۔
''تو کیا مجھے بھی اس عالی شان گھر اور اس میں موجود سہولتوں کی چاٹ لگ گئی ہے، جو مجھے عارضتاً ملی ہیں اور میں چند دنوں میں......''
''ثانی! تیرے ابا مجھ کمزور اکیلی پر سارا بوجھ ڈال گئے چلے گئے ہمیں یوں چھوڑ کر۔''
خدیجہ کے کرلاتے بین نے اس لمحہ موجود میں لا پٹخا تو وہ گہرا سانس لے کر ماں کو ساتھ لگاتے ہوئے ہولے سے تھپکنے لگی کہ ان کے لایعنی سوالوں کا اس کے پاس صرف یہی جواب تھا۔

''کمزور ناتواں تو ابا تھے جو اتنے برسوں سے تنہا اپنے ہونے کی جنگ لڑ رہے تھے، ورنہ زندگی کی جنگ ہم چ... کے لیے تو امی آپ ہی لڑتی رہیں اور آپ کے ساتھ اپنے ہوتے بھی میں آپ جتنی کیا ذرا سی بھی بہادر نہیں ہو سکی ... زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیا بات کروں گی امی! مجھے تو لوگوں سے بات بھی نہیں کرنا آتی، ان چند دنوں نے میرا سارا اعتماد میرے علم کا غرور میرا ہمیشہ فرسٹ کلاس پوزیشن ہولڈر کا فخر سب ملیامیٹ کر دیا، مجھے ایک کمزور سی بونا ڈرپوک بزدل لڑکی بنا ڈالا ہے۔ امی! میں کس طرح survive کروں گی کیسے......؟ کیسے لوگوں کے دوغلے چہروں، دوغلے رویوں اور بدنما سلوک کا مقابلہ کر سکوں گی......

امی مجھے آپ نے یہ سب نہیں سکھایا، ہمیشہ سیدھے سادے بے جوڑ رستوں پر چلنے کی تلقین کی گھٹی میں ڈال دی کہ چور دروازے ادھر ادھر سے اپنائے گئے شارٹ کٹ بھی صراط مستقیم پر چلنے والی ناقابل شکست کامیابی نہیں دلا سکتے اور اٹھا کر خود ہی یہ شارٹ کٹ میرے راستے میں سجا دیا، میں کیا کروں امی! آپ نے میرے ساتھ بہت غلط کیا، آنسو تو اسے اپنے دکھوں اور آنے والے دنوں پر آ رہے تھے اور غم وہ ابا کی موت کا منا رہی تھی، یہ کیسے دکھ تھے ان چاہے۔

✠ ✠ ✠

''صرف دس منٹ......دس منٹ، اگر میں تمہیں ہاسپٹل لے کر نہ آتا تو اس وقت موت تمہیں اپنے پنجوں میں دبا کر نگل چکی ہوتی......اور یہاں سے تم اندازہ کر لو......جب قدرت نے کسی کام کا ''نہ'' کرنا لکھ رکھا ہو، اسے ہماری ہزار کوشش بھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتی......صرف تمہارے ڈھائی ہزار تھے میرے پاس اور یہ کوئی لمبی چوڑی رقم نہیں تھی، جس کی واپسی کے لیے میں تمہاری تلاش میں مارا مارا پھرتا۔''

پورے ایک دن بے حسی کی اداکاری کرتے وہ تھک گیا تو اسے یوسف کا سامنا کرنا ہی پڑا، جو اسے مکمل ہوش میں دیکھتے ہی شروع ہو گیا اور وہ سپاٹ چہرے لیے سنتا رہا۔

''کچھ تھا جو مجھے اندر ہی اندر اکسا رہا تھا کہ میں تمہیں تلاشوں وہ ڈھائی ہزار روپے اچانک میرے ضمیر کے لیے دس من کا بوجھ بن گئے، جنہیں میں ہر صورت اتار پھینکنا چاہتا تھا اور وہ بھی صرف تمہیں تلاش کر کے......ورنہ تم تو وہ ساری شیشی حلق میں انڈیل چکے تھے اور فقط دس منٹ کے فاصلے پر تمہاری خود ساختہ منزل کھڑی تھی۔

میں دس منٹ بعد بھی آ سکتا تھا، یا میں آتا ہی نا......سوچو ذرا میں دس منٹ پہلے کیوں آیا......سوچا تم نے؟'' وہ خاموش لیٹا کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتا رہا۔

''تم نے شاید نہ سوچا ہو روحیل! لیکن میں نے بہت سوچا۔'' ذرا توقف کے بعد وہ خود ہی بول پڑا، روحیل نے ذرا سی نظر ترچھی کر کے اسے دیکھا اس کے لب جیسے سل چکے تھے۔

''کچھ کہو گے نہیں۔'' وہ پھر سے پرامید ہو کر بولا۔ ''میرے اندر کی ساری آوازیں سارے سوال مر گئے ہیں میں بس زندہ بچ گیا ہوں پھر سے ان مردہ آوازوں میں جان ڈالنے کے لیے، وہی ذلت بھری زندگی، وہی اذیت ناک سوال۔'' اس کے اندر کوئی کراہا اور سب چپ رہے۔

''میری ڈاکٹرز سے بات ہوئی ہے وہ دو تین دن تمہیں اور یہاں رکھیں گے۔'' وہ اسے ہر صورت بولنے پر مجبور کرنا چاہتا تھا۔

''تمہارے لیے ایک اور بھی خبر ہے۔'' ذرا دیر بعد وہ پھر بول پڑا۔

روحیل سپاٹ نظروں سے دیوار پر کھڑے اسی غیر مرئی نقطے کو حفظ کرتا رہا۔

''تم پورے چھتیس گھنٹے یوں سمجھو اسی فیصد موت کے دروازے کے اندر جا چکے تھے، میں بہت خوف زدہ تھا، میں تمہارے گھر چلا گیا۔'' روحیل نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تمہارے ابو کو بتانے۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

یوسف کی جھکی نظروں نے ہی اس سوال کا جواب دے ڈالا تھا، ابا نے اسے کیا کہہ کر گھر سے چلے جانے کو کہہ دیا ہوگا۔

''اسی لیے... اسی لیے تو میں یہاں سے چلے جانا چاہتا تھا، یہاں کسی کو بھی میری ضرورت ہے نہ پروا... میں زندہ رہوں یا اسی فیصد موت کے دروازے میں داخل ہو جاؤں یا سو فیصد... کسی کو پروا نہیں۔'' اس کی آنکھ کا گوشہ نم ہوا، اس نے پلکیں ساکت کر کے آنسوؤں کو وہیں منجمد کر دیا۔

''تمہارے پھوپھا ہی ہوئے نا ثانیہ کے ابا...'' یوسف کچھ کہہ رہا تھا وہ چونکا۔

''میں گھر گیا تو پتا چلا تمہارے پھوپھا فوت ہو گئے ہیں، اور سب گھر والے ادھر گئے ہوئے ہیں مجھے تمہاری بھی فرتھی معلوم نہیں، تمہارے ساتھ کیا ہو چکا ہو، ورنہ میں تمہارے ابا کو بتا کر ضرور آتا پھر مجھے ان کا گھر بھی معلوم نہیں تھا۔'' وہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''تمہیں اب وہاں جانے کی دوبارہ ضرورت نہیں، نہ میرے ابا کے پاس جانے کی۔ ہاسپٹل کا جو بھی بل بنے گا میں تمہیں بعد میں لوٹا دوں گا۔'' یوسف کا جی چاہا اسے دوبارہ سے کہیں بھی مرنے کے لیے چھوڑ آئے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔

''تم واقعی بے حس ہو چکے ہو یا پہلے ہی تھے، اور مجھے پتہ اب چلا ہے۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے تاسف سے بولا۔

''تمہیں پتا اب چلا ہے۔'' وہ اسی لہجے میں بولا ''بہر حال تمہارا بل تو میں اس رقم سے ادا کروں گا، جو میرے پاس ہے، اس کے لیے تم خود کو ہلکان مت کرو اور تمہارے ابا کو بتانا بھی میرا فرض ہے تم مجھے اس سے بھی نہیں روک سکتے، اس کے بعد تم جو جی چاہے کرنا، مجھے بھی پروا نہیں ہوگی جب تمہیں کسی کی پروا نہیں، یوسف نروٹھے لہجے میں کہہ کر کھڑا ہو گیا۔'' اور تمہیں خدا نے تمہاری تمام کوششوں کے باوجود یوں یہاں واپس کیوں بھیج دیا، ایسا کون سا کام اٹکا ہوا ہے اس کا اس دنیا میں جو تمہارے جانے پر ہو نہیں پاتا اس کے بارے میں ضرور سوچنا۔'' کہہ کر جانے لگتا ہے۔

''یوسف'' روحیل دنیا کے آخری ہمدرد کو شاید کھونے کا حوصلہ نہیں پا رہا تھا۔

''کہتے ہیں نا جو انسان کی زندگی بچائے، وہ زندگی پھر اس انسان کی امانت ہو جاتی ہے۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''یہ بکواس ہے مگر اس کے باوجود مجھے قبول ہے اگر تم تسلیم کرتے ہو کہ میں نے تمہاری زندگی بچائی ہے اور اب تم سے میری امانت یہ تحفہ سمجھ کر استعمال کرو گے۔'' وہ جاتے جاتے پلٹ آیا تھا، اس کے پاس آ کر بولا۔

''ہاں! اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں میں اکیلا بھاگتے بھاگتے تھک گیا ہوں دوست! میرا کسی رشتے کسی جذبے پر کوئی اعتبار نہیں رہا، اسی لیے تو تم سے بھی بھاگ آیا تھا۔

میں خود کو تمہاری دوستی کے قابل نہیں سمجھتا تھا، یوں بھی جب مجھے خون کے رشتوں سے کچھ نہیں ملا میں نے انہیں کچھ نہیں دیا تو یہ دوستی تو خالی زبانی جمع خرچ ہوتی ہیں اس کے لیے میں تمہیں یا خود کو امتحان میں کیوں ڈالتا پھروں۔'' وہ بولتے بولتے تھک کر سانس لینے کو رکا۔

''یہ لاحاصل زندگی یا لاحاصل بھاگ دوڑ کس لیے... کس کے لیے کوئی بھی تو نہیں، آدمی اکیلا صرف اپنے لیے تو نہیں جیتا، یہاں پر ہر شخص دوسرے کسی نہ کسی وجود سے جڑا بندھا، اپنی معین زندگی کے دن ان رشتوں کو نبھاتے ہوئے پورا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور میرے پاس ایسی کوئی مجبوری نہیں تھی دوست! تو پھر میں اور کیا کرتا فقط پیٹ کا دوزخ بھرنے

کے لیے یہ بھاگ دوڑ فقط جینے کی ہوس لیے جیتے رہنا بہت مشکل ہے۔'' وہ رو یا نہیں تھا مگر اس کے لہجے میں اس کی آواز میں بہت سے کانچ ٹوٹ ٹوٹ گئے تھے۔

''اس مشکل کو صرف ایک سوچ آسان بنا سکتی ہے دوست!'' یوسف پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

''مجھے بار بار دوست کہہ کر اس بندھن سے نہ باندھو، میں نبھا نہیں پاؤں گا۔'' وہ اسے ٹوک کر بولا۔

''یہ دوستی کا رشتہ میری طرف سے ہے۔ اس پر عمل کرنے کے لیے تم پر پابندی نہیں اور تم جس بے مقصدیت کی وجہ سے خود کو ختم کر دینا چاہتے ہو، اس کا صرف ایک حل ہے۔''

وہ رک گیا، روحیل نے بے چینی سے اس کی طرف دیکھا۔ شاید جینے کی ہوس موت کو بھگا دینے پر یونہی رستے تلاش کیا کرتی ہے، تب ہی تو میں بے چین ہو رہا ہوں، یوسف کے منہ سے وہ حل سننے کے لیے، اس نے سوچا۔

''تمہیں خدا نے کیوں بچایا...... مجھے دس منٹ پہلے کیوں بھیجا...... میرے اندر امانت کی واپسی کی تڑپ کیوں جگائی...... وہ کون سا کام ہے جو قدرت تم سے لینا چاہتی ہے تمہیں بچا کر...... سوچو صرف ان سوالوں کو سوچو تمہاری ہر مشکل حل ہوتی چلی جائے گی، میں تمہارے کھانے کے لیے کچھ لے کر آتا ہوں۔'' اس نے مسکرا کر اس کا کندھا تھپکا اور باہر چلا گیا۔

روحیل نے یوسف کے سوالوں کو سوچنا شروع کیا تو اسے لگا ان سوالوں کی طاقت نے اسے جکڑ لیا ہے، کسی آکٹوپس کی طرح، وہ جب تک ان کے جواب تلاش نہیں کر لیتا، اس ہزار پا جال سے نکل نہیں سکے گا حتیٰ کہ مر بھی نہیں سکے گا، جب تک قدرت اس سے وہ کام کروا نہیں لیتی جس کے لیے اسے بچایا گیا ہے، اسے مرنے بھی نہیں دیا جائے گا۔

''وہ اگر ایک اور کوشش کرے مرنے کی...... '' اس کے دل نے خواہش کی یعنی کفران نعمت کی ایک اور کوشش...... ''میں اس حقیقت سے کیوں بھاگنا چاہتا ہوں کہ اس سوال کے جواب میں میری زندگی موت کا فیصلہ پنہاں ہے کہ مجھے کیوں بچا لیا گیا...... کیوں؟

میرا زندہ رہنا کیوں ضروری ہے؟ یقیناً صرف پیٹ کا دوزخ یا زندگی کی ہوس کے لیے جیتے رہنا نہیں کچھ اور خاص مقصد کوئی بڑا کام...... جو شاید ابھی مجھے کچھ بھی سوچنے پر سمجھ میں نہیں آئے گا اسے صرف وقت سمجھائے گا اور مجھے اس وقت کا انتظار ہے۔'' اس نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔

✠ ✠ ✠

وہ اپنا موبائل گھر بھول آئی تھی کتنی بڑی بھول ہوئی تھی اس کی، بلال سے جانے کے بعد ایک بار بھی بات نہیں ہو سکی تھی۔

''عمیر کو گھر بھیج کر منگوا لو۔'' امی نے اسے مشورہ دیا تھا۔

مگر وہ عمیر کو کیسے بھیج دیتی، دھڑکا سا دھڑکا لگا تھا۔ اگر وہ اسے بے عزت کر دیتیں، کوئی ایسا ویسا بول دیتیں...... یا کچھ بھی...... تو وہ کیا کر پاتی...... اس کے پاس بلال سے رابطے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا، اس کا نمبر بھی ثانیہ کے ہی موبائل میں فیڈ تھا۔

عجب بے کلی سی بے کلی تھی کہ دل جیسے ہاتھ ملے جا رہا تھا، یہ اس سے کیا بھول ہوئی۔ آج یوں سات دن ہو گئے تھے اور کسی نے پلٹ کر خبر نہیں لی تھی۔

وہ بیٹھے بیٹھے جیسے آنکھیں ملنے لگتی، کہیں یہ کسی خواب کا دھوکا تو نہیں تھا۔ وہ خواب میں دلہن بنی ہو، خواب میں وہ

شیشے سا نازک خوب صورت گھر...... وہ اتنا پیار کرنے والا شوہر...... اور نہیں نہیں، وہ بار بار خود ہی نفی کرتی مگر پھر بے بس
تھ پوچھنے لگتی اگر ایسا ہوا ہے تو بلال کہاں ہے جو تمہیں دیکھے بغیر تمہاری آواز سنے بغیر ایک پل نہیں رہتا تھا۔
سے تو تمہارا خیال ہونا چاہیے تھا، وہ فضیلہ منشر پر زور دے کر موبائل فون کسی ڈرائیور کے ہاتھ ہی بھجوا دیتیں......
و اتنے دن مجھ سے بات کیے بغیر کیسے رہ گیا، اور کیا میڈم مجھے کبھی قبول نہیں کریں گی، یا انہوں نے مجھے واقعی گھر سے نکال
دیا، دسویں دن کا ڈوبتا سورج اس کی صبح سے دم بہ دم سانس لیتی ہر آس کو بھی اپنے ساتھ لے گیا اور رات کی تنہائی میں وہ بلک
بلک کر رو رہی تھی، وہ تو بالکل خالی ہاتھ وہاں سے نکل آئی تھی۔
کوئی کپڑا کوئی جذبہ، جیولری کچھ بھی تو نہیں لیا تھا، بلال اسے جاتے ہوئے رقم بھی دے گیا تھا، وہ بھی جوں کی
توں الماری میں رکھی رہ گئی۔
اور گھر میں آئے گئے کی خاطر تواضع کے لیے جب بھی امی کو کچھ منگوانا پڑا، ان کی عجیب جتاتی ہوئی نگاہیں اسے
نظریں چرانے پہ مجبور کر دیتیں۔
جیسے کہہ رہی ہوں جو امیر گھرانے میں تجھے بیاہنے کا مجھے کیا فائدہ ہوا بھلا۔
''کوئی ایسا بدحواس دیوانہ بھی ہوتا ہے، سب کچھ بھول بھال کر چلی آئی، باپ کی روح تو نکل گئی تھی تیرے یوں
جھٹ بھاگ آنے سے کیا لوٹ آتی، جانے کیا پڑھتی رہی گھولتی رہی دماغ میں، ذرا جو عقل آئی ہو، ہوشیاری سیکھی ہوا ماں
بہن کے تیور دیکھ تو رہی تھی، اتنے دنوں سے تو اپنے پیر تو ادھر مضبوط کرتی۔'' امی نے اب اٹھتے اٹھتے کھل کر سنانا شروع کر دیا
تھا، شاید انہیں بھی لگنے لگا تھا کہ وہ جو اسے بیاہ کر خود کو فارغ سمجھنے بیٹھی ہے وہ پھر سے آگئی ہے مہمان بن کر یا ہمیشہ کے
لیے۔
بس یہی سوچ انہیں تپائے دے رہی تھی۔
''سوگئی ہو؟'' وہ آنکھیں بند کیے ایک تواتر سے ان کی باتوں کو دماغ میں دوہرا رہی تھی کہ خدیجہ سب کاموں سے
فارغ ہو کر اس کے پاس آ بیٹھی وہ خاموشی سے دیکھتی رہ گئی۔
''ثانیہ! تجھے کچھ سوچنا تو چاہیے تھا نا!'' اب کے لہجے میں ذرا نرمی تھی۔
وہ جواب میں بس ٹکر ٹکر ماں کو دیکھتی رہی، وہ کیا سوچتی بھلا؟
ایک تو وہ اتنی دور چلا گیا سامنے ہوتو کوئی بات بھی ہے لاکھوں میل کا فاصلہ اور اتنے دنوں سے نہ کوئی رابطہ نہ
فون ...... رابطہ کرنے کے سو طریقے ہوتے ہیں، تیری میڈم کا دماغ اگر پھرا ہوا ہے تو بیٹا تو دیوانہ تھا تیرا اتنے دنوں سے اسے
تیرا خیال نہیں آیا...... مجھے تو دال میں کچھ کالا لگتا ہے۔''
ان کا خدشہ اور بھی اس کا دل دھڑکا گیا۔
''کیسا دال میں کالا؟'' وہ متوحش نظروں سے دیکھ کر بولی۔
''نکاح نامے کی کاپی اور اصل تو ایک میرے پاس بھی ہے۔ سنبھال رکھی ہے میں نے۔'' وہ جیسے خود سے کہہ رہی
تھیں۔
''کیا مطلب امی؟'' وہ گھبرا کر بولی۔
''اے ہے کچھ نہیں، میرا وہم بھی ہو سکتا ہے۔ تیری ساس کچھ ایسا ویسا کر تو نہیں سکتی، ان کے غبارے کی ساری
ہوا تو اس ''عزت'' نام میں ہوتی ہے، اسے چھیڑنے کی حماقت نہیں کرے گی وہ۔'' وہ جیسے یہ تمام باتیں خود سے کر رہی تھیں،
ثانیہ انہیں سے دیکھتی رہ گئی۔

''کچھ بتائیں تو سہی۔'' وہ جھنجلا کر بولی۔

''آج کل لوگ کس طرح سب کچھ کر کرا کر مکر جاتے ہیں، اتنا تو سمجھتی ہے نا!''

''ہیں......'' وہ سینے پر ہاتھ رکھے دھک سے بیٹھی رہ گئی۔

''امی!''

''بس دودھ پیتی بچی کی طرح امی امی کرتی رہنا۔'' وہ چڑ کر بولیں۔

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔'' وہ دوٹوک لہجے میں بولیں۔ ''یہ ٹھیک ہے انہوں نے یہ سب کچھ بیٹے کی خوشی میں کیا مگر ہو تو نا اب تم اس گھر کی فرد، حق ہے اب تمہارا وہاں کی ہر چیز پر۔'' وہ رک رک کر بول رہی تھیں۔

''کہیں آپ کوئی مقدمہ......کیس وغیرہ کرنے کا تو نہیں سوچ رہیں۔'' وہ خوف زدہ لہجے میں ماں کو دیکھ کر بولی۔

''پاگل ہوئی ہے میں کیوں کروں گی بھلا ایسے۔'' وہ خفگی سے بولیں۔

''پھر...... کیا کہہ رہی ہیں۔''

''صبح تم عمیر کے ساتھ گھر چلی جاؤ۔'' وہ قطعیت سے بولیں۔

''امی......مگر میں......''

''کچھ اگر مگر نہیں......اور کتنا انتظار کرو گی بلال ہوتا تو اور بات تھی وہ تمہیں خود لینے آتا اور اگر وہ نہیں آسکتیں تو تم کیوں یہاں ڈیرے ڈالے بیٹھی رہو، تمہارے شوہر کا گھر ہے خود سے چلی جاؤ گی تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولیں۔

''امی......'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

''امی سچ کہوں میں خود میں حوصلہ نہیں پا رہی ان کی نظروں میں میرے لیے اتنی حقارت ہوتی ہے اور زونیرا......امی......! مجھے یہیں رکھ لیں......میرے ایگزام ہو جائیں گے تو......'' وہ ملتجی لہجے میں بولی۔

''پاگل ہوئی ہے یہاں کیوں رکھ لوں، تیرا میاں تجھے وہاں رہنے کا کہہ کر گیا ہے یا نہیں، پھر اگر تو اس طرح ان سے ڈرتی رہی تو وہ تجھے فارغ کر کے ہی دم لیں گی اور تو نے کیا جرم کیا ہے جو تو ڈرتی ہے شادی کی ہے چار لوگوں کی گواہی میں بیاہ کر لے کر گئے ہیں وہ لوگ تجھے......شاباش! میرا بچہ گھبراتے نہیں یہ تو ابھی ابتدا ہے، چند مہینے ذرا دل کو مضبوط کر کے گزار لے، پھر بلال پر زور دینا وہ خود ہی تجھے اپنے پاس بلا لے گا۔'' وہ اسے بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''مگر امی......! میں ابھی نہیں جاؤں گی۔'' وہ خود کو تیار نہیں کر پا رہی تھی۔

''دن نکلتے گئے تو تیرا جانا اور بھی مشکل ہوتا جائے گا، پھر بلال سے تیری اتنے دنوں سے بات نہیں ہوئی، جانے وہ ماں بیٹی کیا چکر چلا رہی ہوں۔'' وہ خدیجہ کی شکل دیکھنے لگی۔

''بس کی حد تک چلو ٹھیک ہے تم اس سے ڈرو، اس کے بولنے کا برا نہ مانو مگر اس کی چھپکلی سی بیٹی تمہیں کوئی ضرورت نہیں اس کو خاطر میں لانے کی، بس تمہیں میں نے جو کہا ہے وہ کرو، صبح عمیر کام پر جاتے ہوئے تمہیں چھوڑ آئے گا حوصلہ کرو۔''

''میں نے کہا نا! دو ایک دن ٹھہر جائیں چلی جاؤں گی میں یا بوجھ بن گئی ہوں آپ پر۔'' اتنے دنوں میں اسے آخری حربہ یہی نظر آیا، اب ظاہر ہے ماں اتنی بے مروتی تو دکھا نہیں سکتی تھی اسے امید تھی۔

''یہی سمجھ لو......بن بیاہی بیٹی کی بات اور ہوتی ہے۔ بیاہی چار دن سے آ کر بیٹھی رہے تو گھر والے تو ہراساں ہوتے ہی ہیں ارد گرد والے بھی الٹے سیدھے سوال کر کے دماغ خراب کرتے ہیں۔ پہلے ہی ایسے مشکوک انداز میں کم بختوں

نے شادی کی کہ بس کچھ نہ پوچھو، اب بندہ کس کس کا منہ بند کرے اور کس کو جواب دے، بس اب تم ایک دن بھی نہیں رکو...... جانا ایک آدھ ہفتے بعد میں کوئی منع تھوڑی کر رہی ہوں۔'' وہ اس کی شکل دیکھ کر بولیں۔

''ایک بار تسلی سے بلال سے بات کرلو، اسے تھوڑا رو دھو کر اس کی ماں بہن کے کرتوت سنانا کہ تمہارا باپ کوئی مرا تھا جس کی تعزیت کو وہ یوں ناک چڑھا چڑھا کر آئیں، جیسے خود تو مرنا نہیں، یہی موقعے ہوتے ہیں بے وقوف شوہر کو مٹھی میں کرنے کے اور کوشش کرنا زیادہ سے زیادہ فون پر اس سے رابطہ رکھو۔ ان دونوں کا سلوک اول تو امید نہیں اچھا ہو جائے گا تیرے ساتھ۔ ہو بھی جائے تو بھی بلال کو یہی یقین دلاتی رہنا کہ انہوں نے تمہارا جینا دوبھر کر رکھا ہے رو رو کر دن رات گزارا کر رہی ہوں، سن رہی ہو نا یا یہ بھی سمجھ نہیں آ رہی'' اور وہ تو حیرانی سے ماں کے پڑھائے اس نئے سبق کو غائب دماغی سے سنتے ہوئے ان کے اس انوکھے روپ کو دیکھ رہی تھی۔

اسے پہلے تو کبھی نہیں لگتا تھا خدیجہ کی شخصیت میں اتنے بل ہیں یا یہ حالات نے پیدا کر دیے تھے کہ جہاں ذرا فائدہ دیکھا، وہاں روپ بدل لیا۔ مظلوم بن گئے ظالم بن گئے، جیسے روحیل کے ساتھ۔

روحیل...... روحیل کہاں گیا، اس کی ذہنی رو اس طرف لپکی جدھر وہ اتنے دنوں میں ایک بار بھی نہیں سوچ سکی تھی۔

''امی روحیل...... نہیں آیا ابا کے......'' کوشش کے باوجود اس کے منہ سے ابا کے مرنے، یہ نہیں نکل سکا تھا۔

خدیجہ سونے کے لیے لیٹ چکی تھیں، بے محل سا سوال سن کر غصہ تو آیا مگر پی گئیں۔

''نہیں اسے کیا ضرورت ہے پھر رہا ہوگا کہیں آوارہ گردیوں میں، اس عمر میں باپ خون کے آنسو رو رہا تھا کہ ہفتوں سے شکل نہیں دکھائی اس نے جانے کس دھندے میں پڑ گیا ہے اور کون سمجھائے ایسی اولاد کو۔ شکر ہے عمیر اس کی صحبت میں نہیں بیٹھا، ورنہ تم دونوں بہن بھائی کا تو کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا اس کے بغیر اور اس کے لچھن دیکھو...... جو ایک بار گھر سے نکل جائیں پھر کہاں پلٹتے ہیں، اتر گیا ہوگا کسی دلدل میں اب واپسی کہاں اور تو بھی فضول اس کے بارے میں سوچنا چھوڑ، اور جو میں نے سمجھایا ہے اس کے مطابق اپنا ذہن تیار کر ثانیہ ایک بات تو بتا بیٹا!'' کسی نئے خیال سے ان کی آنکھیں چمکی تھیں۔

''تجھے جو زیور بلال نے اور تیری ساس نے چڑھایا تھا وہ کس کے پاس ہے بھلا۔''

فوری طور پر ثانیہ کو جواب نہیں سوجھ سکا کہ اسے یاد ہی نہیں تھا وہ زیور کس کے پاس ہے ہنی مون پر جاتے ہوئے فضیلہ نے تقریباً سارا بھاری زیور تو اس سے لے لیا تھا کہ سفر میں یہ سب لے کر نہ جاؤ۔ واپس آتے ہی تو بلال کی روانگی کی تیاری شروع ہو گئی تو اسے اس زیور کا خیال بھی نہیں آیا، یوں بھی اسے کب شوق تھا زیور پہننے یا سنبھالنے کا نہ اس نے کوئی تحقیق کی کہ زیور اس کے لاکر میں پڑا ہے یا نہیں۔

''بولتی نہیں زیور تو تیری الماری میں ہی ہوگا نا کمرے کی۔'' وہ اس کے یوں چپ ہونے پر خفگی سے بولیں۔

''پتہ نہیں امی! مجھے یاد نہیں، لیکن میں نے دیکھا بھی نہیں یا میرا دھیان ادھر نہیں گیا'' اس نے قدرے بے بسی سے اعترافاً کہا۔

''وہی بدھو کی بدھو، احمق کہاں تو نے اتنا پڑھا ثانی! جو تجھے کسی بھی بات کی خبر نہیں کس طرح چیزوں سے آدمی کا وزن بڑھاتے ہیں، خاص طور پر زیور کس طرح سے عورت کو مضبوط بناتا ہے کہ جلدی سے کوئی اسے اکھاڑ نہیں پھینکتا اور ایک تو...... اب کیا بچوں کی طرح سب میں تجھے رٹا کر بھیجتی تو نے سب پڑھا لکھا ڈبو دیا۔'' وہ تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

''امی سو جائیں۔ پڑھا لکھا ڈبو دیا کتابوں میں بھلا یہ گر لکھے ہوتے ہیں خوامخواہ کی چالاکیاں مجھے نہیں آتیں سو جائیں پلیز۔'' وہ بےزار ہو کر کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

✠ ✠ ✠

اس کمرے میں تمہارے علاوہ تین لڑکے اور ہیں۔ دو کی کہیں نائٹ جاب ہوتی ہے، ایک یہ جو منہ کھولے سو رہا ہے یہ دن میں چودہ گھنٹے کا کہیں فیلڈ ورک کر کے آتا ہے، سارے زمانے کی گرد دھواں ٹریفک کی پی پاں اور ہارنز کا شور وغل سب اپنے بھیجے میں انڈیل کر، اب بھینسے کی طرح سو رہا ہے اور پتا ہے اس کا بھی کوئی قریبی خون کا رشتہ دار باقی نہیں، نہ ماں نہ باپ نہ بہن بھائی، پھر اسے اپنی زندگی سیٹل کرنے، ایک کامیاب اچھی زندگی گزارنے کا جنون ہے۔ یہ اس مقصد کی خاطر کسی بیل کی طرح زندگی کے کولہو میں جتا ہے کہ اسے اپنا دنیا میں آنے کا مقصد پورا کرنا ہے یار! یہی زندگی ہے یہی مقصد حیات۔'' یوسف شاید آج کل اس کی خاطر کہیں سے اقوال زریں اور کامیاب زندگی گزارنے کے گر پڑھ کر آتا تھا اور اس کے سامنے اگلنا شروع کر دیتا تھا۔

''تم فکر نہیں کرو۔ میں اب دوبارہ سے خود کو ختم کرنے والی حرکت نہیں کروں گا، اگر کی بھی تو تمہارے علاقے سے دور کہ تمہیں زحمت نہ ہو۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تو یوسف پہلے اسے غصے سے گھورتا رہا، پھر منہ پھلا کر اٹھا اور جانے لگا۔

''یار! ایک تو تم خوامخواہ میری پارٹ ٹائم محبوبہ کا رول ادا کرنے لگے ہو بات بات پر منہ پھلا لیتے ہو اب مذاق بھی نہ کروں میں اگر بچ ہی گیا ہوں تو۔'' اسے پھر یوسف کو روکنا پڑا تھا۔

''تو یہ سب مذاق تھا۔'' وہ جانے کے ارادے سے کھڑا کب ہوا تھا فوراً بیٹھ گیا۔

''نہیں اب کچھ بھی مذاق نہیں نہ یہ زندگی نہ زندگی سے جڑی حقیقتیں یوسف! اب اگر میں مرنا بھی چاہوں گا تو بھی مجھے وہ تجسس مرنے نہیں دے گا کہ مجھے موت کے منہ سے کیوں نکالا گیا، مجھے کس کام کو پورا کرنے کے لیے بچایا گیا تھا، اور یہ تجسس جانے بغیر میں طبعی موت مرنا بھی پسند نہیں کروں گا۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

یوسف متاثر ہو جانے والے انداز میں اسے دیکھتا رہا۔

''شاباش میرے بہادر دوست! اب جینا بھی ہے تو اس ڈھیٹ زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر...... یوں بہادروں کی طرح۔'' وہ خوب آنکھیں نکال کر بولا تو دونوں ہنس پڑے۔

''آگے کیا سوچا ہے تم نے۔'' تھوڑے توقف سے یوسف پھر بولا۔

''صبح ظاہر ہے تمہاری ساتھ چلوں گا آفس، وہاں سے سامان لے کر مارکیٹ اور شام کو فارغ ہو کر......'' وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''اور شام کو، ظاہر ہے تم پانچ بجے تک فارغ ہو جاؤ گے۔''

''یہی میں سوچ رہا ہوں یار! میں کسی اکیڈمی میں ایڈمیشن لے لوں۔''

''اکیڈمی میں...... تم؟'' وہ حیرانی سے بولا۔

''ہاں میں۔'' وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

''یار! تم تو پڑھائی کے معاملے میں ویسے کورے تھے، اسکول میں دو ہی تو بھگوڑے تھے اک تم اور ایک میں...... مجھے تو ابا پکڑ پکڑ کر لاتے اور اسکول کے اصطبل سے باندھ جاتے، رو دھو کر انٹر کر ہی لیا مگر تم تو میٹرک بھی نہیں کر سکے اور اب، یوسف کے لیے یہ واقعی حیرت کی بات تھی۔

''کیا ہوا اگر میں اسے پا نہیں سکا، اس کی خواہش کو تو اپنی زندگی کا مقصد بنا سکتا ہوں...... میں جانتا ہوں میرے
مزر پڑھائی کے جراثیم کم ہیں مگر پھر بھی کوشش کروں گا، اس کے لیے کچھ تو...... کچھ تو......'' وہ خود سے کہتا چلا گیا۔

''کدھر گم ہو جاتے ہو۔'' یوسف اس کا کندھا ہلا کر بولا۔

''یار پہلے تعلیم سے بھاگنے کے لیے بھگوڑا بنتا تھا اب سمجھو اس زندگی کے خالی پن کو پُر کرنے کے لیے مصروف بننے کے لیے مجھے پڑھنا ہے سنا ہے کتاب سے اچھا کوئی دوست نہیں اور علم سے بہتر کوئی خزانہ نہیں، چلو اس کہے سنے کو بھی آزما کر دیکھتے ہیں۔''

''میری ساری نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں دوست! تم یقیناً ایک کامیاب زندگی جیو گے اور ہر وہ چیز پا لو گے جس کی تمنا تمہارا دل کرے گا۔ یہ نہ کہو، اب اس کا وقت گزر چکا، اب تو بس اس بھید کو پانا اور کچھ بھی نہیں۔'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اچھا چلو پھر تم آرام کرو میں اب چلتا ہوں اور دیکھو میں نے ادھر تمہارا ایڈوانس وغیرہ تو پہلے سے جمع کروا دیا تھا کل شام میں پھر کسی اچھی کوچنگ کلاس کا پتا کر لیں گے ویسے میرا مشورہ ہے ابھی تم کچھ دن صرف ایک کام کرو یا مارکیٹنگ بذاتِ خود ایک تھکا دینے والا کام ہے پھر تم اتنی سیریس کنڈیشن سے اٹھے ہو، فوری طور پر خود پر اتنا بوجھ نہیں ڈالو، تھوڑا عادی ہو جاؤ تو دیکھ لینا۔''

یوسف اسے سمجھانے والے انداز میں بولا۔

''نہیں یار! اب مجھے خود کو اور ٹائم نہیں دینا، پھر مجھے الٹی سیدھی سوچیں پریشان کرنے کو چلی آتی ہیں، تو میرا سنبھلنا مشکل ہو جاتا ہے، رات تک مصروف رہوں گا تو ایسی سوچیں بھی کم آئیں گی، یہ ضروری ہے۔''

''چلو جیسی تمہاری مرضی، ویسے ان کوچنگ کلاسز کی فیس کون سی کم ہوتی ہے، پہلے کچھ رقم جمع کر لو۔'' وہ مشورہ دیتے دیتے پھر رک گیا، کہیں وہ الٹا مطلب ہی نہ نکال لے کہ وہ اس سے ادھار مانگنا چاہتا ہے۔

''چلو کل دیکھیں گے۔'' وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولا تو یوسف اس سے اجازت لے کر باہر نکل گیا۔

بوسیدہ کارپٹ پر چار میلے کچیلے ڈھیلے ڈھالے تکیے فاصلے پر پڑے تھے، گویا ان چاروں کی حد بندی کا اعلان کرتے ہوئے، شاید سالوں پہلے اس کمرے میں سفیدی چونا ہوا ہوگا، دیواروں کا سیمنٹ تک اکھڑ چکا تھا کہیں کہیں سے سرخ بھوری اینٹوں کے کونے جھانک رہے تھے، دونوں کھڑکیوں کے شیشے غائب تھے۔

مگر یہ سب تو اس کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں، اس کا دماغ تو بالکل کہیں اور ہی جہان میں پہنچا ہوا تھا۔

''پھپھو اور ثانیہ نے میرے نہ آنے کو محسوس تو کیا ہوگا، ثانیہ کیا سوچے گی، یوں تو میں ایسی محبت کے دعوے کرتا تھا اور اب اس کے ابا کے چلے جانے پر دو حرف تعزیت کے نہ بولنے آسکا۔'' وہ کمرے کے کونے میں موٹے سے مکڑے کے گھر کو تکتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

''یہ گھر اس مکڑے نے کتنے مہینوں کی محنت سے بنایا ہوگا۔'' اس کی ذہنی رو ثانیہ سے مکڑے کے گھر کی طرف منتقل ہو چکی تھی۔

''گھر...... میرا بھی تو کوئی گھر ہونا چاہیے۔'' مکڑے کے گھر سے اسے اپنا گھر یاد آگیا۔

''نہیں وہ میرا گھر نہیں، وہ تو ابا کا اور اس عورت کا گھر ہے، میرا اپنا گھر جس میں...... میں...... اور......'' اس کی سوئی اٹک گئی۔

''اور تو کوئی بھی نہیں، اگر ثانی چند سال انتظار کر لیتی، صرف چند سال میں اس کے لیے بہت خوب صورت گھر

بناتا، جس میں ہم دونوں رہتے اور میں اسے اتنی محبت، اتنا پیار دیتا کہ اسے یقین نہ آتا کہ کوئی اسے اتنا بھی چاہ سکتا ہے۔ اس کی چاہت تو روحیل! تم سے بھی زیادہ شدید اور دیوانی ہے، جو اپنی ماں معاشرے اور اسٹیٹس سب کی پروا کیے بغیر اسے اپنا کر لے گیا۔ بتاؤ زیادہ طاقت ور اور دیوانی چاہت کس کی ہوئی..... تم جو سالوں سے اس کی محبت کے دعوے دار تھے، اس کا حق دار بننے کے لیے خود کو ویسا نہ بنا سکے، جیسا وہ چاہتی تھی تو پھر اس خالی محبت کے دعوے کی کیا حیثیت.....'' کوئی ہنسا تھا۔

''میں اس دعوے کو سوچ ثابت کر کے دکھاؤں گا۔'' وہ ٹکڑے کے موٹی موٹی تاروں سے بنے گھر کو دیکھ کر ایک عزم سے بولا۔

''پر اب کیا فائدہ، اب کس پر ثابت کرو گے وہ تو تمہاری زندگی میں دوبارہ نہیں آئے گی کبھی نہیں۔''

اور اس کے دماغ پر پھر وہی جنون طاری ہونے لگا کہ وہ کہیں سے کچھ لے کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لے۔

''اب جینے کا کیا فائدہ، اوہ میرے خدا! مجھ پر رحم کر، میں واقعی نہیں مرنا چاہتا۔'' اس نے وہ میلا کچیلا تکیہ اٹھا کر اپنے چہرے پر رکھ لیا اور چپکے چپکے سسکنے لگا۔

✠ ✠ ✠

''میں اندر نہیں جاؤں گا، تمہیں گیٹ پر چھوڑ کر آ جاؤں گا۔'' عمیر کو تو اسے گھر چھوڑ کر آنے کا سن کر پتنگے لگ گئے۔

''اچھا اچھا سنو صرف اندر گیٹ تک چھوڑ آنا، پھر یہ اندر چلی جائے تو واپس آنا۔'' خدیجہ کو بھی جانے کیسا دھڑکا تھا کہ کہیں سے گیٹ سے ہی نہ ٹرخا دیا جائے، عمیر کو تاکید کرتے ہوئے بولیں۔

ثانیہ گم سم سی کھڑی تھی، دونوں کو غائب دماغی سے دیکھے جا رہی تھی۔

''جانا اب کیوں کھڑی ہو، اور دیکھو میں نے سمجھایا ہے تجھے..... رٹو طوطے کی طرح کہ کوئی ضرورت نہیں ڈرنے ورنے کی تو نے کوئی چوری نہیں کی گھر ہے وہ تیرا اور جاتے ہی بلال کو فون کرنا اور ذرا اکڑ سے رہنا دبنے کی ضرورت نہیں، اور ......'' وہ رک گئیں۔

''جاتے ہی سارے زیور وغیرہ دیکھنا اور اپنی حفاظت میں کہیں چابی لگا کر رکھنا اور چابی اپنے پاس..... آئندہ سے آنا ہو تو یوں باؤلوں کی طرح خالی ہاتھ نہ چل پڑنا سمجھیں۔'' وہ اسے وہی بار بار کی دہرائی باتیں کہے جا رہی تھیں، جسے سن کر اسے خود سے بھی گھن آ رہی تھی۔

اور زیور کی تاکید وہ یوں کر رہی تھیں جیسے آدھا زیور اس کے میکے کا ہو اور اسے اس درجہ ناپسند کرنے والی فضیلہ مبشر کیا اتنے دنوں سے خود پہنائے گئے زیور سے بے خبر رہی ہوگی، اتنی عقل تو اسے بھی ہوگی۔

اور ثانیہ کا جا کر ایسا کچھ تلاش کرنے کا ارادہ تھا بھی نہیں، وہ تو صرف بلال سے بات کرنے کے لیے حد درجہ مضطرب تھی۔

''اللہ حافظ امی!'' کہہ کر وہ کمرے سے نکل آئی۔

عمیر باہر نکل چکا تھا۔

ثانیہ دوڑتی ہوئی اندر آئی اور صحن میں رک گئی۔ ''عمیر کہاں ہے کیا وہ باہر چلا گیا۔'' وہ کہتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی، اسی وقت عمیر اندر داخل ہوا۔

''وہ تمہاری اس سڑیل ساس نے تمہارے لیے گاڑی بھیجی ہے، چلو میری جان تو چھٹی اس مصیبت سے۔'' عمیر کی بات سن کر کتنی دیر وہ بے یقین سی کھڑی رہی۔

''دیکھا میں نہ کہتی تھی، لاکھ ہوشیار اور بد دماغ بنے عزت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ضرور تجھے بلا بھیجے گی، بیٹے نے

... تنے دنوں سے جی ان کھا رکھی ہوگی۔ جانے کیسے ٹالتی رہی ہوگی۔ آج ماننا پڑی۔'' ثانیہ سے زیادہ خوشی سے برا حال تو ... یجہ کا تھا۔

''چلو نا باجی! ہارن کی آواز نہیں سن رہیں۔'' عانیہ اس کا دامن ہلا کر بولی۔ ''امی! باجی کے ساتھ جاؤں، شام کو آ ... گی۔''

اسے تو اس دن کی گاڑی کی سیر ابھی تک یاد تھی، صرف اسی خوشی میں وہ اتنے ادب سے ثانیہ کو باجی بول رہی تھی، ... تر ثانی ثانی کہہ کر بھاگ جایا کرتی تھی۔

''او ئے نمبر دار فضول بولنے کی ضرورت نہیں رہ گھر میں اور عمیر جا کر اس ڈرائیور سے بول آپی دس منٹ میں آتی ہے۔'' خدیجہ نے عمیر سے کہا۔

''پر امی میں تو تیار ہوں۔'' وہ حیرانی سے بولی۔

''تو کیا اس کی گاڑی کے انتظار میں دروازے سے لٹکی کھڑی تھی کہ ادھر گاڑی آئے اور ادھر چل پڑے، تیار ... نے میں ارادہ بنانے میں کچھ ٹائم تو لگتا ہے۔ اپنے اندر بڑے لوگوں والا مزاج اور نخرہ پیدا کر، بے وقوف ساری باتیں مجھے ... سمجھانی ہوں گی۔'' وہ تو یک ٹک بس خدیجہ کو دیکھے جا رہی تھی۔

ہر بات، ہر پہلو کو وہ کسی اور ہی انداز میں پیش کر رہی تھیں اور ثانیہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ''اچھا امی! ہوگئے ... منٹ میں اب چلتی ہوں۔'' وہ کچھ اکتا کر چل پڑی، خدیجہ کا لیکچر جاری تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے اور سن تھوڑی بہت گنجائش نکال کر کوئی سستا سا فون تو عمیر کے لیے اگلی دفعہ لے آنا تیری ... ی خیریت کا کیسے پتا چلے گا، سارا دھیان تیری طرف لگا رہے گا، ویسے تو میں خود بھی عمیر سے کہتی ہوں کہیں سے تھوڑے پیسے ... کر فون لے آئے، اچھا جو کہا ہے پلو سے باندھ کر رکھنا ہی نہیں عمل بھی کرنا ہے، سن لیا؟'' وہ اس کے دروازے سے نکل کر ... نے تک بولتی رہی۔

ثانیہ ان سنی کرتی ہوئی ہاتھ ہلاتی گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔ خوشبودار ..... آرام دہ فضا میں پہنچتے ہی اس کا دماغ ... دیجہ کی باتوں اور گھر کے ماحول سے کٹ کر کسی اور ہی کے بارے میں سوچنے لگا، بلال اور صرف بلال ..... اس وقت اسے ... ل کے سوا اور کسی بھی بات کے بارے میں سوچنا اچھا نہیں لگ رہا تھا، اور وہ پرسکون ہو کر اسے سوچنے لگی، جس سے ... نہیں ... لگتا تھا صدیاں بیت گئیں۔

✠ ✠ ✠

''تم کم از کم موبائل فون تو اپنی ساتھ لے جا سکتی تھیں، اتنی سینس تو ہونی چاہیے نا تم میں ..... پتا تھا نا تمہیں کہ ... میں تمہیں جاتے ہی فون کروں گا۔'' وہ ابھی گھر میں داخل ہوئی تھی، گھر میں کوئی بھی نہیں تھا، دونوں شاید کالج جا چکی تھیں۔

ملازمہ نے اسے گھر کے فون پر بلال کی کال کی اطلاع دی، اور وہ دیوانہ وار بھاگی آئی اور فون اٹھاتے ہی وہ اس ... پر برس پڑا۔ ثانیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''آپ کو اتنا تو پتا ہے نا! میں کس طرح گئی تھی یہاں سے، ابا کی اچانک .....'' وہ سسکی لے کر بولی تو وہ ایک دم سے چپ کر گیا۔

''میں کتنا پریشان رہا، دو دن تو ایسے ہی فون کرتا رہا، فون ہی بند پڑا تھا اور ماما نے مجھے جب بتایا کہ تم گھر میں نہیں ... اور یہ کچھ ہو گیا ہے تو میں پھر بھی یہی سمجھتا رہا کہ تم فون ساتھ لے گئی ہو، ابھی سچویشن ایسی ہے کہ فون نکال نہیں سکیں۔''

''بلال! میرے ذہن میں واقعی نہیں رہا تھا میں ایسی پریشانی میں گئی کہ ......''

''تمہیں عادت جو نہیں سیل فون کی، ورنہ لڑکیاں ہر وقت سیل فون مٹھی میں دبا کر رکھتی ہیں، استعمال جو نہیں کیا تم نے پہلے۔'' وہ اپنی رو میں کہہ گیا، ثانیہ ایک دم سے چپ کر گئی۔

پھر وہ ابا اور خدیجہ کے بارے میں پوچھنے لگا، وہ بجھے دل کے ساتھ جواب دیتی رہی۔

''ماما کہاں ہیں؟'' وہ اس کی خاموشی کو محسوس کر کے بولا۔

''پتا نہیں، میں تو ابھی آئی ہوں، شاید کالج گئی ہوں گی۔'' اس نے محتاط لہجے میں جواب دیا، پتا نہیں اسے کیا چیز بری لگ جائے کہ کون سا جملہ، کون سا لفظ پکڑ میں آ جائے۔

اتنے فاصلے نے جیسے دلوں میں بھی فاصلے بڑھا دیے تھے۔

''اور ماما نے پہلے بھی دو بار ڈرائیور کو بھیجا اور تم نے جواب دے دیا کہ ابھی نہیں آنا، ماما کہہ رہی تھیں کہ تمہاری اسٹڈیز کا ہرج ہو رہا ہے، تم کالج تو جا سکتی تھیں نا!'' وہ اس کی بات پر پریشان سی ہو گئی۔

''مگر بلال انہوں نے تو گاڑی نہیں بھیجی، بلکہ مجھے تو خود کالج جانے کا خیال آ رہا تھا کہ اتنی چھٹیاں ......''

''تو تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ ماما جھوٹ کہہ رہی تھیں کہ انہوں نے گاڑی بھیجی تھی تمہیں لینے کے لیے۔''

اس کی بات کاٹ کر بلال نے تیزی سے کہا تو ثانیہ دھک سے رہ گئی۔

فوری طور پر ہاں ناں بھی نہ کر سکی اور جھٹلانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

''نہیں میں نے یہ تو نہیں کہا۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''ثانی میں تم سے کہہ کر آیا تھا کہ مجھے اپنی ماما کتنی عزیز ہیں، تمہیں اگر ان کا کچھ کہا سنا برا بھی لگے تو پلیز تم میری خاطر اگنور کر دینا، مگر تم ...... تم نے شاید انہیں اپنے دل میں جگہ دی ہی نہیں۔''

فقط دس دنوں میں دونوں کے بیچ اتنے فاصلے آ گئے تھے کہ وہ اپنی بات منوانی تو دور کی بات سمجھانے سے بھی قاصر تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں بلال! وہ تو آپ کی ماما بعد میں ہیں میری قابل احترام استاد پہلے ہیں، میں ان کی کسی بات کا برا کیوں مانوں گی، خدانخواستہ انہیں کیوں جھٹلاؤں گی۔'' اسے اپنا لہجہ اور انداز پست کرنا ہی پڑا۔ یہ الگ بات کہ اس کی آنکھوں سے تیزی سے آنسو بہنے لگے، مگر اس نے ان آنسوؤں کی نمی آواز اور لہجے میں گھلنے نہیں دی۔

''میرا بھی یہی خیال تھا۔'' وہ ابھی بھی ناراض تھا، جس کو راضی کرنے کے لیے وہ کتنی دیر سے جتن کر رہی تھی۔

اس کی بات سن کر وہ ایک دم سے چپ کر گئی، جیسے اب اس کے پاس دلیل نہیں رہ گئی تھی۔

''اب چپ کیوں ہو گئی ہو، پتا ہے کتنا میں بے چین رہا ہوں تم سے بات کیے بنا، بس غصہ آئے چلا جا رہا تھا۔''

شاید مرد کو اپنے سب احساسات کو نہ صرف بیان کرنے کا ملکہ ہوتا ہے بلکہ ان کے اظہار کا ہر طریقہ بھی اس کے حاکم مزاج میں ودیعت ہوتا ہے۔

اب وہ پھر سے اپنے دل کی بے تابیاں بیان کر رہا تھا، یہ وہ کیفیت، بے چینی جو اس کے خیال میں صرف اس پر بیتی تھی۔

اور اس نے تو ایک بار بھی ابا کے بارے میں تعزیت کا ایک کلمہ بھی نہیں کہا تھا۔

وہ اپنے سے منسلک رشتوں کے بارے میں کتنا حساس ہو رہا تھا، اس سے جڑے رشتے شاید اس کی نظر میں صفر کی حیثیت بھی نہیں رکھتے تھے۔ یہ کیسا تضاد تھا، اس کا دماغ چٹخنے لگا۔

''اب جاؤ شاباش سیل نکالو، وہ آف تو نہیں چار جنگ پر لگاؤ میں تمہیں رات میں فون کروں گا، اور پلیز تم کم از کم ... سے اپنی کمیونیکیشن بہتر کرنے کی کوشش کرو، ماما دل کی بہت نرم اور اچھی ہیں، وہ اتنی دیر تک کسی سے بھی خفا نہیں رہ پاتیں، تم دو چار بار ان کے پاس جا کر بیٹھو گی، ان سے بات کرو گی وہ خود بخود ٹھیک ہو جائیں گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ اسے بچوں کی طرح سمجھا رہا تھا اور وہ بچوں کی طرح بڑی فرمانبرداری سے جی اچھا ٹھیک ہے، میں کراؤں گی جیسے رٹے رٹائے جملے بولے جا رہی تھی کہ اندر ہی اندر جیسے ٹوٹے کانچ بکھرتے جا رہے تھے اور اب اسے شاید نہ جانے کب تک ان ہی کرچیوں پر چلنا تھا، مگر ایسی احتیاط سے کہ پیر زخمی ہوں تو منہ سے سی نہ نکلے۔

اسی طرح کی دو چار ہدایات دے کر بلال نے فون بند کر دیا اور وہ تھکے ہوئے انداز میں وہیں گر گئی۔

وہ دونوں کافی دیر بعد آئی تھیں اسے خود کو سنبھالنے اور سمجھانے کو خاصا ٹائم مل گیا، سب سے پہلے اس نے ہاتھ منہ دھو کر کپڑے بدلے، اتنے دنوں سے وہ شادی سے پہلے والے گھسے ہوئے کپڑے پہنتی رہی تھی۔

''ماما نے یہ جھوٹ کیوں بولا؟ کہ انہوں نے دو بار گاڑی بھجوائی تھی۔'' بال برش کرتے ہوئے وہ سوچنے لگی۔

''تو اس کا مطلب ہے۔ اس سازش کا تانا بانا بنا جانے لگا ہے، جس کا مجھے پہلے دن سے احساس تھا اور جو زونی مجھ سے شادی کی رات برملا کہہ کر گئی تھی۔'' اس کے دماغ میں جھما کا سا ہوا۔

''اور میں اس سب کا مقابلہ کیسے کروں گی، بلال نے تو پہلے فون پر ہی ساری محبت، مروت، چاہت فراموش کر دی، صرف ماما اور ماما کی محبت کا سبق یاد رہا۔

کیا محبت کی تجدید اور گہرائی کے لیے مادی وجود کا ایک دوسرے کے سامنے ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر...... شاید وہی کچھ ہوگا جو کچھ بلال نے مجھ سے کہا۔ وہ لمحہ بہ لمحہ پریشان ہوتی جا رہی تھی، اس کے دل میں کوئی بھی اچھا گمان نہیں آ رہا تھا۔

اور اسے دوسرا جھٹکا اس وقت لگا، جب اس نے اپنا پورا بیڈ روم چھان مارا اور اس کا موبائل فون کہیں نہیں ملا۔

''شاید ماما یا زونی نے کہیں رکھ دیا ہو۔'' ان دونوں کے کالج سے آنے کا انتظار وہ پیر جلی بلی کی طرح کرتی رہی۔

''وعلیکم۔'' اس کے پورا سلام کا جواب بھی فضیلہ نے آدھا دیا تھا، مگر دیا تو تھا، جبکہ زونیرا ایک نفرت بھری نظر ڈال کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

وہ سر جھکائے باندیوں کی طرح ان کے سامنے کھڑی رہی۔

''کچھ کام ہے مجھ سے۔'' انہیں شاید اس کے یوں کھڑا ہونے سے الجھن ہو رہی تھی، خشک لہجے میں بولیں۔

''وہ...... وہ میرا موبائل فون نہیں مل رہا۔'' وہ ان کی تند نظروں سے گھبرا کر پورا ماما ادا کرنا ہی بھول گئی۔

''کیا مجھے دے کر گئی تھیں۔'' الٹا سوال پوچھ لیا گیا۔

''نہیں وہ کمرے میں تھا۔'' اسے تو یہی لگا وہ کلاس روم میں ان کے سامنے کھڑی ہے، کسی کوتاہی پہ نادم و پریشان۔

''تو کمرے میں ڈھونڈو جا کر، مجھ سے کیا پوچھتی ہو۔'' وہ رکھائی سے کہہ کر جانے لگیں۔

''وہاں تو میں نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے، کہیں بھی نہیں ہے۔'' اس نے ہمت ہارے بغیر آگے بڑھ کر کہہ ڈالا۔

''اوہ! تو اس کا مطلب ہے تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ وہ سیل میں نے چرایا ہے یا میری بیٹی نے۔'' وہ اس پر یوں نظریں جما کر بولیں کہ وہ پوری کی پوری ہل کر رہ گئی۔

''نن نہیں میرا یہ مطلب تو نہیں تھا، میں نے یہ تو نہیں کہا۔''

''تو پھر اور کیا مطلب تھا...... ملازم میرے سارے بھروسے کے ہیں، آنکھیں بند کر کے تجوریاں ان کے سامنے کھلی

چھوڑ جاؤں کبھی ایک کیل ادھر سے ادھر نہیں ہوئی، پھر اور کون ہے گھر میں بے اعتبار میں یا پھر زونی۔" وہ چبا چبا کر بولیں۔

"میں یہ تو نہیں کہہ رہی ماما...... ! وہ تو......" اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے، کبھی زندگی میں ایسی سچویشن کا سامنا یہ جو نہیں تھا۔

"میں دوبارہ جا کر کمرے میں دیکھتی ہوں۔" ان کی تند نظروں سے گھبرا کر وہ سر جھکا کر کہتے ہوئے چلی گئی۔

"اب کیا کروں؟" کمرہ تو وہ پہلے بھی کئی بار دیکھ چکی تھی، سو دوبارہ دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

اسے کچھ خیال آیا، اس نے الماری کا وہ کیبنٹ کھولا جس میں اس کی جیولری اور بلال کی دی ہوئی رقم پڑی تھی۔ اور اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

"تو اس کا مطلب ہے امی ٹھیک کہہ رہی تھیں، یہ دونوں مجھے یہاں ٹکنے نہیں دیں گی، اتنا علم و فضل رکھنے والی، تقسیم کرنے والی میڈم فضیلہ مبشر عملی زندگی میں اس اونچے درجے سے کتنا نیچے گر سکتی ہیں، یہ سب دیکھنے کے لیے اللہ نے مجھے ہی کیوں چنا۔ اس لیے کہ میں نے انہیں اپنا آئیڈیل قرار دیا تھا تو یہ میری غلطی تھی، آئیڈیل کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ آئیڈیل کچھ بھی نہیں ہوتا، یہ تو بس ایک واہمہ ہے۔" ایک خیال ایک الوزن وہ بیٹھے بیٹھے سوچ گئی۔

ملازمہ ٹرالی گھسیٹتی ہوئی کھانا اس کے کمرے میں لے آئی۔

"میں آ رہی ہوں تم ٹیبل پر تم چلو لے کر۔" وہ ایک دم گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"وہ جی بیگم صاحبہ نے کہا ہے آپ کھانا کمرے میں ہی کھائیں گی۔" وہ بڑی بے نیازی سے جواب دیتے ہوئے برتن سینٹرل ٹیبل پر لگانے لگی۔

"تو گویا مجھے یہاں کسی بھی طرح اپنے بیچ شامل ہونے نہیں دیا جائے گا، اگر میں یہ بات اور اس کے بعد کی ساری باتیں مانتی چلی گئی تو شاید دو، چار ماہ رہ لوں ادھر اور اگر دوسرا راستہ......" اس نے لمحہ بھر کو سوچا، جو کام دو، چار ماہ بعد ہونا ہے وہ آج ہی کیوں نہیں۔ وہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔

"سنو، یہ سب ٹیبل پر لے جاؤ اور بیگم صاحبہ سے کہو میں وہیں آ کر کھانا کھاؤں گی، بلکہ میں تمہارے ساتھ ہی چل رہی ہوں۔" اسے ہمت تو کرنی تھی، یوں کمرے میں گھس کر وہ اپنا کیسا مقام بنا پائے گی، یہ اسے سمجھ لینا چاہیے۔

میں نے کوئی جرم نہیں کیا تو اس طرح مجرموں کی طرح سر جھکا کر کیوں رہوں۔ وہ بڑے مضبوط قدموں اور دل کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل تک آ گئی تھی اور خاموشی سے کرسی سنبھالتی بیٹھ گئی۔

دونوں ماں، بیٹی بڑے اچھے موڈ میں باتیں کرتے ہوئے کھانا کھا رہی تھیں، اسے یوں آ کر بیٹھتے ہوئے ایک دم سے چپ کر گئیں۔

"تمہارا کھانا سروری لے کر تو گئی ہے کمرے میں۔" انہوں نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔

"مجھے اکیلے کھانا کھانا اچھا نہیں لگتا۔" اس نے بڑی بہادری سے لہجے کو متوازن رکھتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

"اور مجھے ملازموں کے برابر بیٹھ کر کھانا کھانا پسند نہیں۔" زونیرا دوسرے لمحے جھٹکے سے کرسی گھسیٹ کر کھڑی ہو گئی۔ ثانیہ کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

"تم شاید بھول رہی ہو، یہاں صرف میں اور ماما ہیں ملازم تو کوئی نہیں۔ میں تمہارے بھائی کی بیوی اور ماما تو ہیں ہی۔" جانے کہاں سی اتنی جرأت اس کے اندر آ گئی تھی، اس نے باقاعدہ زونیرا کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

"او تو یہ ٹریننگ لے کر آئی ہو اپنی اس ہوشیار نوکرانی ماں سے، جس نے شاطرانہ انداز میں تمہیں اس گھر تک پہنچایا ہے۔" زونیرا بھی اپنے تمام تر پنجے نکال کر بولی۔

''شاید تمہاری تربیت میں کہیں چوک ہوگئی کہ بڑوں کا ذکر کس انداز میں کرتے ہیں، دوسرے تم یہ بھول رہی ہو میں خود یہاں آئی ہوں نہ میری ماں مجھے یہاں چھوڑ کر گئی ہے، یہ سب تم اپنے بھائی سے پوچھو۔''

اسے لگا اس کے اندر شاید کسی جن کی طاقت آ گئی ہے وہ خوف زدہ ہوئے بغیر کیسی دلیری سے یہ سب کہہ گئی۔

''زونی! بیٹھ کر کھانا کھاؤ آرام سے، ہمارے گھر کا ماحول کیسا ہے اور یہ ساری بے ہودہ گفتگو جس کا جواب تم میرے سامنے دے رہی ہو، میری برداشت سے باہر ہے، اگر ایک انسان کو اپنی حیثیت کا علم نہیں تو کیا ضروری ہے تم کیچڑ میں پتھر پھینکو۔''

اور ثانیہ کو لگا اس جن کی ساری طاقت فضیلہ مبشر کے اس ایک جملے نے نکال دی ہو۔

''اس کی حیثیت ...... کیچڑ کے برابر ہے۔'' اس کا جی چاہا یہیں کرسی سمیت زمین میں گڑ جائے۔

''سوری ماما! مجھے ایسے ناقابل برداشت ماحول میں کھانا نہیں کھانا اور کل سے اگر یہ یہاں کھانا کھائے گی تو میں اپنے کمرے میں ہی کھایا کروں گی، آپ کی بات بھی تو مجھے ماننی ہے نا کہ کیچڑ میں پتھر پھینکنے سے اپنے ہی کپڑے گندے ہوتے ہیں، آپ کھانا بھجوا دیجیے۔'' وہ چبا چبا کر کہتی ہوئی کرسی کو ٹھوکر مار کر چلی گئی۔

فضیلہ نے سروری کو آواز دی اور اپنا اور زونیرا کا کھانا کمرے میں لے جانے کا کہہ کر خود بھی اٹھ کر چلی گئیں۔

اور وہ اس جہازی سائز ڈائننگ ٹیبل پر اکیلی بیٹھی رہ گئی۔

''دیکھ لی امی آپ نے میری بہادری اور اس کا نتیجہ۔'' اس کی آنکھیں اس بری طرح سے بھر آئیں کہ وہ کچھ بھی کھائے بغیر تیزی سے میز سے اٹھ کر کمرے میں آ گئی اور بیڈ پر گر کر رونے لگی۔

✠ ✠ ✠
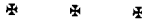
رات تک وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

یا تو بلال اسے اپنے پاس بلائے یا وہ امی کی طرف چلی جائے گی اور جیولری اور رقم کے بارے میں اور دوپہر جو کچھ انہوں نے اس سے کہا وہ سب بتا دے گی، اسے ضرورت نہیں سب تن کر اتنی فرمانبرداری اور شرافت کا ثبوت دینے کی۔

ٹھیک ہے اگر وہ مجھے شامل نہیں کرنا چاہتیں تو مجھے کیا ضرورت ہے ان کی منتیں کرنے کی، یا میں میز پر جا کر کھانا کھانے کے لیے مری جا رہی ہوں اور میڈم فضیلہ پتا نہیں کس بھول میں ہیں، اگر وہ اپنے بیٹے کے لیے اپنے کسی ہم پلہ خاندان سے لڑکی لاتیں تو وہ انہیں ناکوں چنے چبوا دیتی، اگر وہ اس طرح کا سلوک اس کے ساتھ کرتیں۔

مجھے ان سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ان کے بیٹے نے اپنی پسند سے مجھ سے شادی کی تھی اور مجھے اس شادی کو نبھانا بھی ہے ہر صورت میں، اب اسے شدت سے بلال کے فون کا انتظار تھا۔

''بی بی! وہ چھوٹے صاحب کا فون ہے آپ کے لیے۔'' سروری اس کو بتانے آئی تو وہ تیزی سے لاؤنج میں آ گئی جہاں فون رکھا تھا۔

فون کا ریسیور اٹھاتے اس کے ہاتھ سست پڑ گئے۔ وہ دونوں وہیں تو بیٹھی تھیں، اب وہ کیسے یہ سب بلال سے کہہ پائے گی۔

''مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی کہ تم نا صرف اتنا مہنگا سیل اپنے بھائی کو دے آؤ گی اور آ کر الٹا مجھ سے جھوٹ بھی بولو گی کہ سیل یہاں بھول گئی تھیں، تم نے ایسا کیوں کیا ثانیہ؟'' اور ثانیہ کسی بت کی طرح ساکت کھڑی رہ گئی۔

''یہ..... یہ کس نے کہا آپ سے، جس نے بھی کہا ہے، جھوٹ ہے، بالکل جھوٹ'' لمحہ بھر کو تو وہ ششدر رہ گئی تھی، لیکن اسے اپنی صفائی میں کچھ تو بولنا چاہیے، احساس ہوتے ہی وہ بول پڑی۔ اور اسے یہ بھی پتا تھا کہ ان دونوں کے کان اسی کی گفتگو کی طرف لگے ہیں۔

''تو ماما جھوٹ بول رہی ہیں، انہوں نے خود عمیر کے پاس وہ موبائل دیکھا تھا۔ ثانیہ! تم ایسا کیوں کر رہی ہو میں نے تو تمہیں بہت اونچا مقام دے رکھا تھا'' وہ آخر میں روہانسا ہو کر بولا۔

اور اس کا جی چاہا، ہاتھ میں پکڑا ریسیور سامنے دیوار پر دے مارے اور اس معتبر عورت کے چہرے سے نقاب اتار پھینکے۔

''تو ان کا یہ علم..... یہ فضیلت..... اور بڑے پن کا احساس سب دکھاوا ہے۔''

وہ ریسیور ہاتھ ہی میں پکڑے دکھ سے سوچے گئی۔ دوسری طرف بلال کیا کہہ رہا تھا، اسے کچھ ہوش نہیں تھا۔ اس نے دوبارہ بغیر کان سے لگائے ریسیور کریڈل پر دے مارا۔

وہ دونوں ذرا سا چونکی تھیں۔

''تو آپ کے خیال میں وہ موبائل فون میں نے عمیر کو دیا تھا، یہی کہا ہے آپ نے بلال سے؟'' وہ گھوم کر ان کے سامنے ہوگئی، اس کے چہرے اور لہجے میں کیا تھا، لمحہ بھر کو وہ چپ سی رہ گئیں۔

''اٹھیں آئیں میرے ساتھ ابھی اور اسی وقت اور میرے پورے گھر کی تلاشی لے لیں، اگر وہ سیل فون آپ کو میرے گھر سے مل جائے تو اپنے بیٹے سے کہہ کر مجھے بے شک دھکے دے کر اس گھر سے نکلوا دیں، جہاں میں آپ کی مرضی کے خلاف آئی ہوں۔''

وہ کس بہادری اور جرأت سے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہی ہے، اسے خود بھی اس کا احساس نہیں تھا۔

''بی بی! یہ کچے چوروں کے کام ہوتے ہیں کہ چوری کا مال گھر میں رکھ چھوڑیں اور مجھے کیا ضرورت ہے تمہارے ساتھ چل کر تمہارے گھر کی تلاشی لوں۔'' وہ نفرت سے بولیں۔

''تو پھر مجھے اپنے گھر کی تلاشی لینے دیں۔ آپ دونوں یہاں سے ہلیں گی نہیں۔'' اس نے بلا خوف کہہ ڈالا اور لمحہ بھر کو تو ان کی آنکھیں پھٹ سی گئیں۔

''کیا بکواس کر رہی ہو؟'' زونیرا تڑپ کر اٹھی تھی۔

''تو یہ حرکت تمہاری ہے، مجھے پہلے سے پتا تھا۔ میڈم فضیلہ مشتر کم از کم اتنا گھٹیا کام نہیں کر سکتیں، لیکن شاید یہ بھی وہ اپنا منصب بھول گئیں کہ چور کا ساتھ دینے والا بھی اس کا شریک کار سمجھا جاتا ہے۔ کیوں کر رہی ہیں آپ ایسے؟'' وہ براہ راست ان کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا ایسے دکھ بھرے انداز میں بولی کہ ان سے فوری جواب سوجھ ہی نہیں سکا، نظر یہ

سے گئیں اور بلاوجہ ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔

''تمہاری اتنی جرأت تم مجھ پر یا میری ماں پر الزام لگاؤ، میں تمہیں......'' زونیرا کا ہاتھ اس کے چہرے کی طرف بڑھا۔ زونیرا اس سے ایسے ردعمل کی پہلے سے توقع کر رہی تھی۔ اس نے زونیرا کا ہاتھ فضا میں روک لیا۔

''نہیں زونیرا بی بی! یوں چیخنے چلانے، دھونس غصہ دکھانے سے آپ یا مجھ پر لگا الزام نہیں دھلے گا۔ آپ دونوں بیچ کر میرے گھر کی تلاشی لینا ہو گی یا اپنے گھر کی دینا ہو گی یا......'' اس کے اندر اتنی جرأت آ کہاں سے گئی تھی اسے خود پتا نہیں چل رہا تھا۔

''یا...... کیا کر لو گی تم، پولیس کو بلاؤ گی؟'' زونیرا خائف لہجے میں اس کا ہاتھ جھٹک کر بولی۔

''بلا بھی سکتی ہوں، مگر بلال کی ماں کی عزت کا خیال آتا ہے۔ انہیں تو یوں بھی اپنی عزت بہت پیاری ہے نا۔'' وہ انہیں دیکھ کر طنز سے بولی۔

''بس بہت ہو گیا۔ ختم کرو اس جھگڑے کو۔'' انہیں کچھ اپنی مضبوط پوزیشن کا خیال آ ہی گیا تھا۔

''جھگڑے تو ماما اب ہوں گے اور ہوتے رہیں گے، یہ محترمہ اپنے جہیز میں ہی خاص تحفہ تو لے کر آئی ہیں، جھگڑے اور شاطرانہ تربیت۔''

''تم مجھے چھوڑو اور اپنی فکر کرو، تم اپنے جہیز میں کیا لے کر جاؤ گی۔ یہ مکاریاں، چالیں اور دوسروں سے نفرت۔ یہی تربیت ہے نا تمہاری؟''

''شٹ اپ بہت جلدی آ گئیں تم اپنی اوقات پر...... میں......'' وہ غصے میں کانپ کر بولیں۔

''اور آپ نے تو مجھ سے بھی زیادہ جلدی دکھائی اپنا اصل دکھانے میں میڈم! ورنہ آپ جانتی ہیں، میں آپ کو کیا سمجھتی تھی۔'' وہ انہیں جتا کر بولی تو وہ پھر سے نظریں چرانے پر مجبور ہو گئیں۔

''چلو زونی! تم کمرے میں، میں اور یہ جھک جھک برداشت نہیں کروں گی۔'' وہ اپنی طرف سے جھگڑا نپٹاتے ہوئے بولیں۔

''نہیں میڈم! یہ جھگڑا اب یوں ختم نہیں ہو گا، صرف اسی صورت میں جو میں آپ کو بتا چکی ہوں۔'' وہ نہ تو ضدی تھی نہ ہٹ دھرم، مگر آج، آج پہلی بار اس کا کردار اس کی خود ساختہ سہی نیک نامی داؤ پر لگی تھی، وہ کیسے اتنی جلدی ہار مان لیتی۔ اور مان لیتی تو پھر ہمیشہ کے لیے جھک جاتی، ہمیشہ کے لیے چور، بدکردار، دھوکے باز کا لیبل لگ جاتا۔

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔'' وہ جھنجلا کر بولیں۔

''یہی سمجھ لیں، مگر آپ کو تلاشی لینی یا دینی ہو گی یا......''

وہ پھر سے تیسرے ''یا'' پر رک گئی۔

میڈم فضیلہ نے بے بس نظروں سے بیٹی کی طرف دیکھا۔

''ہرگز نہیں، نہ تلاشی لیں گے، نہ دیں گے، جو بات پہلے سے پتا ہو اس کا کھوج کیا لگانا۔'' اس ٹکراؤ سے بچنے کا ایک ہی طریقہ تھا، ''ضد'' سو زونیرا بھی اڑ گئی۔

''تو ٹھیک ہے، پھر آپ اپنے بیٹے کو فون کریں کہ آپ نے جھوٹ بولا تھا کہ عمیر کے پاس آپ نے میرا موبائل فون دیکھا تھا۔'' وہ اطمینان سے کندھے اُچکا کر بولی۔

''کیوں میں کیوں کہوں؟'' وہ بھی نفرت سے بولیں۔

''کیونکہ یہ کہانی بھی تو آپ ہی نے گھڑ کر سنائی ہے اسے، سو یہ زحمت بھی آپ ہی کو کرنا ہو گی۔'' اس کا لہجہ مضبوط

تھا۔

''مجھے کوئی ضرورت نہیں فضول کہانیاں گھڑنے کی، یہ سب تمہارے ہاں ہوتا ہوگا۔''

''اور آپ کے ہاں کیا ہوتا ہے دوسروں پر جھوٹی الزام تراشیاں ..... اور ان کو سچ ثابت کرنے کے لیے چھوٹی موٹی چوریاں.....''

''شٹ اپ..... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی، تم اس قدر بدزبان ہوگی۔''

''سوچا تو میں نے بھی آپ کے متعلق بہت مختلف سا تھا، مگر۔''

انہوں نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی اور جانے لگیں۔

اسی وقت فون کی گھنٹی پھر سے بجنے لگی۔

تینوں نے فون کی طرف دیکھا اور زونیرا نے لپک کر فون اٹھالیا، اور فون اٹھاتے ہی کمال اداکاری سے زونیرا نے رونا شروع کر دیا۔

''بھائی..... بھائی! سنا آپ نے آپ کی چہیتی لاڈلی بیوی نے مجھے اور ماما کو چور بنا ڈالا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ موبائل فون ہم دونوں نے چوری کیا ہے اور ہمیں اپنے کمروں اور پورے گھر کی تلاشی دینا ہوگی۔ بھائی ہمیں کہیں سے زہر لا دینا تھا یہ سب سننے سے پہلے۔ بھائی، ماما بے ہوش پڑی ہیں۔'' فضیلہ جو اس سے ریسیور لینے کو آگے بڑھی تھیں۔ زونیرا کی بات سن کر لمحہ بھر کو تو دھک سے رہ گئیں اور دوسرے لمحے خاموشی سے صوفے پر بیٹھ کر بیٹی کو دیکھنے لگیں۔

''زونیرا میں اتنی غیر معمولی ذہانت ہے۔ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔'' وہ تحسین آمیز نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''میں کیا کروں بھائی! میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، ڈاکٹر کو کیسے بلاؤں، وہ کہہ رہی ہے پہلے تلاشی دو اور پھر یہاں سے ہلنا۔''

''جی..... جی میں بات کراتی ہوں اور پلیز اس سے پوچھیں یہ چار، پانچ ہزار کا موبائل فون کا ہمیں کیا کرنا تھا ہمارے پاس اپنے..... نہیں ماما تو ابھی بھی بے ہوش ہیں۔ جی بلاتی ہوں ڈاکٹر کو..... یہ ثانیہ کو فون دے رہی ہوں۔'' اس نے کہتے ہوئے ریسیور ثانیہ کی طرف بڑھایا۔

ثانیہ کو لگا اس کے جسم سے جان نکل گئی ہو۔

ریسیور اس کے بے حد قریب آ چکا تھا اور وہ خالی خالی نظروں سے دیکھے جا رہی تھی، اس کا داؤ اسی پر چل گیا تھا۔

''پکڑو..... فون۔'' وہ نخوت سے بولی۔

ثانیہ نے اپنا بے جان ہاتھ آگے کیا۔

''کیا کہوگی بلال سے، یہ سب جھوٹ ہے اور وہ تمہاری بات مان لے گا۔ کبھی بھی نہیں، جسے بہن پہلے سے رو، رو کر ایک ایسی جان دار مکمل کہانی سنا چکی ہے، وہ تمہیں کیا سمجھے گا، تم خود کو ختم بھی کرلوگی تو اسے یقین نہیں آئے گا۔''

اس نے ایک دم اپنا بڑھا ہوا ہاتھ پیچھے کرلیا۔

''پکڑو فون۔'' زونیرا نے تحکم سے کہا اور ریسیور اس کی طرف بڑھایا۔

ثانیہ نے خاموشی سے اسے دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

دونوں ماں بیٹی لمحہ بھر کو حیران سی ہی تو رہ گئیں۔

''بھائی! اس نے آپ کا فون سننے سے انکار کر دیا ہے اور چیزوں کو ٹھوکریں مارتی چلی گئی ہے۔ میں ڈاکٹر کو کال۔

ہی ہوں۔ ماما اسی طرح بے ہوش ہیں، آپ پلیز فون بند کریں۔'' شروع کیا ہوا ڈرامہ اسے خود ہی ختم کرنا پڑا اور نڈھال ہو
...وں کے برابر ڈھے سی گئی۔

''تمہیں یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔ بلال وہاں پریشان ہوگا۔'' وہ کچھ متفکر لہجے میں بولیں۔

''یہی تو میں چاہتی ہوں۔'' وہ اطمینان سے بولی۔

''بھائی کو پریشان کرنا۔'' وہ تعجب سے بولیں۔ ''کیوں؟''

''وہ پریشان ہوں گے تو ہماری اس پریشانی سے جان چھوٹے گی نا۔'' تو گویا وہ مکمل طور پر طے کر چکی تھی کہ ثانیہ کو
...ں گھر سے نکال کر ہی دم لے گی۔

''دیکھو یہ شادی بیاہ کھیل نہیں ہوتا، دل چاہا کھیل لیا، نہ چاہا تو کھیل چھوڑ دیا، اس میں پوری انوالومنٹ ہوتی ہے،
بلال نے جس طرح اس سے شادی کی ہے یہ فضول بچگانہ سازشیں اسے ثانیہ سے متنفر نہیں کرسکتیں۔'' وہ سمجھانے والے انداز
میں بولیں۔

''اور میں آپ کو یہ کر کے دکھاؤں گی۔'' وہ پختہ ارادے سے بولی۔

''یہ اچھی بات نہیں، ٹھیک ہے وہ تھوڑا نچلے طبقے سے ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالکل ہی ناقابل قبول ہے،
تم تھوڑا سا اپنا دل بڑا کرو ثانیہ بیٹی۔'' بار بار جوان کا ضمیر انہیں کچوکے مارتا تھا، اگر وہ ثانیہ کو ڈیل کرنے میں بیٹی کا ساتھ نہیں
دیتیں تو زونیرا خفا ہوتی تھی اور اگر ثانیہ سے ایسا بد تمیز رویہ رکھتیں تو ان کا اپنا ضمیر......

''پلیز ماما! اب ان تقریروں کی گنجائش نہیں رہی، یہ رہے گی یا پھر میں۔ آپ سوچ لیں کس کا ساتھ دینا ہے، ورنہ
میں گھر چھوڑ کر کہیں چلی جاؤں گی۔ یہ میں آپ کو بتا رہی ہوں۔'' وہ انہیں دھمکاتی ہوئی چلی گئی۔ اور زونی منفی سوچوں میں
کتنا آگے جاسکتی ہے اس کا اندازہ تو انہیں ہو ہی چکا تھا۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ اس تصادم کا تو انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔

✠ ✠ ✠

''آپ کا فون ہے بی بی۔'' ملازمہ نے آکر اسے بتایا تھا۔

''اب کیا جواب دوں گی میں بلال کو۔ میں نے اس کا فون اٹینڈ کیوں نہیں کیا اور ماما کے بارے میں جو بکواس
زونی اسے سنا چکی ہے اس کے بعد...... شاید...... وہ جتنا جذباتی ہے، جس جذباتی بہاؤ میں آکر اس نے مجھ سے شادی کی اور
سی جذباتی ریلے کی زد میں اگر اس نے مجھے چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا تو میں...... کہاں جاؤں گی...... یہ میں نے کیا کیا، نہ ان
دونوں کے ساتھ جھگڑا کرتی، دفع کرتی......''

سوچ سوچ کر تو اس کا دماغ پہلے سے شل ہو چکا تھا۔ بلال کے فون نے اسے اور بھی مضطرب کردیا۔

''تم چلو، میں آتی ہوں۔'' اسے لگا سروری کی بچی کھڑی اس کا چہرہ ہی تو پڑھ رہی ہے، مجبوراً اسے کھڑا ہونا پڑا۔

''ماما اور زونی کہاں ہیں؟'' وہ رک کر بولی، اگر پھر وہ دونوں وہاں ہوئیں تو......

''اپنے کمرے میں۔'' اس کے جواب نے اسے تسلی بخشی۔

''میں تو سو رہی تھی کافی دیر سے۔ جب پہلے آپ کا فون کٹ گیا تو...... میرے سر میں بہت درد تھا، میڈیسن لے
کر سوئی تھی۔'' جانے کیسے اس کی زبان فراٹے سے بولتی چلی گئی۔

''اور جب زونی نے تمہیں میرا فون ریسیو کرنے کو کہا تو تم انکار کر کے چلی گئیں، تم نے ماما سے جھگڑا کیا اور وہ
بے ہوش ہوگئیں۔'' وہ نپے تلے بھونڈے انداز میں بول رہا تھا۔

''ماما بے ہوش...... نہیں تو بلال! یہ سروری کھڑی ہے اس سے پوچھ لیں، اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو کیا انہیں پتہ نہیں چلتا۔'' اس نے جاتی ہوئی سروری کو رکنے کا اشارہ کیا۔

''زونی نے جھوٹ بولا مجھ سے، کیوں؟'' وہ الٹا اس سے پوچھ رہا تھا۔

''یہ آپ زونی کو بلا کر پوچھیں...... اور ماما تو آج کالج سے ہی لیٹ آئی تھیں، آپ کی بات ہوئی ان سے۔'' وہ کتنے معصومانہ انداز میں پوچھ رہی تھی، بلال کا سارا طیش ٹھنڈا پڑتا چلا گیا۔

''نہیں میری ان سے بس صبح میں بات ہوئی تھی۔ جھگڑا کس بات کا ہے تم دونوں میں؟'' وہ سرسری سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''نہیں تو بلال! جھگڑا کیوں ہونے لگا اور آپ کو میرا تو پتا ہے، میں کسی سے جھگڑ سکتی ہی نہیں، پھر زونی تو میری بہن کی طرح ہے۔ میں کیوں اس سے لڑوں گی۔'' سروری کو وہ پہلے ہی باہر بھیج چکی تھی۔

''اور وہ موبائل جو تم عمیر کو دے آئیں؟'' وہ ابھی بھی وجہ تنازع بھولا نہیں تھا۔

''یہ بات نہیں تھی۔ ماما کو غلط فہمی ہوئی تھی، عمیر کے پاس تو ابا کی فوتگی کے دوران اس کے کسی دوست کا موبائل فون تھا جو اس نے ادھر ادھر اطلاع کرنے کے لیے اس سے کچھ گھنٹوں کے لیے لیا تھا۔ ماما سمجھیں وہ میرا موبائل فون ہے۔'' وہ اب اطمینان سے صوفے پر بیٹھ کر پرسکون انداز میں یوں بات کر رہی تھی، جیسے بلال اس کے سامنے ہی تو بیٹھا ہو۔

''تو تمہارا سیل فون کہاں گیا؟'' وہ بھی پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

''آپ پھر ناراض ہو جائیں گے۔''

''تم کہو تو سہی۔''

''تو آپ ناراض نہیں ہوں گے، پہلے آپ کی ناراضی کی وجہ سے میں اتنا روئی کہ میرا سر درد سے پھٹنے لگا۔ ٹیبلٹ نہ لیتی تو پتا نہیں کیا ہو جاتا۔''

''تو کیا میں غلط ناراض تھا۔ اتنے دنوں سے تم سے بات کرنے کو ترس گیا تھا۔''

اسے لگا بلال اس کے بالکل پاس آ بیٹھا ہے۔ اب وہ اس سے سب کچھ منوا سکتی ہے، ہر بات، ہر فرمائش......

''وہ سیل فون زونی کالج لے گئی تھی۔ کلاس میں تو اجازت نہیں ہوتی سیل فون لے جانے کی اور پیریڈ کے دوران کسی نے اس کے بیگ سے نکال لیا، اسی بات کو چھپانے کے لیے اس نے پہلے مجھ سے ماما سے یونہی جھگڑا کیا اور پھر رونے لگی۔ اتنا کمزور سا تو دل ہے اس کا...... مجھے تو خیر کیا بتاتی ماما کو سب بتا دیا۔''

وہ اس وقت ایک بالکل بدلی ہوئی ثانیہ تھی۔

''تو تمہیں یہ سب کیسے پتا چلا؟''

''ماما نے بتایا، میں ان سے ایکسکیوز کرنے آ رہی تھی، آپ نے جو مجھ سے کہا تھا کہ مجھے ماما کے بارے میں ایسا نہیں بولنا چاہیے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو ثانی؟'' وہ بے یقینی سے بولا۔

''میں جھوٹ بولوں گی وہ بھی آپ سے۔ اور اتنے دن میں جو تڑپی ہوں آپ سے دور رہ کر...... پھر بات بھی نہیں ہوئی، آپ نے تو سارا غصہ نکال دیا مجھ پر...... اور میں کیا کہتی، رو ہی سکتی تھی نا۔''

''سوری یار! بس یہ جدائی بڑی بری چیز ہے آدمی کو جذباتی بھی پل بھر میں کرتی ہے، بدگمان بھی۔'' وہ اس سے

معذرت کر رہا تھا۔

''آپ مجھ سے بدگمان ہو گئے تھے؟'' وہ حیرانی سے پوچھنے لگی۔

''نہیں..... میں تم سے بدگمان ہو سکتا ہوں، کبھی بھی نہیں۔'' وہ پھر سے پہلے والا بلال بن چکا تھا۔

''ہوئیے گا بھی نہیں، ورنہ میں مر جاؤں گی بلال!'' وہ روہانسے لہجے میں بولی تو بلال تڑپ ہی اٹھا۔

''میری جان مرنے کی باتیں مت کیا کرو، ابھی تو ہم دونوں نے ایک لمبی زندگی ایک ساتھ جینا ہے۔''

''یونہی الگ الگ رہ کر۔'' وہ اداسی سے بولی۔

''الگ الگ کیوں اتنے دور ہو کر بھی تو ہم پاس پاس ہیں۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''بلال پاس تو ہیں مگر دل ڈرتا ہے ذرا سی بدگمانی، ذرا سا شک اس محبت کو جلا کر خاک کر سکتا ہے، پلیز..... بلال مجھے اپنے پاس بلا لیں۔ مجھے اکیلے میں بہت خوف آتا ہے۔'' وہ سسکی۔

''میری جان! بس تھوڑے مہینے صبر کر لو۔ میں تمہیں نہ بلا سکا تو خود آ جاؤں گا، یہ دوری تو مجھ سے بھی سہی نہیں جا رہی۔ تم بس ماما کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور میرے خیال میں زونی..... اگر تم چاہو تو تمہارے قریب آ سکتی ہے۔''

''وہ میں کرلوں گی سب۔ آپ کی خاطر تو میں دنیا کا ہر کام کر سکتی ہوں آپ اس دوری کا کوئی علاج کیجئے۔''

''ابھی تو میں تمہارے لیے دوسرا سیل فون لینے جا رہا ہوں آدھی قربت تو ہو ہی جائے گی اور اب کے ذرا سنبھال کر رکھنا اور اپنا خیال بھی رکھنا۔ ٹھیک ہے۔'' وہ اسے پہلے کی طرح محبت بھری نصیحت کر رہا تھا۔

''اور آپ بھی.....اور بلال پلیز مجھ پر بھروسہ کرنا سیکھئے، میں آپ کو کوئی دھوکا دے سکتی یا جھوٹ بول سکتی ہوں؟ دو، چار ہزار کے موبائل کے لیے، آپ اتنے دن میرے ساتھ رہے، اگر مجھے یوں چیزیں اٹھا کر اپنے گھر والوں کو دینا ہوتیں تو کیا آپ کو پتا نہ چلتا۔'' وہ رونے لگی۔

''پلیز ثانی! میں تم سے سوری کر چکا ہوں، دوبارہ کر لیتا ہوں، مگر تم رو نہیں، پلیز میں یہاں بیٹھا اور بھی پریشان ہو جاؤں گا۔''

''میں کب آپ کو پریشان کرنا چاہ رہی ہوں، اسی لیے تو.....'' وہ ایک دم سے چپ ہو گئی۔

''اسی لیے کیا.....'' وہ بے چینی سے بولا۔

''ماما اور زونی کا رویہ میرے ساتھ کتنا برا ہے۔ میں بتا نہیں سکتی، نوکروں کے سامنے اتنی نفرت سے بات کرتی ہیں، مجھے کمرے میں الگ سے کھانا دیتی ہیں، اگر باہر آ جاؤں تو دونوں اٹھ کر چلی جاتی ہیں، بہت اکیلا پن محسوس کر رہی ہوں، کبھی کبھی تو جی چاہتا ہے یہاں سے بھاگ جاؤں، مگر پھر آپ کا خیال آتا ہے تو خود پر جبر کر کے..... مگر بلال کب تک۔''

بلال جواب میں بالکل خاموش ہو گیا۔

''میں آپ کو یہ سب بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر کس سے کہوں، مجھے لگتا ہے دم گھٹ جائے گا میرا یہاں۔''

''بلال کچھ تو بولیں۔'' اس کی مسلسل چپ پر وہ گھبرا کر بولی۔

''مجھے اندازہ تھا پہلے سے ان سب باتوں کا، مگر میں سمجھتا تھا تم سمجھ دار ہو اور ماما دل کی بہت اچھی ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ بجھے ہوئے لہجے میں بولا۔

''میں کوشش کرتی تو ہوں اتنی۔'' وہ بے چارگی سے بولی۔

''چلو تم اب فکر نہیں کرو، میں کچھ کرتا ہوں، تمہارے پیپرز کے لیے چھ، آٹھ ماہ لگیں گے، میں تمہیں یہیں بلا لوں گا، اتنا ٹائم تو گزار سکتی ہو نا؟''

''آپ کے لیے، آپ کے کہنے پر تو میں ساری عمر گزار سکتی ہوں۔'' وہ ہلکی پھلکی ہو کر بولی۔

اسے یہاں بیٹھ کر فضیلہ مبشر کے کھوکھلے بت کی پوجا کر کے اب کیا لینا تھا، اس بت کا خالی پن تو وہ دیکھ ہی چکی تھی۔

''تمہاری اسٹڈیز کیسی جا رہی ہیں؟''

''ابھی تو پڑھنا شروع نہیں کیا۔ صبح سے کالج جاؤں گی۔''

''ماما کے ساتھ چلی جانا۔''

''ظاہر ہے انہی کی ساتھ جاؤں گی۔ آپ اپنا خیال رکھیے گا۔ کھانے پینے کا بھی اور سونے کا بھی۔'' اسے بھی خیال آیا۔ کوئی محبت بھری تلقین تو اسے بھی کرنی چاہیے۔

''نیند تو یہاں آ کر جیسے مجھ سے روٹھ سی گئی ہے، جیسے ہی سونے کے لیے لیٹتا ہوں، تم میرے پہلو......''

''بس بس باقی پریم کہانی پھر...... میں اب سونے جا رہی ہوں، اپنا خیال رکھیے گا، خدا حافظ۔'' کہہ کر اس نے جلدی سے فون بند کر دیا۔ زونیرا کمرے سے نکل کر آئی تھی، اسے فون رکھتے دیکھ کر ٹھٹک سی گئی۔

وہ بے حد مطمئن انداز میں ذرا سا مسکراتی ہوئی اس کے پاس سے گزر کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

زونیرا نے جا کر جلدی سے فون کی سی ایل آئی میں ان کمنگ کالز چیک کیں اور اس کا ماتھا ٹھنک گیا۔

''تو ثانیہ بی بی! تم نے باقاعدہ چیلنج قبول کر لیا، تو اب یہ مقابلہ کانٹے دار ہوگا اور ضرور ہوگا، اخلاقیات اور حدود سے بالاتر ہو کر۔ کیونکہ مجھے یہ جنگ جیت کر دکھانی ہے تمہیں۔'' وہ فون سیٹ گود میں رکھے اگلی پلاننگ کرنے لگی۔

✠ ✠ ✠

''کیا مجھے ثانیہ کے پاس جانا چاہیے، پھوپھا کے افسوس کے لیے۔'' سارا دن کام کے دوران اور پڑھائی کے دوران یہی خیال اس کے دماغ میں چکراتا رہا۔

وہ خدیجہ کے پاس گیا تھا افسوس کرنے اور ان کا سرد اجنبی رویہ دیکھ کر شرمندہ سا ہو کر چلا آیا تھا۔

''پھوپھو کو مجھ سے اتنی نفرت ہو چکی ہے کہ وہ اب میرا ادھر آنا بھی پسند نہیں کرتیں۔ انہوں نے ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ اتنے دن کہاں رہے۔ کیا کوئی اتنی جلدی برسوں کی انسیت سے دست بردار ہو سکتا ہے، پھوپھو نے تو امی کے بعد کسی ماں کی طرح ہی میرا خیال رکھا تھا، پھر اب کیا ہو گیا ان کا رویہ اتنا بیگانہ سا کیوں ہو گیا۔''

وہ دکھ بھری سوچوں کے ساتھ وہاں سے چلا آیا تھا، اور خدیجہ کے اس رویے کے بعد اسے اصولاً ثانیہ سے ملنے کے بارے میں بھی نہیں سوچنا چاہیے تھا۔ مگر اس دل کا کیا کرتا جو بار بار اسے ایک بار دیکھ لینے کے لیے مچلے جا رہا تھا، ایک ہی تکرار تھی۔

''بس ایک بار...... ایک بار اسے دیکھ لوں، پھر دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔'' اس نے مچلتے دل کی صدا پر پکا فیصلہ کیا۔

''اگر اس کا بھی رویہ اتنا اجنبی ہوا تو...... میرے پاس تو پہلے ہی جینے کا کوئی ٹھوس بہانہ نہیں ہے۔ اس کا کٹھور پن پھر سے مجھے حرام موت کی طرف نہ لے جائے۔'' جانے کے بارے میں فیصلہ کرتا اور ٹھٹک جاتا۔

''ایک بار تو جاؤں گا۔'' وہ آتے ہوئے عمیر سے ثانیہ کے گھر کا ایڈریس لے آیا تھا اور آج واپسی پر وہ گھر دیکھ گیا تھا۔ خوب صورت پھولوں کی مہکتی بیلوں سے ڈھکا وہ گیٹ اور سادہ، مگر پر وقار عمارت نے اسے کچھ بے حوصلہ سا کیا تھا۔

''اس وقت تو اس کی ساس اور نند گھر میں ہوگی، کل صبح میں آؤں گا۔'' اس کا کال بیل کی طرف جاتا ہاتھ رک گیا۔

''ہاں وہ ایسے ہی کسی خوابوں جیسے گھر کی حق دار تھی، میں اسے کیا دے سکتا تھا سوائے خوابوں کے۔ نہ کوئی گھر، نہ کوئی خوشی...... شادی کے بعد اگر خواہشیں مارتے جاؤ تو پھر محبت بھی اندر ہی کہیں مر جاتی ہے تو شاید ثانیہ کی محبت بھی مر جاتی اور میری بھی...... پھر وہی فاقہ کش گھروں جیسی لڑائی، جھگڑے اور چخ چخ ہوتی تو مجھے صبر کر لینا چاہیے کہ جو کچھ بھی ہوا ثانیہ کے حق میں اچھا ہوا اور شاید میرے بھی......''

وہ بوجھل قدموں سے وہاں سے چلا آیا۔

✠ ✠ ✠

''تم کہاں جا رہی ہو؟'' اسے یونیفارم میں تیار کتابیں ہاتھ میں لیے کمرے سے نکلتے دیکھ کر انہوں نے بے اختیار پوچھا۔

''کالج۔'' ناشتے میں اس نے فقط جوس کا گلاس لیا تھا۔ اطمینان سے بولی۔

''کیوں؟''

''کالج کیوں جاتے ہیں ماما؟'' وہ الٹا معصومیت سے پوچھنے لگی۔

''اگر یہ کالج جائے گی تو میں نہیں جاؤں گی۔'' زونی ابھی تیار ہو کر آئی تھی۔

''تو مت جاؤ۔ مجھے تو جانا ہے نا پہلے ہی اتنے دنوں سے گئی نہیں۔'' وہ ہنوز اطمینان سے بولی۔

فضیلہ دونوں کی طرف دیکھنے لگیں کہ کس کو منع کریں۔

''جہاں اتنا حرج ہو چکا باقی بھی ہونے دو۔'' انہوں نے جلد ہی فیصلہ کر لیا تو بول پڑیں۔

''آپ جانتی ہیں میرے کریز کو اور پھر میں نے اسی شرط پر......'' ایک دم سے رک گئی، شرطوں کا یاد دلانا انہیں اور بھی تپا سکتا تھا۔ ''میرا آئیڈیل تو جانتی ہیں نا آپ۔'' وہ جتا کر بولی۔

''مجھے تمہارے آئیڈیل سے کوئی سروکار نہیں، یوں بھی تم لوگوں کی کلاسز آف ہونے میں ایک ڈیڑھ ماہ رہ گیا ہے، اس کے لیے تمہارا کالج جانا ضروری نہیں، گھر میں اچھی اسٹڈی ہو سکتی ہے۔'' وہ فیصلہ سناتے ہوئے بولیں۔

''پھر تو زونی کو بھی گھر میں ہی پڑھنا چاہیے، کالج میں تو ٹائم ویسٹ ہوتا ہے۔'' وہ دوبدو بولی۔

''تم ہوتی کون ہو میرے بارے میں یوں رائے دینے والی۔'' زونی تپ گئی۔

''بار بار بھول جاتی ہو میں کون ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''اور ماما میں گاڑی میں ہوں باہر آپ کا انتظار کر رہی ہوں، آ جائیے۔'' اس نے ان دونوں کی اگلی بات سنے بغیر باہر کا رخ کیا۔

اسے اب یہ چھ، آٹھ ماہ بلال کے پاس جانے سے پہلے تک کا ٹائم کیسے گزارنا تھا، سمجھ میں آ گئی تھی۔

''مجھے کیا ضرورت ہے دبنے کی یا ڈرنے کی، امی صحیح کہتی ہیں میرے شوہر کا گھر ہے اور میں نے اس سے بھاگ کر شادی کی ہے نا چھپ کر، پھر میں کیوں ڈروں۔'' وہ بے خوفی سے گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔

ذرا دیر بعد ڈرائیور آ کر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

''ماما اور زونی کو تو آنے دیں۔'' وہ اس کے گاڑی اسٹارٹ کرنے پر بولی۔

''بیگم صاحبہ تو آج لیٹ جائیں گی اور زونی بی بی نے آج کالج نہیں جانا۔'' وہ گاڑی گیٹ سے باہر نکال لے گیا۔

''تو ان دونوں کو مجھ سے اتنی نفرت ہے کہ میرے برابر بیٹھنا ان کی توہین ہے، اتنا تکبر، اتنا غرور......انسانیت کا پرچار کرنے والی میڈم فضیلہ مبشر آپ بھی......'' اس نے دکھ سے سوچا۔

''کاش آپ جاہلانہ رویوں کا ساتھ دینے سے پہلے ذرا سا تو سوچتیں۔''

اسے لگا میڈم فضیلہ مبشر کہیں نہ کہیں اپنی ساتھ بھی زیادتی کر رہی ہیں۔

''میرا آئیڈیل اتنا بودا، اتنا کمزور نکلے گا، یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔'' اس کا دھیان ذرا بھی آنے والے وقت کی طرف نہیں تھا کہ وہ آج اتنے دنوں بعد کالج جا رہی تھی۔

گاڑی جھٹکے سے رکی تو وہ خیالوں سے چونکی۔

کالج کے اندرونی گیٹ سے آگے پرنسپل آفس سے ذرا فاصلے پر کھڑی گاڑی اسے کسی بڑی تبدیلی کا پتا دے رہی تھی۔ وہ پرنسپل کی گاڑی میں کالج آئی تھی اور ڈرائیور کے دروازہ کھولنے پر کس شان سے اتری تھی، اردگرد گزرتی لڑکیاں ٹھٹک گئی تھیں۔

اور پھر ایک دوسرے سے منہ جوڑ کر سرگوشیاں کرتی وہ رک رک کر آگے بڑھ رہی تھیں، مگر اسے ان سرگوشیوں اور جڑے ہوئے سروں پر دھیان نہیں دینا تھا۔

وہ بڑے وقار سے چلتی ہوئی اپنی کلاس کی طرف آئی۔

عروج اور رباب تو اسے دیکھ کر باقاعدہ پتھرا سی گئیں۔

''کیا میرے سر پر سینگ اگے ہوئے ہیں۔'' وہ ان کے پاس آ کر زبردستی لہجہ بشاش کر کے بولی۔

''سینگ اگ آتے تو بھی ہمیں اتنی حیرت نہ ہوتی یار!'' رباب پہلے ہوش میں آئی تھی۔

''پھر ایسا کیا ہو گیا۔'' وہ اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔

''تم تو بالکل بدل سی گئی ہو ثانی!'' وہ ابھی بھی حیران سی تھیں۔

''کچھ بتاؤ گی تو پتا چلے گا نا، کیا بدل گئی ہوں؟'' دونوں اس کے دائیں بائیں آ کر بیٹھ گئیں۔

''تم پہلے سے اتنی خوب صورت تھیں یا میڈم کے بیٹے نے تمہیں کسی بیوٹی مانجھے سے رگڑا ہے۔'' عروج آگے ہو کر بولی۔

''بکواس نہیں کرو۔'' وہ جھینپ گئی۔

''بھئی ثانی کی تو ٹور ہی بدل گئی ہے۔ پرنسپل کی گاڑی میں آئی ہیں اور ڈرائیور نے دروازہ کھولا، لڑکیاں تھم تھم گئیں ان کو دیکھ کر۔'' پیچھے سے فروا نے آ کر کہا تو دونوں پھر سے اسے دیکھنے لگیں۔

''توبہ ہے کیا عاشقوں کی طرح میرا پوسٹ مارٹم کیے جا رہی ہو، کتابیں کھولو، پیریڈ اسٹارٹ ہونے والا ہے۔'' وہ جھینپ کر کتاب کھولنے لگی۔

''آج تو کوئی پیریڈ نہیں لیا جائے گا۔ تم بس اٹھو پہلے تو ہمیں یہیں ہلکی پھلکی ٹریٹ دو، پھر کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں وعدہ...... پھر ہم تمہاری جان بخشیں گے۔'' وہ زبردستی اسے کھینچتی ہوئی کلاس سے باہر لے آئیں، وہ چیختی رہ گئی۔

''خدا کا خوف کرو پیریڈ اسٹارٹ ہو گیا ہے، میں اتنے دنوں بعد تو آئی ہوں، مجھے کلاسز تو اٹینڈ کر لینے دو۔'' مگر وہ سے باقاعدہ گھسیٹتی ہوئی لے گئیں۔

✠ ✠ ✠

وہ پوری طرح پڑھائی میں مصروف ہو گئی تھی، کھانا بھی کمرے میں منگوا لیتی اور کوشش کرتی ان دونوں کے سامنے نہ ہی جائے۔

ابو کا چہلم بھی ہو گیا، وہ بیچ میں صرف دو بار گھنٹہ گھنٹہ بھر کے لیے گئی، خدیجہ نے بھی اسے روکا نہیں۔ وہ خود ہی چاہتی تھی کہ ثانیہ زیادہ سے زیادہ ادھر ہی رہے۔

''ثانی! ایک خوش خبری ہے۔ چند دنوں میں سناؤں گا آ کر۔'' وہ جب پچھلی دفعہ آنے لگی تو عمیر نے اس کے کان میں کہا۔

''بکواس۔ تمہارے پاس کیا خوش خبری ہو گی، تنخواہ بڑھ گئی ہے؟'' وہ متجسس سی وہیں رک گئی۔

''یہ نہیں۔ بتاؤں گا تو اچھل پڑو گی۔'' وہ اسی طرح بولا۔

''امی سے پوچھ لیتی ہوں۔'' وہ اندر جانے لگی۔

''امی کو پتا ہی نہیں اس بات کا۔''

''افوہ تو بتاؤ نا۔ کیا ہے خوامخواہ کا تجسس۔'' وہ جھلا کر بولی۔

''ابھی نہیں بس ذرا ٹھہر جاؤ، ورنہ سرپرائز کا مزہ کیا۔''

عمیر بھی پورا ڈھیٹ تھا، نہیں بتایا وہ بھی کچھ دنوں میں بھول بھال گئی۔

''تم گھر میں پڑھ لیا کرو، یوں بھی کلاسز تو آف ہونے ہی والی ہیں۔'' شاید فضیلہ نے اس سے کچھ کہنا تھا جو بلال سے اگلے مہینے ہی کہہ بیٹھا تھا۔

''میں کیوں گھر بیٹھوں؟'' وہ فوراً کہنے لگی تھی، پھر یک دم کچھ خیال آنے پر چپ ہو گئی۔

''ثانی! چپ کیوں ہو گئیں؟'' وہ سمجھا شاید وہ خفا ہو گئی۔

''ٹھیک ہے، نہیں جاتی۔'' وہ اتنی جلدی مان جائے گی بلال کو یقین نہیں تھا۔

''ناراض ہو گئیں۔''

''نہیں۔ بالکل بھی نہیں، کالج جا کر یوں بھی اب تو ٹائم ویسٹ ہوتا ہے، لیکن گھر میں ہی پڑھ لیا کروں گی۔'' وہ فرماں برداری سے بولی۔

''شاباش، تم تو بہت فرماں بردار ہو گئی ہو۔'' وہ خوش ہو کر بولا۔

''محبت تو نام ہی شاید فرماں برداری کا ہے۔'' وہ ہولے سے بولی۔

''تم کیسی ہو گئی ہو ثانی؟'' وہ اچانک سے بولا۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونکی۔

''تم اتنی اچھی باتیں کر رہی ہو سامنے ہو تو تم پر کتنا پیار آئے۔ بہت دل کر رہا ہے تم سے ملنے کو، باتیں کرنے کو،

تمہیں دیکھنے کو۔''

''اونہوں بلال! پھر پٹری سے اترنے لگے۔'' وہ دھڑکتے دل کو نظر انداز کر کے بولی۔

''تم نیٹ پر کیوں نہیں بیٹھی رات کو۔''

''مجھے دیر تک پڑھنا ہوتا ہے اور نیند پوری نہ ہو تو مجھ سے پڑھا بھی نہیں جاتا، اور پتا نہیں مجھے آج کل اتنی نیند کیوں آنے لگی ہے، ورنہ پہلے میں ایگزام میں رات رات بھر پڑھ لیا کرتی تھی۔''

''ہماری نیندیں اڑا کر تم پر نیند سوار ہے، ظلم سا ظلم ہے۔'' وہ آہ بھر کر بولا۔

''ویسے ایک بات تو ٹھیک ٹھیک بتائیں۔''

''ابھی تک کچھ بھی غلط بتایا تمہیں میں نے۔''

''آپ واقعی وہاں پڑھنے گئے ہیں یا صرف فون کرنے، ہر وقت یہی کام ہے آپ کو۔''

وہ ہنس پڑا۔ ''اور اب مجھے سمجھ میں آیا کہ ماما مجھے شادی کرنے پر کیوں مجبور کرتی تھیں کہ جو بھی ہوگا، یہ لوٹ کر تو آئے گا وہاں جا کر بھی وہاں کا نہیں ہو سکے گا۔''

''اچھا بلال! کب آئیں گے، میں بھی تو سخت اداس ہو رہی ہوں، ایسے دل بجھا بجھا سا رہنے لگا ہے اور سچ بتاؤں، اب تو پڑھنے میں بھی جی نہیں لگتا۔''

''ہائے دیکھا لگ گئی نا میری آہ تمہیں بھی۔'' وہ خوش ہو کر بولا۔

''اچھا بتائیں نا!'' وہ بے صبرے پن سے بولی۔

''ابھی کہاں یار، ابھی تو تمہارے آنے کے لیے کوشش کر رہا ہوں، فرسٹ سمسٹر ہو جائے تو پھر دیکھوں گا۔'' تم اداس ہو تو آنٹی کی طرف ہو آنا تھا۔ وہ اس کی اداسی کا خیال کر کے بولا۔

''نہیں، پڑھنا ہوتا ہے مجھے۔''

''ماما کا رویہ اب کیسا ہے تمہارے ساتھ؟'' بلال وقتاً فوقتاً یہ سوال اس سے پوچھتا ہی رہتا تھا۔

''پتا نہیں میں اب زیادہ feel نہیں کرتی۔ اسٹڈیز میں ٹائم ہی نہیں ملتا۔'' اس نے سچ بولا کہ اسے واقعی آج کل ٹائم ہی نہیں تھا ان کے رویے پر غور کرنے کا۔

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔'' وہ مطمئن سا ہو گیا۔

وہی روز کی باتیں، جدائی اور تشنگی کی باتیں کرتے کرتے انہیں گھنٹوں بیت جاتے اور جی سیر نہ ہو پاتا۔

زونیرا اسی طرح اسے دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیتی، مگر اسے پروا نہیں تھی۔ اسے تو بس یہ چند ماہ گزارنے تھے اور وہ تیزی سے گزر رہے تھے۔

✠ ✠ ✠

اگلی صبح پھر آ گیا۔ ''ثانی سرپرائز۔'' وہ کبھی اس کے گھر نہیں آیا تھا، مگر آج شاید اس سرپرائز کے چکر میں سب بھول کر چلا آیا تھا۔

''کون سا سرپرائز؟ اب تو بتا دو۔'' اسے بھی یاد آ گیا۔

''میں قطر جا رہا ہوں اگلے مہینے۔'' وہ اچانک بولا۔

''قطر..... کیا مطلب..... کیسے؟''

''قطر کا مطلب تو قطر ہی ہے اور کیسے تو ظاہر ہے جہاز سے۔''

''مگر کس کے ساتھ ..... کس طرح ..... اور دیکھو عمیر آج کل بہت فراڈ ہو رہے ہیں۔ تم خوامخواہ کسی کے چکر میں نہ پڑنا، شکل سے ہی اتنے سیدھے لگتے ہو۔'' وہ متفکر ہو کر بولی۔

''صاف کہو نا بے وقوف لگتے ہو۔'' وہ چڑ کر بولا۔

''اب اگر تمہیں اپنا ہی پردہ رکھنا منظور نہیں تو میں کیا کر سکتی ہوں۔'' وہ بھی جواب میں مسکرائی۔

''اچھا بتاؤ نا کیسے جا رہے ہو، کس کے ساتھ۔'' وہ پھر سے بولی۔

''ابو کے دوست تھے، کہیں سالوں بعد ابو سے ملنے آئے اور پتا ہے انہوں نے ابو سے کئی سال پہلے دس ہزار کا قرض لیا تھا قطر جانے کے لیے اور واپس بھی نہ کر سکے، اب ابو سے ملنے آئے اور وہ قرض واپس کرنے، ہمارے حالات دیکھے تو بہت افسردہ ہوئے۔ ان کے وہاں بہت بڑے دو، تین اسٹور ہیں، انہوں نے امی سے مجھے بھیجنے کو کہا، پہلے تو امی مان نہیں رہی تھیں، پھر یونس کے ابو نے سارا پتا کروایا تو انکل افتخار بالکل ٹھیک کہہ رہے تھے، ان کے قطر میں اسٹور ہیں اور کمپنی بھی ..... میرے سارے پیپرز بھی انہوں نے بنوائے ہیں اب اگلے مہینے جا رہا ہوں۔'' اس نے تفصیل بتائی۔

وہ تھوڑی دیر کو خاموش سی رہ گئی۔

''اب تمہیں کیا ہوا ہے؟'' وہ اس کی چپ پر بولا۔

''امی کے پاس کون رہے گا۔''

''یہ پریشانی تھی پھر اس کا بھی حل نکل آیا۔''

''امی، زبیر اور عانیہ ملتان جائیں گے منیر چچا کے پاس۔''

''کیا؟'' وہ حیران سی رہ گئی۔

''پہلے تو انہیں کبھی خیال نہیں آیا ابو کی اتنی طویل بیماری میں بھی نہیں، جب ہم پہ فاقے بھی آئے۔'' وہ ناراضی سے بولی۔

''ہمارا حصہ تو ہے نا اس گھر میں اور چچا کو فالج ہو گیا ہے، بیٹا ان کا کوئی ہے نہیں، بیٹی ہے، بس اب امی کو فون پر منتیں کر کے بلا رہے ہیں، یوں بھی امی یہاں سب گھروں کے کام تو چھوڑ چکی ہیں، یہاں اکیلی رہیں گی تو مجھے بھی فکر ہو گی۔'' وہ ذمہ داری سے کہہ رہا تھا۔

''تم بتاؤ، صحیح ہے نا؟'' اسے بالآخر اس سے بھی مشورہ لینے کا خیال آ گیا۔

''اب میں کیا کہوں، سب کچھ تو تم طے کر کے آئے ہو۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی گلہ کر ہی گئی۔

''ثانی! اس کے سوا اور کون سا راستہ ہے؟''

''اور میں یہاں اکیلی۔ کسی نے میرے بارے میں نہیں سوچا۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''تم اکیلی کیوں؟ آنٹی ہیں، یہ گھر تمہارا ہے، پھر تھوڑے عرصے تک بلال بھائی تمہیں بلا لیں گے تو .....'' گویا اس کے نزدیک اس کی کوئی بھی پریشانی اب پریشانی نہیں رہی تھی۔

وہ چپ ہو گئی۔

''تمہیں روحیل کبھی نہیں ملا؟'' وہ اٹھ کر جا رہا تھا، جب ثانیہ کو خیال آیا۔

''ایک بار آئے تھے ابو کے مرنے کے بعد۔ امی نے ٹھیک طرح سے ان سے بات ہی نہیں کی تو پھر دوبارہ نہیں آئے۔''

''امی کو جانے اس سے کیا دشمنی ہو گئی ہے۔'' وہ بڑبڑائی۔
''اور مجھے کوئی بتا رہا تھا۔'' وہ رک گیا۔
''''کیا بتا رہا تھا؟'' وہ بے چینی سے بولی۔
''روحیل بھائی نے خودکشی کی کوشش کی تھی، جن دنوں ابو کا انتقال ہوا وہ اسپتال میں تھے۔''
''کیا؟'' وہ ایک دم سے پریشان ہو گئی۔
''تم نے ان سے پوچھنا تھا؟''
''کیا فائدہ ...... یوں بھی دوبارہ وہ کبھی ملے ہی نہیں۔''
''اور ماموں کی طرف بھی نہیں گئے؟''
''لو، ماموں تو ان کی شکل دیکھنے کے روادار نہیں۔'' دونوں خاموش ہو گئے۔
''چلتا ہوں، میں جانے سے پہلے ملنے آؤں گا یا تم آ جانا۔'' وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
''میں آ جاؤں گی اور امی کو میرا اسلام کہنا، اپنا خیال رکھنا، بہت بڑا فیصلہ کر لیا ہے تم نے۔'' وہ پیار سے اس کا کندھا تھپک کر بولی۔
''تم بس دعا کرنا، ان شاء اللہ دو چار سالوں میں سیٹ ہو کر امی کو بھی وہیں بلا لوں گا۔'' وہ پرعزم لہجے میں بولا اور ثانیہ کو یقین تھا وہ ایسا کر سکتا تھا۔
وہ اسے باہر تک چھوڑنے گئی اور کچھ اداس سی اندر واپس آئی کہ عمیر اس کا دوستوں جیسا بھائی اس سے اتنا دور چلا جائے گا۔

''ماما ...... ماما میں نے اپنا بریسلٹ اور بالیاں اتار کر رکھی تھیں، کہاں گئیں؟'' وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ لاؤنج سے آتی زونی کی تیز آواز نے اس کے قدم ٹھٹکا دیے تھے اور چند منٹوں میں وہ اپنی پسند کا منظر تخلیق کر چکی تھی۔
''اس کا بھائی آیا تھا۔ ابھی چور اچکا وہی یہاں بیٹھا تھا، پوچھیں اس سے نوکروں سے پوچھ لیں۔ یہ دونوں یہیں بیٹھے تھے اور میں یہیں ابھی کچھ دیر پہلے تو اپنا بریسلٹ اور ٹاپس اتار کر گئی تھی۔'' اس کے واویلے پر سب ہی اکٹھے ہو گئے۔
اور نوکروں کی موجودگی میں ثانیہ اس گھٹیا الزام پر ششدر رہ گئی۔
''دیکھ رہی ہیں اس کی چوروں جیسی شکل۔ کیا جواب ہے اس کے پاس کہ ...... ڈرائیور کو بھیجیں ابھی اس چور کے پیچھے۔ ابھی وہ دور نہیں گیا ہو گا۔'' وہ اور تیز تیز بولنے لگی۔
ثانیہ کی خاموشی نے اسے شیر کر دیا تھا۔
''زونی! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ عمیر تو ابھی میرے سامنے خالی ہاتھ ......''
''جھوٹ، بکواس اور ماما یہ پہلے بھی ہم دونوں کی غیر موجودگی میں یہاں آتا رہا ہے، مجھے خود سروری نے بتایا تھا، آپ ڈرائیور کو بھیجتی کیوں نہیں۔'' وہ چیخ کر بولی۔
''تم غلط بات مت کرو، میرا بھائی ایسا کیوں کرے گا۔''
''کیونکہ وہ تمہارا بھائی ہے، بھول گئی تم وہ موبائل والی حرکت کہ ابھی سب کے سامنے یاد دلاؤں۔'' وہ گھٹیا پن کی آخری حد کو بھی چھو سکتی تھی، ثانی بے یقین نظروں سے اسے دیکھے گئی۔
''سروری! ڈرائیور سے کہو اس لڑکے عمیر کو لے کر آئے ابھی۔'' فضیلہ کی سرد آواز نے ثانیہ کو ایک دم سے پتھر کر دیا۔

اور ڈرائیور اس وقت عمیر کو لینے چلا بھی گیا۔
''اگر وہ چیزیں واقعی عمیر کے پاس سے نکل آئیں...... مجھے تو پتا بھی نہیں کہ ایسا کچھ یہاں پڑا تھا'' وہ چکراتے
دل تھام کر وہیں بیٹھ گئی۔

✠ ✠ ✠

وہ دن شاید اس کی زندگی کا بدترین دن تھا۔
''تم کیوں آئے ہو یہاں؟'' اسے اتنے مہینوں بعد کہ جس سے ملنے کی آرزو وقتاً فوقتاً اس کے دل میں ہڑکتی
رہی تھی، سامنے دیکھ کر ایک دم سے اجنبی ہوگئی۔
''بہت دنوں سے آنا چاہ رہا تھا، مگر۔'' اور وہ اس ''مگر'' سے آگے اس کے لہجے میں بجھتے دیے سا دھواں دیکھ ہی
نہ سکی۔
''کیوں۔ کیوں دل چاہ رہا تھا؟ کیا تعلق ہے تمہارا مجھ سے...... کزن کا ناتا تو جس طرح تمہیں ماموں نے عاق
کر دیا۔ اس کے بعد کیا رستہ رہ جاتا ہے، ہم دونوں کے بیچ۔''
وہ اس پر یوں برس پڑے گی، اس کا گمان تک نہیں تھا روحیل کے دل میں، ورنہ وہ کبھی نہ آتا، جہاں اتنے مہینے
صبر کرتا رہا تھا، بس حیران سی رنج بھری نظروں سے تکتا رہ گیا۔
اور وہ خود کس قدر پریشان تھی کہ دو گھنٹوں سے عمیر کی تلاش جاری تھی اور وہ کہیں نہیں مل رہا تھا، کیسے روحیل کو
بتاتی۔
''بس تم جاؤ یہاں سے پلیز...... جانتے ہو نا میرے سسرال والے کب پسند کرتے ہیں میرے گھر والوں کا ملنا
ملانا'' اسے اس کی رنج بھری نظروں نے خائف کیا تھا یا اپنے بدصورت رویے نے کہ وہ وجہ بیان کرنے پر مجبور ہوگئی۔
''جوڑیں آپ ان جیسے ٹٹ پونجیوں، بھکاریوں میں رشتہ داری، پہلے ایک آیا اور زیور چرا کر نکل گیا اور اب یہ
دوسرا اس کا سگا آیا بیٹھا ہے، اس سے اب اس نے کون سی ڈکیتی کروانی ہے پوچھیں ذرا آ کر۔'' زونی چیختی ہوئی اندر آ گئی۔
ثانیہ تو حق دق سی بیٹھی رہ گئی، روحیل ایک دم سے کھڑا ہو گیا۔
اسی وقت فضیلہ وہاں آ گئیں۔
انہوں نے دونوں کو ایسی شعلہ بار نظروں سے دیکھا کہ ثانیہ کو لگا آج کچھ نہیں بچے گا اس کی زندگی میں۔
''دیکھ رہی ہیں آپ اپنی بہو بیگم کے کارنامے۔'' زونی دونوں کو ہراساں دیکھ کر کسی اور ہی انداز میں بولی۔
''پوچھیں سروری کو۔ وہ بتائے گی آ کر یہ یہاں پہلے بھی چپکے سے کتنی بار آ چکا ہے، ان دونوں کے درمیان یہ چکر
اب کا نہیں شادی سے پہلے اس کا اپنے اسی کزن کے ساتھ بڑا عاشقانہ تھا، بولو جھوٹ بول رہی ہوں میں یہ بھی۔''
زونی ایک نقطے سے پوری کہانی تخلیق کر لینے والی ذہنیت رکھتی تھی یا واقعی اسے پہلے سے تھوڑا بہت علم تھا، ثانیہ
یک ٹک اسے دیکھتی چلی گئی۔
''ہوش میں تو ہیں آپ مس؟'' جانے روحیل کے حواس کیسے بحال رہے تھے۔
''ابھی تو ہوش میں آئے ہیں۔ پہلے اس کا وہ فقیر لپا لفنگا بھائی ہمارا زیور چرا کر نکل گیا اور اب تم آ گئے ہو۔ خان
بابا...... خان بابا'' وہ زور زور سے چوکیدار کو پکارنے لگی۔
''ادھر آؤ دھکے دے کر نکالو اس کو یہاں سے اور آئندہ ادھر نظر آئے تو اس کی ٹانگیں توڑ دینا یا پولیس کو بلا لینا۔''

وہ شاید پاگل ہو چکی تھی۔

''مجھے لگتا ہے تمہارا دماغی توازن درست نہیں۔'' وہ غصے میں کہہ کر خان بابا کے اندر آنے سے پہلے لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

ثانیہ تیورا کر گری اور صوفے پر ہی اوندھی ہو گئی۔

''دیکھ رہی ہیں ماما! اس شاطر کا ڈرامہ، مکار الٹا بے ہوش ہو کر پڑ گئی۔ دو جوتے لگوائیں ابھی بولے گی ہوش میں آ کر۔ کہاں بھاگا۔ اس کا وہ چور بھائی حرام خور۔''

ذرا بھی نہیں لگ رہا تھا کہ زونی کسی پروفیسر کی پڑھی لکھی بیٹی ہے۔

فضیلہ نے آگے بڑھ کر ثانیہ کو دیکھا، وہ بے حس پڑی تھی۔

''دفع کریں کیوں کھڑی ہیں یہاں، خود ہی اٹھ جائے گی ہم جائیں گے تو، مکر کر رہی ہے، سارے گُر ماں نے سکھا کر بھیجے ہیں، پتا کروائیں اس ڈکیت کا پورے چالیس ہزار کا بریسلٹ تھا میرا اور بیس کے ٹاپس...... ابھی نہ ملا تو ماما میں پولیس کو بلوالوں گی۔''

''چپ کر جاؤ، خوامخواہ چلائے جا رہی ہو، دیکھ لیتی ہوں میں، جائے گا کہاں مگر اس کو کیا ہوا ہے۔'' وہ جھک کر ثانیہ کو آوازیں دینے لگیں۔

وہ واقعی بے ہوش تھی۔

''زونی! یہ تو بے ہوش ہے۔'' وہ فکرمندی سے بولیں۔

''مر جائے اللہ کرے۔ ہمارے گھر کا سکون غارت کر دیا ہے، جب سے آئی ہے۔'' وہ تلملا کر بولی۔

انہوں نے اس کی بدزبانی پر اسے ناگواری سے دیکھا اور سروری کو پانی لانے کے لیے پکارنے لگیں۔

✠ ✠ ✠

''تو ثانیہ بی بی! یہ ہے وہ خوب صورت خواب سی زندگی، جس کا سرا پکڑ کر تم اس محل میں آئی تھیں۔'' وہ کسی آگ میں جلتا پہلے کی طرح پیدل ہی سڑکوں پر چلا جا رہا تھا۔

''اتنی نفرت، اتنی حقارت، اتنے پڑھے لکھے مہذب لوگوں کی نظروں میں...... تم جو اتنی نرم گفتار محبت کرنے والی، سب کی پروا کرنے والی تھیں، ثانی تم ان کے بیچ کیسے رہتی ہو گی اور تم نے جس طرح مجھ سے بات کی شاید میں ایک بار پھر کسی ریل کی پٹڑی کے آگے جا کر لیٹ جاتا، اگر یہ سب مجھ پر نہ کھلتا، ثانی! تم ایسی زندگی گزار رہی ہو اور وہ جو تمہیں محبت کا جھانسا دے کر کس چاؤ سے بیاہ کر لے گیا تھا، وہ کہاں ہے، تم اتنی اکیلی! اتنی خوف زدہ، اتنی سہمی ہوئی بے اعتبار سی تو کبھی نہ تھیں۔'' اس کا دل چاہ رہا تھا وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

''ارے روحیل! تم یہاں ہو؟ کب سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔'' کسی نے عقب سے آ کر اسے پکارا تھا۔

اور ملگجے اندھیرے اور روشنی کے سنگم پر کھڑی شام کے سایوں میں وہ کوشش کے باوجود پکارنے والے کو پہچان نہیں سکا۔

''چلو میرے ساتھ تمہیں لینے آیا ہوں۔'' وہ اس کا ہاتھ کھینچتے ہوئے بولا۔

''کہاں...... کہاں لے جا رہے ہو مجھے، کون ہو تم؟'' وہ وہیں رک گیا۔

''اسپتال جانا ہے، جلدی کرو۔ میں...... کاشف ہوں، پہچانا نہیں مجھے۔'' وہ پھر بھی اسے نہیں پہچان سکا۔

''مگر اسپتال کیوں؟''

✠ ✠ ✠

''ارے کمال ہے، آپ کو پتا ہی نہیں چلا، پروفیسر صاحبہ! آپ تو اچھی خاصی سمجھ دار ہیں۔'' ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے خوش گوار حیرت سے کہا تھا۔

''کیا مطلب...... کس بات کا؟''

''آپ دادی بننے والی ہیں۔''

اور وہ تو ناقابل بیان خوشی کے احساس سے کچھ دیر کچھ بول ہی نہ سکیں۔

''کیا کہہ رہی ہیں آپ۔ سچ واقعی۔'' وہ کبھی ڈاکٹر کو دیکھتیں کبھی آنکھیں بند کیے نڈھال کمزوری ثانیہ کو۔

''کل انہیں میرے کلینک لے آئیں، مکمل چیک اپ تو وہیں ہوگا، ابھی فی الحال انہیں یہ میڈیسن دے دیں، ویک بہت ہیں یہ، آپ کو ان کی ڈائٹ کا اسپیشل دھیان رکھنا پڑے گا۔ اور ہم تو بھئی آپ کے فیملز میں سے ہیں آپ ہمیں ویمہ شادی میں انوائٹ کرنا بھول گئی تھیں، اب پوتے کی خوشی میں نہ بھول جایئے گا۔'' وہ جاتے جاتے کیسا طعنہ مار کر گئیں کہ نفیسہ سے فوری طور پر کوئی جواب ہی نہ بن سکا۔

''جھوٹ بالکل بکواس۔'' زونی تو سنتے ہی نفرت سے بول پڑی۔

''اب ڈاکٹر تو جھوٹ نہیں بول سکتی نا۔'' وہ حیرت سے بولیں۔

''ڈاکٹر جھوٹ نہیں بول سکتی، مگر کیا آپ کو یقین ہے یہ بچہ...... بھائی کا ہی ہے۔'' انہیں لگا کوئی بم ان کے آس پاس پھٹا ہے، ان کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک پھیل گئیں۔

''کیا بک رہی ہو؟'' بہت مشکل سے انہوں نے اپنا اٹھتا ہاتھ کنٹرول کیا تھا۔

''اتنے دنوں سے تو پتا نہیں چلا اور آپ کو پتا ہے بھائی کو گئے کتنے مہینے ہونے کو آئے ہیں تو اب یہ اچانک۔'' وہ کیسی خوفناک باتیں کر رہی تھی، حساب کتاب کیا بنتا ہے اور کیا کہتا ہے، جلدی جلدی دل ہی دل میں جوڑ توڑ تو وہ بھی کر چکی تھیں، مگر اپنی بن بیاہی انیس سالہ بیٹی کے منہ سے یہ سب کچھ سن کر انہیں لگا ان کی تربیت میں بہت بڑی کمی ہی نہیں بلکہ کوئی بہت بڑا خلا رہ گیا ہے، جواب کسی بھی طرح سے پُر نہیں ہو سکے گا۔

''تمہیں اس حساب کتاب میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ پھر بھی اسے کوئی سخت ترین جواب دیتے دیتے رہ گئیں۔

''کیوں نہیں پڑنا چاہیے، آپ جانتی نہیں آپ کی بہو صاحبہ کس کلاس، کس طبقے سے آئی ہیں اور وہاں کیا کچھ نہیں آرام سے ہو جاتا۔''

وہ بجائے شرمندہ ہونے کے یا ماں کی...... خفگی پر خاموش ہونے کے ڈھٹائی سے بولی۔

''اچھا بس ہر وقت یہی زہر اگلنے کی ضرورت نہیں، میں دیکھ لوں گی سب، تم ذرا انور کو بلاؤ، میں اس سے یہ میڈیسن تو منگواؤں۔'' وہ ہاتھ میں پکڑا نسخہ دیکھتے ہوئے بولیں۔

''آپ کو تو...... اور میں بتا رہی ہوں اگر میرا بریسلٹ اور ٹاپس نہ ملے تو میں اس عورت کو یہاں سے دھکے مار مار کر نکال دوں گی، چور، لفنگے خاندان کی نیچ ذات۔''

''چپ کرو شرم نہیں آتی ایسے لفظ بولتے ہوئے، تہذیب اور اخلاق کیا ہوتا ہے تمہیں بھول ہی گیا سب کچھ، میری

خاموشی کا تم ناجائز فائدہ اٹھائے جا رہی ہو، مل جائے گا تمہارا رزلٹ اور ٹاپس، نہ ملے تو میں دلا دوں گی، مگر اب خدا کے لیے کچھ دیر کو خود بھی پرسکون ہو اور مجھے بھی سانس لینے دو، ہر وقت ہنگامہ، ہر وقت چخ چخ، گھر نہ ہو گیا اکھاڑا ہو گیا، اب اور نہیں برداشت کروں گی میں۔'' وہ بولنے پر آئیں تو بولتی ہی چلی گئیں۔

''آپ کو کچھ احساس نہیں، وہ آپ کو بدنامی کے کس گڑھے میں دھکیلنے آئی ہے۔''

''ہر بات میں کوئی نہ کوئی منفی پہلو فضول نکتے۔ تمہیں کوئی بھلی بات بھی سوجھتی ہے زونی! کیوں اتنی اذیت دے رہی ہو خود کو۔'' انہیں ایک دم اس پر ترس سا آ گیا۔

''ماما! اگر آپ نے اس کو یہاں سے نہیں نکالا تو شاید پھر میں یہ اذیت آپ سب میں کچھ اس طرح سے تقسیم کر دوں گی کہ آپ کسی کو منہ دکھانے کے لائق بھی نہیں رہیں گی۔''

''کیا بکواس کر رہی ہو تم۔'' وہ چونک کر بولیں۔

''بکواس نہیں بالکل سچ ماما۔'' وہ پراسرار انداز میں بولی۔

وہ ٹھٹک سی گئیں۔ زونی کے تیور اچھے نہیں تھے۔

''بہت آسانی سے، یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ یہ بچہ کس کا ہے اور یہ میں بتاؤں گی سب کو، بلال بھائی کو، لوگوں کو، کالج میں ہر جگہ۔ اگر آپ نے اسے یہاں سے نکالا نہیں تو۔''

وہ ششدر سی زونی کو تکنے گئیں۔

یہ وہ زونی تو نہیں تھی جوان کی بیٹی تھی۔ یہ تو کوئی اور کوئی بہت مکار اور عیار لڑکی تھی، جو صرف نفرت کرنا جانتی تھی یا نفرت بانٹنا۔

''اور یہ سب میں آپ کو دھمکانے کے لیے نہیں کہہ رہی۔ میں اس کو یہاں سے نکالے بغیر چین سے نہیں بیٹھوں گی اور اس سے اچھا گولڈن چانس ہمیں اور کوئی نہیں ملے گا، آپ کو صرف یہ فیصلہ کرنا ہے کہ میرا ساتھ دیں گی یا اس بدنامی کا، جو دو، چار دنوں میں آپ کے گھر کے باہر ہر جگہ منڈلانے والی ہے۔'' وہ چبا چبا کر کہتی، انہیں کوئی گھاک عیار بلیک میلر لگی تھی۔

وہ بوجھل قدموں سے ثانیہ کے کمرے کی طرف بڑھیں۔

ثانیہ کی کھنکتی آواز نے انہیں وہیں ٹھٹکا دیا۔

''جی جناب آپ باپ بننے والے ہیں اور ماما دادی، ابھی...... ڈاکٹر نے بتایا ہے۔''

''ہاں تو میرا ابھی پہلا تجربہ تھا، مجھے کیا پتا کیا ہوتا ہے اور بلال قسم سے مجھے تو کچھ فیل بھی نہیں ہوا تھا۔''

''پکا جناب ہنڈرڈ پرسنٹ۔'' وہ پھر سے ہنسنے لگی۔

اور وہ وہیں دیوار سے ٹیک لگا کر گہرے سانس لینے لگیں۔

''آپ کو صرف یہ فیصلہ کرنا ہے میرا ساتھ دیں گی یا اس بدنامی کا، جو دو، چار دنوں میں آپ کے گھر کے باہر ہر جگہ منڈلانے والی ہے۔'' انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

✠ ✠ ✠

ایمرجنسی کے باہر بے تحاشا رش تھا، اور روحیل کو تو سب ہی چہرے اجنبی لگ رہے تھے۔

وہ لوگوں سے ٹکراتا، الجھتا ٹھوکریں کھاتا اس کاشف نامی لڑکے کے ساتھ بھاگا چلا جا رہا تھا۔

ایمرجنسی میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔

مگر اس کاشف نے جانے اسٹاف سے کیا کہا کہ انہوں نے روحیل کے چہرے پر ایک گہری نظر ڈال کر سر ہلا دیا۔

وہ بے حد ڈرا، سہما ہوا سا اندر داخل ہوا۔ اندر، باہر کے مقابلے میں گمبھیر خاموشی تھی۔

کوئی بھی آہٹ، کوئی بھی آواز نہیں تھی، حتیٰ کہ سامنے بیڈ کے دائیں بائیں لگی مشینوں پر چلتی روشنی کی باریک سی لکیریں بھی بالکل سپاٹ تھیں۔

کمرے میں برفیلی ٹھنڈک تھی۔

''شاید ہمیں دیر ہوگئی۔'' اس کے پیچھے آتے کاشف نے سرگوشی کی اور بڑھ کر آہستگی سے اس دودھیا چادر کا سرا ایک طرف کو سرکا دیا۔ روحیل نے بہت مشکل سے گردن ترچھی کی اور اس طرف دیکھا جہاں چادر کے نیچے سے وہ برفیلی ٹھنڈک نکل کر سارے کمرے میں پھیل رہی تھی، اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں اور پل بھر کو اس کا دل پھیل کر اتنا سکڑا کہ اسے لگا شاید اب کبھی دوبارہ وہ سانس نہ لے سکے گا۔

وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

ختم

''زونیرا میری بیٹی ہے اور میں اس کی ماں......ایک پڑھی لکھی اعلیٰ عہدے پر فائز ذمہ دار ماں اور میں اس کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہوں۔ وہ مجھے اپنی مرضی اور پسند کی راہ پر ہانکے جا رہی ہے۔

اور میں......میں فضیلہ مبشر جس نے زندگی کے کسی موڑ پر کسی دوسرے کی مرضی یا فیصلے کو خود پر مسلط نہیں ہونے دیا ایک انیس بیس سال کی لڑکی کے فیصلوں کی محتاج ہو گئی؟

اس سارے معاملے کو زونیرا کی نظروں سے ہٹ کر دیکھا جائے تو......

بلال کا فیصلہ نہ تو اتنا قابل مذمت ہے نہ اتنا ہیچ کہ اس کی پسند سے آنے والی لڑکی کو چلو بہو کے طور پر اگر نہیں بھی اپنایا جاتا تو بھی اسے اس کی زندگی میں رہنے کا حق تو ہے۔''

وہ کمرہ بند کیے، بہت ایمان داری سے اپنا محاسبہ کر رہی تھیں۔

اور اس سارے معاملے میں انہیں سب سے کمزور پوزیشن اپنی ہی نظر آ رہی تھی جو شروع سے لے کر آخر تک اپنی کوئی بھی بات نہ تو بیٹے بیٹی سے منوا سکی تھیں اور اس کے بعد بھی...... پہلے بیٹے کی مرضی پر اور اب بیٹی کی منفی سوچ کے ہاتھوں خود کو کٹھ پتلی بنوائے ہوئے تھیں۔

''یہ سب عین انسانی فطرت ہے۔ بلال کا ثانیہ کو پسند کرنا اور زونیرا کا ری ایکٹ کرنا مگر اس سارے میں میرا ردعمل یقیناً بہت غلط نہ سہی تھوڑا بہت جانب ضرور ہے اور کہیں نہیں بھی تو میں زونیرا کے معاملے میں غلط کر رہی ہوں۔

بلال نے اپنے ساتھ جو کچھ کرنا تھا وہ کر چکا اب اسے اس کی مسلسل سزا دیتے رہنا قطعاً درست نہیں مگر زونیرا یہ سب کر کے کسی کے حق میں نہیں خود اپنے ساتھ بے حد غلط کر رہی ہے اور مجھے اس کے قدم یہیں پر روک دینے ہوں گے ورنہ اس کا خمیازہ صرف اسے نہیں مجھے اور میری برسوں کی کمائی عزت کو بھگتنا ہوں گے، مجھے اپنے خول سے باہر نکلنا ہوگا......اور کسی کے لیے نہ سہی اپنی بیٹی کے لیے تو ضرور۔

وہ نادان سہی، میں تو سمجھ دار ہوں وہ یہ آگ دوسرے کی زندگی میں نہیں خود اپنے دامن میں لگا رہی ہے اور اس آگ سے اس کو بچانے کے لیے مجھے پیش قدمی کرنا ہی ہوگی۔''

وہ فیصلہ کر کے مطمئن سی ہو گئیں اور آگے انہیں کیا کرنا ہے۔ اس کے بارے میں سوچنے لگیں۔

✠ ✠ ✠

''یوسف!'' اسے لگا چھت اس پر آ گری ہو۔

اس کے چہرے پر ایک خراش نہیں تھی مگر سفید چادر کے نیچے پورا وجود پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا ٹرک نے اس بری طرح سے کچلا کہ شاید ہسپتال پہنچنے سے پہلے اس کی سانسیں ختم ہو چکی تھیں۔

''پتا ہے جب ایمبولینس میں میں اسے اسپتال لے کر آ رہا تھا۔ اس نے آخری باری آنکھیں کھولیں اور آہستگی

نے صرف تمہارا نام لیا تھا روحیل!''

کاشف عین اس کے کندھے کے پیچھے کھڑا سرگوشی کے انداز میں اس کی موت کا دردناک احوال سنا رہا تھا۔ اور وہ تو جیسے کچھ بھی سننے سے قاصر ہو چکا تھا۔ اس کا پورا وجود بصارت بن چکا تھا جس میں صرف یوسف کا مردہ چہرہ تھا ...کہیں کہیں خون کے چھینٹے لیے ایک دم پُرسکون بے خراش چہرہ۔

''یوسف کے گھر اطلاع بھجوادی ہے مگر وہاں سے کون آئے گا؟ ہے کوئی وہاں......'' کاشف کی بات اسے اس سے دورانیے میں پہلی بار سنائی دی۔

''اس کے والد تو دو ڈھائی سال پہلے فوت ہو چکے ہیں۔ تمہیں تو پتا ہی ہوگا، خیر تم رکو یہاں، میں جا کر پتا کرتا ہوں کہ اس کی ڈیڈ باڈی کو لے جانے کا طریق کار کیا ہوگا رات بھی تو ہو رہی ہے۔'' کاشف کہہ کر چلا گیا اور وہ منجمد سا کھڑا رہ گیا۔

لمحہ بھر میں وہ زندہ یوسف سے ڈیڈ باڈی بن چکا تھا۔

''تو اس لیے تم نے مجھے بچایا تھا کہ مجھے تمہاری ڈیڈ باڈی اسپتال سے اس حال میں تمہارے گھر لے کر جانی تھی۔''

بہت دیر بعد یوسف کا چہرہ مسلسل دیکھتے ہوئے خیال آیا تو وہ رو ہی پڑا۔

''اتنا دردناک اتنا تکلیف دہ مقصد یوسف اس سے تو اچھا تھا میں اس رات مر ہی جاتا اور تم میری ڈیڈ باڈی کو اسپتال سے اکلوتے وارث کے طور پر کسی گمنام قبر میں اتار آتے تو آج میں یہ اتنا تکلیف دہ منظر تو نہ دیکھ پاتا۔

اور تم کیسے دوست تھے۔ تم نے میرے ساتھ کیسی دوستی نبھائی، مجھے موت کے منہ سے نکال کر فوراً اپنا گھر وہاں بنا بیٹھے۔ مجھے وہ احسان بھی نہ اتارنے دیا جو تم نے مجھ پر کیا تھا۔ ایک بار کوشش کا احسان! شاید میں کاشف کی جگہ تمہارے ساتھ ایمبولینس میں ہوتا......شاید تمہیں زندہ بچانے کے لیے میں ڈاکٹرز کے آگے ہاتھ جوڑتا شاید میرا بلڈ گروپ تم سے میچ کر جاتا۔ شاید میں تمہیں بچانے میں کامیاب ہو جاتا۔

اپنے لیے نہیں جھکا اس خدا کے آگے، مگر تمہارے لیے سجدے سے سر نہ اٹھاتا جب تک وہ تمہیں زندگی لوٹا دینے کا فیصلہ بدل نہ دیتا۔ یوسف! تم نے تو مجھے دوستی کا حق بھی ادا نہیں کرنے دیا، ایک بھی فرض نہ نبھانے دیا۔ کیسے بے مروّت بے وفا دوست تھے تم۔''

وہیں اس کے بستر کی پٹی پر سر رکھ کر بچوں کی طرح رونے لگا۔

یہ سانحہ اس قدر اچانک تھا کہ اس کا دل مان ہی نہیں رہا تھا کہ یوسف مر چکا ہے، وہ یوسف جو کل تک اس کو زندگی کی طرف کھینچتا تھا، بلاتا تھا۔ اکساتا تھا۔

''جیو روحیل! اپنے لیے نہ سہی دوسروں کے لیے کسی نہ کسی کے لیے تو خدا نے تمہیں بچایا ہوگا اس کسی نہ کسی کو ڈھونڈو، اسے زندگی دو۔ اپنی زندگی کو کوئی مقصد دو پھر دیکھنا جینا اور جیتے چلے جانے کی خواہش کیسے ہوس بنتی ہے تمہارے اندر......مجھے دیکھو کولہو کا بیل بنا ہوں دن رات گول گول گھومے جا رہا ہوں مگر نہ تھکتا ہوں نہ لڑھکتا ہوں بلکہ اس زندگی کی پیاس میرے اندر اور بھی بڑھتی جاتی ہے کہ ڈھیر......سارا جیوں اور اپنے سارے کام نپٹا لوں پھر چاہے موت آئے اور مجھے اپنے کندھوں پر اٹھا کر لے جائے اور میں مزے سے اپنے آخری گھر میں پیر پسارے سو جاؤں ہر ٹینشن ہر فکر سے آزاد پر یار ابھی نہیں......ابھی تو مجھے بہت کچھ سمیٹنا ہے، سنبھالنا ہے، بنانا ہے ابھی نہیں۔''

وہ پرسوں ہی تو اس کے سامنے بیٹھا آنکھوں میں ہزار جگنوؤں کی چمک لیے اس بے وفا زندگی کی بڑھتی پیاس

اپنے منصوبوں اور ارادوں کا ذکر کر رہا تھا۔
روحیل زندگی سے چڑا بیٹھا تھا۔ جینے کی شرمندگی اسے کسی سرگرمی میں دلچسپی لینے ہی نہ دیتی اور یوسف جو کئی زندگیاں اسی ایک زندگی میں جی لینا چاہتا تھا......
''دوست یہ تو فاؤل ہوا نا! تم نے تو بے خبری میں وار کیا۔ میرے حصے کی پلیٹ خود اڑا لی...... کیا سب کام سمٹ گئے تھے تمہارے، نپٹا لیے تھے تم نے سارے دھندے۔ ان اڑتالیس گھنٹوں میں جو مزے سے موت کے کندھوں پر سوار ہو کر اپنے نئے گھر میں پیر پسارنے کے لیے سونے چل پڑے۔ اور جو صدمہ مجھے آج ملا۔ ثانیہ کے رویے سے اس کے گھر سے اس کے داغ میں کس کو دکھاؤں گا۔ کون سنے گا۔ اب یہ میری دل گیر کہانی، تم تو شاید بور ہو گئے تھے اس لیے منہ موڑ کر چل دیے کہ میں اپنی بکواس کسی اور کو سناؤں جا کر، کس کو یوسف! کس کو کون ہے میرا دوست تمہارے سوا۔ تم بھی چل پڑے بغیر کچھ کہے بغیر کچھ سنے۔'' وہ بچوں کی طرح روئے جا رہا تھا۔
باہر سے اسٹریچر گھسیٹنے کی آوازیں قریب تر آ رہی تھیں۔

✠ ✠ ✠

''سروری بات سنو۔'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑے دواؤں کا نسخہ بند کرتے ہوئے سروری کو آواز دی۔
''جی بیگم صاحبہ!'' سروری مؤدب سی پاس آ کر بولی۔
''یہ دوائیں لو اور نسخہ بھی ثانیہ بی بی کو دے آؤ اور ساتھ میں دودھ کا گلاس بھی۔ اس سے کہنا دوا لے لے۔ میں ابھی یہ تھوڑا سا کام نبٹا کر آتی ہوں۔'' وہ اسے شاپر پکڑاتے ہوئے بولیں۔ پہلے تو سروری لحہ بھر کچھ حیران سی انہیں دیکھتی رہی پھر شاپر لیتے ہوئے، جی اچھا کہہ کر چلی گئی۔
''تو آپ کو میری بات سمجھ میں نہیں آئی۔'' زونیرا پاس آ کر تیز لہجے میں بولی انہوں نے فائل سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
''کون سی بات؟'' وہ سرسری لہجے میں بولیں۔
''جو میں نے آپ سے کہی تھی۔'' وہ جھلا کر رہ گئی۔
''تمہارے بریسلٹ اور ٹاپس والی۔ کل جائیں گے جیولر کی طرف اپنی پسند سے نئے ڈیزائن کی دونوں چیزیں بنوا لینا۔'' وہ نرمی سے بولیں۔
''کیوں جس نے چوری کی ہے اسے کھلا چھوڑ دیں۔'' وہ طنزیہ بولی۔
''وہ بھی دیکھ لیں گے۔ تم فی الحال اس صدمے کو تو کم کرو۔'' وہ پھر سے سرسری لہجے میں بولی تھیں۔
''مام! شاید آپ کو میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' وہ پاس بیٹھتے ہوئے کچھ کوفت سے بولی۔ وہ مسلسل کام کیے جا رہی تھیں اور ان کی بے نیازی ہی اسے اور تاؤ دلا رہی تھی۔
''بیٹا جان! کون سی بات مجھے واقعی سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' انہوں نے گلاسز اتارتے ہوئے لحہ بھر کو پین فائل پر رکھ دیا۔
''آپ یہ دوائیں اور دودھ کا گلاس کس خوشی میں اسے بھجوا رہی ہیں۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولی۔
''ڈاکٹر نے کہا ہے نا؟'' وہ یوں بولیں جیسے زونیرا کوئی ناسمجھ بچی ہو۔
''مگر کس لیے...... اس نوکرانی کی بچی سے ہمارا کیا تعلق ہے۔'' وہ نفرت سے بولی۔

''مائنڈ یور لینگویج زونی! اب وہ اس گھر کی بہو ہے۔'' وہ ناگواری سے بولیں۔
''ماشاءاللہ تو اس ایک گھٹیا خوشی نے آپ کی برین واشنگ کر دی۔''
انہوں نے پھر سے پین اٹھا لیا۔
''ماما! وہ صحیح لڑکی نہیں ہے۔'' وہ چبا چبا کر بولی۔
''بیٹا! اب تو جو بھی ہے بلال کی پسند ہے۔ وہ اسے بیاہ کر لا چکا ہے اور اب اس گھر کا حصہ ہے۔ ہمارے نہ چاہتے ہوئے بھی اور پھر یہ خوشی جو وہ ہمیں دینے جا رہی ہے۔''
''اوہ ماما! آپ کو ابھی تک میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی میں آپ سے کیا کہہ رہی ہوں۔'' وہ تند لہجے میں اس زور سے بولی تھی کہ ان کا ٹیمپر لوز ہونے لگا۔ انہوں نے خود پر کنٹرول رکھا۔
''آپ کو اندازہ ہے کہ وہ لڑکی کس طبقے، کس کلاس سے آئی ہے؟''
''تو؟''
''اس کا اپنے کزن کے ساتھ افیئر تھا۔''
''تمہیں کیسے پتا؟'' وہ تحمل سے بولیں۔
''آپ کو مجھ پر یقین نہیں تو اس کی فرینڈز رباب اور عروج سے پوچھ لیں وہ اس کی اس کے ساتھ پوری انوالومنٹ کی گواہ ہیں۔'' وہ آج ان سے ایک بالکل نئی سی بات کر رہی تھی لمحہ بھر کو وہ بھی کنفیوز ہو گئیں کہ اب اس بات کا جواب کیا دیں۔
''کیسی انوالومنٹ؟'' ان کی زبان پہلی بار ہکلائی۔
''انوالومنٹ کا مطلب تو آپ سمجھتی ہوں گی۔'' وہ جتا کر بولی۔
''تم جو کہنا چاہتی ہو، کھل کر کہو۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولیں۔
''میں نے جو آپ سے کہا تھا شاید آپ اسے دھمکی سمجھیں۔''
''تو کیا کروں؟'' وہ بے بسی سے بولیں۔
''آپ بھائی کو فون کر کے اس کی ساری خباثت بتائیں۔ دن دو چار آگے پیچھے کر لیں بھائی کو کون سا کچھ یاد......''
''چٹاخ۔'' ان کی برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔
انہیں یاد ہے کہ انہوں نے کبھی بچپن میں بھی بلال اور زونیرا کو اس طرح نہیں مارا تھا۔ وہ ششدر نگاہوں سے گال پر ہاتھ رکھے انہیں دیکھے جا رہی تھی۔
''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم میری بیٹی ہو اور میں نے تمہیں یہ تربیت دی ہے۔ ایسی گندی، ایسی گھٹیا تربیت کہ مجھے خود کو تمہاری ماں کہتے شرم آ رہی ہے کہ ایسا بہتان باندھنا کسی کو قتل کرنے سے بڑھ کر ہے۔ مگر تمہیں تو شاید احساس بھی نہیں کہ تم کدھر جا رہی ہو...... تمہارے دل و دماغ میں جو گند بھرا ہے اس کی بدبو تو شاید تمہیں آ بھی نہیں رہی تو اس گندگی کو تم کیا محسوس کرو گی۔ زونی! افسوس ہے مجھے بے حد افسوس کہ تم میری بیٹی ہو، ایسی بے باک اور گھٹیا ذہن کی مالک......''
وہ کوشش کے باوجود اپنے آنسو بہنے سے روک نہ سکیں۔
''اوکے، اب اگر آپ نے یہ تسلیم کر ہی لیا ہے کہ میں گھٹیا ہوں، نیچ اور کمینی تو پھر آپ کو میں یہ سب بن کر دکھاؤں گی مام! Remember۔'' وہ گال پر ہاتھ رکھے کس باغیانہ انداز میں ان سے کہہ رہی تھی۔

''کیا بن کر دکھاؤ گی تم؟'' وہ ایک دم سے مشتعل ہو کر کھڑی ہو گئیں۔

''یہ سب جو آپ نے مجھے سمجھا۔ گھٹیا کمینی اور جو بھی......اب اگر یہ بہتان بھی ہے تو میں اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹاؤں گی۔ نہ آج نہ کل۔ میں اس ثانیہ کو کبھی برداشت نہیں کروں گی اس گھر میں اور آپ میری دھمکی کو شاید دھمکی ہی سمجھی تھیں۔ اس کے اس چٹ پٹے قصے کی سب سے مزے دار گوسپ کل پورے کالج میں مشہور ہوگی۔ ثانیہ بلال کا ہونے والا بچہ......''

انہوں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ایک زوردار ہاتھ اس کی گردن پر جمایا تھا اور اسے کندھے سے پکڑ کر غرائیں۔

''اگر تم نے اس قسم کی بکواس کی یا ذرا بھی کچھ الٹا سیدھا کسی سے بولا تو زونی میں مجبور ہو جاؤں گی کہ تمہارے ساتھ کچھ بھی کر گزروں۔ سمجھیں تم۔''

''کیا......کیا کریں گی آپ ماردیں گی مجھے، مار ڈالیں۔'' وہ جنونی انداز میں بولی۔

''ہاں مار بھی ڈالوں گی۔ ایسی اولاد جسے ماں باپ گھر کی عزت کا پاس نہ ہو اس کی زندگی کس کام کی، کاش! میں نے تمہیں اس وقت تمہارے باپ کے ساتھ جانے دیا ہوتا۔ مجھے تو فقط یہ گمان تھا کہ جیسی پڑھی لکھی اعلیٰ تعلیم یافتہ میں ہوں، جیسی شاندار تربیت تمہاری میں کر سکتی ہوں، تمہارا کم تعلیم یافتہ تنگ نظر باپ نہیں کر سکتا تھا۔ مگر آج میں ہار گئی میری تربیت میری اعلیٰ تعلیم کا زعم سب ہار گیا۔ فطرت جیت گئی۔'' وہ نڈھال سی گر کر رونے لگیں۔

زونیرا کچھ دیر کھڑی انہیں دیکھتی رہی اور پھر زور سے پیر پٹختی چلی گئی۔

✠ ✠ ✠

''تین سال ہوئے یوسف کے ابو کے انتقال کو......یہ گھر لیا تھا اس کا قرض تھا۔ یوسف پڑھ نہیں سکا کوئی کاروبار تھا نہ کچھ اور......مگر ایسا ہمت والا بچہ تھا میرا، باپ کی کمی چھوٹے بہن بھائی کو محسوس نہیں ہونے دی۔ سارا دن کام......رات کا بھی کوئی کام مل جاتا تو وہاں رات گزار آتا، دن میں پھر چل پڑتا میں دہائی دیتی مگر اسے تو جیسے کوئی جنون تھا اور اب......''

روتے روتے ان کی ہچکی سی بندھ گئی۔

''اب اس نے ذرا بھی نہیں سوچا کہ ہمارا کیا بنے گا۔'' وہ آنچل میں منہ چھپا کر رونے لگیں۔

اور روحیل کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ان سے تعزیت کرے یا ان کا غم ہلکا کرنے کی کوئی ترکیب کرے۔

''ایسا نیک ایسی ہمدرد طبیعت جس کو تکلیف میں دیکھتا بے چین ہو اٹھتا اب ہمیں کیسی تکلیف کے حوالے کر گیا۔ یوسف میرے بیٹے! تم نے جانے سے پہلے ایک پل کو نہیں سوچا کہ پیچھے ہمارا کیا بنے گا۔ بچے! یہ تو میرے جانے کا ٹائم تھا۔ تیری تو جوانی تھی بھرپور جوانی......ہائے۔''

وہ بار بار اسے یاد کر کے بری طرح سے روئے جا رہی تھیں۔

وہ بس ٹکر ٹکر انہیں دیکھے جا رہا تھا۔

''اگر یوسف کی جگہ میں مر جاتا تو کوئی اس طرح مجھے بھی روتا۔'' انوکھا سا سوال اس کے دماغ میں آیا تھا۔

''نہیں......کوئی بھی نہیں......مجھے تو رونے والا بھی کوئی نہیں تھا میری تو موت بھی بے کار تھی۔ جیسے زندگی بے کار۔'' پھر سے مایوسی قطرہ قطرہ اس کے اندر جمع ہونے لگی تھی۔

''کیا کروں گا اب جی کر، یوسف کی دوستی تھی یا ثانیہ کا خیال آج دونوں مٹ چکے ہیں پھر میں کیوں زندہ ہوں۔''

سے لگا وہ یہاں سے اٹھ کر سیدھا ریلوے ٹریک پر جائے گا۔
''چاچی! بسمہ گر گئی ہے سیڑھیوں سے۔'' کوئی سولہ سترہ سال کی لڑکی حواس باختہ سی اندر داخل ہو کر بولی، یوسف کی امی گھبرا کر کھڑی ہو گئیں۔
''کیسے...... وہ کیسے گر گئی۔ کوئی تھا نہیں اس کے ساتھ، دیکھوں میں......'' وہ گھبرائی ہوئی باہر نکل گئیں روحیل دو قدم ان کے پیچھے چلا اور رک گیا۔
''جانے وہ اس بات کو کس طرح لیں۔'' وہ پہلے بھی یوسف کے ساتھ اس کے گھر تین بار آ چکا تھا اس کی والدہ سے سرسری ملاقات بھی ہو چکی تھی مگر باقی گھر میں کون ہے۔ اس کا اسے اندازہ نہیں تھا، نہ یوسف نے کبھی ذکر کیا، نہ اس نے پوچھا۔
''روحیل بیٹا! ایک زحمت ہے ذرا اگر کر دو تو......'' وہ دوسرے لمحے اسی طرح گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔
''جی...... جی پلیز، آپ حکم کریں۔'' وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔
''کسی ٹیکسی رکشہ کو لے آؤ۔ بسمہ کے سر پر بری طرح سے چوٹ لگی ہے خون اتنا بہہ رہا ہے۔ جانے کہاں اور زخم آئے ہوں، مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔'' وہ رونے لگیں۔
''یہاں قریب میں کوئی ڈاکٹر ہے اگر کہیں تو لے آؤں؟''
وہ جواب میں بے بس سی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔
''روحیل بھائی! یہاں تیسری گلی میں ڈاکٹر کا کلینک ہے۔ میں چلتا ہوں آپ کے ساتھ وہ اس وقت کھلا ہوتا ہے۔'' یوسف کا چھوٹا بھائی سرمد اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔ دونوں تیزی سے باہر نکل گئے۔
''چاچی! بسمہ بے ہوش ہو گئی ہے اور خون اتنا نکل رہا ہے۔ میں نے دوپٹہ بھی باندھا ہے اس کے، مگر رک نہیں رہا۔ آ کر دیکھیں تو......'' ذرا دیر بعد وہی لڑکی پھر سے پریشان سی چلی آئی۔
''یا اللہ خیر تو ہی رحم کر۔'' وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر تیزی سے اس کے پیچھے لپکیں۔

✠ ✠ ✠

''اس کو بند کرو اور سو جاؤ۔'' وہ کتاب پڑھ رہی تھی جب فضیلہ نے اندر آ کر اس کے ہاتھ میں پکڑی کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔
''مجھے پڑھنا ہے ماما! پہلے ہی میں بہت دنوں سے پڑھ نہیں سکی۔ ایگزام بھی سر پر ہیں۔'' وہ ان کی ذرا سی توجہ پر بے اختیار خوش ہو کر بولی۔
''تم ایگزام نہیں دو گی۔'' وہ اسی بے تاثر لہجے میں بولیں۔
''کیا مطلب...... کیوں مگر؟'' وہ حیران کم اور پریشان زیادہ ہو گئی۔
''اب تمہیں مکمل آرام کی اور اپنا خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔ سنا نہیں ڈاکٹر کیا کہہ رہی تھیں۔ کل تم میرے ساتھ ان کے کلینک چلنا، تمہارا کمپلیٹ چیک اپ ہو گا۔'' وہ اس کے اردگرد بکھری کتابیں سمیٹتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہہ رہی تھیں۔
یوں جیسے اس طرح کی ہدایات وہ کہیں سے پڑھ کر اسے دے رہی ہوں۔
''مگر ماما! مجھے ایگزام دینا ہے۔ یہ تو میرا خواب......'' وہ بولتے ہوئے ایک دم سے چپ ہو گئی۔ بھلا انہیں اس

کے خوابوں سے کیا دلچسپی ہوگی۔

''جب ایک عورت ماں بنتی ہے یا بننے لگتی ہے تو پھر اس کی ہونے والی اولاد اس کے لیے زیادہ اہم ہوتی ہے نہ کہ اس کے خواب۔'' وہ اسے جتا کر بولیں۔

''میں جانتی ہوں مگر...... دو ہی ماہ تو ہیں ایگزام میں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''اگلے سال دے دینا۔'' وہ اسی سرسری انداز سے بولیں۔

اور وہ کہہ نہ سکی کہ اگلے سال تو ہونے والا بچہ اور بھی چھوٹا ہوگا تو کیسے پڑھ سکے گی کجا کہ امتحان دے سکے۔

''ماما! وہ آپ......'' وہ کچھ پوچھتے پوچھتے جھجک سی گئی۔

''ہوں بولو...... کیا پوچھنا چاہ رہی ہو؟'' ان کے لہجے میں اجنبیت تو تھی مگر وہ مخصوص سرد مہری اور روکھا پن نہیں تھا۔ اسے کچھ حوصلہ سا ہوا۔

''وہ عمیر...... کا پتا کیا آپ نے؟''

''وہ گھر بھی نہیں پہنچا...... اس دن کے بعد سے۔'' وہ اس سے نظریں ملائے بغیر یوں جتا کر بولیں کہ اسے لگا وہ کہیں زمین میں غرق ہو جائے۔

''امی سے پوچھا آپ نے؟'' وہ نظریں جھکا کر بولی۔

''وہ یعنی تمہاری ماں اپنی باقی فیملی کے ساتھ گھر چھوڑ کر جا چکی ہے...... اسی دن سے......'' وہ دھک سے رہ گئی۔

''کیا انہوں نے مجھ سے مل کر جانا بھی گوارا نہیں کیا۔ ایسی ہلکی ایسی غیر اہم تھی میں ان کی نظروں میں۔'' اس کی آنکھوں میں گرم گرم لاوا سا ابل پڑا۔

''بہرحال اب بہتر ہے کہ تم ان لوگوں کے بارے میں سوچنے کے بجائے اپنے بارے میں، ہونے والے بچے اور اس گھر کے بارے میں سوچو...... اور ایگزام کو ابھی بھول جاؤ۔ اگلے سال دیکھا جائے گا۔'' وہ جاتے ہوئے اسے تاکید کرنا نہیں بھولیں۔

وہ نظریں جھکا کر امڈ پڑنے والے آنسوؤں کو پینے کی کوشش کرتی رہی۔

''دودھ لے رہی ہو ناں تم باقاعدگی سے؟''

''جی!'' وہ ہولے سے بولی۔

''کبھی زونیرا سے بھی کوئی بات کر لیا کرو...... وہ تمہیں نہیں بلاتی تو اکلوتی بھابی ہونے کے ناتے تمہارا بھی کچھ فرض ہے۔'' وہ اسے سنا کر رکے بغیر باہر نکل گئیں۔

اور اس کے آنسو بھل بھل بہنے لگے۔

✠ ✠ ✠

''شکر کریں زیادہ خون نہیں بہا ورنہ انہیں ایڈمٹ کرانا پڑتا۔'' ڈاکٹر اس کی پٹی وغیرہ کر چکا تھا ٹانکے لگے تھے اب دوائیں لکھ کر دے رہا تھا۔

''یہ پورے پندرہ دن باقاعدگی سے انہیں استعمال کرائیں اور پٹی ایک دن چھوڑ کر چینج کرا لیں اور کوئی مسئلہ ہو تو بھیج کر پتا کروا لیں۔'' وہ نسخہ یوسف کی امی کو دیتے ہوئے کھڑا ہو گیا، روحیل اسے باہر تک چھوڑنے گیا۔

وہ بیرونی کمرے میں ہی بیٹھا تھا۔

بسمہ کو وہ دیکھ نہیں سکا تھا۔ ڈاکٹر کو بلا کر لایا تو یوسف کی امی نے اسے خود ہی کہہ دیا ''بیٹا تم یہیں رکو۔''
تو اسے اندر جانا برا لگا۔

''آنٹی! یہ دے دیں۔ میں دوائیں لے آتا ہوں۔'' وہ دروازے کی اوٹ میں ہو کر بولا۔

''ہاں آ جاؤ اندر بیٹا!'' جانے پہلے روکنے میں کیا مصلحت تھی۔ وہ جھجک کر دو ہی قدم اندر آیا۔

بسمہ دیوار کی طرف کروٹ لیے گردن تک چادر اوڑھے شاید سو رہی تھی۔ اسی لیے انہوں نے اسے اندر بلا لیا تھا۔

یوسف کو گئے آج تیسرا دن تو تھا اور وہ خود کو کیسا اکیلا بے آسرا سا محسوس کرنے لگا تھا اور تو اور اس کا یوسف کے گھر میں بھی جی نہیں لگ رہا تھا، جی چاہ رہا تھا اڑ کر یہاں سے نکل جائے کہیں۔ آج اس نے دوائیں لا کر باہر ہی سے سرمد کو دیں اور پلٹ آیا۔

''اب کہاں جاؤں۔ ہاسٹل؟ او کیا کروں جا کر پڑھوں مگر کس لیے؟ صبح اٹھ کر کام پر جاؤں تو کس لیے۔ یونہی بے مقصد...... بے وجہ جیسے چلا جاؤں۔'' فرسٹریشن اس پر پھر سے طاری ہونے لگا تھا اس کے قدم جیسے پتھر کے ہوتے جا رہے تھے۔

✠ ✠ ✠

''ماما نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ اس معمولی لڑکی کا جادو ان پر چل گیا ہے۔

انہوں نے مجھے مارا آج زندگی میں پہلی بار انہوں نے مجھے تھپڑ مارا اور طعنہ دیا کہ وہ مجھے اپنے پاس رکھ کر پچھتا رہی ہیں کس کی وجہ سے؟ اس نوکرانی کی وجہ سے؟ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی...... بے شک برداشت تو میں تمہیں پہلے بھی نہیں کر رہی تھی مگر اب ماما نے جس طرح تمہاری فیور کی ہے تم ذرا سا بھی معافی کے قابل نہیں رہیں اور تم سے یہ نفرت مجھے اپنی زندگی کے اگر کسی اندھیرے موڑ پر لے کر جاتی ہے تو آئی ڈونٹ کیئر مگر ثانیہ! میں تمہیں برباد کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھوں گی۔''

وہ جوں جوں سوچتی جا رہی تھی اس کے تن بدن میں جیسے الاؤ سے بھڑکتے جا رہے تھے۔ کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور پھر وقفے وقفے سے ہوتی چلی گئی۔

یہ دستک پچھلے دو گھنٹے سے ہو رہی تھی کبھی کم کبھی زیادہ...... مگر اسے تو جیسے سنائی ہی نہیں دے رہی تھی۔

''زونی! میری جان دروازہ تو کھولو۔ پلیز بیٹا! دیکھو آئی ایم سوری......'' وہ اب تھک کر منتوں پر اتر آئی تھیں۔

وہ بے حس لیٹی چھت کو تکے جا رہی تھی۔

چھت جیسے کسی سینما اسکرین کا رول پلے کر رہی تھی جس پر ثانیہ کی بربادحالی کی تصویر کشی اس خوب صورتی سے چل رہی تھی کہ اسے باہر سے ہونے والی یہ مسلسل ٹک ٹک اور پھر ٹھک ٹھک سنائی بھی نہیں دے رہی تھی۔

آخر تھک کر وہ دستک خاموش ہو گئی۔

وہ آہستہ سے اٹھی اور دراز سے گولیوں کی شیشی نکال کر پانی کا گلاس لیے پھر بیڈ پر آ بیٹھی۔

✠ ✠ ✠

''دیکھو اُنر ماما یہ کہہ رہی ہیں تو پلیز تم ان کی بات مان جاؤ۔'' وہ ساری بات سن کر ملتجی لہجے میں بولا۔

''بلال! کیا کہہ رہے ہیں آپ!'' وہ شاکڈ سی رہ گئی۔

''تو اس میں حرج بھی کیا ہے؟'' وہ جھنجلا کر بولا۔
''کوئی حرج نہیں کیا؟'' وہ تو صدمے میں ہی گھر گئی۔
''ہاں تو کیا کرو گی تم گریجویشن کر کے۔ آخر کار تو پھر بھی تمہیں بچی کو پالنا ہے، سال بھر بعد سہی۔ سب چھوڑنا پڑے گا تو ابھی کیوں نہیں۔'' وہ فضیلہ مبشر کی زبان بول رہا تھا۔
''بلال! میری پورے چودہ سال کی محنت ہے۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی۔
''آئی نو...... مگر یار! ایک بات کہوں اگر تم مائنڈ نہیں کرو تو......'' تیزی سے بولتے بھی اسے ثانیہ کے مائنڈ کرنے کا خیال آ ہی گیا۔
''تم ضدی بہت ہو۔ تم میں یہ بری بات نہ ہو تو تم سے زیادہ زبردست کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔'' وہ بولتے ہوئے خاصی احتیاط سے کام لے رہا تھا۔
''مگر بلال! یہ ضد نہیں...... دیکھیں، یوں بھی تو میں فارغ ہی رہوں گی نا! کیا کروں گی ہر وقت گھر میں فارغ بیٹھ کر...... ابھی تو دو ماہ ہیں سب اسٹڈیز میرے دماغ میں فریش ہیں۔ سال بعد کروں گی تو سب بھول چکی ہوں گی۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔
''ایک تو تم افلاطون ہو۔ باقی سب اُلو کے پٹھے......'' اسے بلاوجہ غصہ آ گیا۔
وہ ایک دم سے خاموش ہو گئی کتنا کچھ اندر تڑخ گیا تھا۔
''اب چپ کیوں ہو گئیں؟'' اسے ہر حربہ خوب آتا تھا۔
''نہیں تو......'' وہ بجھے ہوئے لہجے میں بولی۔ جانے کیوں یہ دھوپ چھاؤں کا کھیل اب اسے بے زار سا کرنے لگا تھا۔

''اچھا ڈیئر! تم سے ایک خبر شیئر کرنی تھی۔ مام سے ذکر تو نہیں کرو گی۔'' وہ جوش میں یوں بولا جیسے وہ اور اس کی مام گہری سہیلیاں ہیں۔ وہ ہر بات ان سے شیئر کیے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔
''ہوں کیا ہے؟'' اسے اب کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ بلال کی باتیں بھی نہیں۔ یہ دوری بھی تو جیسے طویل تر ہوتی جا رہی تھی، تھکا دینے والی...... وہ کب تک اس کی باتوں میں جی لگاتی۔
''میری ڈیڈی سے ملاقات ہوئی تھی۔'' وہ رازداری سے یوں بولا جیسے یہ سیل فون ثانیہ کے کان کے علاوہ کسی اور کے کان سے بھی لگا ہو۔
''ڈیڈی کون؟'' اس سے بھی زیادہ احمقانہ بات اس کے منہ سے نکلی۔
''تمہیں ڈیڈی کا پتا نہیں۔'' وہ خفا ہو کر بولا۔
''تو گویا یہ بھی اس کے جرم میں شامل تھا۔ ڈیڈی سے انجان ہونا۔
''نن نہیں، پہلے کبھی آپ نے ذکر جو نہیں کیا تو...... مجھے پھر کیا پتا ہو۔'' وہ کچھ گھبر کر بولی، بلال کا پتا بھی نہیں تھا۔ اس کی اس لاعلمی سے خفا ہو کر فون ہی بند کر ڈالے۔
''بھئی میرے ڈیڈی، زونی کے اور میرے۔'' وہ فخریہ انداز میں بولا۔
''ہوں اچھا!'' اس پر کیا تبصرہ کرنا چاہیے وہ فیصلہ نہ کر پائی تو مبہم سا جواب دے ڈالا۔
''اور مزے کی بات اتنے سالوں بعد انہوں نے مجھے دیکھا اور پہچان بھی لیا۔ یار! فلموں اور کہانیوں میں گویا صحیح ہی لکھا جاتا ہے کہ خون کی کشش بہت فورس فل ہوتی ہے۔'' وہ اس کی بات پر مسکرا اٹھی۔

''پھر کیسے پہچانا انہوں نے آپ کو؟'' وہ اس کی دلچسپی کے لیے پوچھنے لگی۔ ''معلوم نہیں۔'' وہ رک سا گیا شاید کچھ سوچنے لگا تھا۔

''بلال! کیا ہوا؟'' وہ جلدی سے بولی کہ کہیں فون کٹ تو نہیں گیا۔

''یار! یہ ماں باپ بھی کیا چیز ہوتے ہیں، ڈیڈی اتنے سالوں سے دور تھے تو کبھی ان کی کمی محسوس بھی نہیں ہوئی۔ جب سے ان سے ملا ہوں تو جیسے ایک پل کو چین نہیں آ رہا۔ جی چاہ رہا ہے ان سے بار بار ملوں۔'' وہ تشنہ سے لہجے میں

''تو مل لیں...... کیا حرج ہے۔ آپ کے ڈیڈی ہیں۔'' وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولی۔ اسے اس کے ڈیڈی سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ ابھی تو مام کو بھگتنا اتنا کٹھن ہو رہا تھا اگر ڈیڈی صاحب بھی اسی ذہنیت کے نکلے تو......

''انہوں نے فرائیڈے کو بلایا ہے۔ اپنے گھر۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''تو آپ جائیں گے؟''

''ہوں، جاؤں گا تو سہی مگر یار! اگر مام کو پتا چل گیا شاید وہ پسند نہ کریں۔''

''کیوں...... کیوں پسند نہیں کریں گی؟''

''بے وقوف، دونوں میں ڈائیورس ہو چکی ہے اور مام نے ہم دونوں کو ڈیڈی سے لیتے ہوئے ان سے یقین دہانی لی تھی کہ وہ دوبارہ ہم سے نہ ملیں گے، نہ کوئی رابطہ رکھیں گے۔'' وہ رنجیدگی سے بولا۔

''تو پھر'' ثانیہ کو کچھ کچھ معاملہ سمجھ میں آنے لگا تھا۔

''ڈیڈی نے وعدہ تو نبھایا مگر اب......'' وہ چپ کر گیا۔

''اب کیا اگر وہ ملنا چاہتے ہیں تو کیا حرج ہے۔ ہیں تو وہ آپ کے فادر ہی ناں۔''

''تم نہیں سمجھو گی۔'' وہ گہرا سانس لے کر بولا۔

''تو آپ سمجھائیں نا!'' وہ بھی جواباً بولی۔

''ماما! اس بات کو پسند نہیں کریں گی اور تم پلیز ان سے ذکر نہیں کرنا۔''

''جی اچھا!'' اس نے سعادت مندی سے کہا۔

''زونی کا مسئلہ حل ہوا؟'' اسے کچھ یاد آیا۔

''کون سا مسئلہ؟'' زونی تو خود ایک بہت بڑا مسئلہ تھی اس کے لیے۔

''اس کی جیولری والا۔'' وہ اشارتاً بولا۔

''پتا نہیں میں نے پوچھا نہیں۔'' وہ مدھم آواز میں بولی۔ کیا بات کرتی بھلا۔

''تمہارا امیر سے رابطہ ہوا؟''

''نہیں۔'' وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

''عمیر اچھا لڑکا ہے، وہ اس طرح کی گھٹیا حرکت نہیں کر سکتا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟'' شاید اس کے خیالات ثانیہ کی فیملی کے بارے میں بدل رہے تھے۔

''ہوں...... اس نے ایسا کام کبھی کیا تو نہیں۔''

''او کے، تم ٹینشن نہیں لو۔ میں جیولری ادھر سے زونی کو خود گفٹ کر دوں گا اور پلیز تم بھی اس کا خیال رکھا کرو...... مام اور میرے سوا اس نے کسی کا پیار دیکھا نہیں تو عجیب سا احساس ملکیت ہے اس کے اندر۔'' وہ بہن کے لیے

صفائی دے رہا تھا جو کسی بھی صفائی کے شاید لائق نہیں تھی۔

''ماں یا باپ میں سے ایک بھی پرورش میں حصے دار نہ بنے تو شاید ہمارے اندر کچھ نہ کچھ کمی یا زیادتی ہے۔ زونی کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔''

''ہوں بس جانتی ہوں۔'' وہ اس کی دل جوئی کی خاطر بولی۔

''میں فرائیڈے کو ڈیڈی سے مل کر آؤں گا تو پھر تمہیں بتاؤں گا سب...... بلکہ آج تمہیں ڈیڈی کی فرینڈ بھی کروں گا او کے، اپنا ... ت خیال رکھنا اور ماما نے جو کہا ہے اس کو آرام سے مان لینا، او کے بائے۔''

ثانیہ نے تھک کر سیل ایک طرف ڈال دیا۔

''میں سب کی باتیں مانتی جاؤں اور میری یہ خواہش، میرا خواب...... کیا مام جانتی نہیں، سب جانتی ہیں بوجھ کر انہیں مجھے اذیت دے کر لطف ملتا ہے پھر زونی کا بھی تو رستہ کھل جائے گا پوزیشن کے لیے...... جو اتنے سالو آؤٹ اسٹینڈنگ پوزیشن نہیں لے سکی میری وجہ سے۔'' وہ آنکھیں بند کر کے سوچے گئی۔

''مگر زونی میں تمہیں ہرانے کو نہ سہی مگر اپنی ڈگری کے حصول کے لیے آخری بار ماما کی یہ بات نہیں مانو مجھے اگزام دینا ہے اور ہر صورت دینا ہے اس سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔'' وہ پُرعزم انداز میں سوچتی ہوئی کتاب بیٹھ گئی۔

اسی وقت سروری بھاگی بھاگی اندر آئی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''وہ جی زونی بی بی دروازہ نہیں کھول رہیں۔ چوکیدار نے کھڑکی کا شیشہ توڑا ہے۔ وہ اندر بے ہوش پڑی کی گولیاں کھالی ہیں انہوں نے۔''

سروری تیز تیز سنا کر چلی گئی تو ثانیہ بھی ننگے پاؤں دوڑتی اس کے پیچھے باہر کی طرف لپکی جہاں زونی کو لے جایا جا رہا تھا۔

✠ ✠ ✠

وہ لمحہ بھر رہا ... ت سا بنا دیکھتا رہ گیا۔

اتنا مکمل حسن جس کا ایک ایک عضو ایسا توجہ ایسا دھیان چاہتا تھا کہ شاید وہ ساری عمر بھی دیکھتا رہتا تو دیکھ ادا نہیں کر سکتا تھا۔

وہ آنکھیں بند کیے گہری نیند سو رہی تھی۔

وہ کچھ دیر بیرونی کمرے میں کھڑا رہا تھا۔ سرمد نے ہی اسے اندر جانے کو کہا تھا اور خود باہر بھاگ گیا تھا۔

وہ بسمہ کی دوائیں اور گھر کا کچھ ضروری سامان لایا تھا۔

یوسف کی امی اسے کہیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔

''اگر اس حسن کی دیوی کو آواز دی تو اس کی نیند خراب ہو گی اور میرا دھیان ایسا خواب جو شاید میں نے کبھی نہیں۔ ان آنکھوں نے کب اتنا مکمل بھرپور حسن دیکھا تھا جو وہ نظر ہٹا سکتا۔

سوتے میں اس کے شنگرفی ہونٹ ذرا سے سکڑے تھے اور پھر سے گلاب کی پتیوں کی طرح ایک دوسرے پیوست ہو کر رہ گئے۔

وہ یک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔

اسے قطعاً بھول چکا تھا وہ یہاں کس مقصد سے آیا تھا۔ ہاتھ میں پکڑا شاپر اس کی توجہ کو منقسم پا کر آہستگی سے نیچے سرا تو جیسے چھناکے سے کوئی فسوں خیز لمحہ تڑخ کر رہ گیا۔

اس نے آہستگی سے کراہ کر آنکھیں کھولیں اور سامنے کھڑے روحیل کو دیکھا۔ اسے لگا اس نے بہت بڑی بددیانتی کی ہے۔

دوسرے لمحے وہ کچھ بھی کہے بغیر تیزی سے وہاں سے پلٹ آیا۔

✠ ✠ ✠

''معمولی ڈوز تھی پلز کی، کوئی خطرے والی بات نہیں تھی پھر بھی ہم نے ان کا اسٹمک واش کر دیا ہے۔ جانے یہ آج کل کے بچے ہر مسئلے کا حل اسی میں کیوں ڈھونڈتے ہیں۔'' ڈاکٹر ان سے کہہ رہا تھا۔ وہ شرمندہ سی کھڑی تھیں۔

اچھا خاصا پولیس کیس تھا اگر اس اسپتال کے انچارج سے ان کی اچھی خاصی واقفیت نہ ہوتی یا وہ ان کے منصب کا اتنا احترام نہ کرتا تو شاید اس کمرے کے باہر ایک دو پولیس والے بھی ضرور کھڑے ہوتے۔

''ویسے تو آپ خود اتنی سمجھدار اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں کہ یہ بات آپ سے کہنا تو سورج کو چراغ دکھانے والی بات ہوگی مگر پرنسپل صاحبہ کیوں جنریشن گیپ اتنا بڑھتا جا رہا ہے کہ ینگ جنریشن اپنے پرابلمز اپنے بڑوں کے ساتھ شیئر کرنے کے بجائے اس طرح سے کوئی چور راستہ ڈھونڈنا زیادہ آسان سمجھتی ہے۔''

وہ ڈاکٹر جس کے گھر کی خواتین کی دو نسلیں اس کالج کی تعلیم یافتہ تھیں جہاں فضیلہ مبشر آج کل پرنسپل کے فرائض سرانجام دے رہی تھیں، دکھی سے انداز میں ان سے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں ہونا چاہیے یہ سب، ہمارا کمیونیکیشن سسٹم اتنا بدتر ہو گیا ہے کہ ہم اپنی دل کی بات اپنے والدین سے بھی نہیں کہہ پاتے۔ پلیز میں آپ پر تنقید کے طور پر نہیں کہہ رہا بلکہ سوال پوچھ رہا ہوں، جواب ملے تو مجھے ضرور بتائیے گا۔''

''اس طرح کے کیسز جو اسپیشلی جوان بچیوں کے بارے میں ہوں میں بہت ڈر جاتا ہوں۔ میری اپنی تین بیٹیاں ہیں۔ گھر جا کر ان کے چہرے پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں ان کے دلوں میں کوئی ان کہی ان سنی ایسی کوئی تحریر تو نہیں جو انہیں یہ قدم اٹھانے پر مجبور کر دے۔ باپ ہوں نا ڈر جاتا ہوں...... سوری میں کچھ زیادہ بول گیا۔'' وہ کہہ کر تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔

اور وہ اس ادھیڑ عمر حساس ڈاکٹر کو دور تک دیکھتی رہ گئیں جو اپنے دل کا دکھ نہ کہتے ہوئے بھی کہہ گیا تھا اور وہ کس سے کہیں کس کے کندھے پر سر رکھ کر اپنے دل میں جلتے اشک بہا ڈالیں۔

جس کے کندھے پر سر رکھ کر یہ سب کہنا تھا وہ تو برسوں پہلے انہیں بیچ منجدھار میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

''تمہیں اپنے کیریئر اور گھر دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا اور اس کا فیصلہ بھی آج ہی ہوگا ابھی......''

وہ سنگدل لہجے جنہیں انہوں نے اپنی پروفیشنل لائف کے دوران بہت کم سوچا تھا۔ جانے کیسے سنگلاخ دیوار کی طرح ان کے اندر سامنے بیڈ پر بے سدھ پڑی زونی کے بیچ آ کھڑے ہوئے۔

''اور تم میرا فیصلہ جانتے ہو۔'' وہ اس زمانے میں کتنی ہٹیلی تھیں کسی بھی طرح سے نہ ماننے والی۔ انہیں کتابوں سے، اپنے ہنر سے، اپنے علم سے، عشق نہیں جنون تھا اور جنون میں تو آدمی کبھی بھی درست فیصلہ نہیں کر پاتا۔

اور یہ الگ بات کہ انہیں اپنا یہ فیصلہ کبھی غلط لگا ہی نہیں!

''تم کس قدر ضدی اور کوڑھ مغز عورت ہو، جسے اپنے گھر بچوں اور شوہر سے زیادہ ان کھوکھلی کتابوں، بے جان

لفظوں اور بے عمل لفاظی سے عشق ہے۔'' وہ افسوس بھرے لہجے میں بول رہا تھا جیسے واقعی فیصلہ ان مٹ سیاہی سے لکھا جا ہو اور اب اس کے بعد پرسہ دیا جا رہا ہو۔

''یہ تمام کتابیں بے عمل لفاظی تم جیسے کم علم شخص کے لیے ہیں مجھ جیسے علم کے پیاسے کے لیے یہ آب حیا ہیں۔'' وہ تحقیر بھرے لہجے میں منہ پھیر کر بولیں۔

''اس بحث کو تو سالوں بیت گئے کون کم علم ہے۔ کون علم والا جاہل اور کون آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھا بن ہے اس کو اب جانے دو۔'' وہ آج یہ ساری چخ چخ نپٹا دینے کے موڈ میں تھا۔

''میں بھی اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔''

وہ خود روز کے لڑائی جھگڑوں سے تنگ آ چکی تھیں۔ وہ تمام گھریلو خواتین کی طرح ساس سسر بھرے پرے گھر ک تو سنبھال سکتی تھیں، نہ اپنے دکان دار شوہر کی شلوار قمیصوں پر کلف لگا کر خوب جما جما کر استری کر سکتی تھیں۔ نہ دمے کی مری ساس سسر کو پرہیزی کھانا، شوہر کے چٹپٹے مزاج کی تسکین کے لیے مسالے دار ترکیبیں آزما سکتی تھیں نہ اس کے لیے اندھیرے اٹھ کر حلیم، نہاری، گاجر کا حلوہ، کدو کی کھیر اور اسی طرح کے کھانے پکا سکتی تھیں۔

اور اب جوان کو جرمن یونیورسٹی میں اسکالرشپ پر بلایا جا رہا تھا۔ اس آخری بات نے تو گویا تابوت میں آخر کیل ٹھونکنے کا کام کیا تھا۔

''تمہیں گھر، بچوں اور کیریئر میں سے کسی ایک کے حق میں دستبردار ہونا پڑے گا۔'' عدالتی کارروائی کے انداز میں اس نے پہلا نکتہ اٹھایا تھا۔

''نہیں، میں اپنے کیریئر کے مقابلے میں کوئی بھی شرط قبول نہیں کر سکتی۔'' انہوں نے سوچنے کے لیے ایک بھی نہیں لیا تھا۔

''اگر اس کے نتیجے میں ہم دونوں کی علیحدگی......''

''ہماری کیمسٹری یوں بھی نہیں ملتی۔ اگر ایسا ہو جائے گا تو صرف فارمیلٹی ہوگی ورنہ تو ہم سالوں سے علیحدہ ہیں، نہ تم نہ تمہاری ماں، پھر کوئی بھی تو مجھے میری جگہ دینے کو تیار نہیں۔'' وہ پھٹ پڑنے کے انداز میں بولیں۔

''جھوٹی الزام تراشی......'' مبشر نے تیخ پا ہو کر کہنا چاہا۔

''جب بات ہو چکی ہے کہ اب فضول بحث ہوگی نہ تکرار تو چیخنے چلانے کا کوئی فائدہ نہیں۔'' وہ قطعی بے نیاز لہجے میں بولیں۔

''ٹھیک ہے اگر تمہاری مرضی یہی ہے تو......'' وہ شکست خوردہ انداز میں بولا۔

''صرف میری مرضی نہیں۔'' وہ تلخی سے بولیں۔

''جو بھی ہے......میں تمہیں ڈائیورس پیپرز تیار کروا کر بھجوا دوں گا......یہی چاہتی ہو نا تم۔'' وہ رک رک کر بولا کہ شاید کہیں کوئی گنجائش، نرم لہجہ، چھاؤں سی بات کچھ بچا ہو تو اس کے آڑے میں ان دونوں کا جلتا بلتا یہ فیصلہ کچھ دیر تھم جائے۔

''ٹھیک ہے اب یوں ساتھ رہنے سے کچھ حاصل بھی نہیں۔ زندگی ایک ہی بار تو ملتی ہے۔ نہ تم اپنی مرضی کی رہے ہو نہ میں......حالانکہ میں نے کتنی کوشش کی تمہیں، تمہاری فیملی کو خوش کر سکوں مگر......''

وہ کتنے آرام سے مان گئی تھیں۔

مبشر نے حیرت بھرے انداز میں انہیں دیکھا اور گہرا سانس کھینچا۔

''اور بچے؟'' بہت دیر بعد انہیں خیال آیا کہ وہ اہم چیز بھولے جا رہے ہیں وہ جس نے انہیں اتنے سال مجبوری کے بندھن میں باندھے رکھا۔

''ظاہر ہے بچے میرے ساتھ رہیں گے۔'' وہ یوں پرسکون لہجے میں بولیں جیسے یہ فیصلہ پہلے سے ہو چکا ہو۔

''تمہارے ساتھ، وہ کیوں؟'' وہ ابرو اچکا کر بولا۔

''اب تم مجھ سے، میری تعلیم سے جتنی بھی نفرت کر و یہ تو مانتے ہو ناں کہ تمہارے بچوں کو ایک تعلیم یافتہ زندگی، اچھا کیریئر صرف میں ہی دے سکتی ہوں۔''

ان کے لہجے میں ان کی تعلیم کا غرور بول رہا تھا جس سے وہ مبشر کے مڈل کلاسیے خاندان کو خوفزدہ کرتی آئی تھیں۔

''تمہاری دکان داری سے صرف تمہارے گھر کا خرچ تمہاری بیمار ماں باپ کی دوائیاں اور تمہارے چٹپٹے کھانے چلتے ہیں، بچوں کی اتنے سالوں کی تعلیم، مہنگے ترین اداروں میں ایڈمشن جس میں کبھی تم نے ایک دھیلا ڈالنے کی زحمت نہیں کی، کیا آگے یہ بوجھ اٹھا سکو گے؟'' وہ جی بھر کر اپنی بھڑاس نکالتے ہوئے بولیں۔ ''شاید انہیں سرکاری اسکول میں ڈال دو، دونوں کو میٹرک ایف۔اے کروا لو اور بلال کو اپنے ساتھ دکان پر بٹھا لو زونی کو میٹرک کرتے ہی اپنے جیسے کسی دکان دار سے بیاہ دو اور بس یہی کر سکتے ہو ناں تم؟''

اور مبشر جسے ان کے تعلیمی کیریئر سے چڑ بھی نہیں نفرت تھی آج جب بچوں کی تعلیم ان کے محض میٹرک مڈل ہونے کی بات آئی تو اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

ان کی معمولی کپڑے کی دکان سے صرف گھر کا خرچ اور بوڑھے والدین کا علاج ہو سکتا تھا یا ان کے اسکولوں کی معمولی فیسیں...... ایک اور مبشر ہو گا ایک اور فضیلہ ہو گی، جو اس طرح اس کے بیٹے سے طلاق مانگ رہی ہو گی۔

''تم شلوار قمیص میں پسینے میں بھیگے دکان کی چابیاں جیب میں کھڑکھڑاتے جب گھر آتے ہو تو کس قدر اجڈ لگتے ہو۔ تم نے جانے انٹر کہاں کیا کچھ تو اس کی لاج رکھ لیتے۔'' وہ انہیں دیکھ کر طنز سے اکثر کہا کرتی تھیں۔

اور وہ شرمندہ سے ہو کر رہ جاتے۔

اب مسلسل شرمندگی کا نہ ختم ہونے والا احساس تھا۔

آج اس سے زندگی نصیب ہو جاتی تھی مگر بچے...... ''ٹھیک ہے بچوں کو تم رکھو۔'' اس نے ایک اور ہار مان لی۔

''اس کے بعد بھی تم کبھی دعویٰ نہیں کرو گے۔'' وہ شیر بن کر بولیں۔

''اگر بچے خود سے مجھ سے ملنا چاہیں گے تو؟'' وہ بولا تو فضیلہ کچھ دیر بول ہی نہ سکیں۔

''یہ بہت بعد کی بات ہے۔ اول تو ایسا ہو گا نہیں، مجھ جیسی اعلیٰ تعلیم یافتہ ماں کے مقابلے میں وہ تم جیسے کم پڑھے لکھے رف حلیے والے شخص کو اپنے باپ کے طور پر قبول تو کر لیں گے مگر ساتھ رہنا چاہیں تو یہ تمہاری بھول ہو گی۔''

وہ کبھی بھی مغرور اور گھمنڈی نہیں رہی تھیں مگر آج اس لمحے مبشر کے سامنے جی بھر کر غرور بگھارنے کو جی چاہ رہا تھا۔

شاید ان کے اندر کی عورت تلملا رہی تھی کہ وہ جو اتنی شان دار ہیں کہ جسے پا کر کوئی بھی مرد اپنی قسمت پر رشک ہی نہیں ہمیشگی کا فخر بھی کر سکتا ہے وہ مرد اسے دھتکار کر جا رہا ہے۔

شاید اسی لیے وہ بلاضرورت اتنے بڑے بڑے بول بولے جا رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے۔ تم ان کی جیسے چاہو تربیت کرو، چاہو تو انہیں میرے متعلق بتانا بھی نہیں۔ وہ زندگی میں کبھی میری طرح ناکام نہ ہوں۔ بس دم آخر مجھے یہ خوشی ضرور دے دینا اور اس آخری خوشی کے لیے میں ان کی جدائی بھی سہہ جاؤں

گا......اور تم یہ کرسکتی ہو۔انہیں ایک کامیاب انسان بنانے کی......خدا حافظ۔''

اس نے حسرت بھری نظروں سے ان کے بھرپور عالیشان سراپے کو دیکھا اور ہمیشہ کے لیے ان کی زندگی سے نکل گیا۔

ان کے اسکالرشپ کے دوران بچے بہت ڈسٹرب رہے مگر ان کا من پسند منصب اور ترقی بعد میں انہیں ملتی چلی گئی۔

اور اس سارے سفر کے دوران انہیں مبشر حسین کبھی بھول کر بھی یاد نہیں آیا اور آج زونی کی اس حرکت نے ان کے اندر جانے کون کون سے تار ہلا ڈالے تھے۔

''تو یہ تربیت کی ہے میں نے تمہاری اولاد کی، خدا کرے مبشر حسین! تم مجھے زندگی کے کسی بھی موڑ پر نہ ملو۔ میں تم سے شاید نظر نہ ملا سکوں کہ یہ آخری خوشی بھی تو میں تمہیں نہ دے سکی۔''

ان کی آنکھوں سے دو آنسو بہہ نکلے، وہ ڈاکٹر کیسے انہیں اندر سے جھنجوڑ گیا تھا۔

''زونی! کیوں کیا تم نے ایسے؟'' وہ ہوش میں آچکی تھی اسے دیکھتے ہی انہوں نے بے قراری سے پوچھا۔

''آپ کی نظروں میں گر جاؤں اور زندہ رہوں ماما! یہ ممکن نہیں تھا۔''

وہ کس قدر جذباتی تھی اور ان کی طرح موڈی بھی......اتنے سالوں میں پہلی بار دو تھپڑ کھائے اور انہیں اس کا احساس نہ دلاتی یہ بھی تو ممکن نہیں تھا۔

''آپ رو رہی ہیں۔'' وہ خاموشی سے آنسو بہائے گئیں یوں بھی ایک زمانے کے بعد اتنی فرصت سے انہیں آنسو بہانے کا موقع ملا تھا، شاید وہ برسوں پرانے اس غم پر رو رہی تھیں جس پر اس لمحے اور اس کے بعد ان کی آنکھوں سے ایک موتی نہیں چھلکا تھا۔

''سوری مام!'' اس نے بے اختیار ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، وہ پھر بھی مسکرا نہ سکیں۔

✠ ✠ ✠

''بیٹا! تمہیں اس لیے بلوایا تھا کہ اسے، سرمد کو کسی کام سے لگوا دو۔'' یوسف کی امی لجاجت سے کہہ رہی تھیں۔

اور وہ حیران نظروں سے تیرہ چودہ سال کے اس کم عمر لڑکے کو دیکھ رہا تھا جس میں بار بار اسے عمیر کی شکل نظر آتی تھی۔

''ابھی تو یہ بہت چھوٹا ہے آنٹی!'' وہ بالآخر کہہ ہی اٹھا۔

''تو اور کون کرے گا یہ سب بیٹا؟'' وہ بے بسی سے بولیں۔

''یوسف تو ہمیں بیچ رستے میں چھوڑ گیا ہے۔'' وہ پھر سے رونے لگیں۔

ابھی یوسف کا کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا کہ گھر کی مفلسی نے انہیں دنیا داری کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''تو اس کی پڑھائی؟''

''پڑھنا ہوگا تو ساتھ پڑھ لے گا ورنہ کام کرنا، کمانا ضروری ہے بیٹا! پڑھنا نہیں اس کے بغیر گزارہ نہیں۔''

وہ اپنی مجبوری میں کتنا آگے جا چکی تھیں۔ وہ انہیں لاکھ سمجھاتا تو بھی وہ سمجھ نہ پاتیں۔

''آنٹی! اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں۔'' بہت دنوں سے جو بات وہ سوچ رہا تھا آج زبان پر

ـ با حوصلہ کر بیٹھا۔

''بیٹا! اب کیا برا ماننا۔ تم بھی میرے یوسف کی طرح ہی تو ہو، جو کہو گے مجھے برا نہیں لگے گا۔'' وہ ٹھنڈی سانس ـ ر بولیں۔

وہ انہیں دیکھتا رہ گیا۔

''کیا کہہ رہے تھے تم؟'' اس کی مسلسل چپ پر وہ کچھ بے چین سی ہو کر بولیں۔

''جی۔'' وہ یوں چونکا جیسے اپنی کہنے والی بات بھول چکا ہو۔ وہ ایک دم سے اٹھا اور ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''یہ...... یہ کیا کر رہے ہو روحیل بیٹا؟'' وہ گھبرا سی گئیں۔ ''اٹھو اوپر بیٹھو، گندی زمین ہے یہ۔''

''مجھے اپنا یوسف بنا لیں۔'' وہ بے ساختہ ان کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر بولا تو وہ جیسے بے یقین سی بیٹھی رہ گئیں۔

''یوسف!'' وہ خواب کے عالم میں بولیں۔

''جی آنٹی جی! یوسف۔'' وہ جذب سے بولا۔

''تو پر یوسف کی طرح امی بولو نا آنٹی جی کیوں، امی...... امی کہو...... امی!'' وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔

''آج کتنے دنوں سے میرے کان ترس گئے ہیں یوسف کے منہ سے امی سنے...... مجھے امی کہو میرے بچے، میں ـ ی ماں ہوں۔ یوسف تم کہاں چلے گئے۔''

وہ کچھ اس بری طرح سے بکھریں کہ روحیل کو انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

''پلیز امی! آپ اس طرح مت کریں سنبھالیں خود کو، حوصلہ کریں میں ہوں آپ کے پاس سرمد ہے اور......''

آگے وہ کچھ بول ہی نہیں سکا اس حسین مجسمے کے رعب نے جیسے اس کی زبان سی دی۔

''ہاں میرے بچے! اب تو حوصلہ کرنا ہی پڑے گا میرے سوہنے رب نے ایک یوسف لے کر مجھے دوسرا یوسف جو ـ دیا۔ میرا یوسف میرا...... میرا بچہ...... میرا جوان شہزادہ!'' وہ دیوانوں کی طرح اسے پیار کرنے لگیں۔

کبھی اس کا ماتھا چومتیں کبھی اس کے بالوں بھرے سر پر چہرہ رکھ کر رونے لگتیں جیسے وہ اپنے ہوش میں نہیں تھیں۔

اور اس نے بھی تو زندگی میں پہلی بار ممتا کی مٹھاس چکھی تھی، کبھی کسی نے اسے ایسے والہانہ انداز میں کب پیار ـ یہ تھا۔

خدیجہ پھپھو تھیں ایک پیار کرنے والی، جانے کیسے ان کے پیار میں مطلب اور خود غرضی کی تلخی آ گئی اور سب کچھ ختم ہو گیا۔

وہ دونوں ماں بیٹے جیسے بچھڑنے کے بعد ملے ہوں۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر خوشی سے کبھی رو پڑتے، کبھی مسکرانے لگتے۔

ایسی انوکھی خوشی جس کے بارے میں اس نے کبھی سوچا نہیں تھا، یوسف کی موت اسے دے گئی۔ ایک اور محبت ـو تحفہ۔

یوسف جاتے جاتے بھی اس کے لیے زندہ رہنے کا جواز مہیا کر گیا تھا۔

''اب اسے ان سب کے لیے زندہ رہنا تھا امی، سرمد اور......'' اس روز سے آگے وہ پھر کچھ نہیں سوچتا۔

سوچتا تو یقیناً نیت میں کھوٹ آ جاتا اور وہ اتنے پرخلوص رشتوں میں مطلب کا کھوٹ شامل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ـ لیے رات گئے سوتے ہوئے جب وہ چہرہ آنکھوں کے سامنے آیا تو اس نے ''اور'' سے آگے نہیں سوچا۔

اسے جینے کا ٹھوس جواز مل گیا تھا۔

سرمد کو اس نے سختی سے کسی بھی کام سے منع کر دیا اور خود ڈبل شفٹ لگانے لگا، اس نے اکیڈمی جانا چھو
سوتے وقت اگر ہمت ہوتی تو تھوڑا بہت پڑھ لیتا ورنہ تو یہ خیال بھی اب دل سے نکلتا جا رہا تھا۔
جس کے لیے اس نے پڑھنے کا سوچا تھا اس بے وفا نے تو اسے کبھی شاید یاد بھی نہ کیا ہو۔

✠ ✠ ✠

''ثانی! تم سے ایک بات کرنی تھی۔'' اتنے دنوں کے بعد عمیر کا فون آیا تھوڑی دیر کو تو اسے یقین ہی نہیں آیا
وہ اس پر خوب ناراض ہوئی تھی۔ بڑی جھگڑی تھی۔ امی نے تو ملتان جا کر اسے صرف دو بار فون کیا تھا اور
اس نے مل کر جانے کا گلہ کیا تو وہ ہنس کر چپ سی کر گئیں۔

عمیر اس کو سنتا رہا خاموشی سے، وہ بولتی رہی جب تھک گئی ساری بھڑاس نکال کر تو چپ ہو گئی۔
''ثانی! وہ ایک بات تھی۔'' وہ ہولے سے بولا۔
''ہاں کہو۔'' اس کے لہجے سے وہ ٹھٹکی اس شام کی ذلت ابھی اس کے دل سے گئی نہیں تھی، شاید وہ اس کو جتا۔
''پلیز مجھے معاف کر دینا۔'' وہ اس کی سوچ کے بالکل برعکس بولا۔ وہ چونک گئی۔
''کیا کہہ رہے ہو؟'' اس کا دل بے طرح سے دھڑکا تھا۔
''وہ میں...... شاید تم مجھے معاف نہ کر سکو'' وہ پھر سے اٹک گیا۔
''تو کیا بات اتنی بڑی ہے کہ عمیر کو اتنا سنجیدہ، اتنا فارمل ہونا پڑ رہا ہے!'' وہ پھر سے سہم گئی۔
''وہ بریسلٹ اور ٹاپس لے کر گیا تھا۔''
اور ثانیہ کو لگا۔ اس کے اردگرد سب چیزیں ایک جھٹکے سے الٹ پلٹ دی ہوں۔
''عمیر......!'' وہ شاید بولی تھی یا نہیں۔
''خدا کی قسم! میں تو یہ سمجھا کہ وہ چیزیں تمہاری ہیں۔'' وہ جلدی سے بولا۔
''اور مجھے پیسوں کی سخت ضرورت تھی ٹکٹ کے لیے۔''
''میں تم سے مانگنے ہی تو آیا تھا مگر حوصلہ نہیں پڑا۔ سوچا تمہاری یہ چیزیں لے جاتا ہوں، بعد میں واپس آ کر دو
گا۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ وہ زونیرا کی ہیں۔'' وہ سانس لینے کو رکا۔
اور ثانیہ کے کانوں میں تو جیسے کوئی طوفان سائیں سائیں کر رہا تھا۔
''میں انہیں لے کر سیدھا جیولر کی طرف گیا اور جب گھر گیا تو امی نے بتایا تم سے میں الٹے قدموں جیولر
طرف گیا۔ اسی طرح پیسے واپس لے کر کہ وہ چیزیں لے آؤں مگر وہ خبیث آدمی، اس کے پاؤں پڑا کہ مجھے واپس دے
کہنے لگا کہ ہم وہ چیزیں ڈھال چکے ہیں صرف گھنٹے بھر میں......''
''میں اس رات اور اس کے بعد کتنے دن گھر میں نہیں گیا۔ امی کو بتا دیا اور خاموشی سے ٹکٹ کرائی اور یہاں
گیا۔''

وہ خاموش ہو کر اس کو سننا چاہ رہا تھا۔
''امی بھی اسی شرمندگی کی وجہ سے تم سے ملنے نہیں آئیں اور میں...... میں تو اس دن سے اپنی نظروں میں ایسے
ہوں۔ اتنے دنوں سے سوچ سوچ کر میرا دماغ شل ہو گیا کہ تمہیں فون کر کے یہ سب بتاؤں...... مگر کیسے کرتا ہمت ہی نہیں
تھی...... سوری ثانی! میں......''

وہ رندھی ہوئی آواز میں بولا۔

''اگر تم مجھے معاف نہیں کرو گی تو میں بھی خود کو معاف نہیں کروں گا۔'' وہ کہہ رہا تھا اور ثانیہ کو لگا۔ اس کے پاس سننے کو سب ختم ہو گیا ہے۔

اس نے کچھ بھی کہے بغیر فون بند کر دیا۔

✠ ✠ ✠

''بیٹا! اس معاملے سے اگر کسی ایک کچھ بگڑے گا تو صرف ہمارا، ہماری عزت خراب ہو گی۔ اگر خدانخواستہ بات نکلی تو بلال کا نام اس کی عزت داؤ پر لگ جائے گی اگر جھوٹ ہے جو کہ ہے تو بیٹا! تم میری بیٹی ہو۔ تم سے وابستہ کچھ ایسی بات خدانخواستہ تمہارے فیوچر کے لیے کس قدر خطرناک ہو سکتی ہے تمہیں اندازہ نہیں۔'' وہ اسے اگلے ہی روز گھر لے آئی تھیں۔

پیار میں اگرچہ کبھی کمی تو نہیں رکھی تھی مگر شاید ابھی زونی کے اندر وہی پیار سے سمجھنے اور سنبھلنے والی نادان بچی اٹھلا رہی تھی جسے سمجھانا ضروری تھا پیار کی نئی ڈوز دے کر......

''میں نے بلال سے بات کی ہے۔ وہ دو چار ماہ میں ثانیہ کو اپنے پاس بلا لے گا پھر تمہارا اس سے کیا واسطہ رہ جائے گا۔ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے پیار سے بولیں۔

''زونی! کچھ بولو گی نہیں؟'' اس کی مسلسل چپ انہیں پریشان کر رہی تھی۔

''کیا بولوں؟'' وہ یاسیت سے بولی۔

''دیکھو ناں بیٹا! ثانی......!''

''پلیز ماما! اب اس ٹاپک کو ختم کریں نا!'' وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''تو تم ایسی کوئی بات میرا مطلب ہے ثانیہ سے متعلق کرو گی تو نہیں؟'' انہوں نے اس سے یقین دہانی چاہی۔

''جب آپ کو کوئی دلچسپی نہیں کہ آپ کی آنے والی نسل کس کلاس سے ہو گی تو پھر مجھے کیوں پروا ہونے لگی۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

وہ خاموش سی ہو گئیں۔ انہیں اس کا رویہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' وہ بات پلٹنے کو بولیں۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ بے زاری سے بولی۔

''اب دیکھو تمہارے ایگزام سر پر ہیں، ٹھیک ہوتے ہی میرا بیٹا! اپنی اسٹڈیز کی طرف دھیان دو۔ اس بار فرسٹ پوزیشن تو میری بیٹی کی ہی آئے گی۔''

وہ اسے بتاتے ہوئے بولیں۔

''وہ ایگزام دیے بغیر نہیں رہے گی، آپ میری یہ بات لکھ لیں۔'' وہ فوری طور پر بولی تو وہ چپ کر گئیں۔

ثانیہ کے خلاف زونی کے دل میں کتنا غصہ کتنی نفرت تھی کیا وہ اس معمولی ڈوز سے کم ہو جائے گی۔ یقیناً نہیں؟

''اچھا چلو اب تم ریسٹ کرو میں......''

''ماما! ہمارے ڈیڈی ہم سے ملتے کیوں نہیں؟'' کچھ ایسی اچانک بات اس نے کی کہ وہ تو بے اختیار ٹھٹک کر رہ گئیں۔

''آج ہی تو انہوں نے جی بھر کر اسے یاد کیا تھا اور زونی نے آج ہی اتنے سارے سالوں میں پہلی بار یہ پوچھ ڈالا۔

''پتا نہیں بیٹا!'' وہ بے اختیار نظریں چرا کر بولیں۔

''انہیں آپ سے اختلاف ہوتا مگر ہم تو ان کی اولاد تھے پھر ایسی لاتعلقی......''

وہ ایسے گہرے دکھ میں گھری کہہ رہی تھی جیسے یہ محرومی سالوں سے اس کے اندر کہیں پل رہی ہو۔

''زونی! میری جان یہ کیا سوچنے لگیں۔'' وہ ہولے سے بولی۔

''مام! مجھے بات کرنے دیں پلیز۔''

''کریں گے بات، ضرور کریں گے اس پر بھی مگر تمہارے ایگزام کے بعد، ابھی ایسی سوچوں سے اپنی توجہ کو divert نہیں کرو پلیز، تمہاری چودہ سال کی محنت ہے اس ایک امتحان میں، سمجھتی ہو نا میری جان!''

وہ اسے خود سے لپٹا کر بولیں اور بھول گئیں جب یہی بات انہیں ثانیہ نے کہی تھی تو انہیں کتنی بے معنی سی لگی تھی۔

✠ ✠ ✠

''آؤ بیٹا! بل جمع کرا آئے سارے؟'' وہ تھکا ہوا گھر میں داخل ہوا تو ذکیہ نے اٹھ کر اس کے آگے کرسی کی۔

''جی امی! کروا آیا ہوں۔ آج تو لمبی لائن تھی وہاں آخری تاریخ تھی نا!'' وہ تھکا ہوا بیٹھ گیا۔

''میں تمہارے لیے کچھ ٹھنڈا لاتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر چلی گئیں۔

وہ ان کا بیٹا بھی بن چکا تھا اور اس گھر کا ذمہ دار سرپرست بھی مگر ابھی بھی اسے گھر کے اندر جانے کی کھلم کھلا اجازت نہیں تھی۔

''جانے کیسی جھجک کی دیوار تھی۔ وہ ابھی تک نہ تو بسمہ سے مخاطب ہوا تھا، نہ امی نے ایسی کوئی کوشش کی تھی۔

''یہ لو، بسمہ نے سکنجبین بنائی ہے، خوب ٹھنڈی ہے۔'' وہ اس کے لیے جگ بھر کر لے آئیں وہ دو گلاس میں سیر ہو گیا۔

''چلتا ہوں میں امی! ابھی بہت کام ہے مجھے۔'' وہ اٹھ کر جانے لگا۔

''بیٹھو روحیل بیٹا! مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔'' وہ اٹھا بھی نہیں تھا کہ ان کی بات سن کر پھر سے بیٹھ گیا۔

''جی کہیے۔' ان کے چہرے کی سنجیدگی بتا رہی تھی بات بہت اہم ہے۔

''بیٹا! تم لاکھ میرے یوسف کی جگہ سہی مگر یوسف تو نہیں ہو ناں۔'' وہ آہستگی سے بولیں۔

''جی!'' وہ بھونچکا رہ گیا۔

''میرے لیے تو تم یوسف ہی ہو اور میں نے تمہیں کچھ اور کبھی سمجھا بھی نہیں۔''

وہ سر جھکائے بیٹھا رہ گیا۔

''مگر یہ دنیا والے، محلے والے، اردگرد کے لوگ تمہارا یوں دن رات آنا جانا......سب کی نظروں میں ہے۔''

اس کا سر اور بھی جھک گیا اس غلطی پر جو اس کا جرم بہرحال نہیں تھی۔

''مجھے خود احساس ہے کہ یہ بات یقیناً تمہارے لیے بھی دکھ کی بات ہو گی مگر بیٹا! میں ایک جوان بیٹی کی ماں بھی تو ہوں۔''

وہ جواب میں کچھ کہہ ہی نہیں سکا۔

''ٹھیک ہے امی! میں باہر سے آپ سے مل کر سودا وغیرہ دے کر چلا جایا کروں گا۔'' وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا بیٹا!'' وہ جلدی سے بولیں۔

''جی......تو......'' وہ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگا۔

''بیٹا......! وہ تم میرے بیٹے بن جاؤ۔ تم بسمہ سے شادی کر لو مگر......'' وہ بولتے بولتے خود ہی رک گئیں اور وہ حیران سا انہیں دیکھے گیا۔

روحیل حیرت بھری نظروں سے انہیں دیکھتا رہ گیا۔ یہ بات تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ یوسف کی امی ایسی بات کر جائیں گی۔ میں جانتی ہوں تمہارے لیے یہ بات کسی دھچکے سے کم نہیں لیکن بیٹا میری جگہ آ کر بیٹھو۔ ایک ماں کی جگہ جواب جوان بیٹے کی موت کے بعد راتوں کو سو نہیں سکتی۔ مجھے یوں لگتا ہے اس گھر کا چوکیدار نہیں مرا بلکہ اس گھر کا کوئی دروازہ اکھاڑ کر لے گیا ہے اور کھلے دروازے جوان بیٹی کو لے کر پڑی ہوں، مجبور ہو کر تمہارے آگے دامن پھیلایا ہے، میں جانتی ہوں تمہیں یہ بات بہت بری لگی ہوگی مگر بیٹا!.....

بیٹا جو بول چکی ہوں تمہیں تو پھر اور کیسے کہوں؟

وہ اپنے ہی پھیلے ہوئے ہاتھوں کو مسلسل دیکھتے ہوئے بغیر روحیل کے تاثرات جانے آواز میں گھلی نمی اور شرمندگی کے ساتھ رک رک کر بولتی چلی گئیں۔ ''یا پھر؟'' بہت دیر کی خاموشی کے بعد انہوں نے سر اٹھایا تھا، شاید اس کے جواب کی منتظر رہی تھیں، مایوس ہو کر دھیرے سے بولیں۔

''اگر تمہارے ملنے والوں میں، جاننے والوں میں کوئی ایسا خدا ترس، رحم دل شخص بھلے جوان نہ ہو، ادھیڑ عمر کا ہو بال بچے دار نہ ہو۔ لیکن اگر شریف ہو، برسر روزگار اپنے پیروں پر کھڑا ہو اور بسمہ کا بوجھ بہ خوبی اٹھا سکے تو بال بچوں پر بھی کوئی اعتراض نہیں مجھے۔''

روحیل کی تو جیسے ساری حسیات مر گئی تھیں۔ جانے ان کو کیا مجبوری تھی کس عاجزی کے ساتھ وہ بیٹی کا رشتہ ہتھیلی پر دھرے بیٹھی تھیں کہ کوئی بھی کسی بھی طرح سے اسے قبول کر لے۔

مگر روحیل کے لیے تو ابھی ان کی پہلی بات ہی کسی دھماکے سے کم نہ تھی دوسری تو جیسے اس نے سنی ہی نہیں تھی، ٹک ٹک انہیں دیکھے گیا۔ وہ سب کچھ بول کر اسے خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگیں۔ وہ ان کی خالی نظروں میں آس کا کوئی دیپ بھی جلانا نہیں چاہتا تھا کہ ابھی تو خود اس کے اندر ذرا رمق بھی نہیں تھی، نہ زندگی کی: نہ محبت کی۔ وہ دونوں کے آگے ہتھیار ڈال چکا تھا اور وہ پھر سے اسے ہتھیار سجا کر میدان میں آنے کو کہہ رہی تھی۔ وہ ایک دم سے اٹھا اور کچھ بھی بولے بغیر تیزی سے باہر نکل گیا۔

✠ ✠ ✠

''سروری میری بات سنو۔'' وہ بیٹھی پڑھ رہی تھی کہ سروری کو سامنے سے گزرتے ہوئے دیکھ کر اسے کچھ یاد آ گیا۔

''جی بی بی!'' وہ کندھے پر پڑی صافی سے ہاتھ خشک کرتی پاس آ کر بولی۔

فضیلہ مبشر کے رویے میں ثانیہ کے لیے جو ذرا سی لچک آئی تھی۔ اسے ملازم بھی محسوس کر چکے تھے اور اب ثانیہ سے حد ادب میں رہ کر بات کیا کرتے۔ ''ایک بات تھی۔'' پاس بلا کر وہ خود ہی متذبذب تھی۔

''بولیں بی بی...... کچھ چاہیے؟'' اس وقت گھر بھر میں مصروفیت کا ٹائم ہوتا تھا۔ فضیلہ کے کالج سے لوٹنے کا ٹائم تو گھر کی صفائی' کھانا تیار' کپڑے' الماری میں پریس شدہ سب کچھ ہی تیار ہونا چاہیے تھا' اس لیے سروری بھی کچھ جلدی میں تھی۔

''مجھ سے ملنے کوئی آیا تو نہیں تھا؟'' وہ اپنے سوال کو کوشش کے باوجود درست الفاظ کا جامہ نہ پہنا سکی۔ ''کون بی بی۔ کوئی بھی نہیں۔ وہ آپ کا بھائی' یا وہ لڑکا۔'' سروری جتانے والے انداز میں بولی۔ سارے تماشے نوکروں کے سامنے ہی تو ہوئے تھے۔

''نہیں' وہ میری امی یا۔'' وہ ایک معمولی ملازمہ سے بھی نظر ملا کر بات نہیں کر پا رہی تھی' عمیر کی گری ہوئی حرکت نے ثانیہ کو خود اپنی نظروں میں عمر بھر کے لیے گرا دیا تھا۔

''اے لو۔'' سروری ماتھے پہ ہاتھ مار کر بولی ''بھول ہی گئی میں تو۔'' کہہ کر تیزی سے اندر چلی گئی اور ذرا دیر بعد لوٹ آئی۔ اس کے ہاتھ میں کاغذ کا پرزہ تھا۔

''یہ آپ کی امی دے گئی تھیں اس دن مجھے۔'' وہ پرزہ اس کی طرف بڑھا کر بولی۔

''میری امی' کس دن' آئی تھیں' وہ تم نے بتایا کیوں نہیں مجھے۔'' ثانیہ کے لیے یہ خبر حیران کن تھی۔ اس کا ذہن کسی طور پر بھی مان نہیں رہا تھا کہ خدیجہ اس سے ملے بغیر ہی چلی گئیں۔ کچھ بھی کہے بغیر۔ کیا وہ ان کی اولاد نہیں تھی۔ اس کاغذ پر کوئی موبائل نمبر لکھا ہوا تھا۔

''وہ جی اس دن آئی تھیں جب وہ زونیرا بی بی کا زیور نکلا تھا۔ تو رات کو وہ آئی تھیں' آپ کے چھوٹے والے بھائی کے ساتھ۔''

''عمیر کے ساتھ؟'' ثانیہ بے صبری سے بولی۔ ''نہیں جی اس سے نکے والے۔'' وہ ہاتھ سے زبیر کا سائز بتا کر بولی۔ ''پھر' تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔'' وہ درشتی سے بولی۔

''کیسے بتاتی جی۔ وہ زونی بی بی۔ انہوں نے......'' وہ سر جھٹک کر بولی۔

''کیا...... زونی نے؟'' ثانیہ شاکڈ سی رہ گئی۔

''بیگم صاحبہ کو بھی اس بات کا پتا نہیں۔ وہ تو......''

''اور تم نے اتنی تکلیف نہ کی کہ مجھے آ کر بتا سکو۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''کیسے بتاتی جی۔ وہ زونی بی بی۔ پھر انہوں نے تو آپ کی امی کو کھڑا بھی نہیں ہونے دیا تو بتاتی کیسے آ کر؟''

''پھر وہ دوبارہ آئیں؟''

''نہیں جی۔ بس میں باہر کسی کام سے گئی تھی۔ کافی دیر بعد تو وہ ایک طرف اندھیرے میں کھڑی تھیں۔ مجھے یہ پرچی دے کر کہنے لگیں کہ آپ کو دے دوں اور کہہ دوں کہ آپ ان سے بات کر لیں۔''

''اور تمہیں اتنے دنوں کے بعد خیال آیا' وہ بھی اگر میں نہ پوچھتی۔'' سروری لاجواب سی کھڑی رہ گئی۔

''جاؤ دفع ہو جاؤ۔ اب کیا کھڑی ہو۔'' پہلی بار اسے اتنا غصہ آ رہا تھا کہ جی چاہ رہا تھا اس گھر کی ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دے۔

اس جھوٹی چمک دمک والے شیشے کے گھر کو چور چور کر دے' کچھ بھی یہاں سلامت نہ رہے' وہ خود بھی نہیں اسے بری طرح سے رونا نہیں چاہتی تھی۔

''میں اس شام تمہارے گھر آئی تھی اور آنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں نے اپنی زندگی کی کتنی بڑی غلطی کی

ہے۔ دھوکا کھایا ہے' بظاہر ان پڑھے لکھے مہذب پالش شدہ لوگوں پر بھروسہ کر کے' یہ تو اندر سے بڑے بدصورت کریہہ اور سیاہ چہرہ ہیں' میری روشن دل اور اچھے من والی ثانیہ ان لوگوں میں کیسے گزارہ کرتی ہوگی۔ میری بچی مجھے معاف کر دینا۔" خدیجہ اس کی آواز سن کر رو ہی پڑیں۔

"میں نے لالچ کیا تھا خود غرضی دکھائی' پر میری بچی کسی غریب ماں کے گھر ایسا اچھا رشتہ آتا تو کیا وہ لالچ میں نہ آ جاتی۔ میری طرح خود غرض نہ بن جاتی' پر میں نے کسی کا یوں دل تو نہ دکھایا تھا۔ زبردستی بھی نہ کی تھی' پھر ایسی سزا۔"

وہ بعد از مرگ واویلا والی کیفیت میں مبتلا تھیں۔ جس سے ثانیہ بہت دن پہلے نکل آئی تھی' خود ہی رو دھو کر۔

"آپ آئی کیوں تھیں اس دن مجھ سے ملنے؟" اس نے ان کی توجہ اس تکلیف دہ کیفیت سے ہٹانا چاہی۔

"تم سے نہیں تمہاری ساس سے ملنے۔" وہ ذرا سنبھل کر بولیں۔

"میڈم سے مگر کیوں؟" ثانیہ چونکی۔ "ان کے آگے ہاتھ پیر جوڑ کر معافی مانگتی' پیر پکڑ لیتی' مگر عمیر کی اس گندی حرکت کو بخشوا کر اٹھتی۔" اور ثانیہ نے سیل فون کو مضبوطی سے تھام لیا۔

"تو آپ کو عمیر کی اس حرکت کا پتا تھا یا آپ نے۔" وہ چاہتے ہوئے بھی بات پوری نہ کر سکی۔ ایسی بات تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ خدیجہ نے عمیر کو یہ شارٹ کٹ دکھایا ہوگا۔ زبان پر لانا تو بہت مشکل تھا۔

"ایسی بات نہ کر میری بچی! ابھی تیری ماں اس قدر نہیں گری تھی کہ عمیر کو اس کام کے لیے بھیجتی۔" وہ اس کی زبان پر لانے سے پہلے سمجھ چکی تھیں' فوراً بولیں۔

"تمہاری ساس کا ڈرائیور جب دوبارہ عمیر کا پوچھنے آیا تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ وہ خبیث گھر نہیں آیا تھا' میں نے ادھر اُدھر سب طرف زبیر کو دوڑایا' مگر وہ کہیں نہیں تھا۔"

"تو پھر آپ کو کیسے پتا چلا؟" وہ بے صبری سے بولی۔ "اس کا فون آ گیا اور میرے بار بار کریدنے پر اور کچھ دھمکانے پر اس نے سچ اگل دیا وہ اگلے دن کی ٹکٹ بھی کرا چکا تھا۔"

"امی میں گھر نہیں آؤں گا۔ بس یہ پیسے کما کر ثانیہ کا زیور بنوا کر واپس کرنے جوگا ہوں گا تو پھر آؤں گا۔" وہ یہ زیور تمہارا سمجھے بیٹھا تھا۔

"مجھے تو تمہارے گھر آ کر پتا چلا کہ کیا کچھ ہو چکا ہے' تمہاری نند' اللہ تعالیٰ مجھے اس کے قہر اور شر سے محفوظ رکھے ثانی! لڑکی ہو کر اس نے میرے آگے جو زبان چلائی' جس جہالت اور گراوٹ کا اس نے مظاہرہ کیا۔ میرا جی چاہا کہ زمین میں دھنس جاؤں۔ میری بچی کی عمر کی لڑکی اور زبان درازی۔ تجھے وہ کہاں اس گھر میں ٹکنے دے گی' کبھی نہیں۔ اس شام تیرے گھر کی دہلیز چھوڑتے ہوئے میرے دل میں یہ خیال جم چکا تھا' اسی لیے میں کھڑی رہی کہ اپنا کوئی نشان دے کر جاؤں گی ورنہ میری ثانیہ...... تم ٹھیک ہو نا؟"

"ہوں۔" وہ کیسے سب کچھ بتاتی جو زونیرا اس پر بہتان لگانے جا رہی تھی اور جس طرح سے وہ اس پر کیچڑ اچھال رہی تھی۔ "وہ تمہیں ٹھیک رہنے نہیں دے گی' بہت جلن' بہت نفرت ہے اس کے اندر۔"

"میں تو اس دن کو پچھتا رہی ہوں جب تمہاری شادی کے لیے ہامی بھر بیٹھی تھی۔"

"اب ان باتوں کا فائدہ ماں۔" وہ ہولے سے بولی۔ "عمیر کا فون آیا تجھے؟"

"آیا تھا اور اس نے جو کچھ بتایا۔ اس دن سے اپنی نظروں سے گر گئی ہوں۔"

"یہی میرا حال ہے ثانی! میں نے بہرحال تم لوگوں کی تربیت ایسی تو نہ کی تھی اور اس خبیث نے یہ بھی نہیں سوچا کہ نقب بھی کہاں لگا رہا ہے' اس گھر میں' جہاں پہلے ہی بہن کے لیے جگہ نہیں بن پا رہی۔" دونوں خاموش ہو گئیں۔

''آپ مجھ سے ملے بغیر۔فون تو کر سکتی تھیں۔'' کہتے کہتے وہ بولی۔ ملنے کا تماشا تو وہ سن چکی تھی۔''

''اس لیے تو نوکرانی کو یہ فون نمبر دے آئی تھی۔''

''چھوٹی عانیہ کے لیے دعا کرنا ثانیہ!'' وہ ذرا توقف کے بعد گلوگیر آواز میں بولیں۔ ''کیا ہوا عانی کو؟''

''اسپتال میں ہے چار دن سے۔''

''کیا ہو گیا امی عانی کو؟''

''پتا نہیں بخار ہوا ہے' پھر موشن لگے اور جیسے بچی نچڑ کر رہ گئی۔'' بخار اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا' اسپتال جا کر بھی ٹھیک نہیں ہو رہی۔''

''کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں نا اسے۔''

''کیسے دکھاؤں' ابھی تو اس عمیر نے کچھ بھیجا بھی نہیں۔''

''اور چچا' چچی انہوں نے جو بلوایا تھا آپ کو۔''

''دفع کرو یہاں ہر شخص کے کئی چہرے ہیں۔تیس ہزار دے کر انگوٹھا لگوانا چاہ رہے تھے گھر کا۔ میں نے تو صاف انکار کر دیا اور اپنی دو کوٹھریاں سنبھال کر بیٹھ گئی ہوں' اب در بدر نہیں ہوا جاتا۔''

''تو گزارہ کیسے ہو رہا ہے؟''

''بس ہو ہی رہا ہے' یہ چھوٹی اچھی ہو جائے' دو دن سے ادھر اسپتال میں ہوں اس کے ساتھ۔''

''اور زبیر' اسکول داخل کر دیا اسے؟''

''کہاں' ابھی آئے دن کتنے ہوئے ہیں۔''

''تو وہ آوارہ پھرتا رہتا ہوگا۔'' ''چچا کو مفت کا نوکر ہاتھ آ گیا' سارا دن ان کے سودے ڈھوتا رہتا ہے۔''

''ہماری اچھی قسمت نکلی بہروپ بدل بدل کر دھوکا دیتی رہی' تیرے لیے جو کچھ سوچا ابھی تک وہ تجھے راس نہ آیا' اور اپنی زندگی' گزر ہی جائے گی' یہ عمیر نے جو میرے جی کو دھکا لگایا ہے مرجانے کو جی چاہتا ہے ثانی۔'' وہ پھر سے سسکنے لگیں۔

انہوں نے بہر حال ان کو چور راستوں کی تربیت کبھی نہیں دی تھی۔ ''اچھا امی! یوں دل چھوٹا نہ کریں۔ اسے خود احساس تو ہو چکا ہے۔''

''لعنت ہو ایسے احساس پر...... جو تیری ساس یا شوہر کو پتا چل جائے تو دو ٹکے کی عزت ہے تمہاری وہ بھی جائے' اچھا یہ اپنے چچا کا پتا لکھ لے' چھوٹی ٹھیک ہو جائے تو میں چکر لگاؤں گی۔''

ثانیہ ایڈریس لکھنے لگی۔ جانے کیوں وہ چاہتے ہوئے بھی اپنی پریگنینسی کے بارے میں خدیجہ کو نہ بتا سکی۔

✠ ✠ ✠

ایک ایسا الجھا دینے والا موڑ اس کی زندگی میں آیا تھا کہ وہ خود سے کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا' یوں بھی اسے خود سے فیصلہ کرنے کی عادت تھی کہاں۔

پہلے وہ ہر معمولی سے معمولی بات کے لیے بھی ثانیہ سے مشورہ لیا کرتا تھا' اس کی یونہی کہی گئی بات کو بھی قابل قدر جانتا تھا اور اس کے بعد یوسف۔ اور اگر آج یوسف زندہ ہوتا تو شاید یہ مشورہ تو وہ اس سے بھی نہ لے پاتا۔ ابھی میں خود اپنے پیروں پر نہیں کھڑا تو کسی دوسرے کا بوجھ کیسے اٹھا سکتا ہوں' پھر میں نے اپنے شریک سفر کے طور پر ثانیہ کے علاوہ کسی اور کو

سوچا بھی نہیں۔

''مگر نہیں مجھے اب اس کے بارے میں ایسے نہیں سوچنا چاہیے۔'' اس نے پھر دل کو سرزنش کی اور دل کمبخت ہر بار کی سرزنش کو یونہی چٹکیوں میں اڑا دیا کرتا تھا۔

ثانیہ کی ساس' نند کا رویہ خود اس کا سلوک مجھ سے' کس قدر ہتک آمیز تھا۔ اس کے باوجود میں جب اس کو سوچنے بیٹھتا ہوں تو پھر سوچے ہی چلا جاتا ہوں۔ ''کیا ہو ثانی! تم میرے لیے' جتنا تم سے دامن چھڑانا چاہتا ہوں تمہاری یادیں کہاں لے کر جاؤں' اس اُجڑے دل کو' خواب' کبھی بسنا ہی نہیں چاہتا' تو پھر یوسف کی امی جو کہہ رہی ہیں۔'' وہ پھر سے الجھ گیا۔

''شاید بس جائے مگر دل نہیں بس سکتا۔ کبھی بھی ثانیہ کے بغیر۔'' وہ رات کے تھکا ہارا لوٹا تھا اور ان ہی سوچوں میں گھر کر کروٹیں لیتا رہا۔

''شاید قدرت مجھ سے یہی کام لینا چاہتی تھی جو مجھے موت کے منہ سے بچا لیا گیا کہ میں یوسف کے بعد اس کے گھر والوں کا سہارا بنوں۔''

بے زار کن سوچوں کے درمیان آنے والا یہ خیال اسے لمحہ بھر کو چونکا گیا۔ ''اور بسمہ......وہ جس قدر حسین ہے کہ نظر اس پر رکتی نہیں' ٹھہرتی نہیں' بس اس حسن کے احترام میں جھک سی جاتی ہے' کیا وہ میرا مقدر' جسے میں نظر بھر کر دیکھ بھی نہیں سکتا۔'' وہ ایک دم سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ بسمہ کے خیال نے اس کے مردہ جسم میں کرنٹ سا دوڑا دیا تھا۔

''اگر وہ مجھے مل جائے۔'' وہ ترسے ہوئے بچے کی طرح خود سے کہنے لگا۔ ''بیوقوف! یہ ہی تو امی تجھ سے بول رہی ہیں کہ تم اس سے نکاح کر لو اور جتنی وہ عجلت میں لگ رہی تھیں اس جلد بازی میں کسی اور کے بارے میں یہ فیصلہ کر بیٹھیں نہیں نہیں مجھے اب کسی فیصلے پر پہنچ جانا چاہیے' یہ نہ ہو کہ ایک بار پھر پچھتاوے اور خالی پن ہی رہ جائے میرے دامن میں۔''

''پچھتاوے کیسے' اگر بسمہ مجھے نہ ملی تو کیا میں پچھتانے لگوں گا؟'' وہ پل پل اپنے دل کی بدلتی حالت پر خود بھی حیران سا رہ گیا۔ ''شاید بسمہ کا ساتھ مجھے زندگی کی طرف لوٹا سکے' میں ثانیہ کو بھول جاؤں اور اس طرح زندگی کے دھندوں میں الجھ جاؤں جیسے دنیا کے سارے لوگ الجھ جاتے ہیں اور اس میں کچھ ایسا حرج بھی نہیں۔'' وہ ایک دوسرے زاویے سے سوچنے لگا۔

''میں صبح ہی امی کے پاس جاؤں گا اور ان سے ہاں کہہ دوں گا' شاید اب یہ ہی ایک راستہ بچا ہے میرے پاس' جس پر میں چل سکوں' کم از کم ان اندھے راستوں میں روشنی کی' زندگی کی کوئی کرن تو ہو گی جو میرا انتظار کرتی ہو گی' جب میں یوں تھکن سے چور ہو کر اپنے بسیرے کی طرف لوٹا کروں گا۔'' عجیب سی طمانیت بھری خاموشی اس کے اندر اترنے لگی۔

اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ بغیر کسی حیل و حجت اور کسی بحث کے بسمہ کو اپنی زندگی میں شامل کرے گا۔ اور بہت دنوں بعد اسے بہت میٹھی اور پرسکون نیند آئی اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات کہ اس کے بہت پاس آ کر ٹھہر سا جاتا۔

اسے لگتا وہ اسے نظر بھر کر دیکھ سکتا' مگر بسمہ اسے بڑے دل سے بڑی لگن سے دیکھتی جاتی۔ وہ صبح اٹھا تو بہت تازہ دم تھا۔ وہ اب پلٹ کر کچھ بھی دیکھنا نہیں چاہتا تھا' نہ گزرے ہوئے کل کو' نہ بچھڑی محبت کو۔ اس نے رات بھر میں سب کچھ بھلا دیا تھا۔

''آج اسے امی سے ملنے جانا ہے اور انہیں اپنے فیصلے کے بارے میں بتانا ہے۔'' بس یہ یاد تھا۔

✠ ✠ ✠

''ثانیہ! میں ڈیڈی سے مل کر آیا ہوں' وہ ایک بہت مختلف انسان ہیں' جیسا ہمیں مام نے ان کے بارے میں بتایا تھا۔''

وہ بہت پُرجوش انداز میں اسے بتا رہا تھا۔ ''تمہاری مام جو نظر آتی ایسی ہیں کب' جو تمہیں اب اس بات کا احساس ہو رہا ہے۔'' وہ فقط دل میں سوچ کر رہ گئی۔

''ثانی! تم ڈیڈی سے ملو تو حیران رہ جاؤ۔''

''میری پہلی حیرت تو دور ہو جائے جو تمہاری ماں سے مل کر ابھی تک مجھ پر طاری ہے۔'' ایسا جانے کب سے ہونے لگا تھا' وہ بلال سے گفتگو کے دوران خود سے باتیں کرنے لگی تھی۔ شاید دونوں کے دلوں کے رابطے کمزور پڑ گئے تھے جو الگ الگ سے خود اپنے ہی ڈھنگ میں سوچنے اور بولنے لگے تھے۔

''تم کدھر گم ہو۔ میری کوئی بات سن بھی رہی ہو یا نہیں۔'' اسے بھی ثانیہ کے یوں کھو جانے کا احساس ہوا تھا۔

سن تو رہی ہوں اور کیا باتیں ہوئیں آپ کے ڈیڈی سے؟'' وہ سنبھل کر بولی۔

''تم نے مام سے ذکر تو نہیں کیا؟''

''بالکل نہیں۔'' ہمارے تعلقات تو ابھی استاد شاگرد کے فیز سے ہی نہیں نکل پا رہے تو اس طرح کی اتنی نازک باتیں ان سے کرنے کی جرأت کیسے کر سکتی ہوں میں۔''

''ڈیڈی بہت ڈیسنٹ' بہت نائس اور اتنی محبت کرنے والے ہیں اور ان کی مسز۔'' وہ رک گیا۔

''ان کی مسز بھی ہیں؟''

''ہاں!'' اس کی آواز دھیمی سی پڑ گئی۔'' مام ہائیلی ایجوکیٹڈ۔ مگر اس قدر مہربان اور نرم دل۔ وہ شاید ان میں سے تھیں' جو جلد ہی کسی بھی نمایاں خوبی' کسی بھی چیز سے فوراً متاثر ہو جاتے ہیں۔''

''وہ تو آپ کی مام بھی ہیں۔'' وہ جتا کر بولی۔

''ہاں وہ تو مام بھی ہیں' مگر ناز یہ مام۔ پر چھوڑو تم' سناؤ گھر کی فضا کچھ بہتر ہوئی؟''

''مام تو اب تمہارا بہت خیال رکھتی ہیں' ہیں نا۔'' وہ بطور خاص جتا کر بولا۔ ''ہوں...... ہاں۔''

''ثانی! تم خوش نہیں ہونا'' شاید اس کی ہوں۔ ہاں سے اس نے یہ ہی اخذ کیا تھا۔

''پتا نہیں۔ میں خوش ہوں بھی یا نہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''اب تو دیکھو اللہ ہمیں اتنی بڑی نعمت سے نواز رہا ہے تو تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔

''نعمت کی بھی عجب کہانی ہے اب۔ تم سے شادی اس سے بڑی خدا کی نظر کرم اور کیا ہو گی مجھ پر اور کوئی میرے دل سے پوچھے' جس برزخ میں' میں زندگی گزار رہی ہوں۔ اور بچے کی نعمت والی بات کہ جس نے ظہور میں آنے سے پہلے ہی مجھ سے میرے خواب چھین لیے...... کہ میں ایگزام نہیں دے سکتی۔ اب ایسی نعمت کے بارے میں' میں کیا کہوں۔''

وہ پھر سے خود کلامی کر رہی تھی۔

''تم شاید ایگزام کے بارے میں سوچ رہی ہو کہ نہیں دے پاؤ گی۔'' ابھی دلوں میں رابطہ بہت نہ سہی تھوڑا مضبوط ضرور۔ بلال کے پوچھنے پر وہ ذرا سا مسکرائی۔

''میری جان پرامس۔ اگلے سال تم ضرور ایگزام دو گی' میں اپنے بچے کے لیے گورنس رکھوا دوں گا تمہیں اور تم صرف پڑھنا اور پرامس' اس کے بعد ہم اگلا بچہ تب ہی کریں گے جب تم اپنے سارے امتحانوں سے فارغ ہو چکی ہو۔''

کوئی اور لمحہ ہوتا تو بلال کے یہ وعدے اس کے لیے کسی گراں قدر تحفے سے کم نہ ہوتے' مگر اب اسے کسی نئے وعدے پر اعتبار نہیں رہا تھا۔حتیٰ کہ بلال کے وعدے پر بھی۔

''اچھا اپنا بہت خیال رکھنا اور ڈائٹ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق لیتی رہنا' یار! مجھے صحت مند گپلو بچہ چاہیے ایک دم تمہارے جیسا خوب صورت۔'' وہ اس کے احساسات سے بے خبر اپنی فرمائش کیے جا رہا تھا۔

''بلال آپ کب آئیں گے؟'' اسے پتا تھا۔اب وہ فون بند کرنے والا ہے' جلدی سے بولی۔

''ڈیئر ابھی تو مشکل ہے' تمہیں پتا ہے نا۔'' وہ حسب معمول بولا۔

''اچھا ایک بات تھی۔'' وہ ذرا جھجک کر بولی۔

''ہاں کہو..... پیسے چاہئیں؟'' وہ نرمی سے بولا۔

نہیں پیسے تو نہیں۔''

پھر کیا بات ہے؟''

''وہ بلال میں امی کی طرف جانا چاہ رہی ہوں' کچھ دنوں کے لیے' بہت دل اداس ہو رہا ہے میرا۔''

خدیجہ سے بات کرنے کے بعد اس نے یہی سوچا تھا کہ ایگزام سے ذرا پہلے وہ وہاں چلی جائے گی۔ چاہے پرائیویٹ امیدوار کے طور پر دے' امتحان ضرور دے گی۔وہ پانی کے جس محل میں رہ رہی تھی وہ کسی بھی لمحے اس کے لیے بلبلا بن سکتا تھا اور اس کے ہاتھ خالی رہ جانے تھے تو ان ہاتھوں میں اور کچھ نہیں ایک ڈگری' اپنی بقا کے کوئی تو ہتھیار ہو۔

''اپنی امی کی طرف کیا بات کر رہی ہو۔'' وہ چیخ اٹھا۔''کیوں کیا ہوا؟'' وہ گھبرا کر بولی۔

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوا ہے کیا۔نہ ایئر کنڈیشنر' نہ فریج' نہ کوئی سہولت آرام کچھ بھی تو ہے نہیں تمہیں وہاں جا کر کرنا کیا ہے۔''

''مگر بلال۔'' اس نے کہنا چاہا۔''اور میری بات غور سے سن لو ثانیہ! ڈلیوری تک تم ایسی کسی بھی جگہ پر جانے نہیں سوچو گی' خواہ وہ تمہاری ماں کا گھر کیوں نہ ہو اور اس کے بعد بھی تم جاؤ گی وہاں میرا بچہ نہیں۔اور وہ تو شاید کسی دوسرے شہر جا چکی ہیں' لیکن تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا' او کے۔''

روکھے پن سے کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

''تو یہ ہے میری حیثیت تمہاری نظر میں' میں اپنی کوئی بھی بات تم سے نہیں منوا سکتی' تمہیں میری کسی بھی خوشی خیال نہیں' نہ میرے کسی احساس کی خبر' پھر میں کیسے مان لوں کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے اور محبت بھی اس شدت کی' جس میں نے یہ انقلابی فیصلہ کیا تھا اور اب' صرف خوف ڈراوے اور خدشے کہ اپنی ماں سے ملنے میں میرے بچے کا اسٹیٹس خراب ہو گا۔کاش بلال! میں تمہیں سمجھا سکتی کہ میں خود کو کس قدر اکیلا' کتنا تنہا محسوس کر رہی ہوں' اگر تم میرے پاس ہوتے تو میں تمہیں بتاتی کہ میں رات بھر سو نہیں سکتی' اس ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں آرام دہ بستر اور سب سہولتوں کے باوجود مجھے اس اکیلے پن سے خوف آتا ہے۔اس کمرے کی دیواریں رات کو کیسی عفریت بن جاتی ہیں' جیسے مجھ پر چڑھ دوڑیں گی اور مجھے بھینچ دیں گی' مگر تمہیں میرے احساسات کی خبر کیسے ہو سکتی ہے۔تم نے تو بس اپنا من پسند کھلونا اپنے کمرے کی زینت بنا کر سمجھا کہ اب میں تمہاری ملکیت ہوں۔تم جو حکم دو گے مجھے ماننا ہو گا۔چاہے میں زندہ رہوں یا مر جاؤں' مگر مجھے ان دیواروں کے بیچ رہنا ہو گا۔ان دیواروں سے باہر باقی گھر میں میری کہیں بھی جگہ نہیں۔بلال آ جاؤ ورنہ میں مر جاؤں گی۔''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی' اس وقت اسے کسی کے کندھے کی سخت ضرورت تھی' مگر اس اکیلے کمرے میں کوئی

جتنی تو نہیں تھا' جو اسے بانہوں میں بھر لیتا اور اس کے سارے خوف اس حصار میں آ کر دم توڑ دیتے' وہ روتی چلی گئی۔

✠ ✠ ✠

''امی تو گھر پہ نہیں ہیں۔'' گھر بالکل اکیلا تھا' مگر کچن میں کام کرتی بسمہ کو دیکھ کر اس نے ذرا فاصلے پر کھڑے ہو کر سرمد کو آواز دی تھی۔

وہ دروازے کی طرف پشت کر کے آہستگی سے بولی تو وہ پلٹ کر جانے لگا۔

''مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے'' بسمہ کی آواز پر وہ ٹھٹک کر رک گیا۔

''کہیے میں سن رہا ہوں۔'' اس کی چپ پر وہ بولا۔

''امی نے آپ سے بات کی ہے۔ میرا مطلب ہے شادی کی' مجھ سے۔'' وہ جھجک کر بولی تو روحیل ذرا سا مسکرایا۔

''کی تو ہے۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے؟'' وہ اس کی سانچہ سی کمر پر نظریں جما کر بولا۔

''اعتراض تو ہے مجھے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''جی۔'' اسے اس بات کی امید نہیں تھی۔ ''کیسا اعتراض؟'' بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔

''میں آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' ذرا توقف سے اس نے ہولے سے کہا۔ وہ اس کی پشت پر نیچے تک آتے دوپٹے کی اوٹ سے جھانکتے بالوں کی لمبی آبشار کو دیکھتا رہ گیا۔

''وجہ پوچھ سکتا ہوں۔'' بہت دیر بعد جب وہ پلٹی تو روحیل تلخی سے بولا۔

''اوہ شاید کسی اور کو پسند کرتی ہیں آپ۔'' اگلے ہی لمحے اس پر ادراک ہوا تھا' ظاہر ہے اتنے حسن کے بعد اس طرح کی بات۔ اور مجھ میں ایسی کیا خوبی ہے کہ وہ اپنی ماں کی طرح ایسی بے وقوفی کا سوچنے لگے۔

یقیناً اس کا انتخاب اس کے خوابوں کا ہم سفر کم از کم روحیل نہیں ہو سکتا۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''شاید آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں خود سے اس شادی سے انکار کر دوں' ہے نا'' وہ اسے دیکھ کر بولا۔

''ہاں یہی چاہتی ہوں۔'' وہ مطمئن سے لہجے میں بولی۔

وہ اب اور کیا کہے' ساکت سا کھڑا رہ گیا' کہیں بھی کسی بھی دل میں اس کی ذرا سی بھی جگہ نہیں تھی تو پھر وہ کیوں ...... کیوں؟ اس کا اندر رو پڑا۔

''آپ شاید کچھ اپنے بارے میں غلط سوچ رہے ہیں۔ شاید آپ کو یہ سب کہنا اپنی انسلٹ لگے۔'' وہ بھائی کی طرح قیافہ شناس تھی' اگرچہ ابھی تک اس نے پلٹ کر روحیل کی طرف دیکھنا گوارہ بھی نہیں کیا تھا۔ وہ خاموش کھڑا رہا۔

''میرا ارادہ آپ کی انسلٹ کرنے کا ہرگز بھی نہیں۔'' بلکہ وہ رک گئی' یعنی ابھی انسلٹ کا ارادہ نہیں تھا تو محترمہ اتنا کچھ کہہ چکی ہیں' اگر ارادتاً یہ کرتی تو جانے کیا کچھ کہہ بیٹھتیں' وہ جل کر رہ گیا۔

''آپ میرے بارے میں کیا جانتے ہیں؟'' وہ اسی طرح رخ پھیرے اس سے کسوٹی کھیلنے لگی۔

''یہ ہی نا کہ میں یوسف کی بہن ہوں' بے آسرا' بے سہارا ہوں' اس وقت اور اپنی ماں پہ بوجھ بھی' میٹرک پاس' معمولی سلیقہ مند اور بس۔''

''میں کچھ بھی نہیں سمجھ پا رہا۔'' شکست خوردہ سے لہجے میں اس نے اپنی ہار کا اعتراف کیا۔

''یہ ہی تو بات ہے' آپ سمجھتے نہیں۔'' وہ شاید تمسخرانہ ہنسی ہنسی تھی۔ اس کی بے وقوفانہ بات پر۔
''کیا سمجھانا چاہ رہی ہیں آپ مجھے۔'' وہ ذرا سا غصے میں آ گیا۔
''آپ سے امی نے ذکر تو نہیں کیا ہوگا میرے بارے میں؟'' وہ پھر سے پہیلی بجھانے لگی۔
''پلیز آپ کو جو کہنا ہے کھل کر کہیے۔'' وہ زچ سا ہو کر بولا۔ وہ آہستہ سے اٹھی اور پلٹ کر لمحہ بھر کھڑی رہی۔
روحیل بس ایک نظر اسے دیکھ سکا اور پھر نظریں جھکا کر اس کے دودھیا پاؤں' جو چپل میں قید تھے ان کو دیکھے گیا۔
وہ دروازے کا سہارا لے کر ٹٹولتی ہوئی آگے بڑھی اور روحیل بے اختیار چونکا۔
''میں پیدائشی اندھی ہوں۔ اب بتایئے میری امی کو جو راتوں کو نیند نہیں آتی میری وجہ سے تو کیا وہ غلط ہے۔'' وہ دروازے سے ٹیک لگا کر کسی ان دیکھے نقطے پر نظریں جما کر بولی۔
اور وہ تو جیسے پتھر کا بن گیا۔
یہ بات تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔
''اب تو آپ کے پاس انکار کرنے کی ٹھوس وجہ بھی ہے اور اس میں آپ کی انسلٹ کا کوئی پہلو بھی نہیں' میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔''
وہ یک ٹک اس بے داغ حسین چہرے کو دیکھتا رہ گیا۔ مگر یہ حسن بے داغ کب تھا' اس کے ساتھ تو سیاہی کا اتنا بڑا داغ تھا اندھے پن کا داغ۔
''اب بھلا بتائیں مجھ اندھی سے کون شادی کرے گا۔ بیٹیوں کی مائیں تو ویسے ہی تھوڑی حریص اور خود غرض ہوتی ہیں' مگر مجھ جیسی ماں کی بیٹی اپنی غرض' اپنے مطلب کے لیے آپ جیسے انسان کو' خود بیٹا بنانے کا جھانسہ دے کر اپنے گلے پڑا ڈھول آپ کے گلے میں ڈال سکتی ہے۔ آپ پلیز میری امی کی اس خود غرضی کو معاف کر دیجئے گا' یوسف بھائی کی بے وقت موت نے انہیں حد سے زیادہ بے اعتبار کر دیا ہے۔''
وہ بولتے ہوئے رک گئی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ دودھیا سفید آنکھوں میں آنسو کتنے عجیب لگ رہے تھے۔
روحیل نے یہ منظر نامہ پہلی بار دیکھا اور زیادہ دیر تک دیکھ نہ سکا۔
''امی کو امید تھی کہ وہ ڈھیر سارا جہیز اکٹھا کر لیں گی' یوسف بھائی ایک نہیں دو' دو نوکریاں کرتے تھے' امی ہم سب کو فاقہ کروا کے پیسے اکٹھے کرتی جاتیں میرے شان دار جہیز کے لیے' کوئی مجھے ان کی عیب دار بیٹی کو اس شان دار جہیز کے لالچ میں بیاہ کر لے جائے گا' مگر یوسف بھائی کی موت نے ان کی ساری امیدیں' ساری آس کہیں مٹی میں ملا دیں۔ اب وہ شان دار جہیز ہوگا نہ یہ بوجھ ان کے سر سے اتر سکے گا تو ایسے میں آپ' امی کو تھوڑا سا خود غرض بن کر یہ فیصلہ کرنا آسان لگا' آپ سمجھ رہے ہیں نا میری بات۔''
وہ بے آواز قدموں سے چلتا باہر نکل گیا کہ اس کے پاس کسی بھی بات کا کوئی جواب نہیں تھا اور سمجھ تو وہ کچھ بھی نہیں پا رہا تھا۔
زندگی اس کے ساتھ کیسے لٹے پلٹے کھیل کھیل رہی ہے' وہ سوچتا کچھ اور ہو کچھ جاتا ہے' آخر کیوں۔
وہ بسمہ سے شادی کے لیے خود کو راضی کر چکا تھا' مگر اب...... کیا اب بھی اس کا دل اتنی آسانی سے راضی ہو جائے گا۔ وہ ابھی اپنے دل سے یہ سوال کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا' بالکل خالی دماغ چلتا جا رہا تھا۔
اس کے بہت قریب گاڑی کے ٹائر زور سے چرچرائے' وہ بری طرح چونکا۔ موت کی خواہش اپنی جگہ' مگر ناگہانی موت کا خوف بہت دہشت ناک تھا۔ اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی لڑکی کو دیکھ کر اسے دوسرا جھٹکا لگا۔

''تم ......روحیل ہونا' ثانیہ کے کزن۔'' وہ بھی لمحہ بھراس کی طرف بغور دیکھنے کے بعد انگلی سے اشارہ کر کے
۔ ۔وہ انگلی سے اشارہ کر کے بولی۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔
''پلیز۔'' اس نے ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ خالی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔
''مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔
''مگر......'' وہ جھجک سا گیا۔
''پلیز بہت اہم بات ہے۔'' اس نے اب کے ملتجی لہجے میں کہا تو روحیل لمحہ بھر سوچنے کے بعد آہستگی سے کھلے
دروازے سے اندر بیٹھ گیا۔

✠ ✠ ✠

''میں اندر آسکتی ہوں۔'' وہ بہت محو ہو کر پڑھ رہی تھی' جب زونیرا کی آواز نے اسے چونکایا۔
''آں......ہاں۔'' وہ ششدر سی لمحہ بھر تو کچھ بول ہی نہ سکی۔
زونیرااوراس کے کمرے کے دروازے پر۔ وہ بے یقین سی نظروں سے دیکھے گئی۔
''آجاؤں' بزی تو نہیں ہو؟'' کیسی دوستانہ سی مسکراہٹ تھی اس کے لبوں پہ......اور نگاہوں میں ایسی اپنائیت
ہےان میں کبھی کوئی رنجش یا بدمزگی تھی ہی نہیں۔
''نا'' نہیں تو بزی تو نہیں' یہ تو بس یونہی۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب آہستگی سے پرے کر دی
آجاؤ پلیز۔''
وہ ایک جتاتی ہوئی نظر اس پر ڈال کر ایک طرف بیٹھ گئی۔
''اسٹڈیز ہو رہی تھیں ایگزام کی تیاری۔'' وہ تکیے کے نیچے پڑی کتابیں دیکھ کر بولی۔
نہیں تیاری کیسی' ایگزام تو ماما نے منع کر دیا ہے اس لیے وہ بجھے لہجے میں بولی۔
''تو نہیں دو گی؟'' ۔وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔
ثانیہ نے نفی میں سر ہلایا۔
''یہ تو غلط بات ہے' تم اس قدر بریلینٹ ہو' پوزیشن ہولڈر یوں محض ماما کے کہنے پر تم پیچھے ہٹ جاؤ گی۔''
وہ خاموش اسے دیکھتی رہی۔
''پلیز یہ تو نہ کرو۔'' وہ دوستانہ انداز سے بولی۔
''ماما نے کہا ہے تو' ظاہر ہے۔''
''ہاں فرمانبردار تو تم شروع سے ہو' جو دوسرے کہتے ہیں۔ آنکھیں بند کر کے مان لیتی ہو۔'' وہ نظریں جھکا کر
مجرمانہ انداز میں بیٹھی رہی۔
''سوری ثانیہ!'' وہ خاموشی کے ایک لمبے وقفے کے بعد بولی تو ثانیہ کو جیسے ہزار واٹ کا کرنٹ لگا۔ بھونچکی سی
سے یوں دیکھے گی' جیسے زونیرا کسی اور سیارے سے اتر کر آئی ہو۔
''بہت مس بی ہیو کیا ہے میں نے تم سے۔ own نہیں کر پا رہی تھی' میں تمہیں کوشش کے باوجود' اور ماما کو بھی'
۔ نہ وہ تو راضی تھیں' مجھے بلال بھائی پر بھی رنج تھا کہ انہوں نے میرے مشورے' میری پسند کے بغیر' تمہیں غصہ تو ہو گا۔'' بہت
۔تہ تھا اس کے اندر اور وہ کہنے کا حوصلہ بھی رکھتی تھی' مگر جانتی تھی ثانیہ ان تین' چار جملوں میں ہی پٹ چکی ہے' اس لیے

خاموش ہوگئی۔

''یوں مت کہو زونی! مجھے تم پر کوئی غصہ نہیں اور اگر ہوتا بھی تو' تم میری بہن ہو زونی اور دوست بھی۔'' وہ اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھی۔

''تھینکس تم بہت نائس ہو''۔ زونیرا مسکرا کر بولی۔

''مجھے تم سے کچھ نوٹس چاہیے تھے۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں جو کہو تم۔'' وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بولی اور اٹھ کر اسے اپنی فائل دینے لگی۔

''ٹھیک ہے میں دیکھ لیتی ہوں' اس میں سے جو کام کے ہوں گے میں رکھ لوں گی' ویسے تمہیں تو نہیں چاہیے نا ابھی۔'' وہ فائل لیتے ہوئے بولی۔

''نہیں' وہ پھر پڑھنا تو ہوتا ہے' میں نے' اگلے سال تو دوں گی نا ایگزام تو نوٹس مکمل ہی رکھنا چاہتی ہوں میں' لاسٹ ڈیز میں تو میں کالج جا بھی نہیں سکی' اس کے بھی نوٹس لینے ہیں مجھے' رباب سے لوں گی' ورنہ ایگزام کے بعد وہ ادھر ادھر کر دے گی۔''

''تو مجھ سے لے لینا تم امتحان کے بعد۔'' زونیرا اس کی فائل دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں کیوں نہیں۔'' وہ جبراً مسکرائی۔ وہ اب اسے کیسے بتاتی کہ اس نے ہر صورت اسی سال امتحان دینا ہے' چاہے کچھ ہو جائے۔

''کل زونی کالج جائے گی تو اس فائل کی فوٹو کاپی کروالوں گی۔'' وہ دل میں سوچنے لگی۔

''کلاسز کب سے آف ہو رہی ہیں؟''

''آٹھ' دس دن اور جانا ہے۔'' زونیرا اٹھتے ہوئے بولی۔

''وہ ایک بات پوچھنی تھی تم سے ثانیہ۔'' وہ جاتے ہوئے رک کر بولی۔ ''ہاں کہو۔''

''وہ تمہارا کزن تھا نا۔ کیا نام تھا اس کا۔'' وہ انجان بنتے ہوئے بولی۔

''کون' کس کی بات کر رہی ہو تم۔'' ثانیہ سمجھتے ہوئے بھی نظریں چرا کر بولی۔

''وہ جو اس دن آیا تھا' جب میری جیولری چوری ہوئی تھی۔'' وہ جتا کر بولی۔

''اچھا' ہاں...... وہ روحیل کی بات کر رہی ہو تم؟''

''ہاں وہی......'' وہ سر ہلا کر بولی۔ ''کیا ہوا اسے؟'' ثانیہ کچھ پریشان ہو کر بولی۔

''کچھ نہیں۔ آج میں نے اسے یہاں قریب میں ہی دیکھا۔ شاید وہ تم سے ملنے آیا تھا دوپہر میں۔''

''ن...... نہیں مجھ سے ملنے کیوں آنے لگا۔'' ثانیہ بدک کر بولی۔

''مجھے لگا شاید وہ تم سے ملنے آیا ہو' اس لیے پوچھ لیا۔''

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔ اس دن کے بعد سے تو وہ نہیں آیا اور نہ میں امی کے بعد یہاں سے گئی ہوں۔'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''ہاں میں جانتی ہوں۔ او کے تم ریسٹ کرو' میں تمہیں یہ دیکھ کر واپس کر دوں گی۔'' زونیرا اس کی فائل لے کر باہر نکل گئی۔

''یہ کیوں آئی تھی صرف نوٹس لینے۔ مگر اس کے لیے اتنا اخلاق بگھارنے کی ضرورت تو نہیں تھی۔ یا پھر' بس مجھے اس قدر منفی نہیں سوچنا چاہیے۔''

''میں ہر اک کے خلوص کو شک سے دیکھنے لگی ہوں۔ اور یہ اچھی بات نہیں' اس کے بعد سے اس نے اس بات پر
۔ یہ ہو تو اسے ذرا ندامت ہوئی ہو۔''
''یوں بھی میری پہلے اس سے کون سی دشمنی تھی۔'' وہ خود کو سمجھانے لگی۔
''اور اس نے روحیل کا ذکر کیوں کیا۔ وہ تو یہاں نہیں آیا' اس دن کے بعد سے تو بالکل بھی نہیں' تو پھر۔'' وہ
۔ یشان سی ہوگئی۔
'' کچھ بات ہے' کچھ تھا زونی کے لہجے میں' وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی' جو کہہ نہیں پائی' بھلا وہ کیا ہوگا' اگر روحیل
یہاں تک آیا تھا تو ضرور مجھ سے ملنے آتا' وہ زونی سے کچھ کہہ تو نہیں گیا۔'' اسے نئی پریشانی نے گھیر لیا۔
''خیر جو بھی ہوا اس وقت تو اس سے اچھی خوشی کی خبر اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ زونی میرے ساتھ ٹھیک ہوگئی ہے' بلال
و بتاؤں گی تو وہ کس قدر خوش ہوں گے' اور ماما کی بھی ایک ٹینشن تو ختم ہوئی۔''
وہ جلدی جلدی بلال کا نمبر ملانے لگی' نمبر مصروف تھا۔ وہ بے چینی سے بلال کا نمبر فارغ ہونے کا انتظار
کرنے لگی۔
اس وقت اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے بے چینی سے نمبر دیکھے بغیر فون کان سے لگایا کہ یقیناً بلال کا فون ہو
گا۔
''ثانیہ...... ایک بری خبر ہے۔'' دوسری طرف روتی ہوئی خدیجہ تھیں۔ وہ دھک سے رہ گئی' جواب میں کچھ پوچھ
بھی نہیں سکی۔
''ثانیہ...... چھوٹی مرگئی...... مرگئی میری گڑیا' چلی گئی میری بے توجہی اور لاپروائی سے ناراض ہو کر چلی گئی' مجھے
کیلا چھوڑ کر' ثانی میری گڑیا روٹھ گئی۔''
اور ثانیہ کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے گرے ہوئے موبائل کو دیکھتی رہ گئی' اس کے
کانوں میں خدیجہ کی آواز گونج رہی تھی۔

✠ ✠ ✠

''وہ ابھی بھی تم سے محبت کرتی ہے' مگر دل میں ظاہر کچھ بھی نہیں۔ اس کے دل میں کیا ہے' جانے کیسے بلال بھائی
کو اس کی خبر ہوگئی۔ روحیل' تمہاری ثانیہ اپنی زندگی کے مشکل ترین دور سے گزر رہی ہے۔ میں اس کی دوست ہوں' اس کے
بارے میں سب جانتی ہوں' ناراض تھی میں اس سے' بھائی سے بھی' مگر پھر اس کی حالت دیکھ کر میرا دل جیسے موم کی طرح
پگھل گیا۔ بھائی کے دل سے محبت کا بھوت اترا تو شک کا زہریلا ناگ پھن پھیلا کر بیٹھ گیا' اور مجھ سے ثانیہ کی حالت دیکھی
نہیں جاتی۔''
وہ آنکھوں میں آنسو لیے اس سے کہہ رہی تھی اور روحیل یوں بیٹھا تھا جیسے اب کبھی وہ بول ہی نہیں پائے گا۔
''بھائی نے اسے بہت ذہنی ٹارچر دے رکھا ہے' ہر وقت شک' ہر وقت سوال' اور پتا ہے وہ ماں بننے والی ہے اور
بھائی نے اس پر الزام لگا دیا ہے کہ یہ بچہ اس کا نہیں' بلکہ...... روحیل کچھ کرو۔ ثانیہ کے لیے کچھ کرو۔'' وہ اسے یوں بت بنے
دیکھ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر منت بھرے لہجے میں بولی۔
''کیا...... کیا کروں میں...... کیا کر سکتا ہوں میں؟'' وہ بے بسی کی انتہا پر تھا۔
''تم بہت کچھ کر سکتے ہو' بہت کچھ۔''

''میں کچھ بھی نہیں کرسکتا اور اگر کرسکتا تو پہلے کرتا' اب کیا فائدہ۔''

''اب بھی کچھ نہیں بگڑا' تم اب بھی بہت کچھ کرسکتے ہو۔ ثانیہ کو مرنے سے بچاسکتے ہو۔''

''مرنے سے!'' وہ شاکڈ دیکھتا رہ گیا۔

''ہاں وہ مرجائے گی' خودکشی کرنا چاہتی ہے وہ' اس ذہنی اذیت سے نکلنے کے لیے۔''

''وہ زندہ نہیں رہنا چاہتی۔'' زونیرا متوحش لہجے میں اس سے کہہ رہی تھی۔

''کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''وہی جو تم میں سے کوئی بھی سمجھ نہیں پارہا۔'' وہ چیخ کر بولی۔

''میں کیا کروں' کیا کرسکتا ہوں۔''

''اسے کسی طرح بلال بھائی سے آزاد کروادو۔'' وہ خاموشی کے لمبے وقفے کے بعد بولی۔

''کیا کہہ رہی ہو تم''

''میں جانتی تھی تم بزدل ہو' تم یہ بھی نہیں کرسکتے۔'' وہ طنز سے بولی۔

''تھوڑے دنوں تک بلال بھائی آنے والے ہیں۔ ثانیہ کے حق میں آخری فیصلہ سنانے کے لیے۔'' اس نے دھاکہ کیا۔

''ثانیہ کی امی بھی چلی گئیں۔ بھائی بھی نہیں' کوئی بھی تو نہیں۔ اس کا اپنا جو اس کے سامنے ڈھال بن کر کھڑا ہو سکے۔'' وہ اسے پوری طرح سے اُکسا رہی تھی۔

''میں جو ہوں' میرے ہوتے ہوئے ثانیہ کو کچھ نہیں ہوسکتا۔'' جانے کیسے وہ جوشِ جذبات میں بول گیا۔

''تو ٹھیک ہے' پھر سوچو اور فیصلہ کرو کے تمہیں ثانیہ کے لیے کیا کرنا ہے...... کیونکہ بھائی...... بلال بھائی اسے نہیں رکھیں گے۔ اس کے بعد تم اسے قبول کرلو گے۔''

گویا وہ سب کچھ پہلے سے طے کرکے آئی ہوئی تھی کہ آگے کیا ہونے والا ہے' اُسے سب پتا تھا۔

''میں دو تین دن بعد تم سے خود رابطہ کروں گی' میں نہیں چاہتی کہ ثانیہ کا گھر اُجڑے' مگر جو سلوک اس کے ساتھ بلال بھائی کا ہے اس کے بعد...... وہ میری دوست ہے' مجھ سے اس کی حالت نہیں دیکھی جاتی' اور پلیز تم اس سے مل کر یہ سب باتیں ابھی نہ کہنا' وہ پہلے ہی بہت پریشان ہے' اور تم اس سے ملو گے تو شاید بلال بھائی کو کسی طرح خبر ہوجائے تو جو کسی اچھائی کی امید ہے' وہ بھی نہیں رہے گی۔ تم اس کے لیے دعا کرنا' خدا حافظ۔''

زونیرا اسے اسپتال کے باہر اتار کر یہ عجیب سی بات بتا کر چلی گئی اور اس وقت سے اس کا دماغ سوچ سوچ کر جیسے شل ہوگیا تھا۔

''ثانیہ ابھی بھی تم سے محبت کرتی ہے۔'' اس کا دماغ تو پہلے ہی جملے پر اٹکا ہوا تھا۔ ایک ایسی ناقابلِ یقین سی بات جس پر وہ کبھی یقین نہ کرتا' چاہے ثانیہ اسے اپنی زبان سے کہتی۔ اور زونیرا کے منہ سے یہ سن کر میرا دل کیسے پاگل ہوا جا رہا کہ وہ ابھی بھی مجھ سے محبت کرتی ہے تو کیا میری خاموش محبت رنگ لے آئی' کیا اس کا اثر ہے یہ سب' وہ بے چینی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

شام سے سوچوں نے اسے نڈھال کرڈالا تھا۔ وہ اسے صاف لفظوں میں منع کرگئی تھی کہ ثانیہ سے ملنے بھی نہیں جانا اور اس سے ابھی کچھ پوچھنا بھی نہیں کہ وہ خود ساری سچویشن ہینڈل کرنے کی کوشش کرے گی۔

''میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا' یہ سب کیا ثانیہ اور مجھ سے محبت' بلال اس کا فیصلہ کرنے آرہا ہے۔ نہیں نہیں ایسا تو

میں نے کبھی بھی نہیں چاہا تھا، کبھی بھی نہیں کہ اس کا گھر اجڑے اور...... نہیں نہیں۔'' وہ بے قرار سا اٹھ کر باہر نکل گیا۔

✠ ✠ ✠

''تم پاگل تو نہیں ہو، اس حال میں اتنا لمبا سفر کرو گی۔ بائی ایئر بھی جاؤ تو میں تمہیں اکیلا نہیں بھیجوں گی اور تمہیں پتا ہے مجھے تو ایک دن بھی چھٹی نہیں مل سکتی۔''

وہ مسلسل روتے ہوئے ایک ہی بات کہے جا رہی تھی کہ اسے اپنی امی کے پاس جانا ہے۔ عانیہ کو آخری دفعہ دیکھنا ہے۔

''جانے والی روح تھی، چلی گئی تم کیا جا کر اسے واپس لے آؤ گی۔'' وہ کہہ ہی بیٹھیں۔

''ماما پلیز۔'' رو رو کر اس کی آنکھیں سوج چکی تھیں۔ ''سوری بیٹا کہ تم خود سوچو اور تمہاری امی سے میں نے بات کر لی ہے، انہیں تم نے بتایا بھی نہیں تمہاری حالت کے بارے میں، وہ خود منع کر رہی ہیں کہ تم اکیلی نہیں آؤ گی۔ سمجھ رہی ہو نا۔'' وہ زور دے کر بولیں۔

''ابھی شروع کے دن ہیں، احتیاط ضروری ہے، کچھ ایسا ویسا ہو گیا اور خدانخواستہ پہلی بار میں کچھ mishap ہو جائے تو وہ بار بار بھی ہو سکتا ہے اپنے لیے نہیں تو اپنے ہونے والے بچے کے لیے سوچو۔ عانیہ تو چلی گئی، اگر تم نے اپنے ساتھ کچھ برا کر لیا تو نہ بلال تمہیں معاف کرے گا اور نہ میں۔''

ان کی آخری دھمکی کارگر ہوئی۔ اس کے آنسو تھم سے گئے۔

''یہ سب تمہاری بہتری کے لیے ہی تو ہے، ورنہ ہمارا اس میں کیا فائدہ۔'' وہ جاتے ہوئے اسے جتا کر بولیں۔

''پتا نہیں میرا فائدہ کس میں ہے، اس مجبور بے بس زندگی میں، یا...... بغاوت میں۔'' وہ انہیں جاتا دیکھ کر سوچنے لگی۔

''جی چاہتا ہے یہاں سے بھاگ جاؤں۔'' وہ اذیت کی انتہا پر تھی۔

✠ ✠ ✠

''تمہیں روحیل سے یہ سب بکواس کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' ذکیہ چیخ پڑیں، بسمہ سے پوری بات سن کر۔

''ضرورت تھی امی۔ آپ غلط کر رہی تھیں، جبکہ وہ جانتا بھی نہیں تھا کہ میں اندھی ہوں۔''

''تم...... بسمہ...... تم میرا امتحان بنتی جا رہی ہو، تمہارا کیا خیال ہے میں یہ سب اس سے چھپا کر کرتی، ہرگز نہیں، میں نے اسے بتا دینا تھا، مگر کچھ دن ٹھہر کر...... ذرا طریقے سے بتاتیں نا آپ اسے۔''

''بسمہ......'' وہ رو دینے کو تھیں۔

''آپ مجھے گلے سے اتار پھینکنا چاہتی ہیں اور میں مسلسل آپ کے سینے پر کسی چٹان کی طرح سوار ہوں، ہے نا؟''

''تم بہت غلط سمجھ رہی ہو۔'' وہ دکھ سے بولیں۔ ''میں بالکل ٹھیک سمجھ رہی ہوں اور میں نے جو کچھ کیا ہے بہت سوچ سمجھ رہی ہوں اور امی میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ مجھے شادی نہیں کرنی، نہ ابھی نہ کبھی...... پھر کیوں آپ نے اس مسئلے کو سر پر سوار کر لیا ہے، کیا میری دو روٹیاں بھاری ہیں آپ پر۔'' وہ رو ہی پڑی۔

''کاش بسمہ تو دیکھ سکتی تو خود کو آئینے میں، دیکھتی اور پھر میں تجھ سے پوچھتی کہ میں غلط پریشان ہوں۔'' جیسے کھو جانے پر کوئی ہاتھ مل مل کر کہتا ہے۔

''کیا بہت بدصورت ہوں میں؟''

''کاش ہوتی تو مجھے یوں کسی کے آگے جھولی نہ پھیلانی پڑتی میری بچی۔'' وہ آہ بھر کر بولیں۔

''وہ دوبارہ آیا بھی نہیں دو دن سے۔'' وہ جیسے خود سے بولیں۔

''سرمد کو بھیجوں اس کے اسپتال کا اس کا پتا ہے۔'' وہ اس انداز میں کہتے ہوئے اٹھنے لگیں۔

''خبردار امی' آپ سرمد کو کہیں نہیں بھیجیں گی۔'' وہ خبردار کرنے والے انداز میں بولی تو وہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئیں

''کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں تمہارا بیٹا' بہت ڈر گئی ہوں' یوسف کے اچانک چلے جانے سے۔''

''وہ کس بات سے ڈر گئی ہیں۔'' بسمہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے باوجود بھی نہ دیکھ پائی کہ اس کی ماں کے چہرے پر کیسا ہراس ہے۔

''میں تیری حفاظت نہیں کر سکتی میری بچی۔'' وہ زیر لب بڑبڑائیں۔

''میری حفاظت ......اگر میں مر جاؤں تو ان کے سارے مسئلے حل ہو جائیں' نہ جہیز جوڑنا پڑے گا' نہ لوگوں کے آگے جھولی پھیلانا پڑے گی اور نہ میری حفاظت کا خیال ان کو اتنا خوف زدہ کرے گا۔'' وہ ٹٹول ٹٹول کر باہر نکل گئی۔

✠ ✠ ✠

''ماما نے بالکل ٹھیک کہا۔'' بلال نے سنتے ہی کہہ ڈالا۔

''اب دیکھو نا اتنی دور کا سفر پھر وہاں جا کر رہنا' دو' چار دن تو تم رہتیں نا' میں ابھی خود بھی آنٹی کو فون کر لیتا ہوں ان سے تمہاری طرف سے معذرت کر لیتا ہوں۔'' وہ اسے بڑے پیار سے سمجھانے لگا۔

''بلال! آپ کیوں نہیں سمجھتے میرا دل چاہ رہا ہے یوں بھی مجھے امی سے ملے۔'' اسے کوئی بھی تسلی بہلا نہیں رہی تھی' صرف اڑ کر امی کے پاس جانے کو دل چاہ رہا تھا۔

''اچھا بابا میں آؤں گا تو پھر تمہیں لے چلوں گا۔ جی بھر کر رہ لینا۔'' وہ پھر سے اسے بہلانے لگا۔

''اور سناؤ زونی کے ساتھ دوستی کیسی جا رہی ہے؟'' اس کا دل غم سے بوجھل تھا اور وہ صرف ہمیشہ کی طرح اپنے پسندیدہ موضوعات پر بات کرنا چاہتا تھا۔

''ٹھیک۔'' وہ خود پر جبر کر کے بولی۔ ''ایک تو تمہارا موڈ بڑی جلدی خراب ہو جاتا ہے۔'' وہ خفگی سے بولا۔

''خراب......'' وہ بے بسی سے آنکھیں صاف کر کے بولی۔

''اچھا دوبارہ ڈاکٹر کی طرف گئی تھیں؟''

''نہیں......'' وہ بے زار ہو کر بولی۔

''تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے' مگر ابھی نہیں بتاؤں گا۔'' وہ پھر سے اسے بہلا رہا تھا اور اسے کوفت ہو رہی تھی۔

''بلال میں ٹھیک ہوں۔ آپ پلیز میرے بارے میں پریشان مت ہوں' میں فون بند کر رہی ہوں' خدا حافظ۔'' اس نے بلال کی اگلی بات سنے بغیر فون بند کر دیا۔

اسے کیا ملا تھا اس شادی سے' اب تک وہ چاہتے ہوئے بھی یہ حساب کتاب نہیں کرنا چاہتی' ورنہ شاید جینا اور بھی مشکل لگنے لگتا۔

✠ ✠ ✠

وہ باہر ہی سے سودا سلف دے کر جانے لگا' جب سرمد نے اس سے کہا۔
''روحیل بھائی آپ کو امی اندر بلا رہی ہیں۔'' وہ اندر جانا نہیں چاہتا تھا' پھر بھی چلا آیا۔
''شاید تمہیں میری اس دن کی بات اچھی نہیں لگی بیٹا'' وہ اس کے بیٹھتے ہی بول پڑی۔ بسمہ صحن کے باہر کچن میں بیٹھی شاید آٹا گوندھ رہی تھی۔
''ایسی تو کوئی بات نہیں۔''
''امی بھی نہیں کہتے اب تم۔'' وہ فوراً اس کا جملہ پکڑ کر بولیں۔
''کہتا تو ہوں امی۔'' وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولا۔
''بیٹا! خدانخواستہ میں تمہارے ساتھ کوئی دھوکا تو نہیں کر رہی تھی۔''
''امی پلیز۔ میں نے ایسا تو نہیں کہا۔''
''یہ پیدائشی اندھی ہے اور میں یہ بتائے بغیر تو تمہیں مجبور نہ کرتی شادی پر تم شاید اسے میرا مطلب سمجھے۔''
''بالکل بھی نہیں۔ آپ پریشان مت ہوں' میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا' اصل بات تو یہ ہے کہ میں ابھی شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔ ابھی تو مجھے خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے۔ ابھی شادی جیسی بات امی میری زندگی میں کہیں بھی نہیں' آپ مجھے یوسف ہی سمجھیں' جیسے وہ...... بسمہ کے لیے جہیز اکٹھا کرے۔''
وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے کھڑی ہو گئیں۔
''میں تمہارے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔'' سرد لہجے میں کہتے ہوئے وہ باہر نکل گئیں۔
روحیل کچھ شرمندہ سا بیٹھا رہ گیا۔

✠ ✠ ✠

''ثانیہ! تم سو تو نہیں گئیں؟'' وہ پڑھ رہی تھی' جب زونی اندر آ کر بولی۔
''ہوں۔ نہیں آ جاؤ۔''
''یہ میں تمہاری فائل دینے آئی تھی۔ شام کو بھی تم سو رہی تھیں۔''
وہ خاموش رہی۔
''بیٹھ جاؤ' ڈسٹرب تو نہیں ہو گی؟'' ثانیہ نے کچھ حیرت سے زونی کو دیکھا' یہ وہی زونی ہے جو اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔
''بیٹھ جاؤ پلیز۔''
''کچھ کہنا چاہتی ہو تم؟'' وہ کتنی دیر خاموش بیٹھی رہی تو ثانیہ بول پڑی۔
''ایک بات تھی شاید تمہیں اچھا نہ لگے۔''
''تم بولو تو سہی۔'' ثانیہ نرمی سے بولی۔ وہ متذبذب سی بیٹھی رہ گئی۔
''پلیز زونی! تم مجھ پر ٹرسٹ کر سکتی ہو۔''
''اسی لیے تو تم سے کہہ رہی ہوں بہت عجیب بات ہوئی۔''
''ثانی! تم نے کبھی محبت کی ہے؟''

''محبت۔'' ثانیہ حیرانی سے بولی۔
''کی ہے نا شادی سے پہلے نہ سہی بعد میں بلال بھائی سے۔''
''ثانیہ ہلکا سا مسکرا دی۔
''یہ کتنی عجیب چیز ہے بن پوچھے بن اجازت لیے ہمارے دلوں میں آ بیٹھتی ہے۔'' زونی کچھ عجیب سے لہجے میں بولی۔
''مجھے......ثانی محبت ہوگئی ہے۔''
''زونی!'' وہ حیران رہ گئی۔
''کس سے؟'' وہ بمشکل پلکیں اٹھا کر بولی۔
''تم ماما سے ذکر تو نہیں کرو گی، پرامس کرو پہلے۔''
''پرامس نا، تم نام تو بتاؤ۔'' بے چین ہو کر ثانیہ نے کہا۔
''تم جانتی ہو اسے۔''
''کسے بھئی؟''
''تمہارا کزن روحیل۔''
''زونیرا۔'' وہ بھونچکی رہ گئی، اسے یہ توقع کب تھی۔
''مجھے خود نہیں پتا چلا اور ثانیہ یہ اتنی اچانک اور اتنی بے وجہ ہوئی ہے مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا دو بار میں اس سے ملی تھی اور تیسری بار......''
''تیسری بار کیا؟''
''تیسری بار۔ بس بے بس ہو کر رہ گئی، بہت مجبور ہو کر آئی ہوں تمہارے پاس۔''
''میرے پاس......کیا مطلب؟'' ثانیہ کچھ نہیں سمجھی۔
''وہ ابھی بھی تم سے محبت کرتا ہے۔'' زونیرا نے بم پھوڑا۔
''کک۔ کون کس کی بات کر رہی ہو۔''
ثانیہ کو لگا اس کا بہت قیمتی راز افشا ہو گیا ہے۔
''روحیل کی، وہ ابھی بھی تمہارے لیے......تم جانتی ہو اس نے تمہارے لیے خودکشی کی اور اب بھی تمہارے لیے......'' ثانیہ نفی میں سر ہلاتی گئی۔
''ایسا نہیں ہو سکتا۔''
''ایسی ہی بات ہے، اس نے منہ سے مجھ سے نہیں کہا، مگر میں جان گئی اور قسمت کا ستم دیکھو ثانی! مجھے بھی محبت ہوئی تو کس سے، اور میں تو، میں خود کو سمجھ نہیں پا رہی، میں تو اس قدر کلاس کانشس تھی، کبھی کلاس سے ہٹ کر شاپنگ مال میں شاپنگ نہیں کرتی تھی، تو یہ محبت وہ بھی روحیل جیسے عام لڑکے سے۔ مگر نہیں ثانی وہ عام سا تو نہیں ہے، ذرا میرا دل کھول کر دیکھو۔ جانے کس خاص لمحے نے کس خاص گھڑی نے اسے میرے لیے انمول بنا دیا ہے۔ بے مول......ثانی میں کیا کروں۔''
وہ آنکھوں میں آنسو لے آئی۔
اور ثانیہ کی سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا تھا، وہ کیا بک رہی ہے اور وہ جواب میں کیا کہے۔
''تم ماما سے تو کوئی ذکر نہیں کرو گی؟'' وہ یقین دہانی کروانے کو بولی

ثانیہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''میں کیا کروں ثانیہ مجھے مشورہ دو'' وہ بے بس کتنی سادہ۔ کتنی معصوم لگ رہی تھی۔
''میں کیا بتاؤں' میں تو خود نہیں سمجھ پا رہی زونیرا!'' وہ لاچار ہو کر بولی۔
''تم روحیل سے ملی ہو۔''
اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''یہ سب کیا تھا...... مکافات عمل یا کچھ اور۔'' ثانیہ سمجھ نہیں پائی۔

✠ ✠ ✠

کیا جن آنکھوں میں روشنی نہیں ہوتی' بصارت نہیں ہوتی ان میں خواب بھی نہیں ہوتے۔
بے نور آنکھیں' بے خواب ہوں گی یہ تو کہیں نہیں لکھا۔
اور میری بے نور آنکھیں جو خواب دیکھنا چاہ رہی ہیں' میں ان کو کیوں آنکھوں سے نوچ کر پھینک دینا چاہتی ہوں۔
اس نے سب کچھ سن کر' جان کر بھی تو انکار نہیں کیا' بس خاموشی سے چلا گیا' کچھ بھی کہے بغیر۔ اور امی سے بھی تو اس نے کچھ نہیں کہا۔ اگر اسے انکار کرنا ہوتا تو وہ صاف انکار کر دیتا۔
اور بس میں اپنے دل کا کیا کروں جو خود سے اسے منع کر کے اس کی محبت کا دیپ دل میں جلا بیٹھ گیا ہے۔
وہ رک رک کر صحن میں پڑے گملوں کو پانی دے رہی تھی اور اس کی سماعتیں ان قدموں کی چاپ پر لگی تھیں جو شام کے اس پہر سنائی ضرور دیتی تھیں۔
وہ ہسپتال جانے سے پہلے امی سے ملنے ضرور آتا تھا۔
''اور میں جانتی ہوں' وہ میری طرف دیکھتا ہے اور دیکھتا ہی رہتا ہے' میں محسوس کر سکتی ہوں' کیا اس کے دیکھنے میں محبت کی لو ہے' یہ میں چاہتے ہوئے بھی محسوس نہیں کر پاتی۔ میں اس سے پوچھ لوں' اس نے کیا فیصلہ کیا ہے۔''
اسی وقت باہر قدموں کی آواز آئی۔
بسمہ نے بے اختیار دوپٹا اپنے گرد لپیٹ لیا۔
''امی گھر میں نہیں' اگر میں اس سے پوچھ لوں۔'' وہ آہستگی باہر نکل گئی۔

✠ ✠ ✠

زونیرا کو آج لائبریری میں کام تھا' اسے دیر سے گھر آنا تھا اور فضیلہ مبشر کو کچھ گھریلو شاپنگ کرنی تھی۔
وہ شاپنگ کرتے ہوئے گھر لوٹ رہی تھی کہ گاڑی خراب ہو گئی۔
ڈرائیور گاڑی چیک کرنے لگا۔
انہوں نے کچھ سوچ کر موبائل پر گھر کا نمبر ملایا کہ ثانیہ کو بتا دیں' انہیں شاید دیر ہو جائے' وہ کھانا کھا لے۔
''بی بی تو گھر پہ نہیں ہیں بیگم صاحبہ' گاڑی لے کر گئی ہیں۔ ڈرائیور کے ساتھ۔'' سرور کے بتانے پر وہ چپ سی رہ گئیں۔
''کب گئیں؟''

''دو تین گھنٹے ہو گئے جی۔''

''اچھا۔'' کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

''وہ کہاں گئی ہو گی' شہر میں اب اس کی ماں بھی نہیں تو پھر......'' وہ ڈرائیور کی طرف دیکھنے لگیں جو بونٹ کھولے کھڑا تھا۔

وہ بے زاری ہو کر گاڑی سے باہر نکل آئیں۔

اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بے اختیار ٹھٹک سی گئیں۔

سڑک کے دوسری طرف کسی گھر کے آگے ثانیہ کھڑی تھی' مگر کسی کے ساتھ......لمحہ بھر کو وہ بھونچکی سی رہ گئیں۔

☆

ثانیہ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی ٹھٹک کر رک گئی۔
فضیلہ مبشر گہری سرد نگاہیں اس پہ جمائے بیٹھی تھیں اور ان نظروں میں کیا تھا۔ ثانیہ کے قدم کچھ دیر کو اپنی جگہ پر جمے رہ گئے۔
''اس......السلام علیکم ماما!'' وہ ان کی نظروں سے نگاہیں چرا کر کہتی ہوئی اندر کی طرف جانے لگی۔
''کس سے مل کر آ رہی ہو؟'' ان کی ٹھوس' بے لچک آواز نے اس کے بڑھتے قدم روک لیے۔
''وہ میں......رباب کی طرف گئی تھی......تھوڑی دیر کے لیے۔'' وہ ان کی طرف سے دانستہ رخ پھیرے ذرا سا تن کر بولی۔
وہ لمحہ بھر کو خاموش کھڑی رہ گئی۔
''یہ مجھ سے کیا پوچھنا چاہ رہی ہیں۔ کہیں......نہیں 'مما تو کالج میں تھیں اور میں تو فقط ساڑھے تین منٹ کے لیے......'' وہ خود ہی سوچ کر خود ہی نفی کرنے لگی۔
''کیا تمہیں جواب گھڑنے کے لیے اتنا ٹائم چاہیے؟'' وہ طنز سے بولیں۔
''توان کو پہلے سے اندازہ ہے کہ میں سچ نہیں بولوں گی' جواب گھڑوں گی اور اگر میں سچ بول بھی دوں تو کون سا نہیں یقین کر لینا ہے...... پہلے دن سے یہ مجھے اسٹیمپ کر چکی ہیں ایک ہی ٹھپے سے......بے اعتبار......بے بھروسا۔'' لمحہ بھر میں اس نے فیصلہ کر لیا۔
''میں رباب کے گھر گئی تھی تو ظاہر ہے' اسی سے ملی ہوں گی اور مجھے کس سے ملنا تھا۔'' اب کے وہ خوب نپے تلے لہجے میں بولی۔
''اور تم نے اتنا بھی ضروری نہیں سمجھا کہ یوں گھر سے جانے سے پہلے کسی سے اجازت ہی لے لی جائے' ان کے ترکش میں تیروں کی کمی تو نہ تھی۔ ایک ناکام تو دوسرا تیار!
''میں نے فون کیا تھا آپ سے پوچھنے کے لیے۔'' اس کے لہجے میں ڈھیر ساری تھکن اتر آئی۔ ''آپ میٹنگ میں تھیں۔''
''اور تم نے فرض کر لیا کہ تم نے مجھ سے اجازت لے لی...... ہے نا' یہی بات ہے نا!'' اس کے پژمردہ انداز نے انہیں جیسے تقویت دی۔
''ایسا کیا ضروری کام تھا تمہیں رباب سے جس کی وجہ سے تم اجازت لینے کے لیے کچھ دیر کا انتظار بھی نہ کر سکیں۔'' وہ اس کے سچ نہ بولنے پہ تپ چکی تھیں۔
''بس یونہی' کچھ ایسا ضروری کام بھی نہیں تھا۔'' وہ نظریں چرا کر بولی۔
اور انہوں نے ایک عمر اس دشت کی سیاحی میں گزاری تھی' جانتی تھیں سامنے والا نظریں کب اور کیوں چراتا ہے۔

''تو تم بتانا نہیں چاہتیں۔'' وہ چلتی ہوئی اس کے پاس ذرا فاصلے پر رک کر بولیں۔
''ایسا کچھ بھی نہیں ہے ماما؟'' وہ اسی انداز میں ذرا سا پیچھے ہٹ کر بولی۔
کبھی اس کا دل اس مینارۂ علم کی قربت میں لمحہ بھر کو ہی آنے کو ٹھہرنے کو ترسا کرتا تھا اور اب..... اسے ان کے سائے سے بھی وحشت ہوتی تھی۔
''تم کیا سمجھتی ہو'' وہ کچھ طیش میں آ گئیں..... تم بہت عقل مند ہو یا میں بلکہ ہم سب بہت بے وقوف اور احمق۔''
''نہیں تو۔'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ وہ اسے تیز نظروں سے دیکھتی رہیں۔
''جب تک تمہارا شوہر یہاں نہیں آ جاتا یا تمہیں اپنے پاس نہیں بلا لیتا۔ تم میری ذمہ داری ہو اور تم اس طرح منہ اٹھا کر جب دل چاہے جس سے چاہے ملنے نکل پڑو بغیر پوچھنے کی زحمت کیے تو میں یہ برداشت نہیں کروں گی۔''
''سوری ماما!'' اس نازک چویشن کا ایک ہی حل تھا فوری معذرت..... سو اس نے کر ڈالی مگر ان کی تسلی نہیں ہوئی۔
''کیا تم ایگزام دینا چاہتی ہو؟'' ان کے بدلے ہوئے لہجے پہ وہ چونکی۔
شاید ماما کے دل میں اس کے لیے ذرا سا رحم جاگ اٹھا ہے۔
''جی'' وہ ذرا سی پُر جوش ہوئی مگر ان کی نظروں سے چھلکتی ہوئی نفرت اور اجنبیت دیکھ کر دوسرے لمحے سنبھل گئی۔ ''نہیں تو..... آپ نے منع جو کر دیا ہے۔'' وہ نظریں جھکا کر پھیکے لہجے میں بولی۔
''گویا تم تو دینا چاہتی ہو مگر میں نے تم پر یہ پابندی لگا رکھی ہے۔ یہی مطلب بنتا ہے نا تمہارے اس جواب کا۔'' وہ کسی بھی طرح سے راضی نہیں ہو پا رہی تھیں۔
''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا ماما'' وہ معاملہ ختم کرنا چاہتی تھی انہوں نے مسلسل اسے کٹہرے میں کھڑا کر رکھا تھا اور وہ جیسے کھڑے کھڑے شل سے ہو گئی تھی۔
''تو رباب کے پاس تمہارے جانے کا کیا مقصد تھا؟'' وہ چبا چبا کر بولیں۔ ''اسے اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کی کتھا سنانے گئی تھیں؟'' وہ کڑی سے کڑی جوڑے جا رہی تھیں۔
''نہیں..... میں تو اتنی دنوں سے کالج نہیں گئی پھر ایگزام بھی نہیں دینا تھا تو یونہی دل اداس ہوتا.....'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کسی مجرم کی طرح وہ صفائی پر صفائی دیے جا رہی تھی اور ان کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔
''کس چیز کی کمی ہے تمہیں یہاں۔ ہر وہ چیز۔ ہر وہ آسائش جس کا تم نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ تمہیں یہاں میسر ہے پھر شوہر چوبیس میں سے اٹھارہ گھنٹے مسلسل تم سے رابطے میں رہتا ہے..... اپنی مرضی سے کھاتی پیتی ہو..... دن چڑھے تک سوتی رہتی ہو۔ کوئی تمہیں روک ٹوک نہیں ہے اس کے باوجود بھی اگر تمہارا دل اداس تھا تو اس کی وجہ مجھ کم عقل کے دماغ میں تو نہیں آئی۔ تم سمجھا سکتی ہو؟'' وہ اسے آج بخش دینے کے موڈ میں نہیں تھیں۔
''کیا میں کسی سے مل بھی نہیں سکتی؟'' بے چارگی شکوہ بے کسی سب ہی کچھ تھا اس کے لہجے میں..... اور سب سے بڑھ کر عاجزی۔
''نہیں بی بی! تمہیں کون روک سکتا ہے تمہارے تمام تر بنیادی حقوق سے اور میں تو بالکل بھی نہیں جس کا وجود پہلے دن سے نہ تین میں نہ تیرہ میں شمار کیا گیا۔'' وہ پہلی بار اسے کوئی جاہل سی سی لگی تھیں۔
وہ لمحہ بھر خاموش کھڑی سوچتی رہی کہ ان سے کن الفاظ میں معذرت کرے' کس طرح ان کی تسلی کرائے کہ فی الحال وہ اس کی جان چھوڑ کر اسے جانے کی اجازت دے دیں۔

''سوری ماما! مجھ سے غلطی ہوگئی۔ آئندہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا' آپ سے پوچھے بغیر میں کہیں نہیں جاؤں گی۔'' وہ
..متان لہجے میں عاجزی بھر کر بولی۔
''یعنی میں نے تم پر پابندیاں لگا رکھی ہیں اور تمہیں بغیر اجازت کے کہیں جانے نہیں دیتی ابھی جا کر شوہر کے
... میں سب انڈیل دینا اور تم باہر جا کر کسی اور سے ملنے کے بہانے کس سے ملتی ہو' کیا کرتی ہو اس کی خبر گیری کون کرے
وہ بھونچکا سی انہیں دیکھنے لگی۔
''تمہیں تو شاید اس بات سے کچھ فرق نہیں پڑتا مگر ہماری کم از کم میری شہر میں اتنی عزت' اتنا نام ہے کہ جو کچھ تم
..ہی ہو۔ وہ میرے نام کو کتنا خراب کر سکتا ہے' تمہیں اس کا اندازہ بھی نہیں۔'' ان کا غصہ کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔
''ماما! میں نے خدانخواستہ ایسا کچھ نہیں کیا جو آپ کی عزت یا نام کے لیے کسی خطرے کا باعث بنے۔'' اس کی
..نکھوں میں پھر سے آنسو آ گئے۔
''مجھ سے غلطی ہوگئی آپ سے اجازت لیے بغیر جانے کی اور میں اکیلی نہیں گئی تھی۔ ڈرائیور میرے ساتھ۔ آپ
..و بلا کر پوچھ لیں میں کہاں گئی تھی اور کس کس سے ملی تھی...... شاید آپ کو اس کی بات پہ یقین آ جائے...... میں تو آپ کے
..تبار کے قابل ہوں بھی نہیں۔'' اسے شدت کا رونا آ رہا تھا کہ ابھی پھوٹ پھوٹ کر رو دے گی۔
''ٹھیک کہا تم نے' وہ کم از کم مجھ سے جھوٹ نہیں بولے گا۔'' اسے توقع نہیں تھی' وہ فوراً ہی یہ کہہ دیں گی۔
''میں اس کو بلوا کر پوچھتی ہوں' تم تو سچ بولو گی نہیں۔'' وہ پھر سے اجنبی بن کر بولیں۔ ثانیہ لاچار سی کھڑی چہرہ
..اف کر کے انہیں دیکھنے لگی۔
وہ اب سروری کو بلا کر ڈرائیور کو بلانے کا کہہ رہی تھیں۔
''اب ایک معمولی ملازم کے سامنے میری تفتیش کی جائے گی اور اس کا کہا حرف آخر سمجھا جائے گا میرے
..خدا! اور کتنی ذلت باقی ہے میری قسمت میں۔'' اس کی آنکھیں پھر سے بھرنے لگیں۔
''تم جاؤ اپنے کمرے میں...... میں تمہیں تھوڑی دیر بعد بلا کر بات کرتی ہوں' پہلے بلال سے بات کر لوں کہ وہ
..ب تمہیں لے کر جا رہا ہے میں اس ذمہ داری سے باز آئی' کل کو کچھ ہو گیا تو سارا الزام تو اس نے مجھ پر دھرنا ہے۔'' جانے
..نہیں اس سے کیا کر گزرنے کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔
وہ پریشان نظروں سے انہیں دیکھتی وہاں سے چلی آئی۔
''پتا نہیں۔ اب یہ کیا سچ جھوٹ بلال کو بتائیں گی اور اسے تو اپنی ماں کی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے یقین آ جاتا
ہے۔ میری محبت' میری قسمت کی طرح کمزور ہے...... اور اتنی دور بیٹھ کر تو اس محبت جیسے مفروضے پر بھی میرا ایمان اٹھ گیا
ہے۔'' وہ نڈھال سی جا کر بستر پر گر گئی۔
بسمہ سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔
دونوں خواتین چائے کے ساتھ لوازمات کھاتے ہوئے اس کی طرف بالکل متوجہ نہیں تھیں۔
ذکیہ باری باری دونوں کی طرف آس بھری نظروں سے دیکھتی رہیں۔ کبھی ایک جانچتی ہوئی نظر بسمہ پر بھی
..ڈالتیں۔
حسب معمول بسمہ بیٹھی ہوئی کوئی خوب صورت مجسمہ لگ رہی تھی کوئی ذرا سی کمی' ذرا سا بے ڈھب نقش' رنگ روپ
..چہرہ بھی تو اپنی جگہ کم نہیں تھا۔ ہر نقش' ہر تاثر مکمل تھا مگر...... ان کے دل نے آہ سی بھری اس مگر سے آگے ہی تو سب سے بڑی
..ی سب سے بڑا خلا تھا' عیب کا' نقص کا' کمی اور محرومی کا۔

''ماشاءاللہ بہت پیاری ہے آپ کی بیٹی خالہ جی......! ہمیں تو جی جان سے پسند آئی...... کیوں سلمٰی؟'' دوسری نے پہلی کوٹہوکا دیا جس کے چہرے پر کھوئے کھوئے سے تاثرات تھے۔

''ہاں جی بالکل......کوئی اعتراض۔'' وہ ذرا سنبھل کر بولی۔

''ہمیں تو جہیز' پیسہ' زیور کچھ بھی نہیں چاہیے' آپ نے اپنی بیٹی ہمیں دے دی۔ سب کچھ دے دیا یوں بھی ہمارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں جو ہم کوئی فرمائش کریں۔'' کمیلی کی کیفیت مدعی سست' گواہ چست والی تھی۔

''یوں تو ہمیں رشتوں کی بھی کمی نہیں۔ آپ کو تو خالہ جی پتا ہے آج کل ہر گھر میں یہ ٹوکرا بھر جوان لڑکیاں پڑیں ہیں ذرا سا ہنکارا اشارہ ہی کر دو' ان کی مائیں فوراً تیار ہو جاتی ہیں' جھپٹا جھپٹی کی سی کیفیت ہے پر ہمیں ذرا خدا ترسی ہے اور آپ کی خاندانی شرافت بھی......سب جانتے ہیں ہم۔''

''بڑی مہربانی آپ کی......میں نے آپ سے کچھ چھپایا نہیں تھا۔'' ذکیہ کچھ ندامت بھرے انداز میں بولیں۔

''اور تم نے بھی سب آپ کو بتا ڈالا ہے۔'' پہلی جو کہ بول رہی تھی اب کے قدرے ہوشیار ہو کر بولی' جیسے ذکیہ کے جواب کی منتظر ہو۔

''ہوں پتا ہے مجھے' ذکیہ کا مبہم سا جواب کلثوم کو کچھ اتنا پسند نہیں آیا ماتھے پر بل ڈال کر سلمٰی کو دیکھا۔ اس نے آہستہ سے اس کا ہاتھ دبا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''پھر ہم بات طے سمجھیں خالہ جی؟'' سلمٰی پکی رشتہ کرانے والی وچولن کی طرح بات جما کر بولی۔

''ہاں ابھی تو...... مجھے دو چار دن دے دیں سوچنے کے لیے۔'' ذکیہ لجاجت سے بولیں۔

''بسمہ کے سامنے نہ کرنے والی باتیں بھی دھڑلے سے کی جارہی ہیں۔

بسمہ آہستگی سے اٹھی اور کرسیوں میز کے بیچ سے رستہ ٹٹول کر دیوار کا سہارا لیتی باہر نکل گئی۔ دونوں خواتین نے اس کا خوب ٹکٹکی لگا کر جائزہ لیا۔

''ماشاءاللہ سے گھر کے سب ہی کام کر لیتی ہے۔ ادھر تو سب چیزوں کا اندازہ ہے کہاں کیا پڑا ہے تو کھانا بھی یہی بناتی ہے اور دوسرے کام بھی۔'' ذکیہ نے دونوں کی توجہ ہٹانے کو کہا۔

''خیر ہم نے اس......معاف کیجیے گا خالہ جی ہے تو اندھی نا...... ہانڈی روٹی تو نہیں کروانی یا جھاڑو پونچھا۔ اللہ کا بڑا کرم ہے' ایک نوکرانی ہر وقت اور دوسری صبح سے شام لگ رہتی ہے' کام کاج تو ہماری کلثوم نے کبھی نہیں کیا تو ہم اس بے چاری سے کیا کرائیں گے۔''

ذکیہ متاثر سی ہو کر خاموش رہ گئیں۔

''چلیں پھر کلثوم! کافی ٹائم ہو گیا۔'' سلمٰی اسے اشارہ کر کے کھڑی ہو گئی۔

''بیٹھیں آپ کھانا کھا کر جاتیں۔''

''نہیں۔ آپ نے پہلے ہی اتنا کچھ کھلا دیا چائے کے ساتھ۔ کھانے کی گنجائش رہی کہاں......'' سلمٰی مسکرا کر بولی اور کلثوم کو دیکھنے لگی جو اسے کچھ اشارہ کر رہی تھی۔ سلمٰی نے سمجھ کر سر ہلایا ہے۔

''اچھا خالہ جی' بولیں؟......ہم نے سوچا ہے اللہ کے بات بن جائے...... بلکہ بن ہی گئی ہے نا!'' ٹھٹھا لگا کر ہنسی

''اب انکار کی کوئی وجہ بھی تو ہو کیوں خالہ جی؟'' ذکیہ مسکرا کر رہ گئیں۔

''پرسوں یا اس سے اگلے دن ہم دونوں آئیں گے بلکہ بے شک آپ بھی ساتھ میں چلی چلیے گا ذرا بسمہ کو دکھانے۔''

''کیا مطلب؟'' ذکیہ چونکی۔ ''کہاں جانا ہے؟''

''اوہو! آپ جانے کیا سمجھتی ہیں۔'' وہ پھر سے اسی انداز میں بولی۔

''ہمارا ایک کزن ہے ڈاکٹر بڑے ہسپتال میں' اس نے بتایا تھا امریکہ سے تجربہ کار ڈاکٹروں کی ٹیم آئی ہے۔ آنکھوں کا معائنہ کرنے والی تو ہم نے سوچا ہم بسمہ کو چیک کروادیں گے۔ کیا پتا اللہ اپنا کرم کر ہی دے' اور ذکیہ بے یقین نظروں سے دیکھتی رہ گئیں۔

''کیا دنیا میں ابھی بھی ایسے اچھے اور نیک لوگ موجود ہیں۔ انہیں کے دم سے تو شاید یہ دنیا چل رہی ہے'' وہ ان کو عقیدت سے دیکھتے ہوئے دل میں اپنے رب کا لاکھ شکر ادا کرنے لگیں۔

''ٹھیک ہے' اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی۔ میں بھی ساتھ چلوں گی...... ایسا ہو جائے تو میں سمجھوں گی' خدا نے مجھے دنیا میں ہی میرے ہر اچھے کام کا اجر دے دیا۔ میری بچی اس دنیا کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگے۔'' وہ آخر میں تو رو ہی پڑیں۔

''نہ خالہ جی! روئیں نہیں۔ دعا کریں' ماؤں کی دعاؤں میں تو بڑا اثر ہوتا ہے اللہ آپ کی دعا ضرور قبول کرے گا۔ بسمہ اچھی ہو جائے گی پھر پرسوں صبح آجائیں ہم دونوں؟'' دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''پر ابھی رشتہ تو......'' ذکیہ ہچکچا گئیں۔

''خالہ جی! رشتہ تو قسمت میں لکھا ہوا تو ضرور ہو جائے گا نہ بھی ہوا تو اگر آپ کی بیٹی کو آنکھیں مل جائیں اللہ ہمارے نصیب میں یہ نیکی لکھ دے تو ہمیں اور کیا چاہیے۔ بس آپ پرسوں بسمہ کے ساتھ تیار رہیے گا۔ کلثوم کے میاں کی گاڑی لے آئیں گے ہم اور ہسپتال بھی یہاں سے زیادہ دور نہیں۔''

ذکیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا انہیں اور کیا چاہیے تھا۔

اسی وقت روحیل کھلے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ دونوں اسے دیکھ کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

''بیٹا؟ آپ کا خالہ جی؟'' سلمٰی کی سب حسیات چونکی تھیں۔

''نہیں یوسف کا دوست۔'' ان کے لہجے میں جانے کیسے بغیر ارادے کے اجنبیت سی در آئی اور روحیل بھی کچھ حیران' کچھ شرمندہ سا کھڑا رہ گیا۔

اس دن انہوں نے اسے امی نہ کہنے پر کس طرح اس ٹوکا تھا اور آج کیسے ایک دم سے خود ہی بیٹے کا دوست کہہ کر دیوار اٹھادی تھی۔

''اچھا تو اس طرح......'' وہ معنی خیز انداز میں کہہ کر خاموش ہو گئی۔

''نہیں۔ وہ بس یوسف کے بعد ذرا...... روحیل! تم ذرا باہر بیٹھو'' انہیں خود ہی سلمٰی کے ادھورے جملے کا پورا مطلب سمجھ میں آ گیا۔

روحیل آہستگی سے مڑ گیا۔

دونوں خواتین ذکیہ سے الوداعی باتیں کرتی باہر نکل گئیں۔

وہ واپس آئیں تو روحیل اسی طرح کھڑا تھا۔

''میں آیا تھا۔ کچھ سامان آپ نے منگوایا تھا شاید'' وہ ان کے چہرے پہ ٹھہری اجنبیت کو پڑھ کر بڑے محتاط انداز سے بولا۔

''نہیں۔ کچھ ایسا خاص سامان تو نہیں تھا۔ کچھ سر مدلے آیا' باقی کام میں خود جا کر لے آئی تھی۔'' وہ لاتعلقی سے

بولیں۔ گویا' جاؤ اب تمہاری ضرورت نہیں۔''
وہ کچھ دیر خاموش شرمندہ سا کھڑا رہا۔ ''اچھا پھر میں چلتا ہوں' کل آ جاؤں گا۔''
''اس کی ضرورت نہیں۔'' وہ جانے کو مڑا تھا کہ وہ پیچھے سے بولیں۔ ''میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا' میری جوان بیٹی ہے اور تمہارا روزانہ آنا...... مجھے اس محلے میں رہنا ہے۔''
''ٹھیک ہے۔'' وہ سمجھتے ہوئے سر ہلا کر بولا۔
''میں تمہیں منع نہیں کر رہی اپنی مجبوری بتا رہی ہوں' ہفتے میں ایک دو دفعہ آ جایا کرو۔''
''جی۔'' وہ سر جھکا کر بولا۔
''یہ دونوں خواتین بسمہ کا رشتہ لے کر آئی تھیں بلکہ طے ہی سمجھو۔ اللہ نے میری سن لی بغیر جہیز کے' لالچ کے اور کسی فرمائش کے...... اس کا بڑا شکر ہے' جتنا بھی ادا کروں کم ہے۔''
انہوں نے شاید اسے یہی اطلاع دینی تھی۔
''چلتا ہوں۔ خدا حافظ۔'' وہ لمحہ بھر رکنے کے بعد کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا ذکیہ کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

✠ ✠ ✠

''تم روحیل سے ملنے گئی تھیں؟'' ثانیہ کسی بت کی طرح خاموش بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم تھی کہ زونیرہ اچانک سے اندر آ کر بولی۔
''نن...... نہیں تو...... میں کیوں ملوں گی اس سے۔''
وہ بری طرح سے گڑبڑا کر بولی۔ اب ماں کے بعد بیٹی کی تفتیش شروع!
''مجھے روحیل نے بتا دیا ہے۔'' زونیرا مطمئن سی کہہ کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اور ثانیہ کا منہ تو جیسے کھلے کا کھلا رہ گیا اس کی بات سن کر۔
''روحیل نے؟'' بہت دیر بعد اس کے منہ سے نکلا۔
''تم نے اس سے میری بات کی؟'' زونیرا اس کی حیرت یکسر نظر انداز کر کے قدرے بے تابی سے بولی۔
''کیسی بات کرتی؟'' اس کے مسلسل دیکھنے پر ثانیہ بے بسی سے بولی۔
''میرے جذبات تو اس تک پہنچا سکتی تھیں۔''
''جس نے تمہیں اس سرراہ ذرا سی ملاقات کی خبر بھی دے ڈالی۔ کیا تم اس تک اپنے جذبات خود نہیں پہنچا سکتیں۔'' ثانیہ نے دل میں جل کر سوچا۔
''تم واقعی سیریس ہو زونی؟'' ثانیہ گہرا سانس لے کر بولی۔
''تو تمہارے خیال میں میں فلرٹ کر رہی ہوں یا جھوٹ بول رہی ہوں؟'' وہ حسب عادت فوراً ہی اشتعال میں آ گئی۔
''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ نرمی سے بولی۔
''ہاں۔ تم جانتی ہو نا کہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے۔ ہوتا ہے بعض لوگوں کی سائیکی کا یہ مسئلہ کہ وہ خود تو چاہے عیش کرتے رہیں مگر ان کے سابقہ چاہنے والے اس طرح انہیں چاہتے جائیں اور آہیں بھرتے رہیں۔'' زونیرا طنز سے بولی۔ ثا

سے دیکھ کر رہ گئی۔

''ان کی چاہتیں بلاشرکت غیرے ہمیشہ ان ہی کے قبضے میں رہیں۔ ہے نا؟''

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' ثانیہ مجرمانہ انداز میں سر جھکا کر بولی۔ ''میں نے نہ پہلے نہ اب اس کے بارے میں ایسا کچھ بھی نہیں سوچا۔''

''اسی لیے تو کہہ رہی ہوں' تم نے تو اسے کبھی چاہا ہی نہیں اور وہ تمہاری محبت میں پاگل ہے۔ تم اسے کچھ نہیں دے سکتیں تو اس کو چاہنے والا دل' محبت کرنے والا ہم سفر تو' دے سکتی ہو نا۔'' وہ بلاواسطہ ایک بالکل ڈائریکٹ بات کر گئی۔

ثانیہ کے لیے زونیرا لمحہ بہ لمحہ کھل جا سم سم والا کردار ادا کر رہی تھی۔

''مگر تم ایسا کیوں کرنا چاہتی ہو؟'' ثانیہ کو اس کی اس محبت کی وجہ بالکل بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

''بلال بھائی نے ایسا کیوں کیا؟'' دوسرے جواب میں طنز بھی شامل تھا۔

''وہ تمہارے قابل نہیں ہے زونی!'' ثانیہ اپنے سر کوئی مصیبت نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ اس فضول جذباتی میلو ڈرامے کو اسے یہیں ختم کرنا ہوگا۔ وہ سوچ رہی تھی۔

''تم بلال بھائی کے قابل تھیں؟'' کیسی منہ پھٹ اور بے دید لڑکی تھی۔

''نہیں نا...... ثانیہ! میں تمہیں tease نہیں کرنا چاہ رہی صرف یہ بتا رہی ہوں کہ محبت آدمی کو اس طرح سے بے بس کر دیتی ہے۔ بلال بھائی کو تمہارے علاوہ کچھ اور سوجھ سکا نہ مجھے سوجھ پا رہا ہے۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''اگر چہ میں جانتی ہوں' وہ کچھ بھی نہیں پھر بھی میرے لیے...... سب کچھ بن گیا ہے۔'' ثانیہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے سمجھائے۔

''کبھی میں سب سے زیادہ کلاس کانشس ہوا کرتی تھی۔ اتنے مہینے میں نے تمہیں صرف اسی بنیاد پر تو مسلسل ریجیکٹ کیا' نفرت کی' دھتکارا اور شاید یہ انہیں جذبوں کا ری ایکشن تھا یا تمہاری کوئی بددعا، میں پکڑی بھی گئی تو کلاس ڈیفرنس کے شکنجے میں' اب مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔'' وہ ایک دم سے ثانیہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بے بسی سے بولی۔''

''اگر ماما کو پتا چل گیا؟'' ثانیہ نے اسے آخری خوفناک چویشن کا احساس دلایا جو جلد یا بدیر پیدا ہونی تھی۔

''میں سب باتیں سوچ چکی ہوں اور میں جانتی ہوں' ماما کا ری ایکشن کس قدر خوف ناک ہوگا...... اور شاید بلال بھائی کا بھی...... ہمیں خود غرضی کا بھی تو لا علاج مرض لاحق ہے...... وہ میرے لیے ایسا کچھ بھی choose نہیں کرنے دیں گے' میں جانتی ہوں۔'' وہ ایک بالکل بدلی ہوئی زونیرا تھی۔

''پھر بھی تم......؟''

''ہاں۔ پھر بھی میں پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولی۔

''روحیل کو اچھی جاب مل گئی ہے اور وہ پڑھ بھی رہا ہے۔ محنتی ہے' بہت جلد سیٹل ہو جائے گا نہ بھی ہوا تو بھی میں اس کے ساتھ ہوں۔ ہم دونوں مل کر بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اچھی شاندار زندگی۔ محبت جس کی بنیاد ہوگی جسے کوئی ہلا نہیں سکے گا۔'' وہ عجیب سی باتیں کر رہی تھی۔

اور روحیل کے متعلق وہ سب کچھ جو ثانیہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ نہ اس کی جاب کے متعلق نہ اس کی تعلیم کے متعلق نہ اس کے فیوچر پلانز...... ''تو یہ سب زونی کو کیسے معلوم ہے؟''

''کیا یہ دونوں روز ملتے ہیں......؟ تو روحیل نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔'' وہ الجھن بھری نظروں سے ساکت بیٹھی

زونی کو دیکھنے لگی۔

''تم یہ سوچ رہی ہو گی کہ روحیل کے بارے میں تمہاری معلومات صفر ہیں جبکہ مجھے اس کے بارے میں سب اپ ڈیٹس معلوم ہیں تو کیا ہم روز ملتے ہیں؟'' ثانیہ کو اس کی بات سن کر دھچکا سا لگا۔

''ہم روز نہ بھی ملیں' ہم دونوں کے دلوں کے رابطے تو ہیں اگرچہ وہ ابھی میری طرف اس طرح سے ملتفت نہیں ہے جس طرح میں...... پھر بھی ثانیہ! یہ میری اس پاگل محبت کا کرشمہ ہے کہ وہ مجھے تھوڑا تھوڑا own کرنے لگا ہے۔''

اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ بے قراری سے کہہ رہی تھی۔

''ثانیہ! کیا محبت واقعی پاگل کر دیتی ہے؟ کیا یہ جذبہ واقعی کرشمہ ساز ہے؟ کیا یہ واقعی دلوں کو' روحوں کو بدل دیتا ہے؟ کل تک مجھے جس شخص کے چہرے سے کلاس سے' ہر چیز سے نفرت تھی۔ آج وہ میری زندگی کا مقصد بن چکا ہے اگر مجھے نہ ملا ثانی! تو میں مر جاؤں گی۔ اس نے مجھے سارے کا سارا بدل ڈالا ہے...... میں کیا کروں ثانیہ! میں کیا کروں؟'' بچوں کی طرح رونے لگی۔

ثانیہ پریشان نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''صرف تم...... صرف تم کچھ کر سکتی ہو میرے لیے...... بولو کرو گی؟'' وہ خود ہی اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے سر اٹھا کر بولی۔

''میں...... میں کیا کر سکتی ہوں۔'' ثانیہ کو کچھ بھی تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا نہ اس کی دیوانگی نہ اس کی باتیں۔

''تم روحیل سے بات کرو میرے لیے۔''

''میں کروں بات؟'' وہ حیران سی رہ گئی۔

''کیا تم میرے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتیں؟'' ثانیہ فوری طور پر انکار بھی نہیں کر سکی۔

اس نے جلدی سائیڈ پر پڑا سیل فون نکالا اور روحیل کا نمبر نکالنے لگی۔

''یہ نمبر تم اس کا اپنے سیل میں save کر دو اور اس سے رات میں فون کر کے میرے متعلق پوچھو' پلیز کرو گی نا؟'' وہ خود ہی ثانیہ کا سیل فون اٹھا کر روحیل کا نمبر فیڈ کرنے لگی۔

''نہیں زونیرہ! میں روحیل کو فون نہیں کروں گی۔'' ثانیہ نے چند لمحوں میں ہی فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ شاکڈ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''اوکے۔ مت کرنا...... مجھے پہلے پتا تھا' میں نے تمہارے ساتھ کون سا اچھا سلوک کیا ہے جو تم میرا ساتھ دو۔ تھینک یو...... میں آئندہ تم سے ایسا کچھ نہیں کہوں گی۔'' اس نے تیزی سے اس کا موبائل واپس رکھا اور ثانیہ کے پکارنے کے باوجود باہر نکل گئی۔ ثانیہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

✠ ✠ ✠

''بہت اچھا رشتہ ہے جیسے خدا نے آسمان سے تمہارے لیے ہی اتارا ہو میں نے تو دو بار شکرانے کے نفل بھی پڑھ لیے ہیں۔'' ذکیہ بہت خوش تھیں۔

''تم کیوں چپ ہو؟'' وہ اس کی خاموشی سے چڑ کر بولیں۔

''آپ کو سن رہی ہوں' چپ کب ہوں۔'' وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

''اور دیکھو ایسے اچھے نیک دل لوگ ہوں گے زمانے میں۔ کہنے لگی رشتہ ناتا تو قسمت سے جڑے گا۔ ہم بس

۔ ج اگر ہو سکے تو کرا دیں گے شاید اللہ نے یہ نیکی ہماری قسمت میں لکھ رکھی ہو......ایسے بھلے لوگ ۔ میرے تو دل سے
نہیں نکل رہی رہیں ۔'' ذکیہ کے لیے آج کی بلکہ عمر بھر کی سب سے بڑی خوشی یہی تھی کہ کسی نے بسمہ کا رشتہ چاؤ سے مانگ
یہ اور اس کی بینائی کی امید بھی دلا دی اور اس بڑھ کر کیا چاہیے تھا۔

''ان کی کوئی شرط تو ہوگی امی؟'' بہت دیر بعد وہ آہستگی سے بولی۔

''ایک بھی نہیں ۔ ذرا بھی نہیں ۔'' ذکیہ جھٹ سے بولیں۔

''تو پھر چیک کر لینا تھا آپ نے ۔'' بسمہ خلا میں نظریں گاڑ کر بولی۔

''کیا چیک کرنا تھا؟'' ذکیہ حیرانی سے بولیں۔

''کہیں سچ مچ وہ فرشتے ہی نہ ہوں ۔'' وہ ہلکی پھلکی بات کرتے ہوئے مسکرائی تک نہیں تھی۔

''یہ لے پگلی! لوگ بھی تو فرشتہ صفت ہوتے ہیں' ابھی دنیا اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہوئی ۔ انہیں کے دم سے قائم
ہے اس کا کاروبار۔''

''ایک بات پوچھوں؟'' بسمہ کو شاید ماں کی اتنی خوشی پسند نہیں آ رہی تھی۔

''وہ بچے والی کیا بات تھی؟'' اور ذکیہ چند لمحے کچھ بول ہی نہ سکیں۔

''کچھ نہیں ...... کچھ بھی تو نہیں ...... کیا سنا تھا تم نے؟''

''یہی تو آپ سے پوچھ رہی ہوں۔''

''بچے نہیں ہیں نا کلثوم اور اس کے میاں قیصر کے ...... تو اس لیے ۔'' ذکیہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ دونوں جملوں میں
ربط کیسے پیدا کریں تو دوسرے کو ادھورا چھوڑ دیا۔

''تو اس لیے کیا امی؟'' بسمہ جان کر انجان بن رہی تھی یا واقعی اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ ذکیہ نے جانچتی نظروں
سے اسے دیکھا' اس کا چہرہ حسب معمول بے تاثر تھا۔

''اٹھارہ انیس سال ہوگئے دونوں کی شادی کو ۔ تو بچہ کوئی نہیں اس لیے' کوئی کمی تھوڑی ہے ان کے گھر میں ۔ یہ محل
جیسا عالی شان گھر' چلتا کاروبار گاڑی' نوکر چاکر سب ہی کچھ تو ہے اور چاہیں تو رشتوں کی بھی کمی نہیں۔''

''تو پھر مجھ اندھی میں کیا کشش ہے ان کے لیے ...... جو مجھے سوکن بنانا چاہتی ہیں؟'' وہ خود شناسی کی انتہا پر
تھی شاید۔

''ایسا کیوں بولتی ہو پھر وہ تو پہلے تمہارا علاج کرانا......''

''امی! جانے دیں' میرا کوئی علاج نہیں' آپ کیا جانتیں نہیں؟''

''مایوسی کفر ہے میری بچی! اس میں کیا حرج ہے بڑا اسپتال لیے باہر کے لائق فائق ڈاکٹر جن کی پوری ٹیم ہے کیا
پتا اللہ کوئی وسیلہ بنا دے' انہیں لوگوں کے ذریعے سہی' امید تو نیک ہی رکھنی چاہیے۔'' ذکیہ آج کوئی بھی بری بات برا گمان دل
میں نہیں لانا چاہ رہی تھیں۔

''تو شوہر کی دوسری شادی کے لیے میں ہی کیوں' عیبی اور داغی۔''

''بسمہ!'' ذکیہ کے دل کو چوٹ سی لگی۔'' خدا نہ کرے جو تو داغی ہو۔ اللہ کے کام ہیں بیٹا یہ تو سب ۔ جس کو چاہے
پورا بنائے جس میں چاہے کچھ کمی چھوڑ دے ۔ تم کوئی خود پیدا ہوئیں ایسی۔'' وہ برا سا مان کر بولیں۔

''تو پھر بتائیں نا میں ہی کیوں؟'' وہ اب بھی بضد تھی۔

ذکیہ فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکیں۔

''تم انہیں پسند جو آ گئی ہو۔'' وہ لگاوٹ سے بولیں۔

''انہیں رشتوں کی کیا کمی' آپ خود ہی تو کہہ رہی تھیں۔''

''فضول بحث کیے جا رہی ہو' بولا نا تم انہیں پسند آ گئیں۔ اب میں کیا پوچھتی کہ بی بی کیوں پسند کیا میری بچی کو؟ کیا وجہ ہے؟ کیا جواب ہوگا بھلا اس بے تکے سوال کا۔'' وہ خفگی سے بولیں۔

''بچہ چاہیے انہیں' صاف اور سیدھی بات ہے اور سوکن لانا کچھ آسان بات تو نہیں۔ اسی میں انہیں بہتری نظر آئی ہوگی...... کہ یہ اندھی ان کی سلطنت میں کیا مداخلت کرے گی۔ بچہ پیدا کر کے بچہ لیں گے اور دھکا مار باہر کریں گے۔ بتائیں امی! اس سے بڑا مطلب اور خود غرضی اور کیا ہوگی؟''

''شاباش! میری بیٹی شاباش۔ کیسے پوری کہانی گھڑلی۔ شیطان کے ایک وسوسے سے...... ایسے خود غرض اور کمینے لوگ ہوتے تو بتاؤ وہ تمہارے علاج میں کیوں دلچسپی لیتے۔ انہیں اس سے کیا...... اور بچہ ہی چاہیے ہوتا تو تیری یہ کہانی فٹ تھی' پر وہ رشتے سے پہلے تیرا علاج کرانا چاہتے ہیں' اس خالی خولی ہمدردی کو کہاں فٹ کرے گی؟'' وہ ناراض ہو گئیں۔

''سو جا اب' پرسوں صبح وہ آئیں گی گاڑی لے کر' اللہ بہتر کرنے والا ہے۔ خدا کرے کچھ امید پیدا ہو جائے' تجھے روشنی مل جائے اور کیا چاہیے میرا تو رواں رواں انہیں ابھی سے دعائیں دے رہا ہے' ایسے نیک لوگ......'' ذکیہ لیٹتے ہوئے خود کلامی کے سے انداز میں بولے گئیں۔

''انیس بیس سال ہو گئے۔ بیس بائیس سال کی عمر میں بھی شادی ہوئی تو چالیس پینتالیس تو کہیں بھی نہیں گئے...... اور بسمہ تو ابھی انیسویں میں بھی نہیں لگی۔'' وہ سوچنے لگیں۔

''چلو دفع کرو۔ مرد کی عمر کون دیکھتا ہے پھر جو اتنے سکھ دے رہے ہیں گھر میں نوکر چاکر' روپیہ پیسہ...... میری تو ساری فکریں ہی ختم ہو جائیں گی ورنہ کہاں سے میں اتنا جہیز جوڑتی' روپیہ اکٹھا کرتی' سرمد کے کمانے میں تو ابھی سال پڑے ہیں۔ یہ تو میرے مولا نے کوئی غیبی مدد کی ہے۔'' سوچتے سوچتے جانے کب ذکیہ کو نیند آ گئی۔

بسمہ اندھیرے میں بہت دیر بیٹھی اس غیبی مدد کی وجہ تلاش کرنے کی کوشش کرتی رہی پھر تھک کر وہ بھی لیٹ گئی۔

''اور امی نے روحیل کو کیسے نکال دیا۔ آدمی تو ہے ہی غرض کا پتلا۔ غرض کے بغیر تو وہ کسی کو منہ بھی نہیں لگاتا۔ اس نے شادی سے انکار کیا کیا' امی کی آنکھیں بدل گئیں' غرض کے لیے بیٹا بنایا اور غرض پوری نہ ہونے پر پھر سے بیٹے کا دوست بنا ڈالا۔ واہ رے آدمی۔''

آنکھوں میں روشنی نہ ہونے کے باوجود اسے اندھیرے میں پڑے یہ معدوم سے نکتے خوب سوجھ جاتے تھے شاید انہیں کی سوجھ بوجھ پر وہ اپنا اور دوسروں کا مقام متعین کر لیا کرتی تھی...... جیسے آج روحیل کو امی نے اوپر سے نیچے پٹخا۔ شاید یہی زندگی ہے۔'' اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اب سوچنے کو کچھ بھی نہیں تھا۔

✠ ✠ ✠

وہ ذرا سی دیر کے لیے رباب کے گھر سے لیے گئے کچھ نوٹس فوٹو کاپی کروانے ایک شاپ کے باہر رکی تھی۔ ڈرائیور کاپی کروانے گیا اور وہ گاڑی میں بیٹھی رہی۔ پاس سے گزرتا روحیل اسے دیکھ کر بے اختیار ٹھٹکا تھا۔

ثانیہ کے دل میں اس دن کی شرمندگی تھی جب اس نے روحیل کو بے وجہ ذلیل کر کے نکالا تھا۔ روحیل کو دیکھتے ہی اسے وہ ساری شرمندگی یاد آ گئی۔ وہ اس کا حال چال پوچھنے کو گاڑی سے باہر نکل آئی۔

وہ بھی جانے کس دھیان میں تھا' بول کم رہا تھا' عجیب سی نظروں سے اسے دیکھ زیادہ رہا تھا۔ ثانیہ کو الجھن سی

ے تھی۔

اور ڈرائیور کے باہر آتے ہی وہ جلدی سے خدا حافظ کہہ کر دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

اور ماما کو ڈرائیور نے بتا تو دیا ہوگا کہ دور سے اس نے روحیل کو اس کے پاس کھڑا دیکھ تو لیا تھا۔

''اور ماما نے اگر بلال سے یہ سب کہہ دیا اور وہ یقیناً کہیں گی۔ بلال نے مجھ سے پوچھ لیا؟'' اسے سوچ کر ہی ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

''اور جو یہ زونیرا مجھ سے کہہ رہی ہے کہ میں روحیل سے رابطہ کر کے اس کے فضول جذبوں کی مینیجر بنوں اور جو کوئی ذرا بھی خبر ہوگئی..... نہیں نہیں۔ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی۔'' مسلسل سوچیں جو اسے پریشان کیے جا رہی تھیں۔

کل سے بلال کا فون بھی نہیں آیا تھا۔ یہ اور بھی پریشان کرنے والا احساس تھا۔ اس نے کبھی ایک دن بھی مس نہیں کیا تھا جب دونوں کی بات نہ ہوئی ہو.....

''تو پھر ماما نے اسے بتا دیا ہوگا۔

اور اب جو زونیرا مجھ سے ناراض ہوگئی ہے' خدا خدا کر کے تو اس کا دل میری طرف سے پھرا تھا اور وہ اتنی آسانی سے بخش دینے والی ہے بھی نہیں۔ پھر سے کوئی نیا جھگڑا کھڑا کرے گی۔ ماما کو بھڑکا دے گی یا بلال کو' یا اللہ! میں کس مصیبت میں گرفتار ہوگئی ہوں۔ ایک کے بعد ایک مصیبت۔'' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''اور اگر زونیرا اپنی ضد پر اڑی رہی اور ماما اور بلال کو پتا چلا تو وہ یہی کہیں گے کہ زونیرا کو روحیل کی طرف میں نے لگایا ہے یعنی دونوں طرف سے شامت صرف میری ہی آئے گی۔''

اس کا دماغ درد سے پھٹنے لگا۔

اسی وقت بلال کا فون آ گیا۔

وہ بڑے محتاط انداز میں اس سے بات کر رہی تھی۔ مگر بلال پہلے کی طرح خوش خوش بات کر رہا تھا۔

''یار! سمسٹر شروع ہو گئے ہیں نا۔ اب دو دن بعد ہی فون کیا کروں گا' بہت پڑھنا ہوتا ہے۔ اسی لیے تو فون نہیں کر سکا ورنہ دھیان تو مجھے لگا رہتا ہے تمہارا۔ کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟''

''میں بیمار تھوڑی ہوں بلال!'' وہ چڑ کر بولی۔

''ہونا بھی نہیں۔ مجھے بیمار بیوی ذرا پسند نہیں۔''

''پہلے کتنی بھگتا چکے ہیں؟'' وہ طنز سے بولی۔

''اف! ابھی تو ایک ہی کو بھگتنا مشکل ہو رہا ہے اور کیا کرتی رہتی ہو؟''

اس کا سوال سن کر ثانیہ کے دل میں پھر کچھ ٹوٹ سا گیا اس کی عمر بھر جتنی بھی عمر تھی' ایک ہی تو مصروفیت تھی' وہ بھی لوگوں کو گوارا نہیں ہوئی۔

''کچھ بھی نہیں..... پڑھنا ہی تھا۔ وہ بھی آپ نے منع کر دیا۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''افوہ بھئی۔ وعدہ کر تو چکا ہوں' اگلے سال تم ضرور ایگزام دو گی۔''

''اگلا سال کس نے دیکھا ہے۔'' وہ پژمردہ لہجے میں بولی۔

''ثانیہ!'' بلال ناراضگی سے بولا۔

''اس میں کچھ ایسا غلط بھی نہیں..... آدمی کے تو اگلے پل کا نہیں پتا۔ آپ تو پھر اگلے سال کی بات کر رہے ہیں۔''

اسے بلال کو تکلیف دینے میں مزہ آنے لگا۔

''تم کوئی اچھی بات نہیں کر سکتیں۔''

''میرے ساتھ اچھی باتیں ہوتی ہی نہیں تو کروں کیسے۔''

''اب بات ہے' کوئی مسئلہ ہے تو مجھ سے کہو۔''

''آپ اتنی دور بیٹھے کیا کر لیں گے اور پہلے میرے کون سے مسئلے حل کر دیے آپ نے جواب ......'' وہ ضبط کیے بغیر بول پڑی۔

''ایسی کیا پریشانی ہے تمہیں اور میں نے کون سا تمہارا مسئلہ آج تک حل نہیں کیا۔'' بلال کو بھی غصہ آنے لگا۔

''اچھا تو ایک فوری مسئلہ حل کریں میرا...... کریں گے؟''

''کیوں نہیں۔ میں تمہارے پرابلمز سولو نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔'' وہ محبت سے بولا۔

''تو پھر آ جائیں ابھی اور اسی وقت میرے پاس I feel lonely'' وہ بے تابی سے بولی۔

اور دوسری طرف چند لمحوں کے لیے تو خاموشی چھا گئی۔

''کر سکتے ہیں میرا مسئلہ حل ......نہیں نا...... تو پھر اتنے دعوے بھی مت کریں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں کڑواہٹ گھل گئی۔

''میں جانتا ہوں' تمہارے دل میں غصہ ہے۔ بہت سے گلے ہیں ناراضی ہے۔ میں نے تمہیں ہر اس بات' ہر اس کام سے روکا ہے جو تم کرنا چاہتی تھیں۔ چند دن کی رفاقت اور جدائی کی اتنی کالی راتیں...... تمہاری ناراضی حق بجانب ہے۔'' وہ رُک رُک کر بولے گیا۔

ثانیہ کچھ بول نہ سکی۔

اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ بلال ابھی بھی' اتنے مہینوں کی دوری کے باوجود بھی اس کے دل پر گزرنے والی ہر قیامت سے آگاہ ہے۔

''اس کے باوجود آپ میرے ساتھ کیا کرتے رہے۔'' اس کے لبوں سے شکوہ پھسل گیا۔ ''کم از کم مجھے ایگزام ہی دے لینے دیتے۔ میری یہ تنہائی' یہ اکیلا پن مجھے اتنا نہ کاٹتا۔ مصروفیت مل جاتی مجھے۔''

''ماما کا خیال تھا۔ پہلی بار میں احتیاط بہت ضروری ہوتی ہے ورنہ...... خدانخواستہ بار بار......'' وہ آگے کچھ بھی کہنے سے رک گیا۔ منہ سے نکلا کوئی بھی لفظ کہیں قبولیت کی سند ہی نہ پا جائے...... وہ جانے کیسے ہونے والے بچے کے بارے میں اس قدر حساس ہو گیا تھا۔

''انہوں نے کی تھی احتیاط؟'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

''ثانیہ!'' بلال کو شاید برا لگا تھا۔ کیسا دوری کا عذاب تھا کہ وہ ایک دوسرے کے چہرے دیکھے بغیر' لہجے پڑھنے پر مجبور تھے اور مرضی کے نتائج اخذ کرنے پر!

''انہوں نے بھی تو شادی کے بعد سب امتحانوں کے سلسلے جاری رکھے تھے۔ جاب بھی کرتی رہیں اور آپ دونوں کو پیدا بھی کیا اور پالا بھی۔'' اس کے اندر بہت تلخی بھرتی جا رہی تھی۔

''ماما یہ سب کچھ تمہارے اور میرے خیال سے...... ہماری محبت کی وجہ سے کر رہی ہیں۔''

''جبکہ وہ جانتی تھیں پہلے سے...... مجھے علم سے تعلیم سے محبت نہیں عشق ہے پھر بھی بلال انہوں نے...... یہ میرا کیسا خیال کیا۔'' اس کے منہ سے سسکی سی نکل گئی...... ''اور یہ کیسی محبت ہے جو میرے دل کو بنجر کرتی جا رہی ہے۔''

''تم نے اس ذرا سی بات کو دل پر ہی لے لیا ہے۔ دیکھو زندگی خدانخواستہ اس ایک امتحان پر آ کر ختم تو نہیں ہو گئی

یارک تو نہیں گئی۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔

''میرے لیے یہ رک بھی گئی ہے اور سمجھیں، ختم بھی ہو جائے گی اگر......'' وہ تیزی سے اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''میں فون بند کر رہی ہوں پھر بات کریں گے......'' اس وقت اس کے منہ سے کچھ بھی ٹھیک نہیں نکل سکتا تھا۔ اس نے بلال کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا اور ایسا پہلی بار ہوا تھا، اتنے انتظار کے بعد اس کا فون آیا اور اس نے بند کر دیا۔

پہلے ماما نے دل دکھایا پھر زونیرا کی دکھ دینے والی باتیں اور اب بلال...... اسے لگا۔ آج اس کا دل شدتِ غم سے پھٹ ہی تو جائے گا اس کے ہاتھ اس شادی سے کیا آیا تھا بلکہ اس کی پہلی بے مایہ زندگی کی چند انمول معصوم خوشیاں تھیں۔ وہ بھی اس کی مٹھی سے پھسلتی چلی گئیں۔ اب صرف یہ طعنے ذلت اور دھمکیاں رہ گئی تھیں اور وہ روتی بھی نہیں۔

✠ ✠ ✠

''زونیرا کہتی ہے، ثانیہ مجھ سے ابھی بھی محبت کرتی ہے اور ثانیہ، اس کے تو کسی انداز سے نہیں لگا کہ اس کے دل میں ایسی کوئی بات ہے بھی...... تو پھر زونیرا مجھ سے یہ سب کیوں کہہ رہی ہے۔ وہ اتنی مغرور، جھگڑالو بدتمیز لڑکی کیسے ثانیہ کی ہمدرد اور خیر خواہ ہو سکتی ہے۔''

وہ شہر سے باہر بوڑھے راوی کنارے بیٹھا تھا جس کا گدلا پانی چاند کی روشنی میں مٹیالا سا لگ رہا تھا اور کبھی کبھی کوئی لہر کروٹ لیتے ہوئے چاند کے عکس میں ڈوب جاتی۔

ایک طرف آدھی رات کی تاریکی میں ڈوبا شاہدرہ کا قصبہ تھا تو دوسری طرف موٹروے کو جاتی ہوئی کشادہ سڑکیں جن پر کبھی کبھی گزرتی ٹریفک کا شور اسے چونکا دیتا۔

''مگر اس نے اتنے دنوں میں بلکہ مجھے اپنے گھر سے ذلیل کر کے نکالنے کے بعد پہلی بار اتنی مروت سے بات کی......وہی مروت جو اس کی شخصیت کی سب سے نمایاں خوب صورتی ہے اور میں تو بس اس کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ کچھ پوچھ ہی نہ سکا۔ اس کے چہرے، اس کی آنکھوں میں اس محبت کی کھوج لگاتا رہا، جو زونیرا نے مجھ سے بیان کی تھی۔

شاید ایک وفا شعار بیوی کی طرح وہ بلال کے رویے کے متعلق مجھ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اور کرتی بھی کیوں...... میں اس کا کون ہوں، کوئی بھی تو نہیں۔'' اس نے مٹی کا ڈھیلا اٹھا کر راوی کے سست رو پانیوں میں پھینکا۔

''میں نے اس سے کچھ پوچھا بھی تو نہیں۔ بلال کے بارے میں کچھ نہیں، شاید وہ کچھ بول ہی پڑتی اور زونیرا جو مجھے اس کا سیل نمبر دے کر گئی ہے کہ میں اس سے بات کر کے اپنے دل کی تسلی کر لوں۔ اب میں اسے کیا بتاؤں میں تو اس سے بات کیے بغیر برسوں پہلے مطمئن تھا کہ وہ میری ہے اسے مجھ سے کوئی نہیں چرا سکتا۔ اب جب وہ کسی اور کی ہو چکی ہے تو میں اس سے کیا بات کروں۔ کیا پوچھوں؟'' وہ بے چین سا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''اور یوسف کی امی، ان کا رویہ کس قدر بیگانہ تھا جیسے وہ مجھے جانتی بھی نہیں۔ ناراض ہونے میں وہ حق بجانب ہیں، اب کوئی فالتو میں تو اپنی محبتیں نہیں لٹاتا پھرتا، انہوں نے مجھے یونہی تو اپنا بیٹا نہیں بنا لیا تھا۔''

بسمہ کے لیے......اور بسمہ وہ کیوں بار بار میرے خوابوں میں آتی ہے۔ کیا اس کا حسن ثانیہ کی محبت پر غالب آتا جا رہا ہے، جو میری پریشان نیندیں اس کے خیال سے ٹوٹ ٹوٹ جاتی ہیں...... میں کیا کروں، یہ سب عذاب کس سے بیان کروں۔''

اس وقت اس کا سیل فون بج اٹھا۔
دوسری طرف زونیرا تھی۔
''تمہیں ثانیہ نے فون کیا؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔
''نہیں تو۔'' وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔
''اس نے مجھ سے تمہارا نمبر لیا تھا شام میں۔''
''میرا نمبر......'' روحیل کو لگا' اس کا دل بند ہو جائے گا۔
''اور سچی بات ہے میں نے تم سے رابطہ' تمہارا نمبر سب کچھ ثانیہ کے لیے ہی تو کیا تھا...... بہت دکھ ہوتا ہے مجھے اس کی حالت دیکھ کر۔ وہ خود پر جبر کر رہی ہے اور جبر کی انتہا پر ہے' خدانخواستہ اس کے ساتھ کچھ ہو نہ جائے اگر ثانیہ کا فون نہیں آتا تو پلیز آپ خود اس کو فون کر لینا' شاید اس دل کو کچھ ڈھارس مل جائے۔'' روحیل بے دھیان سا سنے جا رہا تھا۔
''کرو گے فون اسے؟'' وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔
''ہوں...... دیکھوں گا۔'' وہ گڑبڑا کر بولا۔
''کب تک؟ جب وہ خدانخواستہ خود کو کچھ کر لے گی۔'' وہ جتا کر بولی۔
''نہیں...... نہیں۔'' بے ساختہ روحیل کے منہ سے نکلا۔
''تو پھر اسے فون کرو...... اس سے بات کرو اور پلیز میرے بارے میں مت بتانا کہ میں نے تم سے کہا ہے فون کرنے کو...... ورنہ وہ تم سے بات نہیں کرے گی میرا کوئی بھی ریفرنس نہیں دینا بہت چڑی ہو رہی ہے وہ ان دنوں۔ کاش میں تمہیں سمجھا سکتی۔''
''میں سمجھ رہا ہوں۔'' وہ ہولے سے بولا۔
''تو کرو گے اس کو فون؟'' وہ اس سے اثبات میں جواب چاہ رہی تھی۔
''ابھی کروں۔'' وہ متذبذب سا بولا۔
''ہاں تو ابھی کر لو نا بے شک چند منٹ کے لیے کر لینا' صرف اسے یہ فیل ہو کہ اس کا خیال رکھنے والا بھی تو کوئی ہے' ورنہ بلال بھائی کے طعنوں نے تو اسے اندر سے توڑ کر رکھ دیا ہے۔''
''مگر آپ کے بھائی نے تو اس سے پسند کی شادی کی تھی۔''
''یہی تو مسئلہ ہے بلال بھائی کی پسند ان کا جنون سب وقتی ہوتا ہے' جیسے ہی ٹائم گزرتا ہے' ان کی اپنی پسند ان کے لیے بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہم تو ان کی اس عادت سے پریشان تھے ہی ثانیہ بے چاری کی تو زندگی برباد ہو گئی۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

دو چار ادھر ادھر کی باتوں کے بعد زونیرا نے فون بند کر دیا۔
روحیل کچھ دیر سوچتا رہا۔
پھر ہمت کر کے اس نے ثانیہ کا نمبر ملایا۔
دوسری طرف فون بند تھا۔ وہ فون بند کر کے واپسی کے لیے مڑ گیا۔

✠ ✠ ✠

''زونیرا بی بی تو شاید اپنی کسی دوست کی طرف گئی ہوئی ہیں اور ثانیہ بی بی سو رہی ہیں۔'' سروری نے رباب کو

ڈرائنگ روم میں بٹھاتے ہوئے بتایا۔
''آپ ثانیہ کو اٹھا دیں اور میرا بتا دیں' وہ اٹھ جائے گی۔'' وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔
''جی اچھا۔'' سروری کہہ کر نکل گئی۔
رباب اپنے بیگ سے ثانیہ کا ایڈمیشن فارم اور دوسری چیزیں نکالنے لگی' دو ایک جگہوں پر اسے ثانیہ سے کچھ معلومات چاہیے تھیں فارم فل کرنے کے لیے اور دو جگہوں پر اس کے سائن۔ اس لیے اسے آنا پڑا۔
ثانیہ نے خود سے آنے سے انکار کر دیا تھا۔ ابھی تک فضیلہ مبشر کا موڈ اس دن اس کے جانے والی بات پر خراب تھا۔ وہ کوئی نیا رسک نہیں لینا چاہ رہی تھی باہر قدموں کی آواز آئی' رباب نے سب چیزیں نکال کر میز پر رکھ دیں کہ ابھی ثانیہ سے فل کروا کے وہ زیادہ دیر بیٹھے گی نہیں' اس کا ڈرائیور قریب کی مارکیٹ تک گیا تھا۔
اور دوسرے لمحے وہ بھونچکی سی رہ گئی۔
میڈم فضیلہ مبشر اندر آ چکی تھیں۔
سلام دعا کے بعد وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔
''زونیرا تو شاید گھر میں نہیں۔'' وہ اس کی آمد کا یہی مقصد سمجھی تھیں۔
''جی میں نے کہا! تھوڑا ویٹ کر لیتی ہوں یا اگر ثانیہ اٹھی ہو تو اس سے ذرا گپ شپ ہو جائے۔'' وہ ان کی نظریں بچا کر وہ پیپرز دوبارہ بیگ میں رکھنا چاہ رہی تھی۔
''یہ ثانیہ کا ریسٹ کرنے کا ٹائم ہوتا ہے' سروری! کچھ لے کر آؤ نا رباب کے لیے۔'' انہوں نے سامنے سے گزرتی سروری کو آواز لگائی۔
''یہ کیا ہے؟'' رباب جو پیپرز سمیٹنے لگی تھی' انہوں نے اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے پوچھا۔
''یہ بس...... وہ فارم ہے میرا...... ایڈمشن کا۔'' وہ ہکلا کر بولی۔
''تمہارا فارم۔'' انہوں نے مصنوعی حیرت ظاہر کرتے ہوئے فارم اٹھا لیا اور پڑھنے لگیں۔ رباب کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔
''تم تو کہہ رہی تھیں، یہ میرا فارم ہے مگر اس پر تو......'' اسی وقت ثانیہ اندر داخل ہوئی۔
''یہ تو شاید ثانیہ کا فارم ہے...... ہے نا؟'' ثانیہ کے قدم وہیں برف ہو گئے۔ رباب خوف زدہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
انہوں نے جتلانے کو فارم رباب کے سامنے لہرایا۔
''وہ...... وہ غلطی سے شاید میرے فارم کی جگہ ثانیہ کا آ گیا۔'' وہ بمشکل بول پائی۔
''مگر ثانیہ تو ایگزام ہی نہیں دے رہی تو فارم کہاں سے فل ہو گیا۔''
وہ ثانیہ کی طرف دیکھ کر بولیں۔
''جی۔'' رباب کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دے۔
''جی ماما! میں ایگزام نہیں دے رہی مگر یونہی فارم فل کر دیا کہ اگر موڈ بنا تو شاید دے بھی دوں، ورنہ رہنے دوں گی۔'' ثانیہ خود کو سنبھالتے ہوئے قدرے متوازن لہجے میں کہتی آگے بڑھی۔
''اس دن رباب کی طرف گئی تو یہ اپنا فارم فل کر رہی تھی تو میں نے بھی۔''
''مگر رباب کا فارم کالج کی طرف سے جا چکا ہے اور یہ......'' وہ پھر سے جتا گئیں۔ ان کو جُل دینا بہرحال آسان

نہیں تھا۔

''جی یہ پرائیویٹ امیدواروں کے لیے ہے۔'' ثانیہ اعتماد سے بولی۔

''کالج کی طرف سے آپ نے مجھے ایگزام میں بیٹھنے سے منع کر دیا تھا تو میں نے سوچا کمپوزٹ ایگزام......''

وہ اس کی بات پوری ہوئے بغیر کھڑی ہو گئیں۔

''میں نے تمہیں منع کیا تھا امتحان دینے سے جب کہ تم نے خود بلال کی اور میری منتیں کی تھیں کہ تم امتحان نہیں دینا چاہتیں۔ اس لیے تمہیں مجبور نہیں کیا جائے، ورنہ میں جس نے خود آٹھویں ماہ کے بچے کے ساتھ ایگزام دیے ہوں تمہیں منع کروں گی اور الٹا تم مجھے بلیم کر رہی ہو، بہت افسوس ہوا مجھے تم پر۔''

وہ تیز تیز کہتی کمرے سے نکل گئیں۔

رباب اور ثانیہ لب بستہ، ہراساں نظروں سے انہیں جاتا دیکھ کر بیٹھی رہ گئیں۔

''ثانی! اب کیا ہوگا؟'' بہت دیر بعد رباب سرگوشی میں بولی تھی اور ثانیہ سے جواب میں کچھ بھی نہیں بولا گیا۔

✠ ✠ ✠
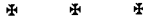
''پہلے سے ہی پتا تھا مجھے پھر بھی دل کو آس سی لگ گئی تھی کہ شاید اللہ کوئی معجزہ دکھا دے، ہم جیسوں پر بھی اس کا کرم ہو جائے۔ میری بچی کو آنکھیں مل جائیں۔ مجھے دو جہان کی دولت مل جائے گی پر...... ایسے نصیب کہاں اپنے۔'' ذکیہ گہرا سانس لے کر بولیں۔

بسمہ بالکل چپ تھی۔

''کتنے ڈاکٹر تھے وہاں چیک کرنے والے؟'' وہ جواب میں خاموش رہی۔

''گونگے کا گڑ کھا کر آئی ہے، مجھے تو انہوں نے ساتھ جانے ہی نہیں دیا کہ خالہ جی! ہم خود ہی چیک کرا لیں گے۔ تو کچھ نہیں بتا رہی۔'' وہ جھلا گئیں۔

''کیا بتاؤں؟'' بسمہ کی آواز جیسے کسی کنوئیں سے آئی۔

''کیا کہا ڈاکٹروں نے...... آنکھیں بھی تو نئی لگ جاتی ہیں آپریشن سے...... لوگ مرتے وقت دے جاتے ہیں وصیت میں...... ان باہر کے ڈاکٹروں کے پاس تو ایسے عطیہ کا اسٹاک ہوتا ہے۔ کچھ تسلی کی بات تو کی ہوگی انہوں نے۔''

''کیسے کرتے تسلی کی بات؟'' بسمہ خلا میں دیکھ کر بولی۔

''کیوں کچھ نہیں تھا ان کے پاس تو پھر کنجوس نے بلایا کیوں تھا معائنہ کے لیے، مذاق کیا تھا۔'' ذکیہ کو غصہ سا آ گیا۔

''امی قسمت ہم غریبوں کے ساتھ ایسے مذاق تو کرتی رہتی ہے اس میں غصہ کرنے والی کون سی بات ہے۔'' بہت دیر بعد اس نے اتنا مکمل جملہ بولا تھا۔

''بسمہ! کیا بات ہے؟'' ذکیہ اس کے لہجے پر چونکیں۔

''کوئی بات ہوئی وہاں؟''

''نہیں امی۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''پھر بھی۔'' ذکیہ کو بسمہ کی مسلسل خاموشی الجھا رہی تھی۔

''امی آپ کو پتا ہے، ہم ابھی جس ہسپتال میں گئے وہ کون سا تھا؟''

''ہاں پتا ہے مجھے، ہر بیماری کا علاج ہوتا ہے وہاں۔''
''وہ دونوں مجھے آنکھوں کے ڈاکٹرز کے پاس نہیں لے کر گئی تھیں۔'' قدرے توقف سے بسمہ بولی۔
''پھر......پھر کہاں لے کر گئی تھیں؟'' ذکیہ کا دل زور سے دھڑکا۔
''گائنی ڈاکٹر کے پاس۔'' بسمہ نے جیسے دھماکا کیا۔
''کیا مطلب......وہاں کیوں......کس لیے؟''
''میرا مکمل چیک اپ کرانے کے لیے۔'' وہ آنکھیں جھپکتے ہوئے بولی۔
''میرے اندر کوئی نقص، کوئی خرابی، کوئی کمزوری تو نہیں جو بچہ پیدا کرنے میں رکاوٹ بنے۔'' وہ رک رک کر بولی۔
''کیا......'' ذکیہ بھونچکی سی رہ گئیں ''اور مجھے پتا بھی نہیں چلا۔'' وہ جیسے خود سے بولیں۔
دونوں خاموش ہو گئیں۔
ذکیہ دل میں اپنی کم عقلی کو کوس رہی تھیں تو بسمہ قسمت کے اس نئے کھیل کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔
''اور امی! وہ دونوں...... جب ڈاکٹر مجھے چیک اپ کے لیے اندر لے گئیں......''
''تو وہ دونوں......کیا کہا انہوں نے؟'' ذکیہ بے تابی سے بولیں۔
''بچہ پیدا ہوتے ہی طلاق کا کاغذ اس کے منہ پر مارنا اور بچہ لے کر چلتا کرنا اسے......پہلے سے طلاق نامے پر دستخط کرا لینا......'' وہ اپنی بہن کو سمجھا رہی تھی۔ بسمہ خلا میں نظریں گاڑے کہہ رہی تھی۔
اور ذکیہ کے کانوں میں اپنے ہی جملوں کی بازگشت گونج رہی تھی۔
''یہ دنیا اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہوئی ان ہی کے دم سے قائم ہے......''
''بے وقوف کچھ لوگ فرشتہ صفت ہوتے ہیں بڑے بھلے نیک لوگ۔''
وہ سوچتی جا رہی تھیں اور اپنے ہی اندر کہیں گم ہوتی جا رہی تھیں اور انہیں پتا بھی نہیں چلا کب بسمہ اٹھ کر وہاں سے چلی بھی گئی۔

✠ ✠ ✠

''تو تم نے ماما کو دھوکا دیا۔ مجھے دھوکا دیا۔ ہم سب کے اعتماد کو دھوکا دیا ثانیہ! تم، تم ایسی نکلو گی۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔'' رات میں ہی دھماکا ہو گیا۔
''یہ ماں بیٹی تجھے اس گھر میں ٹکنے نہیں دیں گی ثانی! میری یہ بات لکھ لے۔'' اس کے کانوں میں خدیجہ کی بات گونجی۔
''تم نے سارے میں ماما کی رپوٹ خراب کی کہ ہم تم پر سختی کر رہے ہیں۔ تمہیں امتحان میں بیٹھنے نہیں دیتے۔ تمہیں گھر سے نکلنے نہیں دیتے۔ اتنا ظلم ہو رہا ہے، تم پر اس گھر میں کہ تم دوسروں سے کمپوزٹ ایگزام کے فارم منگوا کر جمع کروا رہی ہو...... یہ تھیں تم اصل میں۔'' وہ کیسے تیر پر تیر چلائے جا رہا تھا، اسے جواب کا موقع دیے بغیر۔
''اصل کی بات مت کریں بلال......اصل تو یہاں کسی کا بھی حقیقی نہیں سب ڈھونگ ہے، ڈرامہ، دکھاوا۔''
وہ اندر تک ہرٹ ہوئی تھی بلال کی باتوں سے چاہتے ہوئے بھی ضبط نہ رکھ سکی۔
''اوہ! تو ہم سب ڈھونگی ہیں۔ ڈرامہ باز، رنگ باز دکھاوا کرنے والے......میں، میری ماں......ہمارا گھر

......میری محبت سب ڈھونگ تھا دکھاوا تھا......ورنہ تو حقیقت میں ہم انتہائی دھوکے باز، گرے ہوئے لوگ ہیں۔ یہی ثابت کرنا چاہتی ہوناں تم؟'' وہ زور سے چیخا۔

''پلیز بلال......میں نے ایسا کچھ نہیں کہا؟'' وہ بری طرح سے ڈرگئی۔

''سب کچھ کہہ کر، بکواس کر کے تم معصوم بن جاتی ہو کہ تم نے ایسا کچھ نہیں کہا؟'' وہ غصے میں بے قابو ہورہا تھا۔

''مجھے، میری ماں کو ڈرامے باز، ڈھونگی کہہ کر تم کہتی ہو تمہارا یہ مطلب نہیں تھا۔ اُلو کا پٹھا سمجھ رکھا ہے تم نے مجھے۔''

اگر وہ اس کے سامنے ہوتی تو جانے وہ اس کا کیا حشر کرتا۔

''بلال پلیز! میری بات تحمل سے سنیں، میں نے تو صرف......'' وہ گڑگڑائی۔

''تحمل سے؟ کیسے سن سکتا ہوں میں کچھ بھی تحمل سے۔ تم نے مجھے پاگل کر دیا ہے ایسی نیچ گری ہوئی حرکتیں...... I dont believe all this میں نے تمہاری خاطر کیا کیا نہیں کیا۔'' اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا۔

''اپنی ماں بہن کو ناراض کیا، اس معاشرے سے بغاوت کی، صرف تمہیں پانے کے لیے تم پہ اعتماد کیا اور بدلے میں اپنی اتنی قابل عزت، پیار کرنے والی ماں کو جھٹلایا۔ سچی محبت کرنے والی بہن کا دل توڑا اور تم نے مجھے کیا صلہ دیا یہ...... یہ ذلت اور یہ القاب کہ میں ڈھونگی ہوں، دکھاوا کرتا ہوں۔''

وہ اتنی زور زور سے چیخ رہا تھا۔ ثانیہ نے گھبرا کر سیل فون کان سے ہٹالیا۔

''آپ پلیز میری بات تو سنیں بلال! اچھا آئی ایم سوری، آئی ایم رئیلی سوری پلیز۔'' آخر میں بھی تو اسے معذرت ہی کرنی تھی۔ کاش شروع میں ہی اس نے زبان نہ چلائی ہوتی...... تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

''Don't say sorry, I don't need any sorry'' مجھے تمہاری معذرت کی ضرورت نہیں وہ پاگل ہورہا تھا۔

''آج مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی دکھ نہیں ہورہا کہ میرا انتخاب غلط تھا میں نے، جو کچھ کیا اپنی ماں بہن کی مخالفت کے باوجود غلط......کیا، برا کیا اور اسی کی سزا مجھے مل رہی ہے جو تم جیسی چھوٹے ذہن اور دل کی لڑکی جس کے قدموں میں میں نے دنیا کی ہر آسائش ڈالی اس نے مجھے یہ صلہ دیا۔ ثانیہ مجھے بہت دکھ ہے، بے حد افسوس مگر اب کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ ہم دونوں کے بیچ......''

''پلیز......پلیز بلال! کچھ ایسا ویسا مت بولیے گا......میں، میں مرجاؤں گی آپ کے بغیر، خدا کی قسم! میں نے کچھ نہیں کیا......میں کبھی ایگزام کا نام بھی نہیں لوں گی۔ آپ کی ماما کے سامنے کبھی ایک لفظ بھی نہیں بولوں گی فار گاڈ سیک بلال میں......''

مگر دوسری طرف شاید وہ سن ہی نہیں رہا تھا۔ ثانیہ کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک پھیل گئیں۔

دوسرے لمحے سیل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ تیورا کر نیچے گر گئی۔

✠ ✠ ✠

وہ بہت دنوں بعد دل سے تیار ہوا تھا۔

آج اسے ثانیہ سے ملنے جانا تھا۔ زونیرا نے اسے گھر پر بلایا تھا۔

''میں تم دونوں کی ملاقات کروادوں گی۔ ماما آج کالج سے دیر سے لوٹیں گی، تم اس سے سب کچھ پوچھ لینا اور

کہہ لینا..... اور کچھ نہیں تو اپنی محبت کا یقین ہی دلا دینا۔ وہ بہت ڈسٹرب ہے شاید تمہارا ساتھ اسے تقویت دے۔''

زونیرا کی باتوں نے بالآخر اسے پھر سے پیچھے بہت پیچھے جا کر سوچنے پہ مجبور کر دیا تھا یوں بھی وہ ثانیہ کو پانے کے لیے کچھ نہیں کر سکا مگر اسے خوش کرنے کے لیے سب کچھ کر گزرنا چاہتا تھا۔

اور اگلی صبح ثانیہ کا فون بھی تو آ گیا تھا اس کے لیے اگرچہ اس نے کچھ ایسا خاص تو نہیں کہا تھا مگر اس کا حال چال پوچھا تھا۔

''وہ کیا کر رہا ہے، کیا کرنا چاہتا ہے مستقل کے پلانز اور بہت کچھ..... تو ان سب کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے، وہ اس میں انٹرسٹڈ ہے تو وہ یہ سب جاننا چاہتی ہے ورنہ اس سے پہلے بھی تو وہ ملتے تھے۔ ثانیہ نے کبھی اس سے اس کے بارے میں بات نہیں کی تھی۔

اسی وقت اس کے سیل فون پر میسج ٹون آئی۔

میسج زونیرا کا تھا پڑھ کر لمحہ بھر کو وہ سوچ میں پڑ گیا۔

دوسرے لمحے اس نے OK کر کے send کر دیا۔

''تو گویا قدرت نے زونیرا کے دل میں میرے لیے رحم ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ یہ سب کر رہی ہے۔''

وہ مسرور سا پرفیوم لگاتے ہوئے اپنا آخری جائزہ لینے لگا۔

وہ کئی دنوں سے یوسف کے گھر بھی نہیں گیا تھا اور اب تو اس کی نیند بسمہ کی وجہ سے ڈسٹرب بھی نہیں ہوتی تھی۔

اس کی محبت روز اول سے ثانیہ ہی تو تھی اور اب وہ اسے مل رہی تھی یا نہیں مگر اس کی قربت تو ملنے کی امید تھی..... وہ سب کچھ فراموش کر چکا تھا۔

اس کا سیل فون پھر بج اٹھا۔

کوئی اجنبی نمبر تھا۔

اس نے کچھ سوچتے ہوئے کال ریسیو کر لی اور دوسرے لمحے وہ شاکڈ سا کھڑا رہ گیا۔

فون بند ہو چکا تھا۔ وہ نڈھال سا ہارے ہوئے انداز میں کرسی پر گر گیا۔

''یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔'' اس کی آنکھیں جلنے لگیں۔

✠ ✠ ✠

زونیرا تیز میوزک لگائے شوخ دھن کے ساتھ خود بھی گنگناتی ہوئی ڈرائنگ روم کی سیٹنگ ٹھیک کر رہی تھی۔

دوسری طرف لگے آئینے میں رک کر خود کو دیکھتی اور مسکرانے لگتی۔ وہ اس وقت کتنی خوش تھی۔ کاش کوئی جان سکتا۔

باہر گیٹ پر بیل بجی تھی۔

اس نے پر اعتماد نظروں سے کمرے کی سیٹنگ پر آخری نظر ڈالی اور مسکراتے ہوئے استقبال کرنے والے انداز میں ہاتھ میں گلاب کی ادھ کھلی کلی لیے داخلی دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

اور دوسرے لمحے گلاب کی کلی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔

یہ بات تو اس کے گمان میں تھی بھی نہیں۔

❦

وہ لوگوں کے ہجوم میں رستہ بناتا بھیڑ کو چیرتا اس جگہ پہنچا، جہاں اس کے باپ کا جنازہ رکھا ہوا تھا، وہ باپ جس نے اس کے ہوش میں کبھی اسے پاس بلا کر سینے سے لگا کر کوئی پیار بھرا جملہ، کوئی محبت کی چاشنی میں گھلی نصیحت یا اس کے مستقبل کی فکر مندی میں رنگی کوئی تاکید کی ہو، یا اسے بتایا ہو کہ وہ اس کا باپ ہے اور اسے اس کے یوں پڑھائی سے جی چرانے، گھر والوں سے برا سلوک کرنے، سوتیلی ماں اور سوتیلے بہن بھائیوں سے لڑنے، گالی گلوچ کرنے پر دکھ ہے۔ اس کی تربیت کی فکر اسے ہے، کچھ بھی نہیں؟

ایسا کچھ بھی نہیں تھا، اس کے حافظے میں باپ کا ایسا کوئی محبت بھرا لمحہ محفوظ ہی نہیں تھا اور اس کے باوجود اب اس لمحے جب اس کا باپ چپکے سے اس سے ملے بغیر اسے کچھ کہے بغیر اس کے دل کی ایک بھی بات ایک بھی شکایت سنے بغیر خاموشی سے چلا گیا تھا۔

وہ اس سے خوش و راضی گیا تھا یا خفا و ناراض...... اسے یہ بھی پتا نہیں تھا۔ اس لمحے اسے صرف یہ پتا تھا کہ اس کا باپ......اس کا اپنا باپ، ہمیشہ کے لئے یہ دنیا چھوڑ کر چلا گیا ہے۔

وہ اب اسے جھڑکنے، نفرت سے دھتکارنے عاق کرنے کی دھمکی دینے، اپنے چھوٹوں بچوں اور موڈی بیوی سے جھگڑنے کے نتیجے میں لعن طعن کرنے نہیں آئے گا۔

یہ سب باتیں...... یہ تلخ کڑوی اور نفرت بھری باتیں اس کے حافظے میں محفوظ تھیں اور ان باتوں کے پس منظر میں گہرائی سے جاننے کے بعد اسے اپنے باپ کے جنازے میں بھی نہیں آنا چاہیے تھا۔

اس کے باوجود وہ اس کے جنازے میں آیا اور اب اس کی پٹی سے لگا اردگرد سے بے خبر اپنی سوتیلی ماں کے دکھاوے کے بین اور چیخوں سے بے نیاز صرف اس شخص کے چہرے کو تکتے ہوئے زار زار رو رہا تھا جو چند گھنٹے پہلے تک روحیل کا باپ تھا اور اب ایک مردہ۔

وہ رو دیا تھا۔

وہ کیوں رو رہا تھا؟ اسے اپنے باپ کے بچھڑنے کا غم تھا، اس باپ کے، جس نے کئی مہینوں سے اسے گھر سے نکال رکھا تھا یا اس باپ سے جو کبھی اس سے خوش ہی نہیں ہوا؟

رشتے وہ جو خدا نے بنائے اور رشتے وہ جو ہم بناتے ہیں۔

خدا کے بنائے ہوئے رشتے ہمیشہ ہی ہمارے بنائے ہوئے رشتوں سے بازی لے جاتے ہیں۔

کبھی اپنے بنائے ہوئے رشتے کے بچھڑنے پر دل یوں نہیں کٹتا، جیسے اپنے ماں، باپ اپنے بچوں اپنے جسم سے جڑے ان خدائی رشتوں کے بچھڑنے سے کٹتا ہے۔

یونہی روتے ہوئے اس کی نظر نصرت کے ایک طرف بیٹھی پھوپھی خدیجہ پر بھی پڑی، جو اس کی طرح اردگرد سے بے خبر خاموش، آنسو بہائے جا رہی تھیں۔

اس بھائی کی خاطر جس نے کبھی برے دنوں میں اس کی حقیری مدد بھی گوارا نہیں کی تھی، اس کے باوجود وہ رو رہی تھیں، کیونکہ انہیں معلوم تھا دنیا میں لوگ آتے جاتے رہیں گے مگر اس کا بھائی، اس کا ماں جایا اب دوبارہ اس دنیا میں کبھی نہیں آئے گا۔

جیسے روحیل کو یقین تھا کہ اس کا باپ اسے جھڑکنے دھتکارنے دوبارہ اس دنیا میں نہیں آئے گا۔

پھر باپ کی سفر آخرت کی تیاریاں کرتے، اسے نہلاتے، کفناتے بار ہا اس کی گریہ کرتی آنکھوں کا ٹکراؤ نصرت کی روتی نظروں سے ہوا۔

اور پہلی بار اسے لگا شاید نصرت کی آنکھوں میں اس کے لیے وہ نفرت، وہ حقارت نہیں، جو اس کے لیے مخصوص تھی۔

غم کا گرزا ابھی سر پر پڑا اس کا زخم بھی تازہ ہے اور درد کی چبھن بھی شدید ہے شاید اس لیے! خود اس کا دل غم سے بے بوجھل تھا اور جب وہ ہر دم لڑنے جھگڑنے، اسے کوسنے گالیاں بکنے والے تینوں بہن بھائی اس سے آ کر لپٹے تو ایک دم اسے جانے کیا ہو گیا۔

اسے لگا کہ اس کا غم تو صرف ذاتی غم رہ گیا، اسے اس غم کو سنبھال کر ان تینوں کا غم بانٹنا ہی نہیں، انہیں اس غم سے نکالنا بھی ہے۔

پہلی بار اسے بڑے بھائی ہونے کا بڑا لطیف سا احساس ہوا تھا۔

کچھ تو ہے جو اس کے کندھوں پہ بھی ذمے داری کی طرح آن پڑا ہے۔

یہ نیا...... ابھی ابھی وجود میں آنے والا رشتہ بڑے بھائی کا رشتہ!

جو پہلے موجود تو تھا مگر اسے، نہ ان تینوں کو اس کی خبر تھی۔

''اب مرنے سے پہلے جب انہیں ہارٹ اٹیک ہوا آپ کا ہی نام لیتے جا رہے تھے بھائی...... ! روحیل کو بلاؤ، روحیل کو بلاؤ۔''

ثنا جس نے اپنے سے چھ سال بڑے بھائی کو کبھی ''کتے'' سے کم کہہ کر بلایا نہیں تھا اس غم کی گھڑی میں کیسے اس کے سینے سے لگی ایسے باتیں کر رہی تھی، جیسے ان میں بڑا دوستانہ رہ چکا ہے۔

''میں آپ کو بلانے بھی گیا تھا۔ ڈھونڈا بھی۔ ایک دو دوستوں سے پوچھا بھی مگر آپ ملے ہی نہیں، یہ گڈو تھا۔ کی ٹانگ برابر کا نو سال کا بھائی۔

اسی گڈو کی خاطر نصرت نے ہمیشہ اسے دھتکارا تھا۔

''گڈو کے ابا! جب ہمیں خدا نے بیٹا دے دیا ہے تو اس آستین کے سانپ کو نکال باہر کیوں نہیں کرتے، اندر ہی اندر ڈسے جا رہا ہے مجھے اور میری اولاد کو۔''

اس نے جب بھی دونوں میاں بیوی کی گفتگو سنی اس کے کانوں میں یہی یا اس سے ملتے جلتے الفاظ پڑے۔ اس کا دل اور بھی نفرت سے بھر جاتا۔

آج وہی گڈو بھائی بھائی، کہتا دوڑ دوڑ کر ہر کام کرتا اسی کے آگے پیچھے پھر رہا تھا، خدیجہ نے اسے پاس بلا کر پیار کیا۔

''بیٹا! تو یتیم نہیں ہوا تیرے یہ چھوٹے بہن بھائی یتیم ہوئے ہیں، باپ تیرا مرا ہے ان کا نہیں، اب ان کا باپ تو ہے تو نے ہی ان کو سنبھالنا ہے۔''

وہ عجیب سا گداز احساس جو اولین لمحے اسے اس کے دل میں دھڑک اٹھا تھا پھوپھی خدیجہ کے منہ سے نکلے الفا
نے جیسے اس جذبے کو ایک ٹھوس شکل عطا کر دی۔

''اب ان کو سنبھالنا اس گھر کو بھی اور ان بچوں کو بھی...... ان کی گلیوں میں پھرنے اور رلتے کی عمر بھی ہے اور
سنورنے کی بھی...... ماں تو ان کے پیچھے پیچھے نہیں جائے گی نا! یہ تم ہو جو انہیں بنا بھی سکتے ہو اور بگاڑ بھی سکتے ہو۔
یہ وقت اگرچہ یہ باتیں کرنے کا نہیں ہے مگر پھر بھی ابھی سے ان کو دل میں جگہ دو گے تو جگہ بنے گی۔'' ابا کو
رہے تھے جب پھوپھی خدیجہ اسے ایک طرف لے جا کر یہ باتیں کرنے لگیں۔

''چاہو تو اپنا بدلہ بھی لے سکتے ہو، جو سلوک تمہارے ساتھ کیا گیا اس گھر میں تم بھی وہی سلوک ان کے ساتھ
ڈالو۔

نفرت کرو دھتکارو بے نیاز بن جاؤ جو تمہارے جی میں آئے مگر دوسرا راستہ تھوڑا مشکل ہے، جن کو مارنے والا
اس شیطان کو تڑپانے والا ہے، جو ہر گھڑی آدمی کو نفس کے گھوڑے پر چڑھے رہنے پر اکساتا ہے۔
ان سے نیک سلوک کرو گے بنا کسی لالچ یا انتقام کے تو یقیناً جس کے لیے کرو گے۔ وہ بڑا بدلہ دینے والا ہے
چھوٹے عمل کا بھی۔''

پتا نہیں پھوپھی خدیجہ نئی بیوہ ہونے والی بھابی کی محبت میں مغلوب ہو کر یہ سب نصیحتیں اسے کر رہی تھیں یا واقعی
اس سے ابھی بھی کچھ خیر کی توقع رکھے ہوئے تھیں۔

ورنہ پچھلے دنوں ان کا جو رویہ اس کے ساتھ رہا اور جس طرح انہوں نے ثانیہ کی شادی کی، اس کے بعد تو اسے
یقین تھا وہ کبھی زندگی میں اس سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کریں گے۔ شاید اس نئی موت کا اثر ہے۔ وہ یہی سوچ کر رہ گیا۔

✠ ✠ ✠

اسے نہیں یاد بلال نے فون پر آگے کیا کہا تھا جب وہ بے ہوش ہوئی۔
کیا اس نے وہ سب کہہ ڈالا تھا جو اسے نہیں کہنا چاہیے تھا...... اور مجھے کہہ چکنے کے بعد اس کا اس گھر میں رہنے کا
کوئی جواز نہیں تھا۔
وہ کس سے پوچھے؟
وہ عجیب لاچاری اور خود ترسی کی حالت میں تھی۔
پورا دن اسی مجرمانہ سی حالت میں گزرا تھا۔
وہ دن بھر کمرے سے نہیں نکلی۔
سروری اسے کھانے کے لیے بلانے آئی، وہ باہر نہیں گئی۔
وہ فضیلہ مبشر کے اس خاص بلاوے کی منتظر تھی جو دن بھر کی کسی بھی گھڑی میں اس کے لیے آنے والا تھا۔
شاید بلال نے انہیں غصے میں ابھی نہ بتایا ہو...... شاید وہ ابھی بھی غصے میں ہو اور اس نے یہ سمجھ لیا ہو۔
خدانخواستہ...... نہیں نہیں...... طلاق نہیں وہ تین مکروہ الفاظ...... میں نے سن لیے ہوں اور میں از خود یہاں سے جا چکی ہوں۔
یا خدا! کیا کروں میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ کس سے پوچھوں، کیسے یہ ساری بات بتاؤں کہ بلال نے اس کے
بعد فون پر کیا کہا جب میں بے ہوش ہوگئی تھی۔
اگر میں ماما سے بھی ذکر کرتی ہوں تو انہوں نے فوراً نتیجہ اخذ کر لینا ہے کہ بلال نے مجھے فارغ کر دیا ہے، لہٰذ

ے ... یہاں سے دفعان ہو جانا چاہیے اور یہ بھی ہو سکتا ہے بلال نے مجھ سے وہ الفاظ بولے ہی نہ ہوں۔
کئی بار اس نے کوشش کی کہ بلال کے سیل پہ بات کر سکے اور ہر بار بلال کا فون اسے آف ملا۔
اذیت سی اذیت تھی۔
''ثانیہ! تم پلیز یہ والا ڈریس پہن کر تیار ہو جاؤ، مام کے کچھ خاص مہمان آنے والے ہیں انہوں نے مجھ سے
... ہے۔''
چار بجے کے قریب زونیرا وہ خوب صورت بلیک اینڈ میرون کمبینیشن کا سوٹ میچنگ جیولری اور سینڈل کے ساتھ
... کے پاس لے کر آ گئی۔
''کون سے مہمان؟'' بلاوے کے بجائے مہمانوں کی اطلاع...... ثانیہ کے لیے کسی شاک سے کم نہیں تھا۔
''بھئی ظاہر ہے مام کی کچھ کولیگز یا اسی طرح کے کوئی گیسٹ ہوں گے۔ پلیز تم ریڈی ہو جاؤ'' وہ بے نیاز سے
... میں اسے حکم دے کر بولی۔
''پلیز زونی! میری طبیعت اچھی نہیں تم ماما سے کہہ دو۔ میں کسی سے نہیں مل پاؤں گی۔'' وہ بے بسی سے بولی۔
''واٹ'' وہ ناگواری سے چلائی۔ ''تم مام کو انکار بھجوا رہی ہو۔''
ثانیہ کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔
''وہ کیا کرے کہاں جائے۔ کس سے اپنے دل کی بات کہے۔''
''دیکھو ثانی! ابھی مام کا موڈ تمہارے ساتھ بہت اچھا ہے۔ وہ رباب والی حرکت کے بعد بہت خفا تھیں۔ بھائی کو
... انہوں نے خوب سنائیں کہ تمہاری بیوی نے میری عزت یوں کالج میں دو کوڑی کی بھی نہیں رہنے دی۔''
ثانیہ کی پلکوں پر لرزتے آنسو نکل آئے۔
''بلال بھائی کا فون آیا تھا نا تمہیں؟''
ثانیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''اور اس کے بعد یقین جانو میں نے بڑی مشکل سے مام کو تمہارے بارے میں نرم کیا ہے، تھوڑا سمجھایا کہ آپ تو
... تی ہیں ثانیہ کو کریز ہے پڑھنے کا۔ آپ کو اسے ایگزام دینے سے منع کرنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ یار! اتنی مشکل سے کنونس کیا
... نہیں کہ کیا بتاؤں۔''
''پھر وہ مان گئیں؟'' ثانیہ، بچوں کے سے اشتیاق سے بولی۔
''پتا نہیں مگر اس کے بعد وہ سخت باتیں جو پہلے کر رہی تھیں وہ نہیں کیں انہوں نے اور اب دوپہر میں ان کے
... نوں کا آرڈر آ گیا۔ ساتھ میں تمہیں تیار ہونے کا، دیکھو ان کا موڈ بہتر ہوا ہے تو انہوں نے تمہیں تیار ہونے کو کہا ہے نا!''
... پیار سے اسے سمجھا رہی تھی۔
اور ثانیہ کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔
''اچھا تم جلدی سے تیار ہو جاؤ، ان کے گیسٹ چھ بجے تک آ جائیں گے۔'' وہ جانے کو کھڑی ہوئی۔
''زونی! وہ تمہاری بلال سے بات ہوئی؟''
''کب؟'' وہ چونکی۔
''آج ...... دن میں۔'' وہ نظریں چرا کر بولی۔
''ہاں صبح ہوئی تھی۔''

''پھر؟'' وہ دھڑکتے دل سے بولی۔

''کچھ بھی نہیں نارمل دو چار ادھر ادھر کی باتیں ......اوہ اچھا!'' وہ سر ہلا کر بولی۔

''رات جب ماما نے خوب غصے میں انہیں بھڑکایا تھا۔ انہوں نے تمہیں فون کر کے تمہاری خوب کلاس لی ہوگی؟'' زونیرا قیاس غضب کا کرتی تھی۔

ثانیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا بولے وہ؟''

''پتا نہیں بہت ناراض ہو رہے تھے۔''

''پھر مجھے پتا نہیں چلا...... چکر سے آئے مجھے اور شاید میں بے ہوش ہوگئی تھی۔''

''اتنا ڈانٹا انہوں نے تمہیں۔'' زونیرا حیرانی سے بولی۔

''اچھا میں ابھی بلال بھائی سے بات کرتی ہوں ذرا خبر لیتی ہوں ان کی، یہ کیا طریقہ ہوا کسی سے بات کرنے کا۔'' وہ مجبوری سے بولی۔

''ٹھیک ہے مام کا غصہ ان کی ناراضی بجا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اتنی دور بیٹھی مام جو کہیں، اس کے فوری ری ایکشن کے طور پر تمہیں سنانے لگ جائیں۔''

''غلطی بھی تو میری تھی۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''غلطی نہیں، کمزوری ثانیہ ڈیئر! یہ امتحان میں پوزیشن لینے کا بھی ایک نشہ ہوتا ہے نا اور تم اسی کمزوری کے تحت سب کر رہی ہو۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''اور پتا ہے مجھے اس بار ذرا مزہ نہیں آ رہا۔ مقابلے میں تم جیسی رقیب جو نہیں ہے۔''

''تم بلال سے بات کروگی؟'' رات بھر میں ہی ثانیہ کے سر سے ایگزام کا بھوت وقت سب اتر چکا تھا، صرف بلال کی فکر تھی یا اس کے بولے گئے الفاظ کی وہ بے تابی سے بولی۔

''لو ابھی کر لیتی ہوں۔'' وہ فوراً نمبر ملاتے ہوئے بولی۔

ثانیہ آس بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

ذرا دیر بعد اس نے مایوسی سے فون بند کر دیا۔

''کیا ہوا بات نہیں کی تم نے؟'' ثانیہ بے قراری سے بولی۔

''فون ہی بند ہے ان کا، کیسے کرتی۔''

''میں بھی بہت بار ٹرائی کر چکی ہوں۔'' وہ بھی مایوسی سے بولی۔

''شاید وہ تم سے ناراض ہے اسی لیے غصے میں فون ہی بند کر دیا۔''

ثانیہ خاموش کھڑی اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی۔

''اچھا پلیز، تم دل چھوٹا نہیں کرو، میں ٹرائی کرتی رہوں گی اور ان سے بات بھی کروں گی۔ تم پلیز جلدی سے تیار ہو جاؤ میں ذرا ڈرائنگ روم دیکھ لوں، سرور ی سے تو اب کوئی کام ڈھنگ کا نہیں ہوتا۔'' وہ اس سے کہہ کر باہر نکل گئی۔

ثانی بے بسی سے اس خوب صورت ڈریس کو دیکھنے لگی جس کو پہننے کو تیار ہونے کو اس کا ذرا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

''کیا کروں؟'' وہ تھکے ہوئے انداز میں بیٹھ گئی۔

''پھر سے ٹرائی کرتی ہوں بلال کا نمبر۔'' بے چینی سے وہ گھڑی بھر ہی بیٹھی اور پھر سے نمبر ملانے لگی۔

ادھر وہی ٹیپ چل رہی تھی کہ آپ کا مطلوبہ نمبر فی الحال بند ہے۔

اس نے کوفت سے فون پٹخ دیا۔

دوسرے لمحے اس کا سیل فون بج اٹھا۔

اس نے تیزی سے فون اٹھایا۔ نمبر بلال کا نہیں تھا۔

''شاید کسی دوسرے نمبر سے کر رہے ہوں۔'' اس نے قیاس کیا۔

''ثانیہ بیٹا! تمہارے ماموں فوت ہو گئے ہیں دیکھ لو، اگر آ سکتی ہو تو آ جاؤ نو بجے جنازہ ہے۔'' دوسری طرف خدیجہ تھیں اور اسے اپنی الجھن میں خدیجہ کا نمبر بھی سمجھ میں نہ آ سکا۔

''اور دیکھو اپنی ساس سے پوچھ کر آنا، اگر وہ راضی ہوں اور آنے دیں تو۔'' وہ کہنا نہ بھولیں۔

''امی میرا آنا مشکل ہے۔'' اسے معلوم تھا وہ نہیں جا سکے گی۔ بلال نے رات سے اسے جس سولی پر ٹانگ رکھا ہے وہ گھر سے کیا اس کمرے سے باہر نہیں نکل پا رہی تھی۔

''چلو ٹھیک ہے اگر مشکل ہے تو رہنے دو۔ میں سنبھال لوں گی خود ہی سب۔'' وہ فوراً بولیں۔

وہ فون بند کرنے لگی۔

''میں دیکھوں گی ٹائم نکال کر تمہاری طرف ایک چکر لگا جاؤں۔'' انہیں شاید توقع تھی کہ وہ خود سے انہیں آنے کے لیے کہے لیکن جب وہ فون بند کرنے لگی تو انہیں نے خود سے ہی کہہ دیا۔

''ٹھیک ہے امی! مجھے آنے سے پہلے فون کر لیجیے گا۔'' اس نے اوپرے دل سے کہا، ورنہ وہ کب چاہتی تھی کہ اس کی ماں یہاں آئے اور ذلیل ہو کر جائے۔

''اور تو نے زبیر کا بھی نہیں پوچھا اور نہ عمر کا۔'' وہ شکوہ کرتے ہوئے بولیں۔

''میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں اس لیے...... یاد نہیں رہا...... ٹھیک ہیں نا وہ دونوں؟'' اب وہ اور کیا بہانہ کرتی۔

''ہاں، اللہ کا شکر ہے، عمیر تو اب پیسے بھی بھیجنے لگا ہے کہہ رہا تھا دو چار مہینوں میں ثانیہ کی امانت بھی لوٹا دوں گا۔''

وہ خاموش رہی ایک اور زخم تازہ ہوا تھا۔

''اور زبیر جاتا ہے اسکول؟''

''ہاں جا رہا ہے۔ اسے تو کچھ شوق ہونے لگا ہے، عانیہ کی موت کو اس کے معصوم دل نے بہت محسوس کیا تھا۔ کتنے دن تو خود بھی بیمار رہا اب تو بس گھر میں میرے پاس ہی رہتا ہے اور پڑھتا رہتا ہے۔''

''اور جب وہ رات گئے تک کتابوں میں منہ دیے بیٹھا رہتا ہے ثانی، تو تُو مجھے بہت یاد آتی ہے، کیسی دیوانگی تھی تجھے پڑھنے کی۔''

خدیجہ نے کچا زخم ادھیڑ ڈالا۔

''امتحان دے رہی ہے نا تُو؟''

''دیکھوں گی امی! ابھی تو طبیعت کچھ اتنی اچھی نہیں۔''

''چل دفع کر بہت امتحان دے لیے پہلے بھی، بس تُو اپنے گھر میں جی لگا۔ اب تو اچھی ہیں نا تمہاری ساس، نند تم سے؟''

''جی!'' وہ اور کیا کہتی۔

''وہ اڑیل ٹٹو سی تمہاری نند کچھ سدھری؟''

''ہاں اب ٹھیک ہے سب، آپ اپنا خیال رکھیے گا۔'' وہ سخت بے زار ہوگئی تھی کسی سے بھی بات کر کے دل کو چین نہیں مل رہا تھا۔

بے چینی بے قرار بڑھتی جا رہی تھی۔

''جانے کیا ہونے والا ہے۔ کیا ہو چکا ہے۔ جو میرے دل کو چین ہی نہیں مل رہا۔'' فون بند کر کے وہ بے قراری سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔

اس نے بے زاری میں ہاتھ لے کر کپڑے پہن لیے۔

صبح سے کچھ کھایا نہیں تھا۔ سروری سے جوس منگوا کر آدھا گلاس بھی پی لیا مگر اس کو قرار نہیں آ سکا۔

آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی کہ میک اپ کرے مگر اجڑا، بے رونق چہرہ، اداس آنکھیں، متورم اور سرخی لیے ہوئے۔ خود کو دیکھ کر اس کا دل بھر بھر آنے لگا۔

وہ کچھ بھی چہرے پر لگائے بغیر پیچھے ہٹ گئی۔

''تم تیار نہیں ہوئیں؟'' زونی پھر سے آ دھمکی۔

''واؤ کتنا سوٹ کر رہا ہے تمہارے شاندار فگر پر یہ ڈریس۔'' وہ اسے گھوم کر دیکھنے لگی۔

''زونی! میں ریسٹ کرنا چاہتی تھی! اگر تم ماما سے کہہ دو۔'' وہ ابھی کسی کا بھی سامنا نہیں کر پائے گی اسے یقین تھا۔

''کیا غضب کرتی ہو پھر سے مام کے غصے کو ہوا دو گی۔ بس تھوڑی دیر کو ڈرائنگ روم میں آ جانا اور بس۔''

''اور میک اپ بھی نہیں کیا تم نے؟'' وہ خود ہی اسے کھینچ کر آئینے کے سامنے لائی اور اس کا میک اپ کرنے لگی۔

''بس کرو نا!'' وہ اس کا میک اپ کر رہی تھی کہ وہ ایک دم سے اٹھ کر پیچھے ہٹ گئی۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟'' اسے روتے دیکھ کر زونیرا کچھ ناگواری سے بولی۔

''میری طبیعت اچھی نہیں زونی پلیز!''

''اچھا تم ابھی بیٹھو گیسٹ آتے ہیں تو میں تمہیں لینے آ جاؤں گی۔'' وہ کہہ کر پھر نکل گئی۔

''پتا نہیں اب یہ لڑکی مجھ سے کیا چاہتی ہے اور اسے صبح سے وہ روحیل والا دورہ نہیں پڑا۔''

''روحیل سے یاد آیا کہ ماموں کے انتقال کی خبر زونی کو بھی ہوگی۔ وہ جو پل پل روحیل کے ساتھ رابطے میں ہے تو کیا اسے یہ پتا نہیں ہوگا۔''

اسی وقت باہر گاڑی گھر سے نکلنے کی آواز آئی۔

ثانیہ جلدی سے کھڑکی میں ہو کر دیکھنے لگی۔

میڈم فضیلہ خود گاڑی ڈرائیو کرتی جا رہی تھیں۔

''چھ بجنے کو ہیں ان کے مہمان آنے والے ہیں تو یہ کہاں جا رہی ہیں؟'' وہ انہیں جاتے دیکھ کر سوچنے لگی اور پھر تھک کر بیٹھ گئی۔

✠ ✠ ✠

''بسمہ! دروازہ بند کر لو۔ میں ذرا جا رہی ہوں۔'' ذکیہ چادر اوڑھ کر مڑ کر چھیلتی بسمہ سے بولیں۔

''کہاں جا رہی ہیں امی؟''

''وہ ابھی یوسف کا دوست وحید آیا تھا، وہی بتا کر گیا ہے کہ روحیل کے ابو کا انتقال ہو گیا ہے، مجھے تو ان کے گھر کا بھی نہیں پتا۔ وہ وحید ہی لے جائے گا مجھے۔

اب جو بھی سہی، وہ بچہ دن رات کا پھیرا تو رکھتا ہے گھر کے چھوٹے موٹے کام باہر اندر کے سو کام سنوارتا ہے، نہ گئی تو دل میں ملال رکھے گا۔ بھلے گھر سے نکال رکھا، تھا تو اس کا باپ ہی نا۔''

ان کے خیالات پھر سے بدل رہے تھے۔

بلکہ ان کے خیالات تو اسی دن سے بدلنے لگے تھے جب سے انہوں نے قیصر کے رشتے سے انکار کیا تھا۔

وہ بچے کے لیے چیک اپ والی بات بھی پی جاتیں مگر بچہ پیدا ہونے کے بعد طلاق دے کر نکالنے والی بات ......ذکیہ کے گلے میں پھنس کر رہ گئی تھی۔

''نہیں بہن! معاف کیجیے گا۔ مجھے ابھی اپنی بیٹی کی شادی نہیں کرنی۔'' اگلے ہی دن انہوں نے صاف انکار کر دیا تھا۔

''لو ایسی کون سی قلو پطرہ ہے۔ شہزادی اندھی کوڑھی، دھکے ٹھڈے کھاتی، سنبھال کر رکھو کس نے لے کر جانی ہے یہ سوغات۔ ادھر کون مرا جا رہا ہے اس ''نابینی'' کو گھر لے کر جانے کے لیے۔''

اس سے آگے کی جو بکواس تھی۔ وہ یاد بھی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

تین دن بسمہ بخار میں پھنکتی رہی تو انہیں پتا چلا وہ سب کچھ سن چکی تھی۔

ایک تو بیٹی اوپر سے معذور......اور معذوری بھی ایسی جس کا کوئی علاج نہیں۔

اب پھر دل کو ایک آس سی لگ گئی تھی، شاید کبھی روحیل......اگرچہ ایسا ممکن نہیں تھا آنکھوں دیکھی مکھی کون نگلتا ہے......وہ تو پہلے ہی انکار کر چکا تھا۔

پھر بھی ایک آس کی ڈور پھر سے بندھ گئی تھی۔ وہ بہانے بہانے سے اسے دو دن سے بلا رہی تھیں، ادھر ادھر کی باتوں کے دوران اپنے گزشتہ رویے کی تلافی کرنے کی کوشش کرتی رہیں۔

اور آج تو قدرت نے موقع فراہم کر دیا تھا۔ وہ کیوں مس کرتیں۔

''ماں سوتیلی ہے اور باپ نے عاق کر رکھا تھا اب وہ بھی دنیا میں نہ رہا، اب تو اسے اور بھی محبت کی ضرورت ہے اور محبت سے تو بہت کچھ بدلا جا سکتا ہے۔ دل تک پھیرے جا سکتے ہیں اور دلوں کے ارادے بھی۔

وہ ان تھک کوشش کے لیے کمربستہ ہو گئی تھیں۔

بسمہ نے اٹھ کر ان کے پیچھے دروازہ بند کیا اور وہ بھی منصوبہ بندی کرتی روحیل کے گھر کی طرف چل پڑیں۔

✠ ✠ ✠

فضیلہ مبشر کے جانے کے بعد بھی گھنٹہ گزر گیا۔

نہ ان کے مہمان آئے، نہ ثانیہ کو کوئی بلانے آیا اور نہ اس کی بے چینی میں کچھ کمی آئی۔

اب تو جیسے سب کچھ برداشت سے باہر ہوا جا رہا تھا۔

بلال کا فون مسلسل آف تھا اور اس کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔

''زونیرا سے پوچھتی ہوں، شاید بلال کا کوئی اور نمبر ہو۔'' وہ تیزی سے اٹھ کر باہر جانے لگی اور وہیں پتھرا کر کھڑی

رہ گئی۔

دروازے میں بلال کھڑا تھا۔

پہلے خوف کی سرد لہر اور پھر خوشی کا عجب مغلوب کر دینے والا احساس تھا جو پل کے دو حصوں میں اس پر غالب آیا۔

''آپ......آپ آ گئے کب؟''

''بتایا بھی نہیں......اتنے میں نے فون کیے؟'' وہ خوشی کے مارے کانپتی آواز میں بول رہی تھی۔ اتنے دنوں بعد دونوں آمنے سامنے تھے۔

ان دیکھی غیر محسوس سی شرم اور اجنبیت سی محسوس ہو رہی تھی۔

پتا نہیں بلال کی بھی یہی فیلنگز تھیں، اس کی چپ سے وہ کچھ بھی اندازہ نہیں کر پائی۔

''مجھے تو ایک دن آنا ہی تھا، تمہاری حیرانی اتنی شدید ہو گی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا'' وہ بے تاثر لہجے میں بولا۔

ثانیہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔

اب کس بات کی توجیہ پیش کرتی، حیرانی کی یا پھر اس کے اپنے روکھے سرد روّیے کی؟

''کہیں بلال فون پر مجھے......'' وہی خوف ناک خیال جو صبح سے اسے اپنی تکلیف دہ گرفت میں جکڑے ہوئے تھا بلال کے اس روّیے کی وجہ سے پھر عود کر آیا۔

وہ غیر محسوس انداز میں دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

بلال نے ایک خاموش جتاتی سی نظر اس پر ڈالی اور ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

''یہ کیوں آئے ہیں۔ کیا یہ میرا فیصلہ کر چکے ہیں''

خوف کی سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑی اور اب صرف کاغذی کارروائی کرنے آئے ہیں۔

وہ کھڑے کھڑے وہیں نیچے بیٹھ گئی۔ اس کا دل تو پہلے سے بیٹھا جا رہا تھا۔

''میں کیا کروں بھاگ جاؤں ابھی، نہیں بلال! ابھی میرے دل میں حوصلہ نہیں یہ سب سننے کا اور سہنے کا......پلیز ابھی نہیں۔''

''میں کہاں جاؤں گی یہاں سے نکل گئی تو......؟''

''شکر ہے امی آئی ہوئی ہیں، میں انہیں فون کرتی ہوں۔ وہ مجھے آ کر لے جائیں گی۔'' اسے آخری انتہائی خیال آیا۔

وہ تیزی سے اٹھ کر اپنا سیل فون لے کر نمبر ملانے لگی۔

''نہیں ابھی مجھے تھوڑا سا......تھوڑا سا انتظار تو اور کرنا چاہیے شاید بلال نے کچھ اور سوچ رکھا ہو'' کسی انجانی طاقت نے اس کے ہاتھ پکڑے۔

''کچھ اور کیا......کیا وہ مجھے ساتھ لے جانے آئے ہیں؟'' بالکل انوکھا اور غیر متوقع سا خیال آیا۔

اگر رات والا بلال کا وہ فون اپنے کانوں سے سن نہ چکی ہوتی تو اس وقت بلال کی اس اچانک آمد کا یہی مطلب لیتی۔

''مگر پھر بھی مجھے امی سے کہہ دینا چاہیے کہ وہ جانے سے پہلے میرے فون کا انتظار ضرور کریں۔ وہ بھی چلی گئیں تو میرے پاس ان کا ایڈریس ہے تو سہی مگر اتنی دور میں اکیلی کیسے جاؤں گی۔'' اسے عجیب سا عدم تحفظ لاحق تھا، جیسے کوئی ابھی آ کر اسے بازو سے پکڑ کر نکال باہر کرے گا۔

وہ جلدی جلدی نمبر ملانے لگی۔
خدیجہ ریسیو نہیں کر رہی تھیں۔
''وہاں شاید فوتگی کی وجہ سے شور یا کچھ اور امی کال ریسیو نہ کریں۔ مجھے ٹھہر کر کوشش کرنی چاہیے۔'' دوسری کوشش کے بعد وہ سوچنے لگی۔
''کیا میرے علاوہ کوئی اور بھی ہے جس کو اس بے چینی سے فون کیا جا رہا ہے۔'' بلال کی چبھتی ہوئی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو وہ گڑبڑا گئی۔
''نن...... نہیں تو...... آپ کا نمبر صبح سے بند تھا۔ میں ٹرائی کر رہی تھی۔'' اس سے یہی وجہ بن پڑی۔
بلال نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا؟
''ویسے کمال حیرت کی بات نہیں کہ شوہر سامنے کھڑا ہوا اور آپ اس کا سیل نمبر ٹرائی کر رہی ہوں۔''
''شوہر......'' اس کے کانوں نے اس لفظ کے سوا جیسے اور کچھ سنا ہی نہیں، بے خودی اسے دیکھے گئی۔
''اب ایسا کیا کہہ دیا میں نے؟'' جانے وہ اتنا رُوڈ کیوں ہو رہا تھا، رات والا غصہ ابھی باقی تھا یا کچھ اور...... مگر ثانیہ تو اس ایک لفظ کی خوشبو کو جیسے اپنے دل میں سمونے کی کوشش کر رہی تھی۔
''سروری! چائے میرے لیے لاؤنج میں رکھیں۔ میں وہیں آ رہا ہوں۔'' سروری چائے کی ٹرالی گھسیٹتی ہوئی اندر لا رہی تھی۔ جب بلال نے اسے دروازے پر ہی روک لیا۔
''جی اچھا!'' مگر اس نے رخ وہیں موڑ لیا۔
''تو باہر بھی سب کو بلال کے آنے کا پتا چل گیا ہے۔''
''جانے انہوں نے میرے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ کیسے پوچھوں ہر سیدھی بات کا تو الٹا جواب دے دیتے ہیں۔'' وہ انگلیاں چٹخا کر رہ گئی۔
وہ اب بڑے اطمینان سے آئینے میں بال سنوار رہا تھا۔
''تم ابھی تک اس حیرت سے نہیں نکلیں، جو مجھے دیکھ کر تم پر طاری ہوئی تھی۔'' وہ اسے آئینے سے بغور دیکھ کر بولا۔
اور ثانیہ کو کمرے میں اس کی آواز کی بازگشت سی سنائی دی۔
کتنے سارے دنوں کے بعد اس خالی کمرے میں بلال کی خوب صورت بھرپور مردانہ آواز گونجی تھی اور جیسے سارا کمرہ اس کے وجود سے بھر گیا تھا، ایک روشن سا احساس ثانیہ کے اردگرد پھیل رہا تھا۔ بلال نے جواب نہ ملنے پر ایک تیز تیکھی نظر اس پر ڈالی اور باہر جانے لگا۔
خوشبو کے جھونکے کی طرح وہ اس کے پاس سے گزر رہا تھا۔
اور وہ بے خودی کھڑی تھی۔
اسے کیسے بتاتی، وہ ابھی جواب دینے کے قابل ہی نہیں ہے۔ ابھی تو وہ صرف اس کے وجود کو، اس وجود کی خوشبو کو محسوس کر رہی ہے۔ خود کو اس کے چلے آنے کا یقین دلا رہی ہے اور یقین دلانے کا یہ عمل اتنا خوب صورت اور سحر انگیز تھا کہ وہ اس سے نکل نہیں پا رہی۔
''بلال!'' وہ دروازے کے پاس پہنچ چکا تھا جب اس نے پکارا۔ اس نے مڑ کر ایک ناپسندیدہ نظر اس پر ڈالی۔
شاید وہ اس کی اتنی لمبی چپ سے خائف ہو کر باہر جا رہا تھا۔

وہ آہستگی سے چلتی ہوئی اس کے بالکل پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

اس کے بازو سے ہلکے سے قیص کو پکڑ کر اس نے جیسے خود کو یقین دلایا تھا کہ بلال آ چکا اور اس کے اتنے قریب کھڑا ہے کہ وہ اسے ہاتھ بڑھا کر چھو بھی سکتی ہے۔

بلال اسی طرح ناگواری سے اسے دیکھ رہا تھا۔

مگر اب جیسے اسے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔

دوری کا معاملہ اور تھا، فون کا نیٹ ورک اتنی دور بھی بآسانی کام کرتا ہو مگر ان قربتوں جیسی پگھلاہٹ تو اس میں نہیں ہو سکتی۔

اب وہ اس قربت سے، اپنی محبت سے اس کے پتھر سے پتھر دل کو بھی پگھلا لے گی، وہ اب سب کچھ کر سکتی ہے۔

ہر ناممکن کو ممکن!

اور یہ اس کی محبت کی جیت ہی تو تھی، جو رات بھر کی تڑپ رنگ لائی اور وہ کیسے چلا آیا تھا۔

بلال نے اس کی خاموشی پر ایک جھٹکے سے اپنا بازو کھینچا اور جانے لگا۔ اس نے جلدی سے پھر قیص کھینچ کر اسے روک لیا۔

''کیا بات ہے، تمہیں......'' وہ غصے سے بولا۔

آہستگی سے اس کے کندھے پر اس نے سر رکھ دیا۔

''تھینک یو بلال!'' وہ بھی شاید اس کی قربت سے پگھل گیا تھا۔ فوری طور پر خود کو الگ نہیں کر سکا۔

''آئی مس یو......اور آپ آ گئے۔'' وہ آنکھیں بند کیے بے خود لہجے میں بولی۔

''اور تم جانتی ہو میں کیوں آیا ہوں۔'' وہ اسی سپاٹ لہجے میں بولا اس کا دل زور سے دھڑکا ضرور مگر وہ اسی طرح سر رکھے کھڑی رہی۔

''جانتی ہوں۔'' وہ دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ سر اٹھا کر بولی۔

اور بلال اسے دیکھتا رہ گیا۔

''صرف میرے لیے......ہے نا!''

کیسا انداز تھا اس کا وہ فوری طور پر تردید بھی نہیں کر سکا۔

''صبح سے جو بری حالت تھی جس طرح میں ان گھنٹوں میں زندہ ہوئی ہوں اور مری ہوں آپ چاہیں بھی تو میری فیلنگز کا اندازہ نہیں کر سکتے۔''

وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ پلکیں جھپکے بغیر بے خود انداز میں۔

اور بلال لاکھ اس سے ناراض تھا مگر یہ قربت......

اس وقت باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی اور دونوں کسی گہرے خواب سے چونکے تھے۔ بلال اپنا بازو کھینچ کر بغیر کچھ کہے چلا گیا۔

اور ثانیہ تو ابھی بھی اس کی قربت کی خوشبو میں گھری سحر زدہ سی کھڑی تھی۔

''اب میں سب سے لڑ سکتی ہوں سب سے......خود سے بھی۔'' وہ چند لمحوں میں ایک کمزور بے بس لڑکی سے مضبوط طاقت ور بیوی بن گئی تھی۔

''مجھے یقین ہے بلال نے مجھ سے ایسا کچھ بھی نہیں بولا ہو گا فون پر، ورنہ وہ مجھے اس طرح اپنے قریب نہ آنے

ن تھے۔

''یا پھر بول، تیری سوتیلی ظالم ماں جس کے ظلم اور ناانصافی کی وجہ سے تجھے یہ گھر چھوڑ کر جانا پڑا۔ یہ کل سے
ے باپ کے کپڑے پہن کر جا کر دکان سنبھال لے۔

تیری غیرت گوارا کرے گی کہ باپ کا گدی سنبھالنے والا بیٹا تو دوسروں کا مددگار بنا پھرے اور اس کی ماں جا کر
ن سنبھالے، سودے کرے اور ان بچوں کے لیے روٹی کما کر لائے۔

روحیل حیران نظروں سے نصرت کو دیکھ رہا تھا۔

یا اسے غلط سنائی دے رہا تھا یا اب سے پہلے وہ غلط سمجھتا رہا تھا۔

''میں اب بھی کچھ نہیں سمجھا۔'' اب کے اس نے لاچاری سے خدیجہ کی طرف دیکھا تو وہ اٹھ کر آ گئیں۔

''تم دونوں جھلے ہو، دونوں کو دل کی بات کہنی نہیں آتی۔'' وہ پاس آ کر مسکرا کر بولیں۔

''ماں بیٹا ہو، بھلے نصرت نے تجھے پیدا نہیں کیا، مرحوم شوہر کے حوالے سے اس کی اولاد تو ہو نا روحیل! یہی
بنا چاہتی ہے وہ اب اس گھر کی ساری ذمہ داری تجھ پر ہے۔ تجھے ہی یہ سب سنبھالنا ہے اس گھر کو بھی دکان کو بھی اور
بچوں کو بھی۔''

وہ روحیل کا کندھا تھپک کر بولی۔

روحیل خاموش کھڑا رہ گیا۔

''نہیں پھوپھی! مجھ سے اتنی بھاری ذمہ داری نہیں اٹھائی جائے گی۔'' بہت دیر بعد وہ نفی میں سر ہلا کر بولا۔

''تو کون کرے گا یہ سب؟'' نصرت اپنے پرانے انداز میں لٹھ مار کر بولی۔

''کوئی بھی...... پہلے بھی تو......'' وہ ایک دم چپ کر گیا۔

''پہلے وہ بڈھا باپ کرتا تھا نا جو دن میں ستر بار اس جوان بیٹے کو یاد کرتا۔ اس زندگی کی گاڑی کھینچتا تھا، جو اس
سے روٹھ کر چلا گیا تھا۔ وہ باپ تھا اس میں انا تم سے بھی زیادہ تھی۔ خود سے چل کر کیسے تمہیں منانے آتا...... یہی انتظار کرتا رہا
کہ کبھی تو تمہارے دل میں اس کی محبت، اس کی چاہت جاگے گی، کبھی تو باپ کے حق، اس کے ادب کا خیال آئے گا اور وہ
کبھی آ ہی نہ سکا۔ نہ وہ خود جا سکا نہ تم آئے...... اور مرتے وقت......'' وہ ایک دم سے رونے لگی۔

''ہوں تم مرتے وقت تو دیکھتے۔ کیسے مرتے وقت اس لاچار آدمی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھ سے تمہاری طرف
سے معافی مانگی۔''

روحیل ششدر سا کھڑا رہ گیا۔

''ابا نے...... معافی...... میری طرف سے۔'' وہ بے یقین نظروں سے نصرت کو دیکھ رہا تھا۔

ساری زندگی تو اس عورت نے جھوٹی سچی کہانیاں سنا کر اس کے باپ کو اس کے خلاف کیا تھا۔ اب اس کے مرنے
کے بعد اس سے کوئی بعید نہیں۔

لیکن اگر یہ جھوٹ بھی تھا تو یہ تو وہ اپنے خلاف بول رہی تھی۔ اس سے کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ اب مرنے والا تو مر
چکا تھا اس کا رستہ بھی صاف تھا۔ گھر دکان سب کچھ اس کا اور اس کے بچوں کا بلا شرکت غیرے۔ پھر وہ کیوں اس کو چابیاں
دے رہی تھی۔ کیوں یہ سب سنبھالنے کو کہہ رہی تھی۔

''آج مجھے احساس ہوا ابا کہ عورت بے سائباں ہو جائے تو کیسی اکیلی اور غیر محفوظ ہو جاتی ہے۔''

''ان چند گھنٹوں میں...... ہمیں جیسے گھر کی چار دیواری سے کسی نے سڑک پر ڈال دیا ہو۔ تمہارے ابا نے کہا۔

''ایسی باتوں سے کیا ہوتا ہے پھوپھی!'' وہ تھکن زدہ لہجے میں بولا۔

سارے دن کی ذہنی اور جسمانی تھکن اب اس پہ حاوی ہونے لگی تھی اور اب یہ جذباتی باتیں اس سے نہ ہو پا رہی تھیں، نہ اسے اچھی لگ رہی تھیں۔

''آپ جانتی ہیں نا! یہ مجھے گھر میں نہیں رکھنا چاہتیں، نہ رکھیں گی اور آنے جانے میں بھی روز کوئی نہ کوئی بدمزگی پیدا ہو گی تو پھر فائدہ!

اور ابا کی زندگی میں ہی جب میرا اس گھر پر حق ختم ہو چکا تھا، آپ کے سامنے میں کیسے رہا ہوں، سڑکوں پر فٹ پاتھوں پر سویا ہوں۔ موت کے منہ سے نکل کر آیا ہوں، کبھی ابا کی محبت نے جوش نہیں مارا۔ سب باتوں کا ابا کو پتا تھا، وہ ایک بار بھی میرے پاس نہیں آئے۔

اپنائیت سے، محبت اور شفقت کی میں بات نہیں کرتا پھوپھی! اپنے پن سے میرے کندھے پر ہاتھ نہیں رکھا۔ کبھی ایک بار نہیں کہا چل روحیل غصہ تھوک دے ایک بار میرے ساتھ گھر چل۔ گھر میں اگر بیوی کا ڈر تھا پھوپھی! دکان تھی نا...... وہیں کبھی بلا لیتے پاس بٹھا کر دو میٹھے بول بول لیتے ایک وقت کی روٹی ...... کیا میں ان کی اولاد نہیں تھا...... کیا جرم کیا تھا میں نے......

کون سا کسی کا خون کر دیا تھا۔ کسی کی گردن مار دی تھی یا کسی کی جگہ پر قبضہ کر لیا تھا۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''جیسے ابا کے تینوں بچے ویسا میں...... کیا میں ان کی بیوی کی اولاد نہیں تھا۔ مری ہوئی بیوی کے ساتھ کیا اس کی زندہ اولاد بھی مر جاتی ہے۔ ابا نے مجھے ایسا ہی سمجھ لیا تھا مرا ہوا...... اب میرا کیا ہے یہاں اس گھر میں ...... کچھ بھی نہیں۔

آج ابا چلا گیا۔ میرا تعلق اس گھر سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

رہ گئے قل، چالیسواں یہ سب دنیاداری کی باتیں ہیں اور مجھے ان باتوں کی کیا پروا...... مجھے کون سی دنیاداری پہلے نبھانی آئی جو اب نبھاؤں گا...... بس جانے دو مجھے۔''

اس کا خود پر قابو ختم ہوتا گیا، وہ ایک دم سے اٹھ کر جانے لگا۔

نصرت اندر سے نکل کر اس کے رستے میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ ٹھٹک کر پھر رک گیا۔

پتا نہیں وہ اس سے اب کیا چاہتی تھی۔

اس نے چابیوں کا گچھا اس کے آگے کر دیا۔

''یہ کس لیے؟'' وہ حیرانی سے چہرہ صاف کر کے بولا۔

''تمہارے لیے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''میرے لیے...... میں کچھ سمجھا نہیں؟''

وہ تیزی سے مڑی اور اندر بیٹھے گڈو، ثنا اور حنا کا بازو پکڑ کر باہر لے آئی۔ ان تینوں کو اس کے سامنے لائن میں کھڑا کر دیا۔

''بتا ان تینوں میں سے کون ہے جو کل جا کر تیرے ابے کی دکان کھولے گا، بڑی اولاد کا حق ہوتا ہے نا! تو کہتا ہے میرا حق نہیں پھر تجھ سے چھوٹی تو ثنا ہوئی......

یہ سولہ سال کی...... اس کو دکان پر بھیجوں یا اس سے چھوٹی حنا بارہ سال کی، اس کو بھیجوں یا یہ آٹھ نو سال کا گڈو۔ یہ جا کر باپ کی گدی سنبھالے گا۔'' روحیل حیرت سے کبھی نصرت کی طرف دیکھتا اور کبھی ان معصوم چہروں کی طرف...... جو

دیتا اور کچھ نہیں تو آتے ہی میری یہاں موجودگی پہ ہی کچھ نہ کچھ بول پڑتے۔
وہ صبح سے پہلی باران خوف ناک لمحوں کی گرفت سے نکلی تھی، جنہوں نے رات سے اسے اپنے پنجوں میں جکڑ رکھا تھا۔
اس نے جلدی سے خود کو آئینے میں دیکھا۔
زونیرا اس کا میک اپ اچھا کر گئی تھی۔
''ارے، کہیں مما کے یہ وہی تو خاص مہمان نہیں تھے، جن کا زونیرا ذکر کر رہی تھی؟'' اسے خیال گزرا۔
''اگر ایسی بات ہوتی تو پھر مما گھر سے باہر کیوں جاتیں۔''
وہ جلدی جلدی اپنا آخری جائزہ لے کر باہر نکل گئی۔ اسے بلال کا چائے پر ساتھ جو دینا تھا۔

✠ ✠ ✠

''میں چلتا ہوں خدیجہ پھوپھو اب؟'' رات گئے تدفین اور مہمانوں سے کچھ فراغت پانے کے بعد ہر طرف خاموشی ہوئی تو وہ نصرت کے پاس بیٹھی خدیجہ سے آ کر بولا۔
''تم کہاں جاؤ گے اس وقت۔'' وہ یوں اچنبھے سے بولیں جیسے پہلے وہ ادھر ہی رہتا تھا۔
''جہاں روز ہوتا ہوں وہیں۔'' وہ کہہ نہ سکا۔
''ابھی تو باپ کا جنازہ اٹھا ہے، کیا کہیں گے لوگ کل شام کو قرآن خوانی ہوگی، جوان بیٹا ہی نہ ہوا تو کتنی باتیں بنیں گی۔''
وہ اسے ان باتوں کا احساس دلا رہی تھیں، جو اس کے نزدیک لایعنی تھیں۔
''لوگوں کو پتا ہے پھوپھی، ابا نے مجھے عاق کر رکھا تھا۔'' وہ اپنے گرد آلود جوتوں کو دیکھ کر بولا۔
خدیجہ نے نصرت کی طرف دیکھا۔
''اب تو بے چارہ چلا گیا اور جاتے ہوئے جیسے تجھے دیکھنے کو ترس کر گیا۔ اب تو تجھے یہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔'' خدیجہ باری باری روحیل اور نصرت کی طرف دیکھ کر بولیں جو سوجی آنکھوں اور متورم چہرے کے ساتھ غمزدہ سی بیٹھی تھی۔
''باتوں سے کیا ہوتا ہے پھوپھی! ظاہر ہے میں یہاں رہ تو نہیں سکتا۔'' وہ نصرت کی طرف دیکھ کر بولا۔
خدیجہ خاموش ہو گئیں۔
وہ نصرت کو بولنے پر اکسا رہی تھیں اور جب وہ نہیں بولیں تو وہ اپنی طرف سے لاکھ اسے روکنے کی کوشش کرے وہ رک نہیں سکتا تھا۔
''چلتا ہوں پھوپھی میں......'' ایک لمبی خاموشی تھی جو کچھ دیر ان تینوں کے درمیان بیٹھی ٹکر ٹکر دیکھتی رہی کہ شاید کوئی بول پڑے۔
''ٹھہرو......'' وہ جا رہا تھا جب نصرت نے پیچھے سے بھاری آواز میں کہا، وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ نصرت اٹھ کر اندر چلی گئی۔
''دیکھ بیٹا! اب تمہیں تھوڑا اپنا دل بڑا کرنا پڑے گا۔ باپ کے بعد تو ہی اس گھر کا سرپرست ہے۔'' خدیجہ نے پھر موقع غنیمت جان کر نصیحت کی۔

نصرت تمہاری جوان بیٹیاں ہیں اور یہ دنیا بڑی ظالم ہے گھر کے دروازے کے باہر چوکیدار نہ ہو تو رات دھڑکے میں گزرتی ہے، روحیل جیسا بھی ہے ان کا بڑا بھائی ہے۔ میں تجھ سے اس کی طرف سے معافی مانگتا ہوں۔ تم اس کو گھر میں رکھ لینا، تھوڑی محبت دو گی تو وہ جان لٹانے والا ہے۔ اسے میری آخری وصیت سمجھ لینا اسے گھر مل جائے گا اور تجھے بیٹا۔ جیسے وہ در بدر ہو رہا ہے اور میں اسے گھر بھی نہیں لاسکا، میرے مرنے پر آئے تو تم اسے روک لینا۔''

''کیا پتا تھا ان کی باتیں ایسی سچی ہوں گی حرف بہ حرف پوری، میں نے کہا معمولی سینے کا درد ہے ابھی ہسپتال جائیں گے۔ بھلے چنگے ہو جائیں گے کیا پتا تھا مجھے، یہ ان کی باتیں اس گھر میں آخری ہوں گی، پھر اس گھر کی دیواریں ان کی آواز سن ہی نہیں سکیں گی۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

خدیجہ، روحیل کی طرف دیکھنے لگیں اور وہ تو بالکل بے یقینی میں کھڑا تھا یہ سب باتیں اور پھر نصرت کا انداز۔

''تو کیا اسے اپنے گھر کے لیے چوکیدار چاہیے تھا۔'' کوندے کی طرح خیال لپکا۔

''اور چوکیدار تو ماہوار تنخواہ پر بھی رکھا جاسکتا ہے پھر اس کے آنسو۔'' وہ عجیب کشمکش میں گرفتار ہو گیا۔

خدیجہ نے پاس آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

مگر اس کا دل نصرت کے آنسوؤں کو سچ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا، یہ وہی عورت تھی، جس نے اتنے سال اسے اس گھر میں خون کے آنسو رلایا تھا۔ اپنے باپ کی نظروں میں گرایا تھا۔

اسے صرف نفرت اور حقارت دی تھی اور یہی کچھ کرنا سیکھا تھا پھر آج وہ کیسے یقین کر لیتا۔

وہ آہستگی سے خدیجہ کا ہاتھ ہٹا کر خاموشی سے کچھ بھی کہے بغیر باہر نکل گیا۔ نصرت کے آنسو ایک دم سے تھم گئے۔

اسے روحیل سے ایسے پتھر رویے کی امید نہیں تھی۔

''میں نے اسے آج تک دیا ہی کیا تھا جو امید رکھتی۔'' وہ تھکے ہوئے انداز میں وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔

✠ ✠ ✠

زونیرا مسلسل روحیل کا نمبر ٹرائی کر رہی تھی۔

پہلے تو وہ اس کی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا، پھر اس کا سیل مسلسل بند جا رہا تھا اور اچانک سے بلال کی آمد، جس طرح وہ روحیل کے استقبال کے لیے ڈرائنگ روم سجاتی گلاب کی کلی لیے دروازے کی طرف مڑی تھی۔ بلال کو یوں اچانک سامنے دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

وہ بھائی کے استقبال کے لیے کوئی بھی اچھا جملہ بولنے کے قابل نہ رہی اور، وہ خود کون سا حاضر دماغ لگ رہا تھا۔

بے حد سرسری لہجے میں اس نے زونیرا سے اس کا حال چال پوچھا اور سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

یہ بات تو اور بھی جی کو جلانے والی تھی کہ وہ ابھی بھی اسی طرح ثانیہ کا دیوانہ تھا۔ آتے ہی سیدھا اس کے پاس۔

وہ ان لمحوں میں کتنا جلی کڑھی۔ اس کی پلاننگ میں بلال کا آنا تو شامل تھا مگر اتنا اچانک نہیں۔

اب میں روحیل کو کیسے بلاؤں گی۔ ابھی تو اس ثانیہ کو ہی قائل نہیں کر سکی تھی، مما باہر گئی تھیں۔

وہ آتیں ان دونوں کو اکٹھے بیٹھے دیکھتیں، ثانیہ کو بنی ٹھنی اور روحیل مشتاق نظروں سے اسے دیکھتا ہوا...... اس کے بعد زونیرا کی محنت نصف سے بھی کم رہ جاتی۔

مگر اب بلال کا چلے آنا...... کیا کروں؟'' وہ الجھ کر رہ گئی۔

پہلا مرحلہ روحیل کو منع کرنے کا تھا۔
اور اس کا نمبر نہیں مل رہا تھا۔
اسے اس پر بہت غصہ آ رہا تھا۔
اب اگر وہ آ جاتا ہے اور ثانیہ کہہ دے کہ اسے میں نے بلوایا ہے اور روحیل بھی کہہ دے تو پھر......نہیں ابھی مجھے
...سک نہیں لینا چاہیے۔
''اور ثانیہ بی بی! یہ تو طے ہے کہ میں تمہیں اس گھر میں نہیں رہنے دوں گی۔'' غصے میں بل کھاتے وہ ایک ہی
...ت کو سوچے جا رہی تھی۔
اور لاؤنج میں دونوں کو اکٹھے چائے پیتے دیکھ کر اس کا سارا وجود جھلس گیا تھا اور ایکٹنگ کرنا کس قدر مشکل
...ہے۔
بے شک اتنے دنوں سے وہ ثانیہ کے سامنے کامیاب ایکٹنگ کر رہی تھی مگر اب دونوں کو یوں آمنے سامنے بیٹھے
...ت ناتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے...... برداشت کر کے ایکٹنگ کرنا بہت مشکل......
وہ ذرا سی دیر ان کے پاس رکی اور پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔
''یہ بھائی کیوں آ گیا۔ میرا کھیل بگاڑ نے اب کیسے ہینڈل کروں گی سب؟'' وہ مٹھیاں بھینچے کمرے میں ٹہلنے جا
...ہی تھی۔
اسی وقت دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔
بلال کو دیکھ کر وہ فوری طور پر مسکرا بھی نہ سکی۔
وہ خود ہی اندر آ گیا۔
''مما کچھ بتا کر نہیں گئیں۔ کب تک آئیں گی۔ میں نے ان کے سیل پر کال تو کی ہے مگر سگنل نہیں جا رہے۔'' وہ
...ی پہ بیٹھ گیا۔
''وہ میڈم سلمیٰ کی عیادت کے لیے ہسپتال گئی ہیں۔ ہسپتال بیسمنٹ میں ہے تو وہاں سگنل پرابلم آتا ہے۔''
''تم کچھ ڈسٹرب لگ رہی ہو مجھے؟''
وہ اسے جتا رہا تھا یا اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا، زونی فوری طور پر سمجھ نہیں سکی۔
''نہیں آئی ایم فائن، یونہی بس کچھ سر میں درد تھا۔'' وہ سنبھل کر بولی۔
''اور اس طرح تم نے گلاب کی ڈنڈی ہاتھ میں لے کر مجھے ویلکم کہا۔ میں سمجھا شاید تمہارا موڈ بہت
...رست ہے۔''
''ہاں ہے نا!'' وہ اٹک کر نا سمجھی سے بولی۔
دونوں خاموش ہو گئے۔
''تم ابھی بھی مجھ سے ناراض ہو۔'' بلال اسے دیکھ کر بولا۔
''نہیں......کیوں ہونے لگی ناراض۔'' وہ اجنبی لہجے میں بولی۔
وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔
اور یہ تو اس کے بچپن کی عادت تھی، جب زونیرا کو کسی بات پر غصہ آ جاتا تو پھر دنوں تک اس کا موڈ ٹھیک نہیں
...ہتا تھا۔

''زونی! میں ......ڈیڈی سے ملا تھا۔'' بہت دیر دل میں سوچنے کے بعد کہ اسے بتائے یا نہیں اس نے کہہ ہی ڈالا۔

زونیرا لمحہ بھر کو چونکی پھر نارمل ہو گئی۔

''تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟'' وہ اس کی خاموشی پر بولا۔

''خوشی تب ہوتی ہے جب وہ ہم سے ملنے کی کوشش کرتے۔ انہوں نے خود سے تو کبھی ایسا نہیں چاہا تو پھر ہمیں بھی ان کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

زونیرا بہت بدل چکی تھی۔ بلال کو پہلی بار احساس ہوا۔

اس کے اندر بہت منفی رویے تھے، جنہیں ایسی چھوٹی چھوٹی خبروں سے بدلا نہیں جا سکتا تھا۔

''پھر تو آپ ان سے ملتے رہے ہوں گے۔'' وہ اسے خاموش دیکھ کر طنز سے بولی۔

''نہیں۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔

''نہیں، ایک بار بائی چانس ملاقات ہوئی۔ وہ مانچسٹر میں تھے۔ بار بار تو نہیں مل سکتے تھے۔''

اسے لگا اب زونیرا سے کچھ بھی شیئر کرنا ضروری نہیں۔

''انہوں نے میرے بارے میں پوچھا؟'' بلال کو یقین تھا جب وہ اسے ڈیڈی کے بارے میں بتائے گا تو وہ یہ سوال یہی کرے گی۔

مگر اس نے ایسا کچھ بھی نہیں پوچھا۔

''اسے شاید اب ان باتوں کی پروا نہیں اور مجھے اس سے یہ بات کرنی بھی نہیں چاہیے تھی۔'' یہ بات بتا کر بلال کو تاسف نے گھیر لیا۔ وہ اٹھ کر باہر نکل آیا اور زونیرا نے اسے روکا بھی نہیں۔ دونوں کے بیچ اب کہنے سننے کو بہت کم رہ گیا تھا۔

✠ ✠ ✠

ثانیہ کے لیے وہ رات پچھلی رات سے بھی کڑی تھی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

پہلے وہ بلال کا کمرے میں آنے کا انتظار کرتی رہی۔ اس نے کھانا باہر فضیلہ اور زونیرا کے ساتھ ہی کھایا۔

''ثانیہ کو میں سات بجے کھانا کھلا دیتی ہوں، پھر اس نے کچھ فروٹ لینا ہوتا ہے اور رات کو دودھ۔'' اسے ممی نے یہ کہہ کر سات بجے کھانا کمرے میں بھجوا دیا۔

حالانکہ اس سے پہلے اس کی ایسی کوئی بھی روٹین نہیں تھی یہ سب کچھ آج ہی طے کیا گیا تھا۔

بلال نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔

ثانیہ نے غصے میں کچھ بھی نہیں کھایا۔

ممانے ایک بار پھر اسے اچھوت بنا کر الگ کمرے میں ڈال دیا تھا۔

اور وہ تینوں ایک فیملی کی طرح اکٹھے کھانا کھا رہے تھے اور خوش گپیاں کر رہے تھے اور وہ کمرے میں اپنا دل جلا رہی تھی۔

رات کے بارہ بج گئے۔

وہ انتظار کر کے تھک گئی۔

کھانا تو نہیں کھایا تھا۔ مجبوراً دودھ پی لیا مگر بلال کی جانے کون سی باتیں تھیں جو ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھیں

وہ پچھلی رات کی جاگی ہوئی تھی، جانے کس لمحے تکیے پر سر رکھ کر سوگئی۔
بہت دیر بعد اس کی آنکھ کھلی کمرے میں زیرو پاور کی روشنی تھی اور بلال اس سے فاصلے پر بیڈ پر سو رہا تھا گہری نیند۔
ثانیہ کو اور بھی ہتک کا احساس ہوا۔
اس نے اسے جگانا، اس سے بات کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔
وہ اس کے سو جانے کا انتظار کرتا رہا تھا۔
اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
تو اس لیے میں ان کی جدائی میں تڑپی ہوں۔
کل کی رات کس قیامت کی گزری اور آج ایسی بے وقعتی یا یہ اندھی تقدیر مجھ سے کیا چاہتی ہے۔ میں کس سے اپنے دل کا حال کہوں؟'' جانے کب اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔
''اب یہ آنسو کس کی جدائی میں بہائے جا رہے ہیں؟'' اس نے ایک دم سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو چھوا۔
وہ بری طرح سے چونکی وہ آنکھیں کھولے اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔
''آپ کی جدائی میں۔'' وہ جل کر بولی۔
''میری جدائی میں یا میرے آ جانے کے غم میں؟'' وہ طنزاً بولا۔
''میرا اپنا ہے کیا دل کر رہا ہے۔'' وہ تپ کر بولی۔
''کہ مجھے اٹھا کر کمرے سے باہر پھینک دو۔''
''مجھے کہیں سے زہر مل جائے اور میں وہ کھا کر سو جاؤں۔''
''ابھی بھی سونے کی حسرت ہے اتنے مہینوں سے میں تم سے دور تھا خوب نیندیں پوری کی ہوں گی اگر چند گھنٹے میری خاطر جاگ لیتیں تو کیا فرق پڑ جاتا......'' وہ فوراً اسے جتا کر بولا۔
''اور جو آپ میری خاطر کمرے میں پہلے آ جاتے ......کیا میری کوئی ویلیو ہے آپ کی نظر میں۔'' وہ پھر سے رونے لگی۔
''ابھی بھی گلہ اتنی دور سے میں کس کی خاطر آیا ہوں، ورنہ رات کو مجھے جس قدر تم پر غصہ تھا جی چاہ رہا تھا۔ تم میرے سامنے ہوتیں تو میں تمہارا گلا دبا کر خود کو گولی مار لیتا۔''
''خود کو کیوں گولی مارتے؟''
''تمہارے بغیر مجھے جی کر کیا کرنا تھا بھلا۔'' وہ بے ساختہ بولا۔
''تو یہ کام ابھی کر یں پھر......'' وہ سنجیدگی سے بولی۔
بلال اسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔
''اب کیا گستاخی سرزد ہوگئی مجھ سے۔''
''تمہیں ذرا خوشی نہیں ہوئی میرے آنے کی؟''
وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر آہستگی سے رخ پھیر کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔
''اگر آپ کو یہ بھی نہیں پتا چل سکا تو پھر میں لفظوں میں کیا بتاؤں۔'' بہت دیر بعد وہ ٹھہر کر بولی۔

''اور یہ سب مجھے دیکھ کر بھی کہا جا سکتا ہے۔'' وہ اس کا رخ اپنی طرف کر کے بولا۔

''آپ کی طرف دیکھ کر نہیں کہہ سکتی۔'' وہ زبردستی چہرہ دوسری طرف موڑے رہی۔

''تم بہت خودسر ہو گئی ہو۔''

''اور آپ بہت بے وفا۔'' وہ جواباً بولی۔

''کیا بے وفائی کی میں نے؟ کوئی گوری بیاہ لایا ہوں۔'' وہ شوخی سے بولا۔

''گوری بیاہ لاتے تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا جتنا ان مہینوں میں آپ کے روّیے سے ہوا ہے۔''

''کیا تھا میرا روّیہ اور جو کچھ تم نے کیا۔ وہ کیا تھا؟''

''جو بھی تھا۔ آپ کی محبت پر مان تھا مجھے۔'' وہ شکایتی لہجے میں بولی۔

''مجھے پتا تھا میں جو بھی کرنا چاہوں گی، آپ میری حمایت کریں گے۔ میرا ساتھ دیں گے اور بلال میں نے کچھ ایسا غلط تو نہیں، کچھ نہیں مانگا تھا۔ چھوٹی سی معصوم سی خواہش اور اس پر آپ کی ناراضی...... میں کل پوری رات نہیں سوئی۔'' وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔

''اور فون کیوں بند کیا تھا؟'' وہ آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

''میں نے بند کیا تھا۔ اتنا خوفناک پتا نہیں کیا کیا بول رہے تھے۔ میرا دل بند ہونے لگا، چکر آیا مجھے اور خود میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ میں بے ہوش ہو گئی، بہت دیر بعد مجھے ہوش آیا۔''

''بلال آپ نے کچھ ایسا ویسا تو نہیں بولا تھا نا رات میں؟'' پھر جو سوال کی جونک کی طرح اس کا لہو پیتا رہا تھا اس کی زبان پر آ ہی گیا۔

''کیا ایسا ویسا مطلب...... میں سمجھا نہیں۔'' وہ انجان بن رہا تھا یا واقعی نہیں سمجھا تھا ثانیہ اندازہ کرنے لگی۔

''میں سمجھی شاید...... خدانخواستہ آپ غصے میں مجھے خود سے علیحدہ کرنے کے ولیے...... غصے میں تو کچھ بھی منہ سے نکل سکتا ہے نا!''

وہ ڈرے ہوئے انداز میں بولی۔

''پاگل غصہ کتنا بھی شدید ہوتا۔ میں تمہیں خود سے الگ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور میری زبان کم از کم وہ الفاظ نہیں بول سکتی، جو تمہیں مجھ سے جدا کر دیں، کبھی نہیں ثانی!''

اس نے آہستگی سے اس کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر اسے اپنی طرف کھینچا اور ثانیہ کو اور کچھ پوچھنے کی جیسے ضرورت ہی نہیں رہی۔

✠ ✠ ✠

ان کے خاندان کے تین چار بزرگ تھے اور کچھ محلے کے لوگ بڑے کڑے دل کے ساتھ روحیل نے ابا کی دکان کا تالا کھولا اور سب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی۔

گڈو اس کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔

سب ان کے ساتھ دکان میں داخل ہوئے۔ دروازے کے پاس رک کر دعا کی گئی کہ مرحوم کا کاروبار جیسے اس کی زندگی میں چلا کرتا تھا اسی طرح خدا اب بھی اس میں برکت ڈالے اور اس کے بچوں کے لیے رزق حلال کا باعث بنے۔

وہ خدیجہ اور نصرت کے کہنے پر دروازے تک جا کر واپس آیا تھا اور پھر اس شرط پہ کہ گڈو کے بڑا ہوتے ہی وہ

ستبردار ہو جائے گا۔
''جتنا گڈو کا اتنا تمہارا، تم اس گھر کے بڑے بیٹے ہو اور آج سے تو بھول جاؤ روحیل کہ میں نے تجھے پیدا نہیں
کیا۔اس گھر سے سوتیلا پن آج سے ختم۔''
نصرت تو اندر باہر سے بدل چکی تھی۔روحیل کو جھٹکے پر جھٹکا سا لگتا جا رہا تھا۔اب تم ہی بہنوں کے سرپرست ہو اور
بھائی کے رکھوالے......میرا ابھی کیا پتا، جیسے چپکے سے تمہارے ابا اتنی کم عمری میں چل پڑے میرا ابھی بلاوا آ جائے۔'' وہ رقت
سے بولی۔
روحیل کے پاس اب کوئی عذر کوئی بہانہ نہیں بچا تھا۔
وہ سارا دن اس نے دکان میں گزارا، شام کو گھر گیا تو گھر کا دروازہ ہی نہیں دیواریں بھی بانہیں کھول کر اس کا
استقبال کرنے کو وا ہوئی تھیں، وہی گھر جو اسے ایک رات کیا چند گھنٹے اپنے اندر سمونے کا روادار نہیں تھا۔
ایک عورت کے بدلنے سے اس کا جہان بدل گیا۔
وہ اس رات بہت مہینوں بعد کیسی میٹھی پرسکون نیند سویا تھا۔

✠ ✠ ✠

''میں تمہیں اپنے ساتھ لینے آیا ہوں ثانی! بس ڈیڑھ ماہ ہیں ہمارے پاس کچھ پیپرز میں تمہارے بنالا یا ہوں،
کچھ یہاں سے ہوں گے۔ڈیڈی ہمیں اسپانسر کر رہے ہیں۔ہمارے بچوں کو وہاں کی نیشنلٹی مل جائے گی اور ہم دونوں کے
درمیان یہ جو دوریوں کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی جا رہی ہیں، میں اب انہیں اور نہیں بڑھانا چاہتا۔''
صبح دونوں نے ناشتہ ایک ساتھ کمرے میں کیا تھا۔اور ناشتے کے بعد بلال نے اسے جو یہ اچھی خبر سنائی تھی وہ
خوشی کے مارے کتنی دیر بول ہی نہ سکی تھی۔
''تمہیں خوشی نہیں ہوئی نا! مجھے پہلے ہی پتا تھا تم تو مجھ سے صرف لڑائی ہی رکھنا چاہتی ہو۔'' اس کی بے یقین
صورت دیکھ کر وہ شرارت سے بولا۔
''ابھی اس کیتلی میں چائے گرم ہے، یاد رکھیں۔'' وہ دھمکانے والے انداز میں کیتلی ہاتھ میں پکڑ کر بولی۔
''گستاخ بیوی! شوہر پر حملہ آور ہوتی ہو، خدا کے غضب سے ڈرو۔'' وہ ہنس کر بولا۔
''آپ نے مما سے بات کی؟''
''انہوں نے ہی تو مجھ سے یہ سب کرنے کو کہا تھا کہ میں تمہارے پیپرز بنوا کر تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں۔''
''واقعی۔'' اسے یقین نہیں آیا۔
''ان کے کہے بغیر تمہیں پتا ہے میں اتنا بڑا کام تو نہیں کر سکتا۔''
''ہاں جانتی ہوں میں، سانس پتا نہیں کیسے لیتے ہیں ان کے کہے بغیر۔'' وہ زیرِ لب طنز کرتے ہوئے بولی تو بلال
اسے گھورنے لگا۔

❦

''بل بنا دیں۔'' وہ حساب کتاب میں گم تھا۔ ایک مانوس سی آواز اس کے کانوں میں پڑی اس نے چونک کر سر اٹھایا۔
اس کے سامنے زونیرا کھڑی تھی اور اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔
''آپ...... یہاں؟'' اسے زونیرا کے یہاں تک چلے آنے کی ذرا بھی توقع نہیں تھی سو کچھ بوکھلا کر بولا۔
''کیونکہ تم تو مجھے بے وقوف بنا رہے ہو، بلکہ شاید بنا چکے ہو۔'' وہ کٹیلے لہجے میں بولی۔
''ایسی بات نہیں۔'' وہ اسٹور میں ادھر ادھر پھرتے دونوں ملازم لڑکوں کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولا۔
''تو پھر یہ سب کیا ہے؟'' وہ برہمی سے بولی۔ ''تم میری کال نہیں ریسیو کر رہے مجھ سے رابطہ نہیں کر رہے تو میں اسے اور کیا کہوں؟''
''کچھ پرابلم ہو گئی تھی۔'' وہ اٹک کر بولا۔
''مجھے تمہاری پرابلمز سے کوئی سروکار نہیں مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔
''کیا بات کرنی ہے۔'' اس کا بلاوجہ کا یہ روکھا انداز دیکھ کر روحیل کو بھی غصہ آ گیا، اور اسے اس کی پرابلمز سے دلچسپی نہیں تو پھر وہ اس کے پیچھے کس لیے پڑی تھی۔
''وہ بات یہاں نہیں ہو سکتی۔'' وہ ارد گرد پھرتے گاہکوں کو دیکھ کر آہستگی سے بولی۔
''یہاں نہیں ہو سکتی تو پھر کہیں بھی نہیں ہو سکتی۔'' وہ بھی رکھائی سے بولا۔
''تم میری سچویشن کو نہیں سمجھ رہے۔'' اب کے وہ کچھ الجھ کر بولی۔
''بلال بھائی پاکستان آ گئے ہیں۔'' اس کی اطلاع پر وہ چونکا، لحہ بھر کو کچھ بول ہی نہ سکا۔
''شاید نہیں بلکہ یقیناً ثانیہ کو ڈائیورس دینے۔'' وہ گہرا سانس لے کر افسردگی سے بولی۔ روحیل اسے دیکھتا رہ گیا۔
''کیا تم نہیں چاہو گے ایسے مواقع پر کم از کم ایک بار ثانیہ سے مل ہی لو کہ وہ کس مشکل میں گرفتار ہے۔''
''اس سے کیا ہو گا؟'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔
''مجھے دیر ہو رہی ہے گھنٹے بعد...... بلکہ نہیں کل دوپہر دو بجے کالج روڈ کے اینڈ پر جو کیفے ہے، ہم وہاں ملیں گے تو پھر بات کریں گے، اوکے۔ میں ویٹ کروں گی، تمہارا بائے۔'' وہ کہہ کر خریدا ہوا سامان اٹھا کر کچھ نوٹ رکھ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔
''یہ لڑکی مجھ سے کیا چاہتی ہے؟'' روحیل بہت دیر تک الجھتا رہا پھر اس کا کام میں بھی دل نہیں لگا۔ گھنٹے بعد وہ دکان بند کر کے کسی تاریک کونے کی تلاش میں پیدل ہی چل پڑا جہاں بیٹھ کر وہ اس سارے مسئلے کو از سر نو سوچ سکے۔

✠ ✠ ✠

ثانیہ اور بلال شاپنگ کر رہے تھے۔
اتنے مہینوں کی دوری جیسے رنگ لائی تھی، بلال ہر اس چیز کو خرید لیتا جس کی طرف ثانیہ ذرا بھی پسندیدگی سے دیکھتی۔
''افوہ! کیا کر رہے ہیں ہم نے کیا پورا بازار خریدنا ہے۔ سلیکٹڈ چیزیں لیں نا۔'' وہ بلال کی اتنی شاپنگ پہ جھلا کر بولی۔
''سلیکٹڈ ہی تو لے رہا ہوں۔'' وہ معصومیت سے بولا۔
''یہ سلیکٹڈ ہے۔'' ثانیہ اس کے ہاتھوں میں پکڑے ڈھیر سارے شاپنگ بیگز کو دیکھ کر بولی۔
''ایک نظر کا کمال۔ میں نے تمہیں ایک نظر میں پسند کیا۔ تم نے ان ساری چیزوں پر ایک نظر ڈالی اور سب کچھ سلیکٹڈ ہو گیا نا!'' وہ اسے لاجواب کرنے کو بولا۔
''بلال! کیا ہو گیا ہے آپ کو۔''
''پھر سے ایک سو دس ڈگری عشق کا بخار۔'' وہ رومانٹک لہجے میں بولا۔
''اچھا پھر چلیں۔'' وہ شاپ میں بڑھتے رش سے خائف ہو کر بولی۔
''اچھا گھر جا کر ٹمپریچر چیک کرو گی میرا؟'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔
''نہیں، مام سے چیک کراؤں گی۔'' وہ چڑے ہوئے انداز میں بولی تو وہ ہنس پڑا۔
''قسم سے ایک دم سے سارا ٹمپریچر اڑنچھو ہو گیا ہے۔ بہت ہی غیر رومانٹک قسم کی بیوی ملی ہے ہمیں۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے کیش کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔
ثانیہ مسکراتی نظروں سے اس کی طرف محویت سے دیکھنے لگی۔
''چلو اب کہیں کھانا کھائیں گے۔'' دونوں باہر نکل رہے تھے جب بلال نے کہا۔
''بلال! مما خفا ہوں گی۔''
''کیوں۔ کیوں خفا ہوں گی؟'' وہ بے پروائی سے بولا۔
وہ متذبذب سی سوچنے لگی، وہ نرم الفاظ جو مما کے بارے میں بلال کو سخت نہ لگیں۔
''اب چلو نا!'' وہ اسے کھڑا دیکھ کر بولا۔
وہ گہرا سانس لے کر اس کے پیچھے چل پڑی۔
وہ جانتی تھی بلال کے من میں جو چیز سما جائے اس سے اسے ہٹانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اور گھر دیر سے جانے پر مما کا موڈ کیسا ہوگا۔ ثانیہ اس بارے میں کچھ بھی قیاس نہیں کر سکتی تھی۔
''ارے، وہ زونی کی لیے جو ڈریس لیا تھا۔ اس کا شاپنگ بیگ کدھر ہے؟'' سامان گاڑی میں رکھتے ہوئے بلال کو خیال آیا، ورنہ وہ تو مکمل طور پر فضیلہ مبشر کی ناراضی کے ہراس میں گم ہو چکی تھی۔
''ہاں واقعی نہیں ہے؟'' اس نے بھی سب شاپرز دیکھ لیے۔
''تم رکو میں شاپ میں چیک کر کے آتا ہوں۔'' بلال اسے وہیں چھوڑ کر واپس پلٹ گیا۔
وہ وہیں گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔
''کیسی ہو ثانیہ؟'' وہ روحیل کی بالکل پاس سے آئی آواز پر بے اختیار چونکی۔

''ٹھیک فائن۔ تم ٹھیک ہو؟'' وہ بہت دنوں بعد اسے نظر آیا تھا پہلے سے قدرے کمزور اور سنجیدہ اور آنکھوں جھانکتا عجیب سا کرب۔ ثانیہ کو پہلی نظر میں محسوس ہوگیا۔

''بہت بہت دکھ ہوا ماموں کا۔'' میری طبیعت اچھی نہیں تھی تو میں آ نہیں سکی۔'' کچھ دیر خاموش رہنے کے ثانیہ نے آہستگی سے کہا۔

روحیل نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔

''تم ملے تھے ان سے۔ ان کی ڈیتھ سے پہلے؟''

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

ثانیہ تاسف سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' بہت دیر بعد وہ اسے دیکھ کر بولا۔ اور ثانیہ بے اختیار چونک گئی۔

اس کی نگاہوں سے ٹپکتی شوق کی شعاعیں ثانیہ کے اندر تک اترتی چلی گئی تھیں، پہلی بار اس نے روحیل کے یہ دیکھنے پر ذرا سا سمٹ کر نگاہیں چرائی تھیں۔

ایسی نظروں سے تو اس نے اس وقت بھی ثانیہ کو نہیں دیکھا تھا، جب وہ اس کے گھر آتا تھا اور شاید محبت کا دعو دار بھی تھا۔

''ٹھیک ہے بس۔'' اس نے روکھے لہجے میں کہا۔

روحیل انہیں نظروں سے اسے یک ٹک دیکھے گیا۔

''ایک بات پوچھوں ثانیہ؟'' جانے کیسے اس کا انہماک ٹوٹا تھا، شاید ثانیہ نے ناگواری سے چہرے کا رخ دوسر طرف کر لیا تھا۔ روحیل کو اپنی نظروں کے ارتکاز کا احساس ہوا۔

''تم...... تم بلال کے ساتھ خوش تو ہو نا؟'' بہت جھجک کر اس نے یہ سوال کیا تھا اور ثانیہ کے چہرے کے تاثرا ایک دم سے بدل گئے تھے۔ اس کا چہرہ ایک دم سے سرخ ہوگیا تھا، وہ کچھ سخت بولنے ہی لگی تھی کہ اسی وقت بلال اندر شاپنگ بیگ لے کر آ گیا۔

''لو بھئی مل گیا، شکر ہے۔'' اپنی دھن میں وہ پاس آ کر بولا۔ ثانیہ جلدی سے اس کی طرف متوجہ ہوگئی، مگر بلال روحیل کو دیکھ کر ٹھٹک چکا تھا۔ اور اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''یہ روحیل ہے، میرے ماموں کا بیٹا!'' پست لہجے میں شرمندہ سا تعارف، روحیل کو اپنی موجودگی پر غصہ آ گیا۔

اس نے مصافحہ کے لیے بلال کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''نائس ٹو میٹ یو، چلیں اب۔'' بلال اس کا بڑھا ہوا ہاتھ نظر انداز کرتے ہوئے کھردرے لہجے میں بولا اور فو ہی ثانیہ کی طرف رخ کر کے بولا۔

''ہاں بالکل۔'' وہ بشاشت سے بولی، وہ خود جلد از جلد اس ناپسندیدہ منظر سے نکل جانا چاہتی تھی یا کسی اور کو کرد چاہتی تھی۔

''خدا حافظ۔'' بہت آہستگی سے وہ ایک مختصر سی نظر روحیل کے شرمندہ چہرے پہ ڈال کر بلال کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

آہستگی سے رواں ہوتی گاڑی اس کی نظروں سے اوجھل ہو کر بہت سی بھاگتی دوڑتی گاڑیوں میں مدغم ہوگئی۔ ✻

دو پل...... وہ سرد لہجے جیسے روحیل کی آنکھوں میں ٹھہر گئے۔

''تو کیا زونیرا ٹھیک کہتی ہے، بلال کا رویہ ثانیہ کے ساتھ ٹھیک نہیں۔'' اور یہ سوچتے ہوئے اسے یہ خیال نہیں آیا کہ بلال کا رویہ ثانیہ کے ساتھ نہیں، اس کے ساتھ ٹھیک نہیں تھا۔

اس کے دھیان کا رخ صرف ثانیہ کی طرف تھا۔'' اور ثانیہ نے میری بات کا جواب بھی نہیں دیا کہ وہ بلال کے ساتھ خوش ہے یا نہیں، اور جو زونیرا کہہ رہی تھی کہ بلال اسے ڈائیورس دینے آیا ہے۔ شاید اسی لیے وہ کچھ خوف زدہ سی، کچھ اکھڑی اکھڑی تھی۔ مجھے ایک بار اس سے کھل کر بات کرنی چاہیے، شاید میں اس کی کچھ مدد کر سکوں، اس کے گھر والوں میں سے بھی تو کوئی اس کے پاس نہیں، کوئی اپنا خیال رکھنے والا، پوچھنے والا، اس پہ اس گھر میں جو مصیبتیں آرہی ہوں گی وہ اکیلی ہی فیس کر رہی ہے، شاید وہ مجھ سے شیئر کرنا چاہتی ہو۔''

اور وہ تو آج بھی مجھے اپنے دل سے اتنی قریب، اتنی پاس محسوس ہوئی جتنی پہلے دن اور میں نے کبھی اسے یوں فرصت سے دیکھا ہی نہیں تھا، بس دل میں یہی خیال تھا ثانیہ تو میری ہے، تو یوں ندیدوں کی طرح آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے کی ضرورت کیا ہے، جب ہم دونوں ایک ہو جائیں گے، پاس پاس بیٹھیں گے، تو خوب جی بھر کر اسے دیکھا کروں گا۔ اور وہ وقت آ ہی نہ سکا، کوئی اور یہ قربتیں چرا کر لے گیا، میری محبت، میری آرزو، میری زندگی کی واحد خوشی کوئی اور کتنی آسانی اور صفائی سے چرا کر لے گیا اور اب اسے کس بے دردی سے استعمال کر رہا ہے۔

ثانیہ کے چہرے پہ نہ پہلی سی رونق تھی، نہ آنکھوں میں ویسی چمک، کتنی مرجھائی ہوئی اور پژمردہ تھی وہ...... اور میرا جی چاہ رہا تھا اسے دیکھتا رہوں اور اپنی نظروں میں چھپا کر اسے یہاں سے کہیں اور لے جاؤں۔''

وہ اردگرد بھاگتی دوڑتی شور مچاتی ٹریفک سے بے نیاز صرف اس گزرے پل کے بارے میں سوچے جا رہا تھا جو بھی کچھ دیر پہلے یہاں چند قدموں کے فاصلے پر اس کے قریب سانس لے رہا تھا۔

''مجھے ثانیہ سے بات کرنا ہوگی۔ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھی، اگر بلال نہ آتا تو وہ یقیناً بول دیتی...... زونیرا ٹھیک کہتی ہے میں اس سے ضرور ملوں گا، ایک بار، چاہے وہ آخری بار ہو۔'' وہ پرعزم انداز میں سوچتا وہاں سے چلا گیا۔

☩ ☩ ☩

''میں دیکھ رہی ہوں جوں جوں ایگزام نزدیک آتے جا رہے ہیں تمہارا دھیان اسٹڈیز سے بالکل ہٹتا جا رہا ہے۔ زونی! کیا بات ہے؟'' وہ رات کو بھی کتاب کھولے کسی گہری سوچ میں گم تھی، جب میڈم فضیلہ نے اندر آ کر اس کے قریب دودھ کا گلاس رکھا، وہ پھر بھی اسی طرح بیٹھی رہی۔

''زونی!'' وہ اس کا کندھا آہستگی سے ہلا کر بولیں۔

''یس مام!'' اس کی آنکھوں میں کسی گہری سوچ کی پرچھائیں تھی۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا؟'' وہ فکرمندی سے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''فائن، ٹھیک ہوں میں۔'' وہ اب کے ذرا دھیان سے بولی۔

''تو پھر یہ کیا کھویا پن، کوئی پرابلم ہے؟'' وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ کر بولیں۔

''نو پرابلم مام!'' وہ بے دلی سے مسکرائی۔

''نہیں، کئی دنوں سے نوٹ کر رہی ہوں جانے تم کس دھیان میں رہتی ہو۔ بجائے ان دنوں تمہیں اپنی اسٹڈیز کی طرف متوجہ ہونے کے، کہیں اور ہی ہو تم۔'' وہ جتا کر بولیں۔

''ایسی کوئی بات نہیں مام! میری تیاری تو مکمل ہے، آپ کو تو پتا ہے بار بار ریویژن سے کیسا جی اچاٹ ہو جاتا ہے۔ ایک ہی چیز کو دس، دس بار رٹا لگاؤ۔'' اسے بہانا سوجھ ہی گیا۔

''رٹا کیوں، تم نے تو کبھی رٹا نہیں لگایا۔'' انہوں نے اسے یاد دلایا۔

''ہاں نا پھر بھی۔'' وہ یونہی بولی۔

''بلال سے بھی تمہاری اتنی گپ شپ نہیں رہی، میں دیکھ رہی ہوں۔''

''انہیں تو اپنی مسز سے فرصت نہیں تو مجھ سے گپ شپ کیا لگائیں گے، یہ بھی دیکھ رہی ہوں گی آپ۔'' وہ کلس کر بولی۔

''ہوں...... جب سے آیا ہے صرف ثانیہ، اسے تو اب میں بھی نظر نہیں آتی۔'' وہ آہ بھر کر بولیں۔

''خیر، ایسے تو ہوتا ہی ہے۔'' وہ ذرا سا مسکرا کر بولیں۔ ''نئی شادی کے فوراً بعد جس طرح انہوں نے جدائی سہی ہے۔ اس کے بعد یہ سب نیچرل ہے۔'' وہ اب کے کھلے دل سے بولیں۔

''اونہہ!'' زونیرا نفرت سے منہ میں ہنکاری۔

''تمہاری تو ثانیہ سے اچھی دوستی ہو چلی تھی۔'' وہ اسے گہری نظر سے دیکھ کر بولیں۔

''وہ تو ہے نا!'' وہ ذرا سنبھل کر بولی۔

''تو بھائی کو بھی ٹائم دیا کرو نا، جب تم ٹائم نہیں دو گے تو پھر آٹومیٹکلی اس کا سارا ٹائم صرف اسی کا ہوگا، پھر تم وقت چاہو گی بھی تو وہ تمہارے لیے ٹائم نہیں نکال سکے گا، آفٹر آل بھائی ہے وہ تمہارا۔''

''انہیں خود سے احساس نہیں اس بات کا۔'' وہ کڑھ کر بولی۔

''بیٹا! بھائیوں کو احساس دلانا پڑتا ہے، خود سے انہیں نہیں ہوتا۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولیں۔

''سوری۔ مجھے یہ مانگے کی توجہ اور محبت نہیں چاہیے۔'' وہ سرد لہجے میں بولی۔

''چلو خدا پھر میری بیٹی کو ویسے ہی ڈھیر ساری محبتیں جو دے رہا ہے، وہ بھی بن مانگے۔'' وہ پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر بولیں۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونکی۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی یہ سب کچھ اتنی جلدی اور اچانک سے ہو جائے گا۔'' وہ ایسی پیار لٹاتی نظروں سے زونیرا کو دیکھ کر بولیں۔

''کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہیں مام؟''

''میری بیٹی بھی پرائی ہونے والی ہے، اپنے گھر کی۔''

''مام!'' وہ الجھ کر رہ گئی۔

''مسز حامد نے اپنے بھتیجے کا تمہارے لیے پرپوزل دیا ہے، ابھی حال ہی میں میڈیسن کی تعلیم یو کے سے مکمل کر کے آیا ہے، ویری بریلینٹ، ہینڈسم اور ویل اسٹیبلش فیملی ہے، آئی ایم سو ہیپی زونی! یو آر لکی مائی ڈاٹر!'' وہ خوشی سے مغلوب لہجے میں بولیں۔

زونیرا ایک ٹک حیرانی سے انہیں دیکھے گئی۔

''کیا بات ہے تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟'' وہ اسے یوں چپ دیکھ کر قدرے ناگواری سے بولیں۔

''پتا نہیں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''مجھے ابھی شادی وادی نہیں کرنی مام!''
''شادی ابھی کون کر رہا ہے، دو چار ماہ تو لگیں گے۔''
''دو، چار ماہ۔'' وہ حیرانی سے بولی۔
''ہاں، میں یہی چاہتی ہوں، بلال آیا ہوا ہے، تو اس کی موجودگی میں سب ہو جائے تو اچھا ہے، پھر شہر یار جیسا اچھا پرپوزل تو قسمت والوں کا آیا کرتا ہے۔''
''میں نے آپ سے کہا نا مجھے ابھی شادی کرنی ہے نہ منگنی، نہ مجھے ایسی اچھی قسمت کی ضرورت ہے پلیز۔'' ایک دم غصے میں کتاب بند کر کے وہ بولی تو میڈم فضیلہ کو بہت برا لگا۔
''میرا خیال ہے تم میری نرمی اور محبت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔''
''کیوں کیا بلال بھائی نے یہ فائدہ نہیں اٹھایا'' وہ رک کر طنز سے بولی۔ ''اور مام میں بھی شادی کروں گی تو اپنی پسند اور مرضی سے، اتنا حق تو مجھے بھی ہے نا یا نہیں۔'' وہ جتا کر بولی تو انہیں احساس ہوا، زونیرا جس بات پہ اڑ جائے اسے آسانی سے منوانا بہت مشکل ہے۔
''یہ حق تمہیں بھی، بلال کو بھی تھا، تم سب کو ہے سوائے ایک میرے۔'' وہ ایک دم غصے میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
''مجھے تو زمانے بیت گئے اپنا حق، اپنی خوشی، اپنی مرضی استعمال کیے ہوئے، مگر شاید اب مجھے اس کا اختیار رہا بھی نہیں۔'' وہ خود ترسی کے انداز میں بولیں۔
''کیونکہ ایک بار آپ یہ حق خوب دھڑلے اور آزادی سے استعمال کر چکی ہیں، زندگی صرف اپنی مرضی اور خوشی سے گزارنے کا حق۔'' میڈم فضیلہ کو لگا کسی نے کمرے کی چھت اٹھا کر ان کے سر پر دے ماری ہو۔
''یہ ہی وہ اولاد تھی، یہ تھی وہ خوشی اور چاہت بھری خواہش جس کے لیے انہوں نے راہ میں آئے ہر ساتھ کو ٹھوکر ماری۔ وہ ششدر نگاہوں سے زونیرا کو دیکھتی رہیں۔
''طلاق کے بعد آنے والے شاندار پرپوزل......'' اگر انہوں نے سوچا ہوتا کچھ اپنے بارے میں، اپنے آنے والے ان دنوں کے بارے میں تو شاید آج یوں کھڑی اس بدتمیز لڑکی کی بکواس نہ سن رہی ہوتیں اور یوں اکیلی اور تنہا نہ ہوتیں۔
انہوں نے گہرا سانس لیا اور باہر نکل گئیں، کیونکہ اب رات بھر سوچنے کے لیے اور جاگنے کے لیے ان کے پاس بہت کچھ تھا۔
زونیرا سیل فون اٹھا کر کسی کا نمبر ملانے لگی، اسے احساس بھی نہیں تھا کہ اس نے اپنی ماں سے کیا کہہ ڈالا ہے، جس کی چبھن انہیں آنے والی بہت سی راتوں میں بے چین رکھے گی۔

✠ ✠ ✠

بلال نے غصے میں کوٹ اتار کر بیڈ پر پھینکا اور جوتوں سمیت بیڈ پر نیم دراز ہو گیا، ثانیہ متذبذب سی ذرا فاصلے پر کھڑی دیکھتی رہ گئی۔
وہ اس کی طرف بالکل بھی متوجہ نہیں تھا، بلکہ انداز ایسا تھا کہ ثانیہ یہاں سے دفعان ہو جائے۔
''مجھے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا بلال! کہ آپ کا موڈ کیوں آف ہے؟'' آخر ہمت کر کے وہ آگے بڑھی اور اس کے

پاس بیٹھتے ہوئے نرمی اور کچھ ڈری ہوئی آواز میں بولی۔
''میرا موڈ کیوں آف ہے، اب یہ بھی میں تمہیں بتاؤں۔'' وہ کاٹ کھانے والے لہجے میں بولا۔
''کھانا بھی آپ نے ٹھیک سے نہیں کھایا، کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟'' وہ ذرا دیر بعد پھر سے بولی۔
وہ دونوں اتنے مہینے کی شادی شدہ زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ بہت نہیں رہے تھے، اس لیے زیادہ ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھ بھی نہیں پائے تھے اور بلال جس بات پر خود کو حق پر سمجھنا چاہتا تھا ثانیہ اس کے کہے بغیر محض اس کا چہرہ دیکھ کر سرینڈر کر جائے، آخر اس نے ثانیہ کو پسند کر کے اس پر اتنا بڑا احسان جو کیا ہے۔ ثانیہ کو اس لمحے یہ ہی لگا وہ بلال کے اس اتنے بھاری احسان تلے دب کر ہمیشہ کے لیے سر اٹھا کر بات کرنے کے قابل نہیں رہی۔
''محبت کا احسان؟'' وہ حیرانی سے اس کا چہرہ تکنے گئی۔
''آپ مجھ سے شادی کر کے پچھتا رہے ہیں۔'' وہ ایک لمبی چپ کے بعد بولی۔
''یہ کیا فضول بات ہے۔ اس کا یہاں کیا تذکرہ؟'' وہ بھڑک اٹھا۔
''تو اور کیا کہوں؟'' وہ بے بسی سے بولی۔
''آپ کا یوں بات بات پر غصہ کرنا بغیر وجہ بتائے اس طرح ناراض ہو جانا...... مجھے ہر بار یہ ہی فیل ہوتا ہے آپ اپنے فیصلے پر پچھتا رہے ہیں۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی۔
''پلیز، میرا دماغ خراب مت کرو، میرا موڈ پہلے بہت آف ہے۔'' وہ بےزاری سے بولا۔
''ہاں تو بتاتے کیوں نہیں، کس بات پر آپ کا موڈ آف ہے، مجھ سے کچھ غلط ہو گیا تو میں وجہ پوچھے بغیر آپ سے معذرت کر لیتی ہوں۔'' وہ تھک سی گئی تھی۔
ایک تو شام کو شاپنگ، پھر کھانے کے دوران مسلسل بلال کا آف موڈ اور اب پھر یہ منانے کی ایکسر سائز، وہ اس وقت صرف آرام کرنا چاہتی تھی۔
''کیا ہر مسئلے کا حل صرف ایکسکیوز کرنے میں ہے۔'' گویا وہ اتنی آسانی سے معذرت قبول کرنے پر تیار نہیں تھا۔
''کون سا مسئلہ؟'' اسے بالکل سمجھ میں نہیں آیا۔
''تمہارا بار بار اپنے اس کزن سے ملنا۔ محض ایک اتفاق ہے؟'' اور بلال کی بات پہ وہ کافی دیر کچھ بول ہی نہ سکی۔
''اور پھر تم جھوٹ بول کر صاف مکر جاتی ہو کہ تم اس سے ملی تھیں۔''
''میں مکر جاتی ہوں؟ نہیں بلال! میں کیوں مکروں گی آپ کے سامنے۔''
''میں اچانک پہنچ گیا تو دیکھ لیا ورنہ......'' وہ جتا کر بولا۔
''ورنہ، ورنہ کیا میں نے اسے بلایا تھا اور......'' شدت کرب سے اس سے بولا نہیں گیا۔
''غور سے سنو میری بات۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ آنکھوں میں جھلملاتے پانیوں کو بمشکل ضبط کرنے لگی۔
''تم نایاب کی طرف گئیں اور اس سے رستے میں ملیں، مما نے خود تم دونوں کو دیکھا اور گھر آ کر تم سے پوچھا بھی اور تم صاف مکر گئیں، بولو میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔''
ثانیہ کو لگا اب وہ بلال کے سامنے کبھی سر اٹھا کر بات نہیں کر سکے گی، سچ بھی بولے گی تو اسے جھوٹ ہی لگے گا، کیونکہ اس کے دل میں ثانیہ کی طرف سے شک کا بیج بویا جا چکا ہے۔
''جھوٹ بول رہا ہوں میں یا مما نے جھوٹ بولا تھا۔'' وہ پھر سے اس کی چپ پر دہرا کر بولا۔
''نہیں، میں نے جھوٹ بولا تھا۔'' وہ نظریں جھکا کر بولی۔

''تم اس سے ملی تھیں؟''

''شاید میری قسمت مجھے کسی بڑی تباہی کی طرف گھیر گھار کر لے جارہی ہے۔ اگر کسی سے سرراہ یونہی مل جانے کو آپ باقاعدہ ملاقات کہتے ہیں تو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' وہ خود کو ذہنی طور پر آنے والے وقت کے لیے ابھی سے تیار کرنے لگی۔

''سرراہ صرف وہی کیوں ملتا ہے تم سے؟'' وہ جھلا کر بولا۔

''اور تم نے مما کے سامنے اقرار کیوں نہیں کیا۔'' وہ آسانی سے بخش دینے والوں میں سے نہیں تھا، اپنی ماں کی طرح۔ اتنا اندازہ ثانیہ کو ہو ہی گیا تھا۔

''محض سلام، دعا کی تھی اور قسم کھانے سے اگر آپ کو یقین آسکتا ہے تو میں قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں۔ جب مما نے مجھ سے پوچھا تو میرے ذہن میں روحیل سے ملنے والی بات نہیں تھی، صرف نایاب کے گھر جانے اور اس سے بلا اجازت ملنے کا قصور تھا، مما اگر مجھ سے پوچھ لیتیں تو بلال! میں کیوں انکار کرتی۔'' آخر میں وہ نرمی سے بولی۔

بلال کچھ کہے بغیر اسے دیکھتا رہا۔

''آپ کو ابھی بھی مجھ پہ یقین نہیں آیا۔'' وہ بے چینی سے بولی۔

''میں ذرا مما کے پاس ہوں، تم آرام کرو اب۔'' وہ جواب دیے بغیر اٹھا اور باہر نکل گیا۔ ثانیہ کو یوں آس و نراس کے بیچ چھوڑ کر۔

✠ ✠ ✠

روحیل شام ڈھلے گھر میں داخل ہوا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ سامنے ہی یوسف کی امی، نصرت کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھیں، روحیل کو دیکھ کر ان کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

وہ سلام کر کے اندر چلے جانا چاہتا تھا، مگر نصرت نے اسے روک لیا۔

''اتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہی ہیں، دو گھڑی تو بیٹھو یہاں۔ چائے پیو گے، ذکیہ بہن تو پی چکیں۔'' وہ نصرت کو دیکھتا رہ گیا۔

اب تو یہ اکثر ہی ہونے لگا تھا، نصرت اس طرح اتنے مٹھاس بھرے لہجے میں بولتیں تو روحیل جو کچھ بھی بولنا چاہتا بھول سا جاتا۔

اسے یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ نصرت ہے، وہی نصرت جو اس کے باپ کی زندگی میں...... تو پھر کوئی اتنی جلدی اور اتنا سارا بلکہ سراپا اندر باہر سے کیسے بدل سکتا ہے؟ وہ یک ٹک نصرت کو دیکھتا رہا۔

''تم نے کئی دنوں سے گھر چکر ہی نہیں لگایا تو میں نے کہا خود چل کر پتا کر آؤں، خیریت تو ہے؟'' ذکیہ اس سے مخاطب تھیں۔

نصرت شاید اس کا جواب نہ پا کر چائے بنانے جا چکی تھیں۔

''جی، بس وہ دکان پر ہوتا ہوں تو سارا دن ٹائم ہی نہیں ملتا۔'' وہ نظریں جھکا کر بولا۔ ذکیہ سے وہ نظریں ملا کر بات نہیں کر سکتا تھا، ان کی نظروں میں التجا کرتا وہ سوال جس کا جواب اس کے پاس تھا ہی نہیں، اس کا دامن پکڑنے لگتا تھا۔

''وہ سرمد کی نوکری کا کہا تھا تم سے؟'' وہ کچھ دیر بعد بولیں۔

''وہ اسکول نہیں جا رہا؟'' وہ چونک کر بولا۔

''جاتا ہے مگر شام میں، کہیں تو کرنا پڑے گا، میری سلائی سے گزارا نہیں ہوسکتا۔'' وہ آہستگی سے بولیں۔
''تو آپ اسے میرے پاس دکان پر بھیج دیں، مجھے یوں بھی لڑکوں کی ضرورت ہے، شام کے چار، پانچ گھنٹے کچھ کام بھی کرے گا، اور ٹائم ملے گا تو پڑھ بھی لیا کرے گا۔'' اس نے دھیمی آواز میں کہا، مبادا نصرت نہ سن لے۔
جانے نصرت پر کون سی بات کس وقت کس طرح اثر انداز کرے روحیل کے دل میں ابھی بھی یہ وسوسہ تھا۔
''نہیں بیٹا! تمہارے ہم پر پہلے ہی بہت احسان ہیں۔''
''اور جو کچھ میرے لیے یوسف نے کیا وہ میں آپ سے نہیں کہہ سکتا، آج اگر میں یہاں بیٹھا ہوں آپ کے سامنے تو یوسف کی وجہ سے۔''
''نہیں بیٹا! ہر کوئی اپنی عمر جیتا ہے، اپنی سانسیں پوری کرتا ہے، کوئی ان کو گھٹا بڑھا نہیں سکتا، جب گنتی ہی پوری ہو چکی ہو تو کسی کی بھاگ دوڑ کام میں نہیں آتی۔'' وہ افسردگی سے بولیں اور اٹھ کر کھڑی ہوگئیں۔
''بیٹھیں نا آپ؟'' اس نے خالہ یا امی کہنے کا تکلف برطرف کر دیا تھا۔
''نہیں بسمہ گھر میں اکیلی ہے، شام ہو چلی ہے، سرمد تو گھر میں نکتا نہیں، اسی لیے کہہ رہی تھی، شام میں کسی کام سے لگ جاتا تو اچھا تھا۔''
''ٹھیک ہے، میں کل آؤں گا آپ کی طرف تو اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''
وہ اس کے سر پر پیار کرکے سہلاتے ہوئے باہر نکل گئیں۔ اسی وقت نصرت چائے لے کر آگئی۔
''میں نے روکا بھی تھا ذکیہ بہن کو کھانا کھا کر چلی جاتی۔'' وہ چائے اس کے سامنے رکھ کر عام سے لہجے میں بولی تو روحیل پھر ٹھٹک کر اس کے چہرے پہ کچھ تلاشنے لگا۔
''ثنا اور گڈو کدھر ہیں؟'' حنا ایک طرف بیٹھی ٹی وی پہ کارٹون دیکھ رہی تھی۔
''دونوں ٹیوشن گئے ہیں، اسے بخار تھا، آج چھٹی کرلی۔''
دونوں کے درمیان اگرچہ ذرا بھی ذہنی ہم آہنگی نہ تھی، مگر دونوں پاس بیٹھے یوں چائے پی رہے تھے، جیسے وہ دونوں ماں، بیٹا برسوں سے اسی طرح شام کو بیٹھ کر چائے پیا کرتے تھے۔
''یہ تمہاری خدیجہ پھوپھی اپنی بیٹی سے بھی ملنے نہیں گئی، صبح یہاں سے گھر کو چلی گئی، کچھ دیر بعد نصرت کو یاد آیا۔''
روحیل خاموش رہا۔
''پہلے میں سمجھتی تھی شاید تمہاری پھوپھی تم سے اپنی بیٹی کی شادی کرے گی، بلکہ تمہارے ابا نے تو ایک، دو بار مجھ سے ذکر بھی کیا، مگر تمہارے نہ پڑھنے لکھنے پھر کام کاج سے نہ لگنے کی وجہ سے، شاید ہم نے دیر کردی اور خدیجہ آپا نے اچانک سے...... سنا ہے بہت امیر کبیر کھاتا پیتا گھرانہ ہے ثانیہ کا جہاں رشتہ ہوا۔'' وہ اذیت سے پہلو بدل کر رہ گیا۔
''ثانیہ اچھی لڑکی تھی، اور تمہارے ساتھ خوب جچتی بھی، پر جوڑے تو قسمت سے بنتے ہیں، بڑے کالج میں پرنسپل ہے اس کی ساس۔ پڑھنے لکھنے کا تو اسے یوں بھی جنون تھا۔'' وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔
''میرے سر میں درد ہے، میں ذرا آرام کروں گا۔'' کہہ کر وہ نصرت کی اگلی بات سنے بغیر اندر چلا گیا۔ نصرت کی اتنی محبت اور اپنائیت کے باوجود بھی روحیل کی نہ تو اس سے بے تکلفی ہوسکی تھی اور نہ شاید اس کا اعتبار اس پر بحال ہوسکا تھا۔
''جانے کس گھڑی یہ عورت کون سا رنگ دکھائے، وہ ہمہ وقت دکان کی چابیاں جیب میں رکھتا کہ جب بھی نصرت اپنے پرانے رنگ میں آئی وہ چابیاں نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دے گا۔''
نصرت کی اتنی میٹھی باتوں سے اسے اور بھی الجھن ہونے لگتی تھی اور اس وقت ثانیہ کا ذکر وہ بھی اس پیرائے

میں ......جیسے کسی نے اس کے دل پر دباؤ بڑھا دیا ہو۔
''ابھی تو شام کی ملاقات، اگر اسے ملاقات کہا جائے تو......'' وہ کمرے میں بیٹھ کر سوچنے لگا۔
وہ دونوں مہنگے شاپنگ مال سے نکل رہے تھے، شاپنگ بیگز کا ڈھیر......ثانیہ کے چہرے کا اطمینان......''اور زونیرا کہتی ہے وہ بلال کے ساتھ خوش نہیں۔'' ایک دم سے اس کے دماغ میں روشنی سی ہوئی۔
''اور بلال اسے ڈائیورس دینے آیا ہے تو کیا طلاق دینے سے پہلے وہ اسے جی بھر کر شاپنگ کرانا چاہتا ہے یا......'' وہ ایک دم سے الجھ گیا۔
''اور ثانیہ نے بھی مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی کہ وہ بلال کے ساتھ ناخوش ہے، میں نے پوچھا بھی اور......اگر ایسا کچھ ہوتا، وہ مجھ سے کچھ تو کہتی۔'' وہ الجھ سا گیا۔
''لیکن اس کی مجھ سے پہلے بھی اتنی بے تکلفی کب تھی، اور خدیجہ پھوپھی بھی اس سے ملے بغیر واپس چلی گئی، وہ اپنے دل کی بات کس سے کرے؟''
''تو جو زونیرا کہتی ہے وہ ٹھیک ہے، وہ مجھ سے کھل کر نہیں کہہ پا رہی، پھر میں اس سے کیوں ملوں، ایک بار میرے دل سے یہ پھانس نکل جائے کہ وہ بلال کے ساتھ خوش ہے یا نہیں، پھر مجھے چین آ جائے گا۔'' وہ بے چین سا ہو گیا۔
''مجھے ایک بار ثانیہ سے ملنا ہی ہو گا۔'' اس نے فیصلہ کر کے ثانیہ کا نمبر ملایا، کافی دیر بیل جانے کے باد جود کال ریسیو نہیں کی گئی، اس نے دوبارہ کوشش کے بعد تھک کر فون بند کر دیا۔

✠ ✠ ✠

''تم زونیرا سے خود بات کرو۔'' میڈم فضیلہ نے بلال سے کہا۔
''اس نے آپ کی بات نہیں سنی تو میری کب سنے گی۔''
وہ اسے دیکھ کر رہ گئیں، بلال کے لہجے میں کچھ اکتاہٹ تھی۔
''بہن ہے وہ تمہاری، اور کبھی تم دونوں میں اچھی فرینڈ شپ بھی تھی۔'' وہ جتا کر بولیں۔
''آپ نے خود ہی مان لیا، فرینڈ شپ تھی، اب نہیں ہے۔''
''اور اس کی وجہ بھی تم جانتے ہو۔'' وہ کچھ تندی سے بولیں۔
''وہ جتنی روڈ ہو چکی ہے اس سے کوئی سادہ سی بات کہنا بھی مشکل ہے، تو یہ پھر ایک ایسی بات ہے جس سے وہ پہلے انکار کر چکی ہے، بات کرنا بہت مشکل ہے۔''
''یا تم اس قدر خود غرض ہو چکے ہو کہ تمہیں شاید اب کسی کی بھی پروا نہیں رہی۔'' ان کا غصہ عود کر آیا۔
''یہ کیا بات کی آپ نے مام!'' وہ دکھ سے بولا۔
''تو اور میں کیا کہوں، تمہیں اپنے علاوہ اور کسی کا خیال آتا ہی نہیں۔'' ان کے لہجے میں بہت کچھ تھا جو شاید بہت دنوں سے ان کے دل میں پنپ رہا تھا۔
''ایسا کیا خیال کر لیا میں نے اپنا۔'' وہ تلخی سے بولا۔
''اور کیا ہو رہا ہے، صرف اپنا سوچا تم نے۔ اتنے نیچ خاندان میں شادی کی، یہ نہیں سوچا کہ کل کو بہن کا رشتہ کرنا ہو گا تو یہ سب باتیں کاؤنٹ ہوں گی، مگر تمہیں صرف اپنے جذبوں کی پروا تھی، اپنی خواہش کی فکر......''
''آپ اس بات کو بھولیں گی یا نہیں۔'' وہ ترشی سے بولا، اسے بھی غصہ آنے لگا تھا۔

''نہیں ......شاید کبھی نہیں۔'' انہوں نے دل کی بات کہہ ڈالی۔

''اور مام! آپ کے منہ سے مجھے اپنی خواہش کا پالینا برا نہیں لگتا، جس طرح آپ کلاس ڈیفرنس کا ذکر نفرت سے کرتی ہیں، مجھے اس سے کتنا دکھ ہوتا ہے۔ آپ نے تو بطور استاد ساری زندگی ایسی باتوں کی نفی کی ہے، پرچار کیا ہے انسانیت کی برابری کا تو پھر مام! یہ دوغلا پن۔''

''خیر۔ اس ڈیفرنس کو تو تم بھی اپنے دل و دماغ سے نہیں نکال پاتے، جب بھی ثانیہ کے ساتھ چاہے اکیلے میں بھی ہو، ایک برتری کا احساس ہوتا ہے نا تم میں، اب میرے منہ سے سن کر جو کچھ تمہیں برا لگتا ہے، اگر حقیقت پسندی سے دیکھو تو تم خود اس پر عمل کر رہے ہوتے ہو۔''

انہوں نے اس کے کس عمل سے یہ اخذ کیا تھا، وہ فوری طور پر سمجھ نہیں سکا، مگر انہوں نے حقیقت بیان کی تھی۔

اگر ثانیہ اس کے کسی ہم پلہ خاندان سے ہوتی تو کیا اس طرح وہ اس کی ہر خواہش کو رد کر سکتا تھا جس طرح اب آسانی سے کر لیتا ہے۔ وہ خاموش سا بیٹھا رہ گیا۔

اور یہ کلاس ڈیفرنس تو ہمارے اندر کسی بیج کی طرح ہماری پیدائش کے ساتھ ہی بو دیا جاتا ہے، کسی میں کم، کسی میں زیادہ، یہ ہوتا ضرور ہے، شاید وہ صرف ولی ہوں یا خدا کے بہت ہی پسندیدہ جو خلق خدا میں یہ جماعت بندی، امیری غریبی کے فرق کے بنا پر نہ کرتے ہوں، ورنہ تو یہ سب میں موجود ہوتا ہے، اور جو انکار کرے اس دعوے سے، پھر وہ خود کو کسی آزمائش میں مبتلا ہونے کا انتظار کرے، جیسے اس وقت بلال محسوس کر رہا تھا۔

''خیر۔ اس وقت ہم زونی کا مسئلہ ڈسکس کر رہے ہیں۔'' آئینہ دیکھنا دنیا کا مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے، وہ نظریں چرا کر بولا۔

''اور تمہیں اس سے بات کرنا ہوگی، میں مسز خاور کو فرائیڈے کو انوائیٹ کر رہی ہوں، تم بھی ان سے مل لینا، میں کم از کم انگیج منٹ کر دینا چاہتی ہوں۔''

''اتنی جلدی! زونی ابھی پڑھنا چاہتی ہے۔'' وہ کچھ حیرانی سے بولا۔

''پڑھنے کی بات جانے دو، وہ تو ثانیہ بھی چاہتی تھی، اچھا رشتہ آیا۔ اس کے ماں باپ نے ایک لمحے کی دیر نہیں کی اور تمہارے پیچھے جس طرح زونی نے مجھے ناکوں چنے چبوائے ہیں۔ اب اس کے بعد میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتی۔'' وہ بہت کچھ جتا کر بہت کچھ چھپا گئیں۔ بلال پوچھتے پوچھتے رہ گیا، وہ پھر سے ثانیہ کا ایشو چھیڑ کر بیٹھ جاتیں۔

✠ ✠ ✠

''زونی! یہاں اندھیرے میں کیوں بیٹھی ہو؟'' ثانیہ کسی کام سے اس طرف آئی تھی، زونیرا کو اندھیرے میں بیٹھے دیکھ کر رک گئی۔

''تو اور کہاں بیٹھوں، جب میری قسمت میں اندھیرے لکھے جا رہے ہوں۔'' وہ شاید رو رہی تھی۔

''اللہ نہ کرے۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''یہ ہی چاہتی تھیں نا تم؟'' وہ اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ کر بولی۔

''کیا...... میں کیا چاہتی تھی؟'' وہ حیرانی سے بولی۔

''کہ میں اور روحیل ایک نہ ہو سکیں۔'' وہ رنجیدگی سے بولی اور ثانیہ کا جی چاہا، اپنا سر پیٹ لے۔

''میں کیوں چاہنے لگی ایسا۔'' وہ زِچ ہو کر بولی۔

''تم نے تو اپنی محبت کو پالیا، تم کیوں چاہو گی، مجھے میری محبت مل سکے، پھر جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا، اس کے بعد بھی۔''

''نہیں زونیرا! ایسی کوئی بات نہیں، مگر تمہاری خواہش......''

''بے جا، بہت فضول، بے کار، بچگانہ یہی کہو گی نا!'' وہ تیزی سے اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''بلال بھائی نے جب تمہاری خواہش کی تھی کیا وہ فضول، بے کار اور بچگانہ نہیں تھی۔'' وہ تنک کر بولی۔

'اور اس ایک مثال کے آگے تو اس دنیا کی ساری مثالیں ہیچ ہیں۔' ثانیہ نے جل کر سوچا۔

''تو تم میری لیے روحیل سے بات نہیں کرو گی؟'' وہ ایک دم مشتعل ہو کر بولی۔

''زونی! اب میں کیا بات کروں؟''

''کہ وہ مجھ سے شادی کرے، وہ تمہیں ابھی بھی بھول نہیں پا رہا۔''

''جھوٹ، بکواس۔ ایسا کچھ نہیں تھا ہمارے درمیان، وہ تو مجھے کل بھی ملا تو......''

''اوہ! تو تم اس سے ملتی رہتی ہو، اسی لیے تو اس پر میری محبت کا، میرے جذبوں کا کچھ اثر نہیں ہو رہا۔''

''نہیں زونی! ایسی کوئی بات نہیں، وہ تو یونہی رستے میں۔'' وہ سچ بول کر پھر پکڑ میں آ گئی تھی۔

''یونہی رستے میں، ہر بار وہ یونہی رستے میں تمہیں ہی کیوں ملتا ہے، بتا رکھا تھا نا تم نے اسے فون پر پہلے سے۔'' وہ حد درجہ شکی تھی۔

''کیا فضول باتیں کر رہی ہو؟'' وہ جھنجلا کر بولی۔

''میری ہر بات تمہیں فضول لگتی ہے، اگر تمہاری اور روحیل کے بیچ میں کچھ نہیں تو پھر تمہیں اس سے میری بات کرنا ہوگی، ورنہ......''

''ورنہ کیا؟'' وہ چونکی۔

''میں کچھ بھی کر سکتی ہوں، تم جانتی ہو۔'' وہ دھمکانے والے انداز میں بولی۔

''میں سمجھی نہیں۔'' ثانیہ پھر سے ڈر گئی۔

''سمجھ تو تم گئی ہو، انجان بننا چاہتی ہو تو الگ بات ہے۔'' وہ پہلے والی زونیرا بن چکی تھی، منتقم مزاج اور حاسد۔

''میں بھائی کو سب کچھ بتا دوں گی۔''

''کیا بتاؤ گی؟'' ثانیہ کو بالکل اس کے عزائم سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔

''جو تمہارے اور روحیل کے بیچ میں چلتا آ رہا ہے۔'' وہ تھرڈ کلاس لہجے میں بولی۔

''کیا...... چلتا آ رہا ہے؟'' ثانیہ کا دل بری طرح سے دھڑکا۔

''تم جانتی ہو اس بارے میں۔'' وہ شاطرانہ انداز میں بولی۔ ''اور اب تمہیں روحیل سے مل کر میرے متعلق بات کرنا ہوگی، ورنہ تمہارے لیے مشکل پیدا ہو جائے گی۔''

''تم مجھے بلیک میل کر رہی ہو؟''

''نہیں، بتا رہی ہوں اس سے، اگر تم بلیک میل ہوتی ہو تو واٹ کین آئی ڈو۔'' وہ کندھے اچکا کر بولی۔

''یوں تو اگر تم روحیل سے نہیں بھی بات کرو گی تو بھی شادی تو مجھے روحیل ہی سے کرنی ہے، چاہے اس کے لیے مجھے اس سے کورٹ میرج کیوں نہ کرنا پڑے، اور مجھے اس بات سے کوئی روک بھی نہیں سکتا۔'' وہ کس حد تک جا سکتی تھی، یہ اس کے لہجے سے عیاں تھا۔

''تو تم کرو گی نا بات روحیل سے؟'' وہ اس کی حالت سے محظوظ ہو کر بولی۔

''کیا......کیا بات کرنی ہے؟'' وہ اسی گم صم انداز میں بولی۔

''کہ میں یعنی زونیرا اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں، سو اس کو میری چاہت قبول کرنا ہو گی۔'' وہ کس آرا' یہ سب کہہ رہی تھی۔ ثانیہ اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں حیرت ہو رہی ہے میرے منہ سے ہی سب سن کر...... بلال بھائی نے بھی اسی دھڑلے اور بے انداز میں سب کچھ کہہ ڈالا تھا۔ انہیں یہ سب کہنے کا حق تھا اور کسی نے اس بات کو ایشو نہیں بنایا کہ وہ مرد تھے اس لیے۔' اسی طرح کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

''اور میں تمہیں وہ انتہا بتا چکی ہوں، جہاں تک مجھے جانا ہے، جس کے لیے نہ تم مجھے روک سکتی ہو، نہ کوئی اور

''اور ہاں۔'' وہ رک کر دھمکانے والے انداز میں بولی۔ ''اگر مجھے روحیل نہ مل سکا تو میں تمہیں بھی آباد نہیں دوں گی، برباد کر دوں گی تمہیں بھی اور اپنے اردگرد سب کچھ بھی۔''

وہ بالکل ایک ان پڑھ، گنوار محض اپنی ذات کی خاطر ہر حد سے گزر جانے والی کوئی عام سی لڑکی تھی۔

''تم تم اس سے بات کرو گی نا!'' وہ ثانیہ کی مستقل چپ پہ جھنجلا کر اسے جھنجوڑ کر بولی۔

''کس سے؟'' ثانیہ بالکل بھول گئی تھی، وہ تو پل پل بدلتی زونیرا کو ہی دیکھتی محوِ حیرت تھی۔

''تو تم کچھ نہیں کرو گی۔ ہے نا!'' وہ اسے زور سے پرے دھکیل کر نفرت سے بولی۔ ''اب تم دیکھو گی، میں کہ ہوں، کیونکہ اسے میں حاصل تو کر کے رہوں گی، آج تک میں کبھی اپنی پسند سے دستبردار نہیں ہوئی، یاد رکھنا۔''

وہ اسے تیز نفرت بھری نظروں سے دیکھتی باہر نکل گئی۔ ثانیہ اسی طرح پتھر کے بت کی طرح ساکت کھڑ گئی تھی۔

''اگر وہ روحیل سے ملتی ہے تو بلال......اگر اسے پتا چل گیا اور جو شک اُس کے دل میں ہے، وہ اگر یقین بدل گیا تو......

''نہیں......نہیں۔ میں ہرگز زونیرا کی بات نہیں مانوں گی، کبھی نہیں۔'' اس نے پختگی سے سوچا۔ وہ تھکی ا دو قدم آگے بڑھ کر وہیں کرسی پر بیٹھ گئی۔

زونیرا کی دھمکی بھی خالی خولی دھمکی نہیں ہو سکتی، یہ تو وہ بھی سمجھ سکتی تھی۔ اور اس کی بات بھی ماننا ممکن نہیں۔

اس کا دل دونوں باتوں کو ماننے سے قاصر تھا، وہ ایک بار پھر ایک مشکل موڑ پر کھڑی تھی، جس سے نکل آ۔ لیے وہ اپنے محبوب شوہر سے بھی مشورہ نہیں کر سکتی تھی، اسے اپنی لاچاری پر رونا سا آنے لگا۔

✠ ✠ ✠

''ایک بات کہنی تھی تم سے۔'' نصرت اس کے کمرے میں آئی تو وہ موبائل فون ہاتھ میں لیے زونیرا کا نمبر تھا، اس نے ہاتھ وہیں روک کر سیل ایک طرف رکھ دیا۔

''جی کون سی بات؟'' ایک ہی گھر میں رہنے کے باوجود دونوں میں ماں، بیٹے کی سی بے تکلفی یا اپنائیت نہ ہو سکی تھی۔

''شام کو جو تمہارے دوست یوسف کی والدہ ذکریہ بیگم آئی تھیں، تمہیں پتا ہے، وہ کیوں آئی تھیں۔'' توقف سے دروازے کے پاس پڑی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولی۔ روحیل اس کی بات سمجھ کر لمحہ بھر کو خاموش سا رہ گیا۔

''شاید انہوں نے کچھ برے دنوں میں۔ کڑے وقت میں تمہارا ساتھ دیا ہے، تو......اس کی بیٹی تو اندھی ہے نا!''

ان دو جملوں میں بہت کچھ جتا اور بتا دیا گیا تھا۔

''احسان کا بدلہ چکانے کا ایسا طریقہ بہرحال نہیں ہونا چاہیے۔'' روحیل، نصرت کی آنکھوں میں لکھی تحریر پڑھ کر رہ گیا۔ دونوں پھر سے خاموش ہو گئے۔

کیا یہی بات مجھ سے کرنے آئی تھیں، یہ تنبیہ ہے یا بے زاری......اور بسمہ......ہاں، جب ثانیہ کی طرف سے دل بری طرح ناامید ہو چکا تھا تو بسمہ کی طرف، اس کی معذوری کے باوجود میرے دل کا جھکاؤ تھا اور میں شاید......

''ویسے تو اب سب ہی کا خیال ہے کہ جس طرح تم نے اپنے ابا کی دکان، ان کا کام سنبھال لیا ہے اور عمر کا بھی خیال رکھ رہے ہو۔ یہ تمہارا ہم پر بہت بڑا احسان ہے روحیل!'' وہ اٹک اٹک کر بولیں، بہرحال ایسے تشکرانہ فقرے بولنا نصرت کی بھی سرشت میں شامل نہیں تھا، وہ بھی ایسے شخص سے جسے وہ پیروں کی خاک کے برابر بھی نہیں سمجھتی تھی اور اب اس سے ایسی عاجزی سے بات کرنا پڑ رہی تھی، بلکہ اس کا احسان ماننا پڑ رہا تھا۔ اور روحیل فوری طور پر جوابی شکریہ یا عاجزی کا کوئی بھی مظاہرہ نہ کر سکا۔

خاموش بیٹھا کچھ سوچتا رہ گیا، کہ ان تشکرانہ فقروں کے پیچھے آخر کون سی اور ضرورت ہے۔ جس کے پورے ہونے کی روحیل سے خواہش کی جا رہی ہے۔

''ثنا، دو، تین سال میں شادی کے قابل ہو جائے گی، میں چاہتی ہوں کم از کم ثنا کی شادی تک اگر تم......بے شک شادی کرنے کا حق ہے تمہارا......مگر ہو سکتا ہے تمہاری بیوی کو یوں ہمارے ساتھ رہنا پھر گھر اور دکان کو سنبھالنا اچھا نہ لگے، ابھی گڈو بھی تو چھوٹا ہے، تو دو، تین سال......'' نصرت ادھورے فقرے میں ہی سب کچھ پورا کہہ گئی۔

تو یہ تھا وہ غرض کا رشتہ جو ابا کا جنازہ اٹھتے ہی دل پر بے حد جبر کر کے نصرت نے اس کے ساتھ جوڑا تھا اور خود تو وہ اسے توڑنا نہیں چاہتی تھی، کم از کم دو، تین سال۔

ہاں کہیں روحیل ایسی کوشش نہ کر گزرے، وہ اسے متنبہ کرنے آئی تھی۔

''پھر ماشاء اللہ تم جوان ہو، خوب صورت ہو، معقول پڑھے لکھے بھی ہو، برسر روزگار بھی، گھر بار اپنا ہے، تو تم خدانخواستہ کیوں کسی اندھی، معذور سے شادی کرو، تمہارے لیے لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہو گی، ایک بار اشارہ کروں میں کہیں تو ایک سے ایک اچھی، خوب صورت، اچھے گھرانے کی لڑکی مل سکتی ہے تو......'' وہ رک گئی۔ روحیل اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''وہ تم سے کہہ گئی ہے آنے جانے کا تو میں یہی کہنا چاہتی ہوں، ہماری بھی تمہارے اللہ بخشے ابا کی عزت ہے سارے علاقے میں، تمہارا یوں ان کے گھر جانا، پھر ملازموں کی طرح سودے ڈھونا جبکہ اس کی ایسی جوان بیٹی بھی ہے تو لوگ تمہارے بے لوث جذبے کو سو رنگ دے سکتے ہیں، تم میری بات سمجھ رہے ہو نا!'' وہ آہستگی سے سر ہلا کر رہ گیا۔

''میں تم پر کوئی پابندی نہیں لگا رہی، ہمدردی اور خیال رکھنا اچھی بات ہے، آج تم ان کے لڑکے کو ملازم رکھو گے، پھر اس تعلق سے وہاں آنا جانا، بلکہ وہ خود دکان پر پھیرا رکھیں گی، کل کلاں کو مجھے تمہارا کسی اچھے گھرانے میں رشتہ کرنا ہو گا تو پھر یہ ساری باتیں سوال بن کر کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ کھڑا کر سکتی ہیں۔

اب خود غرضی کی بات لے لو، تمہاری پھوپھی نے جہاں بیٹی کا اچھا بر آتا دیکھا دیں اس نے سگے بھائی کے رشتے کو لات ماری، ورنہ میں جانتی ہوں، یہ بات تو تمہارے مرحوم ابا اور تمہاری خدیجہ پھوپھی میں عرصے سے طے تھی کہ ثانیہ کا رشتہ تم سے ہی ہو گا، اور جب اس کا ایسا بھلا رشتہ آیا تو خدیجہ آپا نے بھائی سے ذکر کرنے کی بھی زحمت نہیں کی تو سوچو پھر لوگ اپنی غرض کے کیسے پورے ہوتے ہیں، سب رشتے وشتے بھول جاتے ہیں، تو اس لیے۔''

نصرت کو شاید ابھی یہ عادت پڑی تھی، اپنے اصل کو چھپانے کے لیے یوں ادھورے فقرے بولنے کی، سو رُک رُک کر خود پر قابو پا کر بات کرتیں۔

''تم بھی ذرا سنبھل کر...... ماشاءاللہ عملی زندگی میں قدم تو رکھ چکے ہو، تو یہ چھوٹی موٹی احتیاطیں کل کو جا کر کوئی فسانہ نہ بنا ڈالیں۔ تمہیں سمجھانا میرا فرض ہے، اب تمہارے باپ اور ماں کی جگہ میں ہی تو ہوں، تم سمجھ رہے ہو نا؟'' وہ اس کی چپ کو شاید اس کی خفگی سمجھ رہی تھی۔ اس نے گہرا سانس لے کر سر ہلا دیا۔

''میں ایک دو کمیٹیاں ڈال رہی ہوں، دو، تین سال میں ثنا کا جہیز بنانا ہے اور پھر حنا کا بھی، ثنا کے فوراً بعد تمہاری کردوں گی۔ اوپر پورشن ڈال کر۔ تو ظاہر ہے یکمشت تو دکان سے اتنی رقم نہیں نکل سکے گی، اس لیے تم مجھے کمیٹیوں کے لیے الگ سے پیسے دیا کرنا۔'' وہ پھر سر ہلا کر رہ گیا، نصرت اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''اور بجائے تم ادھر ادھر سے ملازم بھرتی کرو، شام کو گڈو کو دکان پر اپنے ساتھ بٹھایا کرو۔ ٹیوشن سے وہ پانچ بجے آجاتا ہے، اسے دکان کی سمجھ آئے گی، تمہارا ساتھ بھی ہو جائے گا، دو ایک سالوں میں تمہارا بازو بن جائے گا تو دونوں بھائی مل کر اچھی طرح سب کچھ سنبھال لو گے کل سے اسے بھیجوں گی میں دکان پر...... سو جاؤ اب تم، کافی رات ہو گئی ہے۔''

تو نصرت کی ساری پلاننگ مکمل تھی۔

اسے محض ضرورتاً ایڈجسٹ کیا گیا تھا۔ بہت ساری باتیں جو نصرت کی اس تنبیہی میٹنگ سے پہلے شاید اس کی سمجھ میں نہ آتیں، مگر اب جیسے سب کچھ واضح اور روشن ہو گیا تھا۔

اس کی ضرورت محض دو تین سال تک تھی، اس گھر اور دکان کو...... ثنا کی شادی تک اور گڈو کے دکان سنبھالنے تک، اس کے بعد روحیل کو کس جگہ پر کھڑے ہونا تھا، یہ اب سمجھنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ اس نے تھکے ہوئے انداز میں آنکھیں موند لیں۔

✠ ✠ ✠

ڈائننگ ٹیبل پر انواع واقسام کے کھانے یہاں سے وہاں تک سجے تھے۔ اور کھانے والے بے حد نزاکت سے تکلفاً تھوڑا تھوڑا کھا رہے تھے۔

فضیلہ مبشر آنے والے مہمانوں سے کافی زیادہ متاثر نظر آ رہی تھیں۔

مسز حامد بھی ساتھ تھیں اور ان کا بھتیجا شہریار بھی، ایک ہینڈسم بے حد وجیہ ویل مینرڈ، ہائلی ایجوکیٹڈ پھر ویل اسٹیبلش فیملی، انہیں اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے تھا، لڑکا اکلوتا تھا، صرف ایک بہن تھی جو پہلے سے شادی شدہ تھی۔

باپ کا وسیع بزنس اور لڑکا ایک میڈیسن کمپنی کے ایگزیکٹوز میں تھا، اس کمپنی میں آدھے شیئرز اس کے باپ کے تھے۔

فضیلہ مبشر تو ان لوگوں کی عادت اور رکھ رکھاؤ کے سامنے خود کو بہت کم تر فیل کر رہی تھیں اور ان کے ساتھ زندگی میں شاید پہلی بار ایسا ہوا تھا، ورنہ آج تک اپنی ڈگریوں اور اپنی قابلیت کے سامنے انہوں نے کسی کو کچھ سمجھا ہی نہیں تھا۔

زونیرا ان کی توقع کے برخلاف جس بات کا انہیں ڈر بھی تھا آج سادگی سے تیار تھی اور کسی قسم کا بے زار رویہ یا بداخلاقی کا مظاہرہ بھی اس نے نہیں کیا تھا۔

بلال اور ثانیہ ٹیبل پر موجود تو تھے، مگر وہ دونوں کو یکسر نظر انداز کیے ہوئے تھیں۔

''یہ لیجیے نا بہن یہ ہمارے کک کی اسپیشل ڈش ہے، بہت محنت سے بنائی ہے اس نے۔'' انہوں نے اپنا کوئی

سابقہ بٹلر آج کی دعوت کے لیے مستعار لیا تھا،شہریار کی والدہ کے آگے ڈش کرتے ہوئے انکساری سے بولیں۔
''نہیں شکریہ۔ میں پہلے ہی بہت زیادہ لے چکی ہوں، اتنا زیادہ کھانے کی عادت نہیں ہے مجھے۔ یوں بھی سب ہی کچھ اتنا اچھا بنا ہوا ہے آپ نے بہت تکلف کیا۔'' وہ بہت طریقے اور تہذیب سے اتنے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولیں کہ فضیلہ کا جی خوش ہوگیا۔
''جی میڈم! یہ ہماری بھابی اس ایج میں بھی آپ ان کا شان دار فگر دیکھ رہی ہیں، بہت سنبھل کر کھاتی ہیں، ابھی تک ہمارے بھائی فریفتہ ہیں ان پر۔'' مسز حامد ہنس کر بولیں، تو بیگم شاہنواز مسکرا کر رہ گئیں۔
''آپ بھائی صاحب کو بھی لے آتیں، ساتھ ہماری ملاقات ہوجاتی۔'' فضیلہ کو خیال آیا تو کہہ بیٹھیں۔
''وہ بھی آئیں گے انشاء اللہ۔ ابھی تو وہ اسٹیٹس گئے ہوئے تھے، دس دن تو اور لگیں گے انہیں وہاں پھر آئیں گے۔'' مسز حامد بشاشت سے بولیں۔ گویا وہ رشتہ دل میں ڈن کر چکی تھیں۔
فضیلہ مسکرانے لگیں، انہیں بے اختیار زونیرا کی قسمت پر رشک آیا تھا۔
''اب آپ بھی چکر لگایئے گا ہماری طرف بلکہ شاہنواز آتے ہیں تو پھر ایک دعوت رکھ لیتے ہیں۔'' مسز حامد نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولیں۔
''اور بلال بیٹے کا کب تک پروگرام ہے واپسی کا؟'' مسز حامد کو ان کی خاموشی پر خیال آیا۔
''بس آنٹی! کچھ دن اور ہوں۔''
''ثانیہ ساتھ جائے گی کیا؟''
فضیلہ اور زونیرا نے ناگواری سے ثانیہ کی طرف دیکھا۔
''جی آنٹی ارادہ تو یہی ہے آگے......''
''یہ آپ کی وہی بہو ہے نا جو کسی ملازمہ کی بیٹی تھی، کافی چرچا ہوا تھا ان دنوں۔ آپا جان نے بتایا تھا مجھے۔'' بیگم شاہنواز ذرا بھونڈے انداز میں ہنستے ہوئے ثانیہ کو دیکھ کر بولیں۔
ثانیہ کے سارے جسم سے خون چہرے پہ جمع ہوگیا، کچھ ایسی ہی کیفیت بلال کی تھی۔
''بس بہن جی! ہم نے تو کبھی انسانوں میں امیری غریبی کی بنا پر فرق نہیں کیا، نہ میں نے بچوں کی اس طرح کی تربیت کی۔ پھر جوڑے تو آسمان پہ بنتے ہیں۔'' عاجزی سے کہتے ہوئے فضیلہ نے ایک تنقیدی نظر ثانیہ پر ڈالی۔
''اب ایسی بھی کیا تربیت! اب آپ کے بیٹے کو کسی راہ چلتی فقیرنی کی لڑکی پسند آجاتی تو کیا آپ اسے بیاہ لاتیں۔ یہاں اپنے سامنے میز پر بٹھا کر کھانا کھلاتیں۔ بڑا حوصلہ ہے جی آپ کا......''
''ایکسکیوزمی۔'' ثانیہ تیزی سے اٹھی اور وہاں سے چلی گئی۔ بلال بھی ذرا دیر بعد اٹھ کر چلا گیا۔ مسز حامد نے فضیلہ کی طرف دیکھا اور وہ نظریں جھکا کر رہ گئیں۔
''بس اسی لمحے کا خوف تھا انہیں۔''
ثانیہ منہ سر لپیٹے چادر اوڑھ کر سو چکی تھی یا سوتی بن رہی تھی۔ بلال کچھ مضطرب سا کمرے میں ٹہلتا رہا پھر آہستگی سے باہر نکل گیا۔
اس وقت ثانیہ سے کچھ بھی کہنا بے کار تھا۔
اور باہر ابھی مہمان موجود تھے اور وہاں اس کی موجودگی زیادہ ضروری تھی۔
کافی دیر بعد محفل برخاست ہوئی اور مہمان خوش خوش رخصت ہوگئے۔ زونیرا خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی

گئی۔ بلال بھی جانے لگا فضیلہ نے اسے آواز دے کر روک لیا۔

''جی مام!'' وہ رک گیا۔

''ادھر آکر بیٹھو۔ مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولیں۔

''آج جو کچھ ہوا کھانے کی میز پر، وہ آئندہ بھی ہو سکتا ہے سمجھ رہے ہونا!'' وہ جتانے والے انداز میں بولیں۔

بلال خاموش بیٹھا رہا۔

''اور رشتہ تمہارے سامنے ہے، ایسا رشتہ تو نصیب والوں کو ملتا ہے، سب کچھ اللہ کرے آسانی سے طے ہو جائے اور بلال جب تک کچھ بھی فائل نہیں ہو جاتا، پلیز تم ثانیہ سے کہنا وہ ایسی کسی بھی دعوت میں ہمارے ساتھ شامل نہ ہو۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں، آپ جانتی ہیں؟'' وہ ترشی سے بولا۔

''جانتی ہوں اسی لیے تو کہہ رہی ہوں۔'' وہ سرد مہری سے بولیں۔

''تمہاری ضد تھی سو میں نے پوری کی، اب میری بیٹی کی باری ہے اس کے شاندار مستقبل کا سوال ہے اس لیے میں محض تمہاری بیوی کی وجہ سے کوئی بدمزگی نہیں چاہتی آج تو بات کسی طرح ٹل گئی مگر یہ ٹاپک آئندہ بھی ڈسکس ہو سکتا ہے اور پھر بات کہاں تک جا پہنچے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا اس لیے...... تم ثانیہ سے کہہ دینا، جو میں نے کہا ہے۔''

وہ رک کر بولیں۔ ''اور جو بی ہیویر اس نے دکھایا، اسے زیب دیتا تھا یوں اٹھ کر چلے جانا۔''

''ہم ویسے بھی چند دنوں میں جا ہی رہے ہیں، اس لیے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں جہاں تک بی ہیویر کی بات ہے تو اس خاتون کی لینگویج دیکھی تھی آپ نے۔'' وہ تلخی سے بولا۔

''انہوں نے تو کچھ بھی غلط نہیں کہا، صرف حقیقت بیان کی تھی۔''

بلال انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

''اور جہاں تک تمہاری جانے کی بات ہے جب تک زونیرا کی بات فائنل نہیں ہو جاتی، ہو سکتا ہے میں اس کا چند دنوں میں نکاح کر دوں، اس وقت تک تم نہیں جا سکتے۔ تم پر شادی کے بعد صرف ثانیہ بی بی کے ہی حقوق نہیں۔ کچھ حق مجھ بدنصیب کا اور کچھ تمہاری لاڈلی رہنے والی بہن کا بھی ہے۔'' ان کے لہجے میں کیا نہیں تھا، بلال آگے سے کچھ بول ہی نہیں سکا۔

''جاؤ۔ اب تم آرام کرو، ہم اگلے ہفتے ان کی طرف جائیں گی اور ثانیہ کو ساتھ جانے کی ضرورت نہیں۔'' وہ کہہ کر بلال کے باہر نکلنے سے پہلے خود باہر نکل گئیں۔

بلال تو کسی گہری سوچ میں گم بیٹھا رہ گیا۔ بہت ساری باتیں تھیں جو اس نے پہلے کبھی نہیں سوچی تھیں۔

✠ ✠ ✠
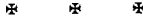
بلال کمرے میں داخل ہوا تو ثانیہ کا سیل فون مسلسل بج رہا تھا، وہ خود شاید واش روم میں تھی۔

اس نے آگے بڑھ کر سیل فون اٹھایا، فون بند ہو چکا تھا۔

''روحیل کا نمبر!'' وہ مس کالز میں سب سے اوپر لکھا دیکھ کر شاکڈ سا کھڑا رہ گیا، اسی وقت ثانیہ واش روم سے نکل کر آئی۔

وہ نہا کر نکلی تھی۔ اس کے ریشمی بالوں سے گرتے پانی کے قطرے کندھوں پر پڑے گلابی تولیے میں جذب ہو رہے تھے۔

''آپ آ گئے! میں بس دس منٹ اور لوں گی۔ کتنی دیر میں نکلنا ہوگا ہمیں ایمبیسی جانے کے لیے۔'' بلال اسے تکتا رہ گیا۔

''بلال! کیا بات ہے، آپ ٹھیک ہیں نا!'' وہ اس کی خاموشی پر بال برش کرتے ہاتھ روک کر بولی۔

''ہوں۔'' وہ تھکے ہوئے انداز میں بیٹھ سا گیا۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا!'' وہ تشویش سے پاس آ کر بولی۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔

''تم تیار ہو جاؤ میں باہر تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' وہ کچھ بے زاری سے اس کا کندھے پر رکھا ہاتھ ہٹا کر باہر نکل گیا۔ ثانیہ ساکت سی کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی۔

''پتا نہیں انہیں کیا ہو جاتا ہے، پھر ماں نے یا زونی نے کوئی پٹی پڑھائی ہوگی۔'' وہ کوفت سے سوچتے ہوئے جانے لگی کہ بیڈ پر رکھے اپنے سیل فون پر نظر پڑی۔

''یہ فون کس کا بج رہا تھا؟'' وہ سیل فون اٹھا کر چیک کرنے لگی۔

اور روحیل کی مس کال پر اس کی انگلیاں بھی ٹھٹک کر رک گئیں۔ اسے بلال کے سرد رویے کی وجہ فی الفور سمجھ میں آ گئی۔ وہ سر پکڑ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''یا خدا! اب کون سی مصیبت آنا باقی ہے یہ روحیل کے بچے نے مجھے فون کیوں کیا تھا، کیا کام تھا اسے مجھ سے۔'' وہ سوچنے لگی۔

''مجھے اس کا نمبر delete کر دینا چاہیے، یہ زونی کی حرکت تھی جو وہ اس کا نمبر میرے سیل میں فیڈ کر گئی۔''

اسے فوری حل یہی سوجھا اس نے روحیل کا نمبر delete کر دیا۔

''کم از کم اب فون آیا بھی تو ساتھ میں اس کا نام تو نہیں آئے گا۔'' وہ کچھ مطمئن سی ہو کر تیار ہونے لگی۔

✠ ✠ ✠

''بلال بھائی دو دن کے لیے اسلام آباد گئے ہیں ثانی!'' زونیرا اس کے لیے چائے کا کپ لا کر اس کو دیتے ہوئے بولی۔

''ہوں! کہہ گئے تھے مجھ سے صبح۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

بلال کا موڈ مسلسل دو دن سے خراب تھا، اس کے لاکھ پوچھنے پر بھی اس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ اور روحیل کی بار بار آتی کالز جنہیں وہ دیکھے بغیر ڈراپ کیے جا رہی تھی سب بلال کی نظر میں تھا، وہ بار بار سیل آف کر دیتی مگر......

''تو تم میرا کام نہیں کرو گی۔'' زونیرا ذرا دیر بعد بولی۔

''مشکل ہے نا زونی! پھر تم بھول جاؤ اس قصے کو۔ اب شہریار کا شان دار پرپوزل زونی!''

''پلیز۔'' وہ بے زاری سے ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''اب مجھے مام والی کہانی نہ سنانا، اور مجھے تو یہ بھی سمجھ میں آ رہا ہے ہم لڑکیاں لاکھ لڑکوں کے مقابل آنے کی کوشش کریں، ایسا کچھ کر ہی نہیں سکتیں۔'' وہ پژمردہ لہجے میں بولی۔

''کیا مطلب؟''

''میں اپنی مام کا دل نہیں دکھا سکتی۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''تو...... تم تیار ہو شہریار کے پرپوزل کے لیے۔'' ثانیہ بے یقینی سے بولی۔ زونیرا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اوہ رئیلی! یہ تو تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ڈیئر!'' وہ خوش ہو کر بولی۔

''اب تو تم میرا کام کر دو گی نا، صرف ایک بار اس سے مل لو۔''

''اب کس لیے؟'' وہ حیرت سے بولی۔

وہ ہاتھ میں پکڑا گفٹ پیک آگے کرتے ہوئے بولی۔

''یہ روحیل کو دینا ہے۔''

''اس میں کیا ہے؟''

''جو بھی ہے میں نے روحیل کے لیے دل سے خریدا تھا پلیز!'' اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''پلیز ثانی! پھر میں تم سے کبھی کچھ نہیں کہوں گی۔''

''تو تم خود کیوں نہیں مل لیتیں اس سے۔'' وہ اچنبھے سے بولی۔

''میں ہی ملوں گی۔ تم بس میرے ساتھ چلنا۔ تم اسے یہ دینا اور میرے جذبات......'' وہ رک گئی بے شک اب اس سے کچھ نہیں کہنا، اب اس کی ضرورت بھی نہیں رہی۔'' ثانیہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''میں تمہاری ساتھ چلوں گی تم۔ اسے یہ دے کر ایک طرف ہو جانا، میں اس سے ملوں گی اور بس......ہم واپس آ جائیں گے۔ بھائی بھی یہاں نہیں اب تو تم میرے ساتھ چل ہی سکتی ہو نا پلیز!'' ثانیہ سوچ میں پڑ گئی۔

''ابھی بھی تم سوچو گی، تمہیں مجھ سے ذرا بھی ہمدردی نہیں۔'' وہ ترشی سے بولی۔

''او کے کب چلنا ہے۔''

''ابھی گھنٹے میں نکلتے ہیں تم ریڈی ہو جاؤ میں مام سے کولیگ کا کہہ دوں گی۔'' وہ فوراً خوش ہو گئی، ثانیہ اٹھ کر تیار ہونے چل دی۔

''ٹھیک ہے بلال تو گھر نہیں ابھی وہ تو گئے ہیں اور دو دن بعد آئیں گے۔ میں زونیرا کی خواہش بھی پوری کر دوں گی اور روحیل سے کہہ دوں گی وہ آئندہ مجھے کبھی فون نہیں کرے۔''

وہ دل میں سوچتی تیار ہونے چل دی، یہ سوچے بغیر کہ تقدیر اس کے لیے کیا کچھ تیار کر کے بیٹھی ہے۔

☆

اس کا پھر سے زندگی سے جی اچاٹ ہو گیا تھا۔
نصرت کی اس رات کی گفتگو نے اسے بددل کر دیا تھا ہر چیز سے، حتیٰ کہ خود سے بھی۔
آخر اس کے جینے کا مقصد کیا ہے، یہ چند سال جس میں اسے گڈو کو دکان پر بٹھانے کے قابل کرنا ہے، دونوں بہنوں کی شادیاں اور بس......
اس کے بعد وہ خود کہاں ہوگا؟ اس کے لیے اسے بہت نہیں سوچنا پڑ رہا تھا۔
اور اس سوچ سے آگے وہی سیاہ اندھیری راتوں میں لمبی لمبی نہ ختم ہونے والی سڑکیں جن پر وہ بلا مقصد چلتا چلا جاتا تھا اور شب بسری کے لیے ایک ٹھکانے کی تلاش میں اکثر گلی کے کتوں کے آس پاس اسے جگہ ڈھونڈنی پڑی تھی۔
اور اب یہ تصور اور اس تصور میں جا کر سانس لینا ناقابل برداشت تھا۔
''کاش! میں اس عورت کی اور پھپھی کی بات نہ ہی مانتا، جیسا تیسا اپنا کوئی ٹھکانا بنا ہی لیتا۔'' سوچیں تھیں کہ ارد گرد گاہکوں کے بڑھتے ہوئے رش سے بھی بے نیاز امڈی چلی آ رہی تھیں۔ شور سے اسے اپنی غفلت کا احساس ہوا۔
کسی گاہک کا اس کے ملازم سے جھگڑا ہو گیا تھا، بمشکل اس نے معاملہ سنبھالا۔ پھر سے ان ہی سوچوں کی شطرنج نے آگے بچھا کر کھیلنا شروع کر دیا۔
''مجھے اپنے لیے الگ سے تھوڑی بہت رقم پس انداز کرنا چاہیے دکان سے، نصرت اپنی بیٹیوں کے مستقبل کے لیے کمیٹیاں ڈال سکتی ہے تو اپنی محنت کا معاوضہ لینا میرا بھی حق ہے۔'' اس کی سوچوں نے اسے ایک نیا راستہ دکھایا۔
''اور یہ چوری نہیں ہوگی، میری محنت کا معاوضہ ہوگا۔'' اس نے خود کو پہلی دلیل دی۔
''اور جو چھت ملی ہے، تینوں وقت کا کھانا، صاف دھلے استری شدہ کپڑے، وہ سب میرا حق ہے؟'' اس نے خود ہی نفی کرتے ہوئے سر جھٹکا۔
''تو جو حقوق کی بات کرتے ہیں، فرض کے بارے میں سوچنا کیوں بھول جاتے ہیں۔ باپ کے مرنے کے بعد یہ سب بڑے بھائی ہونے کے باعث اس کا فرض ہے اور جہاں تک نصرت کی خودغرضی ہے تو یہ خودغرضی تو دنیا کے ہر رشتے میں ہے، ایک دوسرے سے جڑی ناگریز۔'' یک دم اس کا دل جیسے مطمئن سا ہو گیا۔
''ٹھیک ہے، بے شک یہ لوگ مجھے دو، چار سال بعد لات مار کر الگ کر دیں، میں کوئی بے ایمانی نہیں کروں گا، چاہے مجھے پھر سے فٹ پاتھ پہ کیوں نہ آنا پڑے۔'' وہ فیصلہ کر کے مطمئن ہو گیا۔ اسی وقت سیل فون بجنے لگا۔
زونیرا کا فون تھا، وہ سوچ میں پڑ گیا۔
مجھے اس کھیل کو ختم کر دینا چاہیے، اس میں سوائے اذیت کے اور کچھ بھی نہیں۔'' اس نے کال نہ ریسیو کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
مگر ظاہر ہے اس کا یہ فیصلہ یک طرفہ تھا۔ زونیرا کا موڈ تو ابھی کھیل جاری رکھنے کا تھا، کلائمکس پہ پہنچ کر یوں بھی

کھیل کون ختم کرتا ہے جبکہ اسے اپنی جیت کا یقین بھی ہو۔
سوزوتیرا کی کالز وقفے وقفے سے مسلسل آنے لگیں۔ کچھ دیر کو اس نے سیل آف بھی کر دیا۔
''مگر یہ مسئلے کا حل نہیں ہے۔ایک بار تو مجھے اس کی بات سن کر صاف جواب دینا ہی ہوگا کہ ثانیہ میری زندگی سے نکل چکی ہے۔'' بالآخر اس نے مسلسل بجنے پر سیل کان سے لگایا۔
''تم خود کو سمجھتے کیا ہو، ہو کیا تم؟'' وہ جیسے پھٹ پڑی۔
''میں جو ہوں مجھے خود پتا ہے، تم صرف یہ بتاؤ اس طرح مسلسل کسی کو ڈسٹرب کرنے کا مطلب؟'' وہ ایک دم سے روکھا ہو گیا۔
(جب دل کو کوئی آس ہی نہیں رہی تو پھر یہ بلی چوہے کا کھیل کیوں؟) وہ زچ ہو چکا تھا۔
''مطلب تو تمہیں اچھی طرح سے پتا ہے۔'' وہ طنز سے بولی۔
''فون کس لیے کر رہی تھیں؟'' وہ اس کا طنز نظر انداز کر کے بولا۔
''تم اچھی طرح سے جانتے ہو۔'' وہ اسی لہجے میں بولی۔ وہ خاموش سا ہو گیا۔
یہ سب بھی تو کہہ دینا آسان نہیں تھا کہ اسے اب ثانیہ سے کچھ بھی دلچسپی نہیں۔
''تمہارا کیا خیال ہے مجھے بہت شوق ہے تمہیں یوں بار بار فون کرنے کا......'' وہ ذرا حقارت سے بولی، ''صرف ثانیہ کا خیال نہ ہوتا تو شاید میں بھی......'' وہ کچھ سخت الفاظ کہنے سے رک گئی۔
''اب کیا مسئلہ ہے؟'' وہ خود بھی وہ سخت الفاظ سمجھ چکا تھا، مبادا وہ بول نہ دے خفت کا احساس مٹانے کو جلدی سے بولا۔
''تمہیں ابھی ثانیہ سے ملنے کے لیے آنا ہے، آدھے گھنٹے میں۔'' وہ حتمی لہجے میں بولی۔
''اس سارے معاملے کو آج آر پار کرنا ہوگا، جو تم چاہتے ہو جو ثانیہ چاہتی ہے۔ میرے خیال میں آج یا کل بلال بھائی بھی اپنا فیصلہ سنانے والے ہیں۔ مما کے لاکھ منع کرنے اور سمجھانے کے باوجود ثانیہ کو ساتھ لے جانے یا رکھنے پر تیار نہیں ہوئے وہ شاید اس ہفتے واپس چلے جائیں۔'' وہ رک رک کر افسردگی سے بول رہی تھی۔ روحیل سے تو کچھ بولا ہی نہیں گیا۔
بہرحال وہ ایسا نہیں چاہتا تھا کہ ثانیہ یوں بنا کسی جرم کے سزاوار ٹھہرائی جائے۔
''کیا مسئلہ ہے تمہارے بھائی کے ساتھ۔'' وہ قدرے تلخی سے بولا۔
''یہ تو انہیں ہی پتا ہوگا جنہوں نے یہ چند ماہ اس کے ساتھ گزارے ہیں، انہوں نے اس میں ایسی کون سی خرابی دیکھی ہے کہ وہ کسی بھی طرح سے اس کے ساتھ نباہ کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہے۔''
روحیل اس کی بات پر خاموش ہو گیا۔ اس کی خاموشی میں بہت سے سوال تھے، مگر وہ ان میں سے کسی بھی سوال کو زبان پر لانا نہیں چاہتا تھا۔
''تو پھر تم آ رہے ہو نا ابھی کچھ دیر میں؟'' اس کی چپ پر وہ اکتا کر بولی۔
''ابھی تو مشکل......'' اس نے ابھی کچھ سوچا بھی تو نہیں تھا۔
''ایسے تم کہیں کے سیکریٹری یا منسٹر نہیں کہ تھوڑی دیر کے لیے اٹھ نہ سکو، یہ کسی کی زندگی کا معاملہ ہے۔ تمہیں آنا ہوگا، ایڈریس میں تمہیں سمجھا دیتی ہوں۔''
وہ سختی سے بات کرتے ہوئے قدرے نرمی سے بولی، کہیں وہ بالکل ہی انکار نہ کر دے۔ روحیل نے غائب دماغی سے ایڈریس سنا۔

''دیکھو تم نے جو کچھ بھی سوچ رکھا ہے یا طے کر لیا ہے، اپنے اور ثانیہ کے مستقبل کے بارے میں آج وہ سب اس سے کہہ ڈالو، تاکہ اسے کچھ تو زندگی کی امید نظر آئے، ورنہ جس قدر وہ ڈپریشن میں اس وقت ہے مجھے لگتا ہے کہیں وہ خودکشی ہی نہ کر لے۔'' وہ پھر سے اسے حالات کی سنگینی کا احساس دلا کر بولی۔

''میں کیا کر سکتا ہوں۔'' وہ لاچاری سے بولا۔

''سب کچھ، ایک بار تم ہمت تو کرو۔'' وہ اسے اکسا کر بولی۔

''اچھا مجھے کیا کرنا ہوگا؟'' وہ جیسے مزاحمتی ہتھیار پھینک کر بولا۔

ابھی فی الحال تو جو میں نے ایڈریس بتایا ہے اس پر چلے آؤ، پھر ثانیہ سے ملو گے تو جو کچھ تم دونوں کے دل میں ہوگا وہ ایک دوسرے سے کہہ دینا، آگے تم دونوں نے جو کرنا ہے خود بخود پتا چل جائے گا ٹھیک ہے۔ وہ اسے بچوں کی طرح سمجھا رہی تھی، اسے واقعی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''تو تم پہنچ رہے ہو نا؟'' وہ پھر سے یقین حاصل کرنے کو بولی۔

''ہاں......'' آہستگی سے کہہ کر اس نے فون رکھ دیا۔ اس کے پورے جسم میں جیسے جان ختم ہوئی تھی۔ اسے لگا وہ اس نشست سے کبھی بھی نہیں اٹھ سکے گا۔

''میں نہیں جاتا تو کیا کرے گی یہ فضول سی لڑکی ثانیہ کے ساتھ؟ جو کچھ ہوا اس نے پہلے بھی مجھے اس بارے میں آگاہ کرنا ضروری نہیں سمجھا، اب بھی میرے اتنی بار کال کرنے پر ثانیہ نے مجھ سے رابطہ کرنے کی زحمت نہیں کی تو اب جو کچھ بھی ہونا ہوگا میرا اس میں شامل ہونا ضروری نہیں۔ وہ وہیں بیٹھے بیٹھے حتمی فیصلے پر پہنچ گیا۔

''مجھے کہیں نہیں جانا۔'' وہ پوری دلجمعی سے اسٹور کی طرف دھیان دینے لگا سیل فون اس نے وائبریشن پہ لگا دیا۔

✠ ✠ ✠

''لیکن زونی! مجھے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا جب تم شہباز کے پرپوزل کے لیے اگری بھی ہو چکی ہو تو پھر روحیل سے ملنے کا فائدہ۔'' زونی بہت انہماک سے ڈرائیو کر رہی تھی، جب متذبذب سی ثانیہ نے پوچھا۔

''تم اس اذیت سے نہیں گزریں، اس لیے نہیں سمجھ سکتیں۔'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر کرب سے بولی۔

''میں سمجھی نہیں۔'' ثانیہ کچھ دیر بعد بولی۔

''روحیل تم سے محبت کرتا تھا نا!'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی تو ثانیہ نظریں چرا کر رہ گئی۔

''اور بلال بھائی کا پرپوزل آ گیا بلا کسی لمبی سوچ بچار کر کے اسے بھی کر لیا گیا تھا۔'' جانے یہ اس گھر میں کیا بیماری تھی دوسروں کو ٹیس کرنے کا موقع یہ مس کرتے ہی نہیں تھے۔ ثانیہ کو غصہ سا آ گیا۔

''اس کے باوجود، جانتے بوجھتے کہ تمہارا پرپوزل بھائی کے لیے قبول کر لیا گیا ہے، چند روز میں شادی بھی ہو جائے گی۔''

''پھر بھی۔'' اس کی لمبی خاموشی پر ثانیہ بے چین ہو کر بولی۔

''پھر بھی روحیل نے تم سے اظہار محبت کر ڈالا تھا'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''یہ بات اسے کیسے پتا چلی؟'' ثانیہ نے کچھ پریشانی سے سوچا۔

تو اس کے اور روحیل کے بیچ اب کچھ بھی سربستہ راز نہیں۔ سب کچھ پتا ہے اسے دونوں کے بارے میں۔ وہ واقعی پریشان ہو گئی۔

''نہیں......وہ تو......'' وہ گڑبڑائی۔

''وہ تو اگر یہ سب کچھ نہ کہتا تو شاید اپنے اندر اتنے جذبوں کے تلاطم خیز سیلاب میں خود بھی کہیں بہہ جاتا۔''
مجھے بھی اپنے ان جذبات کو تھوڑا سا راستہ دینا ہوگا باہر نکلنے کا۔ اس تک پہنچنے کا جس کی وجہ سے یہ سب......''
وہ شاید آنسو ضبط کر رہی تھی۔

''یہ سب مجھے سہنا پڑ رہا ہے۔'' وہ منہ پھیر کر جذباتی پن سے بولی۔

''اگر میں نے یہ جذبات باہر نہ نکالے ثانیہ! تو میں مر جاؤں گی۔'' وہ رو پڑی۔

''پلیز۔'' ثانیہ کو سمجھ میں نہ آیا کہ اسے تسلی دے یا ان جذبات پر بند باندھنے کے لیے کوئی نصیحت کرے۔ اگرچہ اس کا کچھ فائدہ نہیں تھا۔ گھر سے تو وہ دونوں نکل ہی پڑی تھیں۔

''کم سے کم میرے دل میں عمر بھر کے لیے یہ کسک تو نہیں رہے گی جس کو میری سانسوں نے ایک ایک لمحہ سوچا چاہا ایسا ٹوٹ کر چاہا کہ مجھ جیسی مادیت پرست لڑکی کے ذہن سے کلاس ڈیفرنس بھی اٹھ گیا اسے تو اس جذبات کی کچھ خبر ہونی چاہیے کچھ تو اظہار......کوئی معمولی سا بے توقیر جملہ ہمدردی بھرا سہی۔ تسلی بھرا سہی......زندگی کے لمبے سفر میں میرے لیے بھی تو زادِ راہ ہو۔''

اور ثانیہ آنکھیں پھاڑے زونیرا کے منہ سے یہ سب سن رہی تھی۔

وہ زونیرا جسے اس نے بہت عام سی مغرور خود غرض، غصیلی، جھگڑالو اور جانے کیا کیا سمجھا تھا، نہیں سوچا تھا تو یہ روپ جو وہ اب اس کا دیکھ رہی تھی۔

''اتنی شدت سے چاہتی ہو اسے؟'' وہ ششدر سی بولی۔

''اس سے بھی کہیں زیادہ بہت زیادہ جو میں الفاظ میں ادا کر سکتی ہوں نہ کسی اور طریقے سے۔ بس ایک بار اس سے ملنے کی پیاس ہے اور اس کی طرف سے محبت بھرا ہی سہی ہمدردی بھرا کوئی جملہ کوئی لفظ جو میرے لیے بہت قیمتی ہو۔ پھر ثانی! میں تم سے کبھی نہ اس کے بارے میں بات کروں گی نہ تمہیں مجبور کروں گی کہ تم اس سے میرے بارے میں کچھ کہو۔''

''کیا محبت واقعی آدمی کو ایسا بے توقیر کر دیتی ہے کہ اسے اپنے منصب اپنی کلاس اپنے اسٹیٹس کسی بھی بات کا خیال نہیں رہتا؟ جن کے لیے وہ لڑنے مرنے پر اتر آتا ہے۔'' ثانیہ کو حقیقی معنوں میں زونیرا سے ہمدردی ہوگئی۔

''اور اگر وہ نہ آیا تو......'' ایک لمبی چپ کے بعد ثانیہ نے آہستگی سے کہا۔

''وہ ضرور آئے گا اس نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا مگر ثانی! میرے جذبات کی طاقت اس کو کھینچ کر لائے گی، میرے دل کو یقین ہے اور محبت کا تو جادو یہی ہے، وہ آدمی کو یقین کی دولت سے مالا مال کر دیتی ہے۔ میرے دل کو بھی اس بات کا یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔''

ثانیہ یک ٹک اس کو دیکھتی رہ گئی۔

''اور مجھے کیوں لے کر جا رہی ہو۔'' بہت دیر بعد ستانے والا یہ سوال جو بار بار تیار ہونے کے دوران بھی اسے چبھتا رہا پھر سے زبان پہ آ گیا۔

''تم خود مل لینا اس سے جا کر۔'' وہ نرمی سے بولی۔ ''میں گاڑی میں بیٹھ کر ویٹ کر لوں گی۔'' وہ روحیل کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

پہلے تو اس نے یہی سوچا تھا کہ مل کر اسے سختی سے منع کرے کہ وہ اسے کال نہ کیا کرے مگر اب اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنے فون کی سم بدل لے گی۔ دوسرے ایک دو دنوں میں اس نے چلے تو جانا ہی تھا پھر روحیل سے یہ سب بات کرنے کا

فائدہ؟ اگر خدانخواستہ بلال کو پتا چل گیا تو ایک نیا جھگڑا شروع ہو جائے گا۔
''تم ایک بار میرا یہ گفٹ، میرے جذبات اس تک پہنچا دو گی تو پھر مجھے خود سے بات کرنا آسان ہو جائے گا۔ پھر تم بے شک باہر گاڑی میں آ کر بیٹھ جانا۔ میں تھوڑی دیر تو......'' وہ بات پوری کیے بغیر خاموش ہو گئی۔
''تم اس سے کہو گی ہی تو پھر میرے کہنے کی یا جانے کی کیا ضرورت؟'' ثانیہ نے پھر سے مزاحمت کی۔
''تم میری اتنی سی بھی مدد نہیں کرو گی؟'' وہ بہت زود رنج ہو رہی تھی۔ ''زونیرا! میں......'' ثانیہ کو کچھ سمجھ نہ آیا کہ اب کیسے انکار کرے۔
''میں نے اس سے کبھی کچھ کہا ہی نہیں۔'' وہ ذرا دیر بعد سادگی سے بولی۔
''جب بھی ہماری بات ہوتی وہ تمہارے متعلق ہی بات کرتا رہا ہے تو صرف تمہارا جنون، تمہاری دیوانگی......''
وہ پھر سے آنکھوں میں ڈھیر ساری شکایت بھر کر بولی، ثانی کو پھر سے نظریں چرانا پڑیں۔
زونیرا سست روی سے ڈرائیو کر رہی تھی اور ثانیہ کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی، جانے کون سا خوف تھا جو اس کو روک رہا تھا کہ وہ روحیل سے نہ ملے۔
اور ڈیش بورڈ پر پڑا وہ چھوٹا سا گفٹ پیک جانے اس میں کیا تھا، اس نے بے چینی سے پھر زونیرا کی طرف دیکھا۔
زونیرا کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا اور نگاہیں سامنے سیاہ سڑک پر جمی ہوئیں۔
''تم شاید یہ سوچ رہی ہو کہ تمہیں روحیل سے نہیں ملنا چاہیے؟'' زونیرا اس کی طرف دیکھے بغیر شاید اس کی سوچوں کو پڑھ رہی تھی۔
''ہاں کچھ ایسا ہی ہے۔'' وہ اب کے مروّت میں بھی اقرار نہ کر سکی، زونیرا نے ایک جھٹکے سے گاڑی روک دی۔
''تو چلو پھر واپس چلتے ہیں۔'' وہ ایک دم سے سرد لہجے میں بولی۔
''نن نہیں...... میں تو، تم چلو نا، مل لینا تم۔'' ثانیہ ذرا سا ڈر کر ہکلاتے ہوئے بولی۔ زونیرا کتنی پاگل تھی، غصے میں اور جانے گھر جا کر پھر اس کے ساتھ کیا سلوک کرتی، اس سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔
''نہیں مجھے کسی سے نہیں ملنا، دفع کرو، چلو گھر۔'' وہ ایک دم سے جذباتی ہو کر گاڑی ریورس کرنے لگی۔
''اچھا غصہ تو نہیں کرو، چلو۔'' ثانیہ گھبرا کر بولی۔
''میں غصہ کر رہی ہوں؟ بالکل بھی نہیں۔'' وہ پھر سے بدلے ہوئے انداز میں بولی، ثانیہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔
''اور تم ٹھیک کہتی ہو جانے کا ملنے کا، اب بھلا فائدہ بھی کیا ہے، جب ہم دونوں میں نہ کوئی تعلق تھا، نہ ہو سکتا ہے تو پھر اس فضول کوشش کا فائدہ۔'' وہ پھر سے پہلے جیسی زونیرا بن چکی تھی۔ اور ثانیہ کو ابھی بہر حال کچھ دن تو اس کے ساتھ رہنا تھا۔
''پلیز زونی! چلو نا ہم چل رہے ہیں تھوڑی دیر کی تو بات ہے۔'' وہ ملتجی لہجے میں بولی۔
''نہیں چھوڑو۔'' وہ اسی خفگی سے بولی۔
''میں مل لوں گی نا اس سے پہلے، جو تم چاہتی ہو یہ گفٹ بھی اسے دے دوں گی، پھر تم اس سے پہلے بات کر لینا، تو ہم واپس آ جائیں گے، پلیز اب تو غصہ تھوک دو۔'' وہ زونیرا کے مقابلے میں اب کوئی بھی رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔
بلال یوں تو اس سے زونیرا کے معاملے میں اب کچھ بھی نہیں کہتا تھا، مگر بلال کا کیا بھروسا اگر زونیرا اس سے کچھ کہہ دے......وہ تھی تو اس کی اکلوتی بہن نا!

''چلو بس دیر ہو رہی ہے، پھر ہمیں واپس بھی آنا ہے۔'' ثانیہ نے زونیرا کے اسٹیرنگ پر رکھے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔

''دیکھ لو پھر سوچ لو، اگر تمہارا دل مانتا ہے تو چلو، ورنہ رہنے دیتے ہیں۔'' وہ پھر سے اسی لہجے میں بولی۔

''نہیں بس ٹھیک ہے، چلو بس زیادہ ٹائم نہیں لگانا بلال کا فون بھی نہیں آیا کہ وہ اسلام آباد پہنچ گئے یا نہیں۔'' اس کا دھیان بلال کی طرف چلا گیا تو، اپنا سیل چیک کرتے ہوئے بولی۔

''چلو ٹھیک ہے، زیادہ دیر نہیں لگائیں گے، لو آ گیا ہوٹل۔'' وہ اگلے ہی پل ہوٹل کی پارکنگ میں گاڑی روک کر کھڑی ہو گئی۔ ثانیہ کا دل یکبارگی تیز تیز دھڑکنے لگا۔

اس کا جی چاہا زونیرا سے کہے واپس چلو، اور اس کی ناراضی کی بھی پروا نہ کرے۔

''آؤ نا کھڑی کیوں ہو؟'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ دونوں ہوٹل کے استقبالیہ تک آئیں۔

''اندر وہ کونے والی ٹیبل کا میں نے اس سے کہا تھا، تم مل لو جا کر بس تھوڑی دیر بعد میں آ جاؤں گی۔'' وہ اسے گفٹ پیک تھما کر آگے کرتے ہوئے بولی۔ ثانیہ نے لاچاری سے اس کی طرف دیکھا۔

''پلیز۔'' زونی ملتجی لہجے میں بولی۔

تو ثانیہ گہرا سانس لے کر اندر کی طرف چل پڑی، زونیرا نے مسکرا کر اپنا سیل فون نکالا اور کوئی نمبر ملانے لگی۔

✠ ✠ ✠

پھر جانے کیا ہوا بالکل اچانک اس نے فیصلہ کر لیا۔

وہ وہاں جانا نہیں چاہتا تھا، مگر ٹھیک آدھا گھنٹہ پہلے وہ اسٹور کو اپنے اسسٹنٹ کے حوالے کر کے لا کر کو تالے لگا کر باہر نکل پڑا۔ چند دن پہلے ضرورتاً خریدی گئی موٹر بائیک اس ضرورت کے وقت کام آئی۔ وہ بغیر سوچے سمجھے اس جانب چل پڑا جس ہوٹل کا ایڈریس زونیرا نے بتایا تھا۔

''آر یا پار کم از کم اس دوزخ سے تو مجھے نکلنا چاہیے۔''

اس کا دل ایک ہی بات کی تال پر تیز تیز دھڑکے جا رہا تھا، اور ایکسیلیٹر پر اس کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

اس کی تمام تر حسیات جلد سے جلد اپنی اس ناکام محبت کا نام جان لینا چاہتی تھیں، جسے جانتے بوجھتے بھی وہ ناکام ماننے کو تیار نہیں تھیں۔

'''محبت کبھی ناکام ہوتی بھی نہیں، یہ تو ہوتی ہے یا نہیں ہوتی، ناکامی یا کامیابی کا اس سے کیا تعلق، یہ ریس میں جتا گھوڑا تو نہیں جسے لازماً جیتنا یا ہارنا ہے یہ تو محبت ہے بس جس کے نصیب میں لکھ دی جائے۔''

وہ اب مزید کچھ بھی نہیں سوچ رہا تھا کہ ثانیہ اس سے کیا کہتی، ناراض ہوتی یا خوش، اسے اس بات کی بھی پروا نہیں تھی۔ اس وقت تو ایک ہی بات کا شدت سے انتظار تھا کہ اڑ کر وہاں پہنچے اور ایک بار، چاہے آخری بار سہی اسے دیکھ تو لے اور اس نے اسے دیکھ لیا۔

جیسے نظروں کی صدیوں کی پیاس بجھی تھی، وہ ہوٹل کی انٹرنس سے اندر داخل ہو رہی تھی۔

✠ ✠ ✠

''امی! میں نے کہا نا! آپ سے، مجھے شادی وادی نہیں کرنی تو پھر کیوں اس لاحاصل عذاب میں خود کو مبتلا کیے

ہوئے ہیں۔'' بسمہ ایک دم سے ہاتھ میں پکڑے برتن سنک میں پٹخ کر بولی۔
ذکیہ نے تو اس سے یہی کہا تھا کہ وہ آج روحیل کی طرف جائے گی اور بسمہ کو یہ سنتے ہی جیسے پتنگے لگ گئے، لمحہ بھر کو تو ذکیہ بھی ششدر سی رہ گئیں۔

''مگر......بسمہ......! میں نے تمہاری شادی کا ذکر کب کیا۔'' بہت دیر بعد وہ نرمی سے بولیں تو بسمہ کو بھی اپنے اتنی شدت سے پھٹ پڑنے والے ردعمل سے بہت کچھ منکشف ہو جانے کا احساس ہوا۔ وہ خاموش ہی تو رہ گئی۔ جانے اس نے تصور میں کتنی ہزار بار یہ سوچ لیا تھا بلکہ مجسم دیکھ بھی لیا تھا کہ وہ روحیل کی ہونے جا رہی ہے۔

اور جب بھی ذکیہ اس کی شادی کا ذکر کرتی تو بسمہ کو لگتا وہ جھولی پھیلا کر روحیل سے اس کے لیے بھیک مانگ رہی ہے۔ بھیک میں مانگی محبت اور رشتہ دونوں ہی کتنے کریہہ ہوتے ہیں، آنکھیں نہ ہوتے ہوئے بھی بسمہ اس بات کو بہت گہرائی تک محسوس کرتی تھی۔

''روحیل کی طرف کیوں روز روز جاتی ہیں آپ؟'' اپنے ردعمل کو باوزن کرنے کے لیے اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

''اس نے سرمد کی نوکری کے لیے کہا تھا کہ اسے اسٹور پر بھیج دوں، کل لے کر گئی تو وہ ملا ہی نہیں۔ پرسوں بھی موجود نہیں تھا، میں نے کہا ایک بار گھر جا کر پھر سے اسے یاد دہانی کرا دوں اور پھر کافی دنوں سے اس نے ادھر کا چکر بھی نہیں لگایا۔'' وہ کچھ دل گرفتہ سی رک رک کر بول رہی تھیں۔ وہ خود کب روحیل کی طرف جانا چاہتی تھیں۔

نصرت کا لیا دیا انداز اور اس میں چھپی بہت سی ان کہی طنزیہ باتیں جنہیں صرف ذکیہ کی حسیات محسوس کرتی تھیں، مگر اس کے باوجود محض روحیل سے ملنے کی خاطر وہ یہ سب دوبارہ سے سہنے پہ خود کو راضی کر لیتی تھیں۔

''ان کے سر پر اب پورے گھر کی ذمہ داری ہے، وہ کوئی فارغ تھوڑی ہیں جو پہلے کی طرح بار بار ادھر چکر لگائیں، امی آپ کو یوں......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی، شاید وہ انہیں بار بار وہاں جانے سے ٹوکنا چاہ رہی تھی۔ ''پھر سرمد اگر اسٹور پر جانے لگے گا تو اس کا پڑھائی سے جی اٹھ جائے گا، ابھی کچھ سال کم از کم میٹرک تک اسے یکسوئی سے پڑھنے دیں۔''

اسے روحیل کی جانب سے کوئی بھی اس طرح کی ہمدردانہ فیور نہیں چاہیے تھی جبکہ اس کا اپنا دل اس کے نہ آنے سے کتنا بے چین تھا اور اظہار تو وہ خود سے بھی نہیں کر پاتی تھی۔

''بیٹا! تو گزارا کس طرح ہو، سب کچھ تمہارے سامنے تو ہے۔'' ذکیہ لاچاری سے بولیں۔

''ہمارے پاس تھوڑے پیسے ہوتے تو اوپر والا کمرہ ٹھیک کرا کر اسے کرائے پر دے دیتے۔'' بسمہ برتن دھو کر ذکیہ کے پاس آ بیٹھی۔

''پیسوں کا تو سارا رونا ہے۔'' ذکیہ آہ بھر کر بولیں۔

''امی! جو میرا جہیز ہے تھوڑا بہت، برتن بستر اور سونے کی بالیاں، وہ بیچ کر اگر ہم اوپر کا......'' وہ ذرا دیر بعد جھجک کر بولی۔

''خبردار بسمہ! اس سے آگے ایک لفظ نہیں بولنا۔'' وہ فوراً ڈپٹ کر بولیں۔

''کیا کریں گی ان فضول چیزوں کو پیٹی میں رکھ رکھ کر؟'' وہ کڑھ کر بولی۔

''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔'' ذکیہ چڑے ہوئے انداز میں کہہ کر اٹھیں اور اپنی سلائی مشین کے سامنے بیٹھ گئیں۔

''کیا تھا یوسف کی زندگی کے چند سال اور ہوتے، تھوڑا سرمد اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل تو ہوتا یا تیرا ہی کہیں......'' وہ مشین چلاتے ہوئے حسرت بھرے لہجے میں آہستگی سے بولیں۔

''جو بات ہو نہیں سکتی امی! اس کے بارے میں کیوں اتنا سوچتی ہیں۔ بھائی کی زندگی اتنی تھی انہیں تو جانا ہی تھا۔''
وہ راستہ ٹٹول کر ذکیہ کے پاس ہی آ بیٹھی۔ ذکیہ کا ایک دم سے دل بھر آیا۔
''کیا بھری جوانی تھی، کیسا شیر جوان تھا میرا بیٹا اور کیسا احساس والا۔ باپ کے گزرتے ہی کس طرح اس نے سب کچھ سنبھالا اور پھر۔'' وہ رونے لگیں۔
''چپ کر جائیں نا!'' وہ ذکیہ کا کندھا تھپک کر بولی۔
''ابھی تو یہ دس مسئلے گھر کے خرچ کے، تیری شادی کے، سرمد کی پڑھائی کے، میری جان کو چمٹے ہیں، میں یوسف کا جان بوجھ کر نہیں سوچتی۔ سوچتی ہوں اگر فرصت میں بیٹھ کر اسے سوچنے لگوں بسمہ! تو شاید میرا دل ہی پھٹ جائے۔'' وہ سسکی لیتے ہوئے بولیں۔
''جوان بیٹے کی موت کا صدمہ میں کیسے سہہ گئی، یہ تو کوئی بھی نہیں جان سکتا، سوائے اس کے جس پر بیتی ہو۔''
''وہ...... اماں...... کل نہیں پرسوں، روحیل آئے تھے، آپ جب سکینہ خالہ کی طرف کپڑے دینے گئی تھیں۔''
ذکیہ کا دھیان ہٹانے کو ذرا دیر بعد بسمہ بولی تو ذکیہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔
''اور تم نے مجھے بتایا نہیں۔''
''آپ نے ناراض ہونا تھا۔'' وہ آہستگی سے بولی۔
''کیوں ناراض ہوتی، میں۔ روحیل کے آنے پر بھلا۔''
''نہیں، میں نے ان کو منع کر دیا تھا۔''
''کس بات سے، یہاں آنے سے، تم نے روکا اسے؟'' وہ جھنجلا کر بولیں۔
''اس بات سے بھی اور سرمد کے اسٹور پر کام کرنے سے بھی۔'' وہ رک رک کر بولی۔
''بسمہ!'' ذکیہ مارے صدمے کے کچھ کہہ ہی نہ سکیں۔
''اماں! اچھا نہیں لگتا ہم اپنے مسائل کے حل کے لیے دوسروں کے کندھے سہاروں کے لیے تھامیں، کب تک دوسرے ہمارا سہارا بنیں گے، ہمیں خود سے اپنا سہارا بننا چاہیے نہ کہ......''
''اور سرمد وہاں کام ہی کرتا، خیرات تو نہ لیتا سیکھ ہی لیتا کچھ، پر مجھے تکلیف ہو گئی۔ ہاں ماں کی تکلیفیں کیوں کم ہوں، وہ اسی طرح تم لوگوں کی روٹی کے لیے دن رات مشقت کی چکی میں پستی رہے، لوگوں کے سو سو روپے کے کپڑے سینے کے لیے فقیرنی بنی رہے اور تیرے سینے میں ٹھنڈ پڑے تو جو اتنا بڑا پہاڑ میرے اوپر دھرا ہے میرے سارے مسئلے حل ہو بھی جائیں تو...... تو بسمہ! میں کیا کروں کہاں جا مروں اس یوسف کی طرح جا کر منوں مٹی تلے سو جاؤں تو تمہیں چین آئے گا نامرادو۔'' ذکیہ ایک دم سے پھپک پھپک کر رونے لگیں اور بسمہ سر جھکائے اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی ایسی بات سوچنے کی کوشش کرتی رہی جسے چھیڑ کر وہ ذکیہ کو چپ کرا سکے مگر بہت دیر کی لاحاصل کوشش کے باوجود بھی اسے کچھ نہیں سوجھا تو وہ ہاتھوں سے زمین ٹٹولتی اٹھی اور پھر سے کچن میں جا کر بیٹھ گئی۔

✠ ✠ ✠

''کیسی ہو؟'' وہ پلک جھپکے بغیر اسے دیکھ رہا تھا۔
''ٹھیک۔'' وہ اس کی نظروں کے ارتکاز سے الجھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی، اور اسے تو یہ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، بلکہ یہ کس قدر مضحکہ خیز تھا کہ وہ زونیرا کی محبت کا اظہار اس کے سامنے اپنے منہ سے کرے۔

''اس روز میں نے تم سے ایک سوال پوچھا تھا۔'' خاموشی کے وقفے کو روحیل کی بھاری آواز نے توڑا۔
''کون سا سوال؟'' وہ بالکل غائب دماغ ہو چکی تھی، بس جلد سے جلد یہاں سے اٹھ کر جانے کا کوئی ٹھوس سا بہانہ سوچ رہی تھی۔
''تم خوش ہونا۔ بلال کے ساتھ؟'' وہ رک کر بولا۔
''کیوں تمہیں کیسا لگا؟'' جی تو اس کا چاہا کوئی ٹھیک ٹھاک سخت قسم کا جواب دے، مگر پھر وہی طبیعت کی مروّت، تدارک کر گئی۔
''میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔'' وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔
''روحیل! تمہیں پتا ہے میں تم سے یہاں کیوں ملنے آئی ہوں۔'' وہ جلد از جلد اس فرض سے سبکدوش ہونا چاہتی تھی، جو زونیرا نے اس کے ذمے لگایا تھا۔
''کیا مجھ سے ملنے کے لیے تمہیں کسی وجہ کی ضرورت ہے؟ بھول رہی ہو تم، ہم دونوں کزن بھی ہیں کچھ رشتہ تو پہلے سے ہمارے درمیان موجود ہے، پھر ملنے کے لیے کسی وجہ کا موجود ہونا کیوں ضروری ہے۔'' وہ جتا کر بولا۔
''ہے ضروری، تم جانتے ہو۔'' وہ ناگواری سے بولی۔
''اوہ، اب میں سمجھا۔'' وہ سر اٹھا کر بولا۔
''اب تمہاری اور میری کلاس میں فرق جو آ چکا ہے، تمہارا اسٹیٹس بہت بلند ہو چکا ہے، جبکہ میں...... وہی روحیل ہوں ایک معمولی بے کار سا تمہارا رشتہ دار جسے...... جسے کبھی تم سے...... بلکہ نہیں ابھی بھی شدید محبت۔''
''پلیز۔'' وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے پھٹ پڑنے کے سے انداز میں بول پڑی۔
''جس طرح تمہیں حق ہے اپنی سوچوں کے مطابق زندگی گزارنے کا کیا مجھے حق نہیں کہ میں جس کو پسند کرتا ہوں اس کا اظہار ہی کر سکوں۔'' وہ تلخی سے بولا، ثانیہ کا فوری ردعمل اسے بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔
''پسند تو تمہیں بھی کوئی کرتا ہے اور اسی شدت اور گہرائی سے...... جس طرح تم...... شاید...... تم جانتے ہو گے۔'' اس نے فوری طور پر موضوع کو تبدیل کرنا چاہا۔
''مجھے صرف اس بات سے دلچسپی ہے کہ جسے میں پسند کرتا ہوں وہ بھی مجھے پسند کرے، اس کے علاوہ کون مجھے پسند کرتا ہے یا ناپسند، مجھے پروا نہیں اور نہ جاننے کی ضرورت۔'' وہ تیز تیز بولتا چلا گیا۔
''جبکہ تم جانتے ہو، روحیل! تم ایسے تو نہ تھے، تمہیں اتنی خودغرضی سے سوچتے ہوئے میرے بارے میں کیا خیال نہیں آیا کہ میں تمہاری ان بچگانہ سوچوں بلکہ حرکتوں کی وجہ سے کسی بڑی مشکل میں پڑ سکتی ہوں۔'' وہ دکھ سے بولی۔
''بچگانہ......'' وہ حیرانی سے بولا۔ ''تمہارے نزدیک میری محبت بچگانہ ہے؟''
''میں نے یہ نہیں کہا۔'' وہ آخری حد تک اس کا بلکہ کسی کا بھی دل توڑنے سے گریز کرنا چاہتی تھی۔
''مجھے تمہارا ہی تو خیال ہے، اس لیے یہاں آ گیا ہوں۔'' ذرا دیر بعد وہ رک کر بولا۔
''میرے لیے...... یا...... کسی اور کے لیے۔'' وہ جتا کر بولی۔
''تمہارے علاوہ کوئی اور ہے ہی نہیں، جس کے لیے میں کچھ بھی سوچے بغیر کہیں بھی چل پڑوں، یہ تو صرف تمہارے لیے۔''
''پلیز روحیل! اب اس بات کو ختم کرو۔'' وہ ایک دم بے زار ہو کر بولی۔
''کس بات کو؟'' روحیل قطعاً نہیں سمجھا۔

''تم جانتے ہو میری شادی ہو چکی ہے۔'' وہ زور دے کر بولی۔

''جو کہ اب ٹوٹنے والی ہے۔''

''روحیل!'' وہ اتنے زور سے چیخی کہ اردگرد اکا دکا ٹیبلز پر بیٹھے لوگ بری طرح سے چونکے۔

''میرا خیال ہے میں نے یہاں آ کر غلطی کی ہے۔'' وہ لب بھینچ کر بولی۔ روحیل خاموش اسے دیکھتا رہ گیا۔

''کیا تم ابھی بھی بلال سے۔'' وہ جیسے ٹوٹ سا گیا، اسے ٹوٹے ہوئے ہارے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ابھی بھی بلال سے کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ تنک کر بولی۔ ''میں تو پہلے دن سے...... تمہیں یہ بات کیوں نہیں آتی۔'' وہ شاید اس پر ترس کھا کر لہجے میں نرمی بھر کر بولی۔

''کچھ چیزیں کچھ لوگ ہمارے مقدر میں نہیں ہوتے۔ اور جو چیز مقدر میں نہ ہو روحیل! وہ ہمارے جذبوں شدتوں سے بھی ہماری نہیں ہو سکتیں، تقدیر کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔'' وہ اسے سمجھانے والی انداز میں بولی۔

''اور مجھے یہی کھیل تو سمجھ میں نہیں آتا جو تقدیر میرے ساتھ کھیل رہی ہے۔'' وہ سر جھکا کر شکست خوردگی سے بولا۔

''سمجھ تو پہلے مجھے بھی یہ سب نہیں آیا تھا اور بہت مشکل ہوتا ہے تقدیر کے فیصلے صادر ہو چکنے کے بعد ان پر راضی ہو جانا۔'' وہ گہرا سانس لے کر آہستگی سے بولی۔

''تم بھی'' روحیل اس کی آنکھوں میں دیکھ کر خاموشی کی زبان میں بولا۔

''بہت مشکلوں سے یہ سارے مرحلے طے کر کے آئی ہوں۔'' وہ ان لمحوں کی اذیت نگاہوں میں بھر کر بولی۔

''تقدیر پر راضی ہونا دل سے اس کے فیصلے کو مان جانا، زندہ رہنے سے بھی مشکل ہے۔ مگر پھر ہولے ہولے سمجھ آ گئی کہ اگر مجھے زندہ رہنا ہے تو اپنی قسمت کے فیصلے کو دل سے قبول کرنا ہوگا۔'' وہ شاید خود کو سمجھا رہی تھی یا روحیل کو، انداز سراسر خود کلامی والا تھا۔

''کیا تم بلال کے ساتھ خوش نہیں تھیں؟''

''پتا نہیں خوش ہونا کسے کہتے ہیں، شاید میری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو وہ زندگی میں اس اچانک ملنے والی خوشی کو اپنی قسمت کا سب سے بڑا تحفہ سمجھ کر قبول کر لیتی، مگر میں......''

وہ یہ سب روحیل سے کیوں شیئر کر رہی تھی، اس سے تو وہ اور بھی شہ پائے گا۔ ''نہیں، نہیں۔'' وہ اگلے ہی پل سنبھل گئی۔

''زونیرا سے تم کب ملے؟'' وہ لحہ بھر رک کر بولی۔ اور روحیل اس اچانک سوال کے لیے قطعاً تیار نہیں تھا۔

''ہاں بس......'' وہ کوئی معقول جواب نہیں دے پایا۔

''تم جانتے ہو وہ تمہیں پسند کرتی ہے۔'' ثانیہ اس کے تاثرات دیکھنے کو سرپرائزنگ لہجے میں بولی۔

''بلال نے تم سے کیا کہا ہے؟'' روحیل کا سوال بھی ثانیہ کے لیے بالکل اچانک تھا۔

''کیا، کیا مطلب؟'' وہ چونکی۔

''وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے نہیں آیا، بلکہ......'' وہ اس بات کو اپنے منہ سے کیسے ادا کرے جو بہلا وادے کر اسے یہاں بلایا گیا تھا۔

''تمہیں کیسے پتا ہے؟'' وہ ماتھے پر بل ڈال کر بولی۔

''معلوم ہے مجھے سب۔'' وہ سر جھکا کر آہستگی سے بولا۔

ثانیہ اس کے انداز سے اخذ کرنے کی کوشش کرتی رہی کہ اسے کیا کچھ معلوم ہے۔

''بہر حال میں یہاں اس لیے آئی تھی......'' وہ ذرا توقف سے اصل بات کی طرف آتے ہوئے بولی۔ ''روحیل! ہم دونوں اچھے دوست بھی تھے کبھی اور کزن بھی۔ اسی لحاظ سے تم سے درخواست ہی کر سکتی ہوں۔''

''پلیز، یہ مت کہو۔'' وہ تڑپ کر بولا۔

''روحیل......! تم آئندہ مجھے کبھی فون نہیں کرو گے...... نہ کبھی سرِ راہ...... ملے بھی تو دیکھ کر نہ رکو گے یا پکارو گے، بلکہ انجان بن کر، گزر جاؤ گے۔'' وہ بہت مشکل سے رک رک کر بولی۔ روحیل پتھرائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''میں بلال کے ساتھ چند دنوں میں اپنی زندگی کا نیا اور خوشگوار سفر شروع کرنے جا رہی ہوں۔ امید ہے تم اس کے لیے میرے حق میں دعا ہی کرو گے اور کبھی نہیں چاہو گے کہ خدانخواستہ میری ازدواجی زندگی تمہاری وجہ سے مشکل سے دوچار ہو۔ ہم میں دوستی، رشتہ داری یا جو بھی جذبات تمہارے تھے، میرے لیے سب کچھ ختم ہو گیا، پلیز تم میری بات کو دل پر نہ لینا۔ اسے میری مجبوری سمجھ کر، تم سمجھ رہے ہو نا!''

وہ اس کی اتنی گہری چپ پر بات ادھوری چھوڑ کر بولی۔ وہ کچھ بول ہی نہ سکا۔

''زونیرا! شاید تمہارے لیے کچھ اسپیشل فیلنگز رکھتی تھی، مگر اب اس کا بھی رشتہ طے ہو چکا ہے بلکہ اس کی خوشی اور مرضی سے...... وہ بھی تم سے ملنے آئی ہے، باہر ہے ابھی آتی ہے، تم میری سب باتوں کو سن چکے ہو نا؟'' وہ جانے اس سے کون سی یقین دہانی چاہتی تھی۔

''اور یہ......'' اس نے گفٹ پیک اس کی طرف سے بڑھایا۔

''یہ گفٹ ہے تمہارے لیے۔'' وہ پھر سے بولی۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔

''کھول کر نہیں دیکھو گے، ویسے یہ گفٹ زونیرا نے دیا ہے تو بہتر ہے تم یہ گفٹ اس کے سامنے ہی کھولنا۔'' وہ کہہ کر اٹھ کر جانے لگی۔

''ثانیہ! بیٹھو۔'' وہ ایک دم سے اس کا ہاتھ پکڑ کر حکمیہ انداز میں بولا۔ وہ اس کی اس جسارت پر بھونچکی رہ گئی۔

''پلیز۔'' اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً اس کا ہاتھ چھوڑ کر آہستگی سے بولا۔ وہ پھر سے بیٹھ گئی۔

روحیل نے گفٹ پیک کھولنا شروع کر دیا۔ اندر سے ایک مخملی ڈبیہ نکلی تھی، جو دونوں کے لیے حیران کن تھی۔

''زونیرا پہلے روحیل کو کوئی جیولری کیوں گفٹ کرے گی۔'' ثانیہ کے دماغ میں پہلا سوال یہ ہی ابھرا۔

''یہ کیا ہے؟'' وہ خود بھی الجھ سا گیا۔

''مجھے نہیں معلوم، اس نے مجھے دیا کہ تمہیں دے دوں بلکہ ٹھہرو، میں اسے بھی بلاتی ہوں۔'' وہ پھر سے اٹھ کر جانے لگی۔

''ابھی ٹھہر جاؤ ثانیہ! ایک منٹ۔'' وہ زیادہ سے زیادہ لمحات اس کے ساتھ بتانا چاہتا تھا۔ وہ پھر لاچار ہو گئی۔

روحیل وہ ڈبیہ کھول چکا تھا۔

''اس کے ہاتھ میں ایک مردانہ بریسلٹ تھا، جس پر بڑے نمایاں انداز میں انگریزی حروف کے ساتھ روحیل لکھا ہوا تھا۔

دونوں ششدر نگاہوں سے اس چندھیا دینے والے تحفے کو دیکھتے رہ گئے۔

''یہ...... یہ میرے لیے...... مگر کیوں؟'' وہ تعجب سے ثانیہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ وہ کندھے اچکا کر رہ گئی۔

''شاید ایسے ہی خیرہ کن جذبات ہیں اس کے تمہارے لیے، تو ان کے اظہار کے لیے اسے یہی بہترین طریقہ سمجھ

میں آیا۔"

روحیل اس بریسلٹ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا، جب ثانیہ نے آہستگی سے کہا۔

"کیسے جذبات...... ثانیہ! یہ کیا ہے سب؟" وہ پریشان ہی تو ہو گیا۔

"محبت...... محبت کرتی ہے وہ تم سے۔" ثانیہ مدھم آواز میں بولی۔

"جھوٹ، غلط، بکواس۔" اسے ایک دم سے غصہ آ گیا۔

دوسرے لمحے دونوں بری طرح سے چونک اٹھے۔ کوئی آہستگی سے ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ روحیل کی انگلیوں کے بیچ وہی سنہری بریسلٹ لٹک رہا تھا۔

✠ ✠ ✠

"ارے بیگم حامد! آپ فکر کیوں کرتی ہیں، ایسا کچھ بھی نہیں میرے بیٹے کو بھی اور مجھے بھی دل و جان سے یہ رشتہ پسند ہے۔" وہ رک کر دوسری طرف کی بات سننے لگیں۔

"تو آپ مجھے کوئی مثبت جواب کیوں نہیں دے رہیں، بھائی جان بھی رات سے آ چکے ہیں اور وہ لوگ ایک دن میں آپ کو انوائیٹ کرنے والے ہیں۔"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں، اصل میں زونی کی رائے بھی ضروری تھی اور دوسرے......" فضیلہ کچھ جھجک کر رک گئیں۔

"اور کیا فضیلہ! آپ مجھ سے کھل کر ہر بات کر سکتی ہیں۔" وہ ان کے تذبذب پر چونک کر بولیں۔

"اوہ ایسا تو کوئی بڑا ایشو نہیں مگر...... آپ کی بھابی...... تھوڑا ان کا رویہ......" وہ اپنی جھجک کو مناسب الفاظ دے سکیں۔

"بھابی میری ذرا کم پڑھی لکھی ہیں اور اکثر بے سوچے سمجھے بول بھی پڑتی ہیں، میں جانتی ہوں اس دن کا رویہ آپ کی بہو کے ساتھ تھا ٹھیک نہیں تھا، مگر یقین کریں، وہ دل کی بہت اچھی ہیں اور انہیں تو زونیرا بیٹی اتنی پسند آئی ہے کہ دن میں دو، دو بار فون کر کے پوچھ رہی ہیں کہ آپا آپ نے پتا کیا وہ لوگ کب آ رہے ہیں ہمارے گھر۔" مسز حامد جوش میں بولتی چلی گئیں۔

"وہ تو ان کی محبت ہے۔" فضیلہ کی سمجھ میں نہ آیا اب کیا جواب دے۔

"وہ فطرتاً بھی بہت اچھی ہیں، آپ یقین کریں، زونیرا وہاں خوش رہے گی، بہت خوش قسمت ہے ہماری بیٹی۔

"وہ تو ہے، میں جانتی ہوں۔"

"تو پھر ڈرتی کیوں ہیں اللہ پر بھروسا کریں، وہ یقیناً بہترین کرنے والا ہے، بس آپ مجھے یہ بتائیں کب آ رہی ہیں آپ ہماری طرف؟" وہ مصر ہوئیں تو فضیلہ کچھ اور کہہ ہی نہ سکیں۔

"بلال بیٹا آج اسلام آباد گیا ہے، پرسوں آئے گا تو پھر میں آپ کو فون کر کے بتا دوں گی۔" وہ ذرا سوچ کر بولیں۔

"اوکے، تو پھر پرسوں رات کا کھانا ہمارے بھائی جان کی طرف ڈن!" وہ خوش ہو کر بولیں۔

"ارے ابھی نہیں پرسوں تو وہ آئے گا نا وہ آ جائے تو......" وہ کچھ گھبرا کر بولیں۔

"ارے مشورہ کیا کرنا ہے۔ آپ ابھی فون کر کے بتا دیں، پرسوں وہ جلدی پہنچ جائے اور بس۔" وہ جلدی۔

تو ہی بولیں۔

''آپ بھی نا مسز حامد! اگلے کو لاجواب کر دیتی ہیں، ٹھیک ہے ہم پرسوں رات کو آ رہے ہیں۔'' وہ سارے عذر یک طرف کر کے بولیں۔

''بہت شکریہ فیصلہ! آپ کا، مجھے پہلے ہی یقین تھا آپ میری بات کبھی رد نہیں کریں گی، میں ابھی بھابی کو فون کر کے یہ خوش خبری سناتی ہوں۔ وہ تو جس دن سے آپ کی طرف سے گئی ہیں اس بات کی منتظر ہیں۔ اپنا خیال رکھیے گا، خدا حافظ۔'' انہوں نے خوش خوش فون بند کر دیا۔

''تو یہ سب اتنی جلدی ہونا تھا، ابھی تو زونیرا میری انگلی پکڑ کر اسکول جاتی تھی اور اب وہ پرائے گھر چلی جائے گی۔'' انہیں ایک دم اداس کر دینے والی سوچ نے آ گھیرا۔

''بلال اور ثانیہ بھی چلے جائیں گے، پہلے دو سال کے لیے...... تو پھر میں اکیلی اس اتنے بڑے گھر میں کیا کروں گی۔'' ذرا فاصلے پر کھڑی تنہائی نے انہیں ایکا ایکی آن دبوچا تھا۔

''مجھے بلال کو نہ سہی ثانیہ کو نہیں جانے دینا چاہیے، پہلے تو زونیرا کا مسئلہ تھا، دونوں کی بنتی نہیں تھی، جس کی وجہ سے روز کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا ہو جاتا تھا، اب تو زونیرا ہی چلی جائے گی، بھلے اسی شہر میں ہوگی، مگر شادی کے بعد وہ آنا جانا تو نہیں ہوتا۔'' انہیں ایک نیا خیال سوجھا تھا۔

''نہیں ثانیہ کو نہیں جانا چاہیے، میں آج ہی بلال سے بات کرتی ہوں، وہ اکیلا جائے گا، ثانیہ ساتھ نہیں جائے گی۔'' انہوں نے فیصلہ کرتے ہی سیل فون پر بلال کا نمبر ملایا، اس کا سیل آف تھا۔

''سیل کیوں آف ہے؟'' دوبارہ ٹرائی کرنے کے بعد انہوں نے ارادہ موقوف کر دیا۔

''سروری! کمرے سے ثانیہ کو بلا کر لاؤ۔'' سامنے سے گزرتی سروری کو دیکھ کر انہوں نے کہا۔

''وہ تو جی گھر پر نہیں ہیں۔'' سروری ذرا جھجک کر بولی۔

''گھر پر نہیں، کہاں گئی ہے؟'' وہ چونک سی گئیں۔

''معلوم نہیں جی مجھے۔'' سروری عاجزی سے بولی۔

'اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔'' انہیں غصہ آ گیا۔

''آپ تو ابھی کالج سے آئی ہیں تو وہ کافی دیر پہلے گئی تھیں۔''

''ڈرائیور کے ساتھ؟'' ذرا سوچ کر انہوں نے پوچھا۔

''نہیں چھوٹی بی بی اور وہ اکٹھی گئی ہیں۔''

''زونیرا کے ساتھ، ثانیہ......؟'' انہیں ایک اور جھٹکا لگا۔

''ثانیہ اور زونیرا اکٹھی کہاں جا سکتی ہیں بھلا؟'' وہ حیران سی سوچنے لگیں۔

''کیا بتا کر گئیں، کہاں جا رہی ہیں؟''

''کچھ بھی نہیں۔'' وہ لاعلم تھی، نفی میں سر ہلا کر بولی۔

''اچھا تم جاؤ میرے لیے چائے کے ساتھ کچھ کھانے کو لاؤ، بھوک لگی ہے، کھانا تو میں ان کے آنے پر ہی کھاؤں گی۔'' سروری کے جاتے ہی انہوں نے زونیرا کا سیل نمبر ملایا۔ بیل جا رہی تھی، مگر وہ ان کی کال ریسیو نہیں کر رہی تھی۔

''بار، بار کوشش کرنے کے بعد نتیجہ وہی تھا، بلال کا فون اب بزی تھا، انہوں نے جھنجلا کر سیل پٹخ دیا۔

''جانے یہ دونوں کہاں گئی ہیں اور بدتمیز میری کال بھی ریسیو نہیں کر رہی۔''

وہ سروری کی لائی ہوئی چائے کے ساتھ اسنیکس کھاتے ہوئے کڑھنے لگیں۔

✠ ✠ ✠

''جی، میں آپ کو یہ سب تو ڈائری دیکھ کر بتا سکتا ہوں۔'' فون کے دوسری طرف موجود جیولر نے بلال کی بات سن کر کہا۔

''آپ دیکھ لیں، میں ویٹ کر لیتا ہوں۔''

بلال تحمل سے بولا تو جیولر کے ورق الٹنے کی سرسراہٹ اس کے کانوں میں آنے لگی۔

''جی یہ اٹھائیس تاریخ کا آرڈر تھا اور آپ کے گھر سے آپ کی مسز نے لکھوایا تھا۔''

''اور اسے پک کس نے کیا تھا۔'' اس کے پورے جسم کا خون کنپٹیوں کی طرف حرکت کرنے لگا۔

زونیرا بغور بلال کے چہرے کے لحظہ بہ لحظہ بدلتے تاثرات کو دیکھ رہی تھی، نتیجہ اس کے حسب منشا آنے ہی والا تھا۔

''جی وہ خود تھیں اور آپ کی والدہ۔'' مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

''بہت شکریہ، آپ کو زحمت دی، خدا حافظ۔'' کہہ کر بلال نے فون بند کر دیا۔

''اب بھی آپ مجھ پر شک کریں گے؟'' اس کے فون بند کرنے پر زونیرا نے جتا کر پوچھا۔

اور بلال کچھ بول ہی نہیں سکا، اس کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''وہ دونوں پہلے سے ایک دوسرے سے ملتے رہے ہیں، آپ کے جانے کے بعد وہ میرے اور مما کے کالج جانے کے بعد گھر سے چلی جاتی تھی۔ شروع میں تو اسے گھر بلاتی رہی، پھر جب میری جیولری چوری ہوئی تو میرے ہنگامے پر اس نے اپنے کزن سے باہر ملاقاتیں شروع کر دیں۔''

''زونیرا!'' بلال چیخ کر بولا، جیسے اس کے دماغ کی کوئی رگ پھٹ جائے گی۔

''آپ کے آنے کے بعد دونوں میں صرف فون کا رابطہ تھا۔ شاید آپ کے سامنے وہ بات نہ کرتی ہو اور کل جب آپ نے جانے کا کہا اسلام آباد تو آپ اس کے ایکسپریشن تو دیکھ ہی چکے تھے۔ اس لیے میں نے آپ کو روک لیا کہ آپ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ اس کلاس کی لڑکیاں کتنی قابل اعتبار ہوتی ہیں، ان کو دنیا بھر کی آسائش اور دولت بھی دے دو پھر بھی ان کے اندر کا گھٹیا پن ختم نہیں ہو سکتا۔'' وہ زہر بھرے لہجے میں پھنکار رہی تھی۔

''تم یہیں رکو، میں اندر جاتا ہوں۔'' بلال اسے جھٹکے سے پرے ہٹا کر اندر کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

اور زونیرا اپنی زندگی کا یہ یادگار اور شاندار سین بھلا کیوں مس ہو جانے دیتی۔

بلال کے جاتے ہی لحظہ بھر بعد وہ بھی اس کے پیچھے ہوٹل میں داخل ہو گئی جہاں اس کی پسند اور خواہش کے عین مطابق سین کری ایٹ ہونے جا رہا تھا۔

✠ ✠ ✠

وہ دونوں بھونچکے سے بیٹھے رہ گئے۔ ان کے سامنے بلال کھڑا تھا اور اس کی پشت پر ذرا فاصلے پر لبوں پر گہری مسکان لیے زونیرا۔

روحیل کی انگلیوں میں لٹکتا، وہ بریسلٹ اور اس کے انتہائی قریب بیٹھی ثانیہ کس قدر مکمل منظر تھا۔

اتنی جامعیت لیے ہوئے کہ شاید زونیرا کے تخیل نے بھی نہیں سوچا تھا، تو یہ تھا وہ کھیل جو تم دونوں عین میری ناک

ے نیچے اتنے مہینوں سے کھیل رہے تھے۔'' وہ گن گن کر قدم اٹھاتا، عین ان دونوں کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''بلا...... بلال! آپ...... آپ تو...... اسلام آباد......'' ثانیہ کو چکر سا آنے لگا تھا۔

''ہاں تم نے سوچا کہ میں اسلام آباد جا رہا ہوں تو تم اپنے اس سابقہ عاشق سے کھل کر ملاقات کر لو ہے نا!'' وہ چبا چبا کر بولا۔ اور ثانیہ کو لگا اس کا دل پھٹ جائے گا۔

''یہ...... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' وہ پھٹے ہوئی آواز میں بولی۔

''تم...... کیا سمجھا تھا میں تمہیں، ساری دنیا سے لڑ کر میں نے تم جیسی بے اوقات، بے حیثیت لڑکی کو اپنایا، لیکن یہ میری بھول تھی، تم جیسی گھٹیا لڑکیاں سارے جہاں کا زر بھی ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیا جائے تو ان کی حرص اور گندگی ختم نہیں ہوتی، تم ان لڑکیوں میں سے ہو۔''

اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ ثانیہ کا گلا گھونٹ ڈالے یا اس کو قتل کر کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔

''بس کریں، خدا کے لیے بس کریں، اتنی گندگی، اتنی نفرت ہے آپ کے دل میں، میرے لیے، آپ ایسا سمجھتے ہیں مجھے۔'' اب خاموش رہنا تو اپنی موت کو آواز دینا تھا، اب اگر وہ کچھ نہ بولی تو ساری زندگی روئے گی۔ اسے پتا چل گیا تھا۔

''گندگی میرے دل میں نہیں، تمہارے اندر ہے، سڑاند ہے ایک گلے سڑے گٹر کی سی، تمہیں شرم آئی نہ غیرت کہ تم کیا کرنے جا رہی ہو، اس دو کوڑی کے حیثیت والے لڑکے کے ساتھ تم تنہائی میں عیش بھرے لمحات گزارتے، کس طرح اپنے شوہر کی عزت اور غیرت کی دھجیاں اڑا رہی ہو، تم تو طوائف سے بھی گئی گزری نکلی، وہ تو یہ سب کچھ دکھا کر کرتی......''

''بس کریں بلال! خدا کے لیے بس۔''

''یہ...... یہ تحفہ دینا تھا تم نے اپنے یار کو۔'' اس نے ایک دم سے روحیل کے ہاتھ سے بریسلٹ جھپٹ کر ثانیہ کی آنکھوں کے سامنے لہرایا اور ساتھ ہی روحیل کو زور سے پرے دھکا دیا۔

''اور کیا ثبوت چاہیے تمہیں اپنی بے غیرتی اور بے حیائی کا؟''

''یہ میں نے نہیں زونیرا نے......'' وہ زور سے چیخی۔

''تمہاری زبان گدی سے کھینچ لوں گا، اگر تم نے میری بہن کا نام بھی اپنی اس گندی زبان پہ لیا تو۔'' وہ اس کا گلا دبانے کو لپکا۔

''زونیرا...... تم بولتی کیوں نہیں، بتاتی کیوں ہیں، تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تم روحیل سے محبت کرتی تھیں تم نے......'' وہ گلا پھاڑ کر چیخی۔

''میں...... میں اس دو ٹکے کے معمولی شکل کے لڑکے سے محبت کروں گی، تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا، اس جیسے گلیوں، سڑکوں میں رلتے بے حیثیت بے اوقات لڑکے جن پر میں تھوکنا بھی پسند نہیں کروں گی، کجا محبت کروں گی، کیا مجھے اتنا گرا ہوا سمجھ لیا تم نے اپنے جیسا، ہاں...... تمہیں آئینے میں وہی نظر آئے گا جو تم خود ہو۔''

زونیرا کے لہجے میں اتنی نفرت، اتنی حقارت تھی کہ ثانیہ ششدر سی اسے دیکھتی رہ گئی، کچھ بول ہی نہ سکی۔

''اب اگر میں تم جیسی عورت کو اپنے نکاح میں رکھوں گا تو مجھ سے زیادہ بے غیرت بے حیا انسان اور کوئی نہیں ہوگا۔'' بلال نفرت سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی...... آپ پہلے ہماری پوری بات تو سن لیں۔'' ثانیہ کے چہرے کا رنگ ہلدی کی طرح ہو رہا تھا اور جسم بید کی چھڑی کی طرح کانپ رہا تھا۔ روحیل اسے دیکھ کر آگے بڑھا۔

''تم......تم......'' بلال گالیاں دیتے اس کا گریبان کھینچتے ہوئے اسے زور، زور سے جھٹکے دینے لگا۔

''بلال!'' ثانیہ نے اسے پیچھے سے کھینچا۔

''تم......تم گندی عورت! تم مجھے چھونے کا حق بھی نہیں رکھتیں۔ تمہیں میں طلاق......''

اور ثانیہ کو لگا سب کچھ ایک لمحے میں کسی خوف ناک زلزلے کی زد میں آکر تہس نہس ہو کر رہ گیا ہے۔

ختم

چوکیدار نے گیٹ کھولا تھا، گاڑی بہت تیز رفتاری سے اندر آئی تھی۔
فضیلہ بیرونی پیج میں بے قراری سے ٹہل رہی تھیں۔
انہیں تو ثانیہ اور زونیرا کا ایک ساتھ یوں جانا ہی ہضم نہیں ہو رہا تھا پھر زونیرا ان کی کال بھی ریسیو نہیں کر رہی تھی، ان کی پریشانی بجا تھی۔
مگر جب گاڑی کا دروازہ کھول کر بلال اور زونی نکلے تو وہ اور بھی متفکر سی ہوگئیں۔ بلال تو صبح ہی ان سے مل کر اسلام آباد گیا تھا، یہ زونی کے ساتھ کیسے؟
''بلال...... بیٹا! خیریت تم...... تو صبح ہی اسلام آباد گئے تھے اور زونی کے ساتھ سب خیر تو ہے نا پلیز! مجھے بھی تو کچھ بتاؤ۔''
وہ باری باری دونوں کے پتھرائے ہوئے چہرے دیکھتے ہوئے ایک ہی سانس میں پوچھتی چلی گئیں۔
بلال نے انہیں کیسی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ اپنا سوال دہرانا بھول گئیں۔
دوسرے لمحے بلال کچھ بھی کہے بغیر تیزی سے ان کے پاس سے گزر کر اندر چلا گیا۔
''بلال...... بلال بیٹا! کیا ہو گیا؟'' انہوں نے اس کی تیز رفتاری کا ساتھ دینے کی کوشش کی اور سیڑھیوں کے پاس ہی ہانپ کر رک گئیں۔
زونیرا خاموشی سے ان کے پاس آ کر رک گئی تھی۔
''یہ بلال کو کیا ہوا ہے اور تم...... تم کہاں تھیں۔ میری کال کیوں ریسیو نہیں کر رہی تھیں؟ کیا ہو رہا ہے یہ سب؟''
وہ حواس باختہ سی ہو کر چلا ئیں۔
زونی بھی خاموش کھڑی تھی۔
''کوئی مجھے کچھ بتائے گا یا نہیں؟'' وہ وحشت زدہ سی ہو کر چیخیں۔
''ثانیہ، ثانیہ کہاں ہے؟'' یکدم انہیں خیال آیا ادھر ادھر سب طرف متوحش نظریں دوڑا کر بولیں۔
''وہ چلی گئی مام!'' زونی کمال اطمینان سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر صاف آواز میں بولی۔ تو وہ اسے یوں دیکھنے لگیں، جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔
''چلی گئی، کہاں چلی گئی، کہاں جانا تھا اس کو، وہ تو تمہارے ساتھ گئی تھی نا؟'' وہ اٹک اٹک کر بے ربط سی ہو کر بول رہی تھیں۔
''مما! اس کو چلے تو جانا ہی تھا، سو چلی گئی آپ اتنی ٹینس کیوں ہو رہی ہیں، آپ کا بی پی پرابلم کرنے لگے گا اندر چلیں۔''
وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے جانے لگی۔

''چھوڑو میرا ہاتھ۔'' وہ تندی سے بولیں۔

''کہاں ہے ثانیہ......؟ جھگڑا ہوا ہے۔ ثانیہ اور بلال کا؟'' وہ ان چند منٹوں میں یہی اخذ کر سکی تھیں۔

''جھگڑا تو مام ختم ہو گیا آج۔'' وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے اسی اطمینان سے بولی۔

''مطلب؟'' وہ ٹھٹک کر رہ گئیں۔

''اور یہ بلال تو صبح اسلام آباد کے لیے نکلا تھا تمہارے ساتھ کیسے......؟''

''انہیں میں نے ہی منع کیا تھا اسلام آباد جانے سے۔''

فضیلہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

''میں نے ثانیہ اور اس کے کزن روحیل کی فون کال سن لی تھی، جس میں وہ دونوں بھائی کے شہر سے باہر جانے کے بعد ملنے کا پلان بنا رہے تھے اور یہ تو آپ کو بھی پتا ہے۔ وہ پہلے بھی آپس میں ملتے رہتے تھے۔'' اس نے ایک اور گواہ کو ذہنی طور پر گواہی کے لیے تیار کرنا شروع کیا۔

فضیلہ انہی نا سمجھ الجھی نظروں سے اسے یک ٹک دیکھ رہی تھیں۔

''مجھے بہت غصہ آیا بچ مام! میرا بھائی اس لڑکی کے لیے پاگل ہوا جا رہا ہے، اس نے ہم سب سے حتیٰ کہ اس سوسائٹی کے مروجہ اصولوں سے بھی ٹکر لی اور یہ یہ کیا کرتی پھر رہی ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا مام!''

اور فضیلہ کو لگا کچھ بہت برا ہو چکا ہے ان کی بے خبری کے دوران۔

''بھائی کو رد کا وہ دونوں ہوٹل میں مل رہے تھے۔''

''تم ساتھ کیوں گئی تھیں اس کے......ان دونوں کو ملوانے؟''

وہ تیز لہجے میں بولیں۔

''میں اس کے ساتھ تو گئی تھی مگر وہ مجھ سے بہانہ کر کے راستے میں اتر گئی کہ اسے اپنے کسی رشتے دار کے گھر جانا ہے۔ وہ جگہ ہوٹل سے قریب تھی۔ وہ پیدل ہی وہاں چلی گئی اور میں نے بھائی کو فون کر کے بلوالیا۔ انہوں نے دونوں کو اپنی آنکھوں سے ملتے دیکھ لیا اور......''

'اور کیا......کیا ہوا؟'' وہ کانپتی آواز میں بولیں۔ انہوں نے بہرحال ایسا تو کبھی نہیں چاہا تھا۔

''بھائی نے اسے طلاق دے دی ہیں۔'' وہ یوں پُر جوش ہو کر بولی جیسے کوئی سرپرائزنگ تحفہ تھا جو اسے یوں سر راہ دیا گیا۔

''طلاق!'' انہوں نے پیچھے پلر کا سہارا لینے کی کوشش کی، مگر وہاں ایسا کچھ نہیں تھا وہ گر جانے کو تھیں زونی نے انہیں لپک کر سہارا دیا۔

''پلیز مام! آپ کیوں اتنی ٹینشن لے رہی ہیں۔ وہ دفع ہو گئی ہماری بلا سے، وہ بھائی کے ساتھ ہمارے ساتھ خوش ہی کب تھی، اتنی نعمتوں اور آسائشوں کے باوجود اس کے منہ پر ہمیشہ بارہ بجے رہتے تھے۔ یہ کمی کمین لوگ صرف ذات کے ہی نیچ نہیں ہوتے سوچ کے بھی گھٹیا ہوتے ہیں۔''

وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھیں۔ انہیں زونیرا کی کوئی بات سنائی نہیں دے رہی تھی اور وہ لگاتار بولے جا رہی تھی۔

''اب اس نیچ کا کمینہ پن دیکھیں۔ اس گھٹیا روحیل کے ساتھ جو شکل سے ہی نشئی چرسی لگتا ہے، اس کے لیے مری جا رہی تھی اور میرا ہیرو جیسا بھائی ناشکری احسان فراموش، کیسے ہم نے اسے فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھایا اور اس نے کیا

کیا؟''

وہ بولے جارہی تھی۔ فضیلہ مبشر اس کو سنے بغیر بمشکل خود کو سنبھالتی آہستہ آہستہ اندر چلی گئیں۔

ابھی اس ساری سچویشن کو سمجھنے اور قبول کرنے کے لیے ان کا دماغ بالکل بھی تیار نہیں تھا۔

''سروری! مجھے ایک گلاس پانی دو۔'' وہ نڈھال سی صوفے پر جا کر بیٹھ گئیں۔ سروری تیزی سے پانی کا گلاس لے آئی۔

وہ ایک ہی سانس میں سارا چڑھا گئیں، آنکھوں کے آگے چھائے اندھیرے کچھ کم سے ہو گئے۔

''کیا یہ سب زونیرا نے پلان کیا تھا؟'' اندھیرا چھٹتے ہی پہلا خیال انہیں یہی سوجھا۔

''مائی گاڈ! اگر یہ سب اس نے یوں کیا، سوچا اور عمل کروایا تو......'' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

انہیں ثانیہ کے ساتھ بیت جانے والے سانحے سے زیادہ زونیرا کے ساتھ کچھ بھی غلط ہو جانے کا پیش خیمہ لگا تھا یہ خیال!

''زونی! تم نے یہ اپنے حق میں اچھا نہیں کیا۔ بہت برا بہت خراب کر ڈالا، ثانیہ کے ساتھ، اپنے ساتھ۔''

''اور بلال......؟ بلال نے ایسا کیوں کیا اتنا جذباتی پن......'' ان کی نظروں کے سامنے پھر اندھیرا چھانے لگا۔

''طلاق دے دی تو اب کیا ہو سکتا ہے۔ میں اب کیا کروں، اس نے میرا کردار ادا کرنے کی گنجائش نہ پہلے دی، نہ اب میرے منع کرنے کے باوجود بھی کیسے ضدی پن سے اس نے یہ فیصلہ کیا تھا اور اب جذبات کے ایک ہی ریلے میں سب ختم بھی کر آیا۔

کتنا کچا پن ہے اس نئی نسل میں، نہ کسی کی سننا نہ کسی کی پروا کرنا۔ کسی کے تجربے کی تو ان کی نظروں میں کوئی وقعت ہی نہیں۔'' انہیں اب بلال پر غصہ آنے لگا تھا۔ اس نے انہیں کچھ سمجھا ہی نہیں تھا۔

''تو ثانیہ کہاں! اس شہر میں تو اس کا کوئی بھی نہیں۔ یہ دونوں اسے وہیں چھوڑ آئے۔ پھر وہ پریگنٹ ہے۔ ابھی تو طلاق مؤثر بھی نہیں ہو سکتی۔ تو پھر وہ کہاں گئی۔ مذہب نے اس جذباتی پن کی بھی کچھ حدود رکھی ہیں، جب چاہا جذبات میں آ کر کورٹ میرج پر تل گئے اور جب کوئی بات بری لگی۔ طلاق کے تین لفظ بولے اور سب ختم۔''

وہ سخت طیش میں تھیں۔

''اور جب بچوں کو ورثے میں یہی کچھ ملے۔ فضیلہ مبشر تو وہ بھی یہی کچھ کریں گے ان کے جہیز میں ہے یہ جذباتی پن، بھول گئیں تم اپنے کھوکھلے جذبات کی تیز لہر کو، جس میں آ کر تم نے سب کچھ بہا ڈالا تھا۔ ذرا سی دیر کو اپنی اس مشہور زمانہ عقل مندی کو آواز دی ہوتی تو کم از کم آج کے دن کے بارے میں ضرور سوچا ہوتا، مگر اس وقت تو تم کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتی تھیں۔ تم سمجھ رہی تھیں طلاق کے بعد ساری دنیا تمہارے قدموں کے نیچے ہوگی، اب دیکھو اس دنیا کو تمہاری سمجھ بوجھ کو تمہاری اپنی اولاد نے لائق مشورہ نہیں سمجھا۔ خود ہی وہ سب کچھ کرتے چلے گئے اور زونی کی خودسری اس نے پہلے دن جو کچھ طے کیا تھا ثانیہ کو اس گھر میں ٹکنے نہیں دے گی تو اس نے اپنی اس ضد کو جس جاہلانہ انداز میں پورا کیا۔ اس میں تمہاری تعلیم یافتہ تربیت کا تو کہیں بھی شائبہ نہیں۔

اس طرح کا کارنامہ اسی ثابت قدمی سے کوئی جاہل لڑکی بھی انجام دے سکتی تھی۔ وہ سوچتی جارہی تھیں اور خود احتسابی انہیں اپنے پنجوں میں جکڑتی جارہی تھی۔

✠ ✠ ✠

جب وہ دنیا میں آیا تھا، اگر وہ اس لمحے سوچ سمجھ سکتا تھا تو اس نے پہلی بات یہی سوچی ہوگی کہ یہ دنیا کیسی ہوگی اور میں اس میں کیا کروں گا......

اور آج اتنے سالوں بعد بھی اسے پھر سے یہی لگا کہ وہ پہلی بار دنیا میں آیا ہے اور اس کے لیے یہ سب ایک نیا سا مگر خوفناک احساس تھا۔

اس نے ایسا کچھ نہیں سوچا تھا۔

بلکہ جب زونی نے اسے اسلام آباد جانے سے منع کیا اور کہا کہ آپ کے لیے آج صبح ایک سرپرائز ہوگا۔ وہ کچھ تو سمجھ ہی گیا تھا کہ یقیناً اس نے ثانیہ کے خلاف کچھ ایسا ویسا سوچا ہوگا اور وہ رک بھی اسی خیال سے گیا کہ زونی کو جھٹلائے بلکہ ثانیہ کو ہمیشہ کے لیے اس کی نظروں میں معتبر کرنے کا موقع ہاتھ آرہا تھا، پھر کچھ انسانی تجسس......

ثانیہ اور روحیل کے بارے میں کچھ بھی واضح نہیں تھا۔ ان دونوں کے درمیان کیا ہے اور کیا نہیں ہے وہ آج یہ جان لینا چاہتا تھا۔

اگرچہ اس کا اسے ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا کہ ایسا کچھ تماشا وہاں ہوگا، وہ یہ سب زونیرا کی ایک بچگانہ سازش سمجھ رہا تھا۔

مگر وہ منظر......ایک مکمل خوفناک اور کبھی نہ بھلایا جانے والا منظر......روحیل اور ثانیہ ایک دوسرے کے اتنے قریب اور وہ بریسلٹ۔ اسے لگا اس کے جسم کا سارا خون اس کی کنپٹیوں میں آکر گردش کرنے لگا ہے۔ آنکھوں سے جلتے ہوئے شعلے نکل رہے تھے۔

وہ مضطرب سا ہو کر اٹھ بیٹھا۔ اس کا سیل فون بجنے لگا۔

اسے لگا وہ پہلی بار دنیا میں آیا ہے۔ وہ اجنبی نظروں سے مسلسل چمکتی اسکرین اور بجتی بیل کو سنے گیا۔

ایک بار، دوبار وقفے وقفے سے بجے جارہا تھا۔

بہت دیر بعد جانے کیسے ہاتھ بڑھا کر اس نے سیل فون اٹھالیا۔

''ثانیہ کالنگ!'' اور وہ ساکت نظروں سے سیل کی اسکرین کو دیکھتا رہا۔

موبائل فون بج بج کر بالآخر چپ ہوگیا۔

اس کے ہاتھ سے موبائل گر گیا وہ اسی طرح پتھرایا ہوا بیٹھا رہا۔

ایک ہی منظر......ایک ہی جان لیوا نظارہ۔ مختلف زاویوں اور مختلف جزئیات کے ساتھ وقفے وقفے سے اس کی پتھرائی ہوئی نظروں کے سامنے آرہا تھا۔

اسے لگ رہا تھا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

''اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے تم نے مجھ سے ذکر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا؟'' فضیلہ جانے کب اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

وہ اس طرح بت بنا بیٹھا رہا۔

''اتنی شدت کیوں ہے تم لوگوں کے فیصلوں میں، میری سمجھ میں نہیں آرہا...... تمہیں کچھ ٹائم دینا چاہیے تھا اسے، خود کو۔''

وہ پرملال لہجے میں رک رک کر بول رہی تھیں۔

یہ سب بالکل اچانک اور ان کی توقعات کے برعکس ہوا تھا۔ کبھی یہ سب زونیرا کے اکسانے پر اور کچھ نہیں

پسندیدگی کی بنیاد پر ان کے دل کے نہاں خانے میں چھپی خواہش ضرور تھی، مگر یہ اس طرح سے پوری ہو گی انہوں نے یہ نہیں سوچا تھا۔

''ٹائم ہی تو نہیں تھا اس سارے منظر میں...... کچھ اتنا مکمل، اتنا جامع تھا کہ کہیں بھی کچھ ادھورا پن نہیں تھا، جس کو مکمل کرنے کے لیے ذرا سی خالی جگہ جسے پُر کرنے کے لیے ٹائم کے معمولی سے وقفے کی ضرورت ہوتی۔''

وہ بے بس لہجے میں رک رک کر بول رہا تھا۔

''پھر بھی......'' وہ ہاتھ ملنے کے سے انداز میں بولیں۔

دونوں خاموش اپنی جگہ بیٹھے رہ گئے۔

''اور......اور ثانیہ کہاں گئی؟'' بہت دیر بعد انہیں پھر سے اپنے اس تشنہ سوال کا خیال آیا۔

''ثانیہ...... چلی گئی......اس...... کے ساتھ؟''

''کس...... کس کے ساتھ؟'' وہ جانتی تھیں مگر لمحہ بھر کی بے خبری انہیں بڑی غنیمت سی لگی۔

وہ شاید روحیل کا نام زبان پر نہیں لانا چاہتا تھا اس لیے خاموش بیٹھا رہا۔

''تم جانتے ہو ناں وہ ماں بننے والی تھی تو ایسی حالت میں......''

''فار گاڈ سیک مام! لیو می الون۔'' وہ جیسے برداشت کی ہر حد پار کر چکا تھا یکدم پھٹے ہوئے انداز میں بولا۔

فضیلہ بے بس نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئیں اور پھر گہرا سانس لے کر کھڑی ہو گئیں۔

وہ چہرہ دوسری طرف کیے جانے ضبط کے کن مرحلوں سے گزر رہا تھا اس وقت پھر سے بلال کا نیچے گرا سیل فون بجنے لگا۔

بلال بالکل بے دھیان سا بیٹھا رہا۔

وہ منتظر رہیں کہ بلال فون اٹھا کر سنے گا مگر وہ اسی طرح بے حس بیٹھا رہا انہوں نے آہستگی سے جھک کر فون اٹھا لیا۔

اور انہیں شاک لگا۔

کال ثانیہ کی تھی۔

وہ تیزی سے سیل فون لیے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

شاید کہیں تھوڑی سی ذرا سی گنجائش موجود ہو......ایسا چاہنے کے باوجود وہ واقعی یہ نہیں چاہتی تھیں، بس وہ کمینی سی تنگ نظری اپنے بڑے ہونے اور اس کے کمتر ہونے کا گھٹیا احساس تھا جس کی وجہ سے وہ ایسا چاہتی رہی تھیں، مگر یوں بلال کا گھر اجڑ جائے......اس کی چاہت، کم از کم بلال کی چاہت کو وہ اچانک سے بٹتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

انہیں ثانیہ کی بات سننی چاہیے۔

وہ فیصلہ کر کے باہر آ کر سیل فون کان سے لگا کر سننے لگیں۔

✠ ✠ ✠

''یہ روحیل آج کہاں رہ گیا؟ سردی بھی اتنی زیادہ ہے رات ہو گئی اور یہ ابھی تک گھر ہی نہیں آیا۔''

نصرت بے حد بے چین اور پریشان سی ادھر ادھر پھر رہی تھی۔

''اور یہ ثنا کی بچی۔ پانچ بجے تک اس کی اکیڈمی کا ٹائم ہے۔ آٹھ بجنے کو ہیں آ جائے اور آج یہ گھر۔'' وہ دانت

کچکچا کر رہ گئی۔

ثنا کے انداز وہ کافی دنوں سے بدلے بدلے محسوس کر رہی تھی۔

شاید ماں کو اپنے صدمے میں گم دیکھ کر اس نے کچھ اور مصروفیت ڈھونڈ لی تھی۔ اسکول سے دیر سے آتی یا اکیڈمی جاتی تو کسی سہیلی کے گھر جانے کے بہانے نوٹس لینے کا بہانہ کر کے وہ تین گھنٹے لیٹ آتی۔

''سارا فتور اس موبائل فون کا ہے، آ جائے آج اسے تو قابو میں کروں گی۔ مجھے تو کم بخت کے موبائل کا نمبر بھی نہیں پتا۔ نہ اس حنا کا..... کون پتا کرے یہ ہے کدھر ہے؟''

وہ پیر جلی بلی کی طرح یہاں وہاں پھرے جا رہی تھیں۔

روحیل سے امید تھی کہ وہ آتا ہے تو اسے اکیڈمی بھیج کر دیر کی وجہ معلوم کرواتی، وہ بھی ابھی نہیں آیا تھا۔

''اماں! اسٹور کو تالا لگا ہے، ساتھ والے چاچا بتا رہے تھے۔ اسٹور تو شام میں ہی بند کر گئے تھے بھائی۔''

گڈو بہت دیر بعد لوٹا تھا، اس کے ہاتھ میں چپس، نمکو اور بسکٹ کے پیکٹ تھے جن کی خریداری میں اسے اتنا وقت لگا تھا۔

''اسٹور بند ہے کب سے، تو بھائی کا پتا نہیں کیا؟''

''نہیں، وہ نہیں تھے۔'' وہ اب چپس کے پیکٹ کھولنے میں مگن تھا۔

''تو کہاں گیا دکان بند کر کے؟'' وہ کرختگی سے بولی۔

''پتا نہیں۔'' وہ اب کچر کچر چپس کھا رہا تھا۔

''تو ادھر ادھر بازار میں ڈھونڈ نا تھا۔ اپنے کھاجے کی فکر تھی بس۔'' نصرت نے غصے میں اسے زور سے دھموکا لگایا۔

''تو اماں! بھائی کوئی بچہ تھا جو کھو گیا تھا اور میں اسے ادھر اُدھر ڈھونڈتا..... کہیں سینما میں فلم شلم دیکھنے نکل گیا ہوگا یا یار دوستوں کے ساتھ ہوٹل شوٹل اب تو کھلا پیسہ ہوتا ہے اس کی جیب میں۔''

وہ اب چپس کھانے کے بعد نمکو کا پیکٹ کھول رہا تھا۔

نصرت کے دل کو اس کی بات لگی تو مگر..... روحیل نے اتنے دن کوایسا کوئی شغل کیا نہیں تو اب......

اسی وقت بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔

''دیکھو آ گیا روحیل!'' وہ جلدی سے بولی۔

''بھائی پہلے کوئی کنڈا کھڑکا کرتا تھا؟ کوئی اور ہوگا۔''

''خالہ یہ اسٹور کی چابیاں۔'' دکان پر کام کرنے والا دوسرا لڑکا تھا اور نصرت کو چابیاں دے رہا تھا۔

''چابیاں..... تو روحیل کہاں ہے؟'' وہ کچھ پریشان سی ہوگئی، ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا پہلے۔

''پتا نہیں جی دوپہر کے بعد کہیں چلے گئے، پھر آئے نہیں۔ میں نے کافی انتظار کیا پھر شام میں اسٹور بند کر دیا۔''

''ایں، اور وہ گلے (لاکر) کے پیسے، چابیاں۔'' وہ حواس باختہ سی ہوگئی۔

''اس کی چابیاں تو وہ ساتھ لے گئے تھے۔''

''تو نے فون نہیں کیا اس کے موبیل پر؟'' وہ مندی مندی سی بولی۔

''بہت دفعہ کیا جی مگر وہ اٹھا ہی نہیں رہے۔''

''فون ہے تیرے پاس تو پھر سے کرو نا!'' وہ اب کے ذرا ملتجی لہجے میں بولی۔ لڑکے نے بڑے تفاخرانہ انداز میں

موبائل نکال کر روحیل کا نمبر ملایا اور......
لمحہ بھر سننے کے بعد نصرت کے کان کو لگا دیا۔
جس پر ٹیپ چل رہی تھی کہ فون بند ہے تھوڑی دیر بعد کوشش کیجیے۔
اس نے بے دلی سے موبائل دوبارہ اسے دے دیا۔
''میں جاؤں جی!'' وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔
''ذرا دھر اُدھر پتا کرنا تھا۔''
''سارے میں کر کے آیا ہوں، اسی لیے تو دیر ہوگئی آنے میں، وہ کہیں بھی نہیں تھے۔''
''طبیعت تو ٹھیک تھی نا اس کی؟'' ایک اچانک سا خیال آیا نصرت کو۔
''ہاں جی ٹھیک تھی بالکل۔''
''کوئی...... کوئی فون آیا ہو کسی کا؟'' وہ اندازہ لگانے کو بولی۔
''صبح میں آیا تھا کسی کا اور میں نے سنا وہ کہہ رہے تھے۔ میں نہیں آ سکتا پھر پتا نہیں کچھ بھی بتائے بغیر دوپہر کے بعد اٹھ کر چلے گئے کہ تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔''
نصرت سوچ میں پڑ گئی۔ اتنے دنوں میں اس نے کبھی بھی ایسی غیر ذمہ داری کا ثبوت نہیں دیا تھا۔
''میں جاؤں جی اب؟''
''ہوں ہاں جاؤ۔''
''اور صبح دکان پر......'' وہ سوالیہ انداز میں بولا۔
''آ جانا دس بجے...... آ جائے گا روحیل، رات میں جانا کہاں ہے اس نے کسی دوست کی طرف چلا گیا ہوگا۔ تم جاؤ......''
وہ خود کو بہلاتے ہوئے بولی۔
اس وقت ثنا کتابیں سینے سے لگائے آ گئی۔
اور نصرت نے جیسے اسے بہت دنوں بعد ذرا غور سے دیکھا۔
کانوں میں خوب صورت آرائشی بالے۔ کلائیوں میں بھر بھر کر رنگ برنگی چوڑیاں، پیروں میں نازک پازیبیں اور چہرے کو چھوتی دونوں اطراف کی لٹیں آنکھوں کا گہرا کاجل اور آئی لائنر مسکارے سے الگ الگ ہوتی پلکیں اور آؤٹ لائن کے ساتھ لگی ہلکی سی لپ اسٹک...... ایک نئی ہی کہانی سنا رہی تھی۔
''سلام اماں! یہاں کیوں کھڑی ہے؟'' وہ لاپروا سے انداز میں خوشبو لٹاتی اس کے پاس سے گزرنے لگی۔
نصرت نے ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے پکڑا اور اندھا دھند جوتیاں برسانی شروع کر دیں۔
''اماں...... اماں! میں نے کیا کیا ہے؟'' وہ خود کو بچاتے ہوئے چلائی۔
''نہیں کیا تو ہو جائے گا، نامراد تیرے یہ لچھن بتا رہے ہیں کیا کرنے کے ارادے ہیں تیرے۔ باپ مرا ہے ابھی، میں زندہ ہوں اور دوسروں کی بیٹیوں کی چال بھی تاڑنے والی اپنی بیٹی کے یہ نرالے رنگ ڈھنگ نہ دیکھ سکی، تیری یہ جرأت میری آنکھوں میں دھول جھونکے۔''
نصرت تو جیسے پاگل ہو گئی تھی۔ اس کا سر منہ دیکھے بغیر تاڑ تاڑ جوتیاں برسائے جا رہی تھی۔
''پاگل ہو گئی ہو چھوڑو مجھے۔ میں نے کیا کیا ہے اور اماں تیری اس نظر میں فتور ہے جو کچھ تُو نے خود کیا، وہی تجھے

دوسروں میں نظر آتا ہے۔ سارے محلے کو یاد ہے تیری کہانی کیسے تُو نے ابا کو مٹھی میں کیا تھا اور بھائی کو جوتیاں لگوا کر گھر سے نکالا اور خود......''

بس نصرت میں اتنا ہی سننے کی سکت تھی۔ وہ تو پھر جیسے بالکل ہی پاگل ہو گئی۔ ثنا کی زندگی کی شاید یہ آخری شام تھی۔

✠ ✠ ✠

دوسری طرف کوئی اجنبی مردانہ آواز تھی، وہ ٹھٹک کر رہ گئی۔

''بلال صاحب بات کر رہے ہیں؟'' وہ ان کی خاموشی پر بولا۔

''نہیں میں بلال کی مدر بات کر رہی ہوں آپ کون؟''

شاید یہ بلال کا کوئی جاننے والا تھا تو ثانیہ کا سیل فون اس کے پاس کیسے؟

وہ اور بھی الجھ سی گئیں۔

''دیکھیں میں اس ہوٹل کا منیجر بات کر رہا ہوں جہاں یہ خاتون کچھ دیر پہلے تھیں، ان کے ساتھ کچھ لوگ تھے اور ان کا آپس میں شاید کوئی جھگڑا ہو گیا تھا پھر یہ سب چلے گئے اور یہ فون ایک پرس ٹیبل پر پڑا رہ گیا۔ اب میں اس سیل فون سے کال کر رہا ہوں، اس میں جو پہلے نمبر پر نام feed تھا وہ بلال صاحب کا تھا۔ میں کافی دیر سے ٹرائی کر رہا ہوں۔''

اس نے پوری تفصیل سے جواب دیا۔

''تو یہ خاتون جس کا سامان ہے کیا وہاں موجود نہیں؟'' وہ موہوم سی امید پر بولیں۔

''نہیں جی یہاں تو کوئی بھی نہیں...... یہ سامان اب......''

''میں ڈرائیور کو بھیج کر منگوا لیتی ہوں۔'' وہ ٹھنڈا سانس لے کر بولیں۔

''دیکھیں میں ایسے یہ سامان نہیں دے سکتا، اس بیگ میں کچھ جیولری اور رقم بھی ہے تو آپ میں سے جو بھی...... نشانی وغیرہ بتا کر۔''

وہ اپنی ایمان داری کے مظاہرے میں رتی برابر بھی کسر نہیں رہنے دینا چاہتا تھا۔

''ٹھیک ہے میں آ رہی ہوں خود۔'' وہ ذرا سا سوچ کر بولیں۔

''اور بلال صاحب اگر وہ بھی آ جاتے تو......'' وہ رک کر بولا۔

''ان کا آنا مشکل ہے۔ میں آ رہی ہوں۔'' کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

''ثانیہ کہاں چلی گئی اور جاتے ہوئے اپنا موبائل بیگ سب چھوڑ گئی تو پھر وہ ذہنی طور پر کتنی ابتر ہو گی، جو وہ کچھ بھی ساتھ نہیں لے کر گئی۔'' انہیں پھر سے خیال آیا۔

اور وہ اس حال میں بھی تھی، جانے کدھر گئی ہو گی؟ کیا روحیل کے ساتھ......''

میرا دل نہیں مانتا، اس نے اگر یہی کچھ کرنا ہوتا تو بہت سے مواقع آئے تھے۔ اس کے پاس یہ سب کرنے کے تو پھر آج کیوں؟

وہ چاہتے ہوئے بھی اس بات کو نہیں سوچنا چاہ رہی تھیں، جس طرف ان کی بھٹکی ہوئی پریشان کن سوچیں لیے جا رہی تھیں۔

''زونیرا مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ وہاں کیا ہوا تھا اور تمہیں یہ سب پہلے سے ہونے کا پتا کیسے چلا تھا؟'' وہ ذرا دیر بعد

بہ ریلیکس انداز میں بیڈ پر اوندھی لیٹی چینل سرچنگ کرتی زونیرا کے سر پر کھڑی تھیں۔
''مام! بتایا تو تھا میں نے اس کو اپنے کزن سے فون کال کرتے سنا۔ وہ اس سے بھائی کے اسلام آباد جانے کے بعد ملنے کا پروگرام طے کر رہی تھی۔''
یوں رٹا رٹایا جملہ بولا جیسے اس نے سب کچھ پہلے سے حفظ کر رکھا تھا۔
''مگر......لیکن اگر غور بھی کیا جائے یہ کوئی ایسی معیوب بات بھی نہیں کہ وہ اپنے کزن سے ملنے کی بات کر رہی تھی، ظاہر ہے ماں کے بعد اس شہر میں وہی اس کا اکلوتا رشتہ دار تھا۔'' وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھیں۔
''واٹ مام؟'' زونی اچھل ہی تو پڑی۔
''ابھی کچھ دن پہلے جب آپ نے خود اس کو سر راہ اس سے ملتے دیکھا تو آپ نے بھائی کو کیسا بھڑکایا تھا بھول گئیں؟''
زونی کا حافظہ اتنا کمزور نہیں تھا کم از کم ایسی باتوں میں تو بالکل بھی نہیں۔
''اس وقت بھی تو وہ اس شہر میں اس کا اکلوتا رشتہ دار تھا، آپ کو یوں تو بھائی کو نہیں بھڑکانا چاہیے تھا، آپ کی وجہ سے اس پر الٹا غصے ہوئے اور اسی وجہ سے وہ اس پر پہلے سے شک کر رہے تھے۔ آپ ہی نے تو یہ سب بھائی سے کہا تھا۔''
وہ کیسے گن گن کر سارے باتیں یاد کروا رہی تھی، جو اگر وہ اپنے اخلاقیات کے اصولوں کے تحت سوچتیں تو کوئی گھٹیا ورکمینی باتیں تھیں، یوں کسی بھی دو اشخاص کو ایسے شک اور بدگمانی کی نظر سے دیکھنا اور بہتان کی حد تک کسی کی کردار کشی کرنا۔
وہ نڈھال سی ہو گئیں۔
''یہ مجھے کیا ہو گیا۔ میں نے یہ بیج بویا تھا بلال کے دل میں شک کا، میں نے ایسا کیوں کیا؟ کیا میں بھول گئی تھی کہ میں بھی بیٹی کی ماں ہوں۔ مجھے ثانیہ سے نفرت سہی، مگر زونی سے تو محبت تھی، اسی محبت کا خیال کر کے یہ تو نہ کرتی۔''
وہ پریشان خیالی میں سوچتی چلی گئیں۔
''کم آن مام! کیوں اس قدر ڈیپریس ہو رہی ہیں۔ آپ کو نہیں معلوم یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا۔ وہ کیا کہتے ہیں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند، ایک نہ ایک دن تو اکھڑنا تھا۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔
فضیلہ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔
''اور ثانیہ کہاں گئی تم لوگوں کے ساتھ، کیوں نہیں آئی؟'' وہ پھر سے بے خیالی میں بولیں۔
''مام! اسے بھائی نے طلاق دے دی تھی۔ پھر وہ ہمارے ساتھ کیسے آسکتی تھی؟''
''وہ اس کے ساتھ گئی، جس کے ساتھ چھپ چھپ کر ملتی تھی، لمبی لمبی رات کو کالز کرتی تھی۔ Ultimate end of this poor love story''
''غلط کہا میں نے؟'' وہ فضیلہ کو بے تاثر نظریں لیے کھڑے دیکھ کر پھر سے بولی۔
''پتا نہیں کیا غلط ہو گیا، میرا دل کہہ رہا ہے کچھ بہت غلط، یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کم از کم ثانیہ کو اس طرح......''
وہ بڑبڑائیں۔
''تو ہم پرست تو نہیں تھیں مما! آپ کبھی بھی، پھر یہ کیا فضول شک پال رہی ہیں اور سر دری سے کہیں کچھ کھانے کا انتظام ہوا یا نہیں، زبردست بھوک لگی ہے، صبح سے یہ ڈراما دیکھتے تو سر تھک گیا میرا۔''
وہ یہ کہہ کر ان کے کمرے سے نکلنے سے پہلے خود ہی باہر نکل گئی۔

''اب میرے اس طرح ماتم کرنے سے کیا ہوگا۔ ہوگیا جو کچھ ہونا تھا۔ مجھے جا کر وہ چیزیں لے آنی چاہئیں اور پھر آ کر بلال کو بھی تو سنبھالنا ہے۔ ثانیہ کے ماں بننے کی خبر سنتے ہی میرا رویہ اندر ہی اندر اس سے بدل سا گیا تھا اور اب ...... پتا نہیں وہ کہاں ہوگی۔

کیا روحیل کے ساتھ...... شاید نہیں...... شاید ہاں ظاہر ہے اور وہ کہاں جائے گی۔ اس کی ماں تو اتنی دور......''

وہ افسردہ سی باہر نکل گئیں۔

ذرا دیر بعد وہ اس ہوٹل کی طرف جا رہی تھیں کہ شاید وہاں سے ثانیہ کی موجودگی کا کوئی کلیو مل جائے ''اگر یہ سیل فون ہی اس کے پاس ہوتا تو رابطہ ہو سکتا تھا۔ مگر وہ تو یہ بھی چھوڑ گئی۔''

✠ ✠ ✠

پھر روحیل اس رات ہی نہیں آنے والے، بہت سے دنوں میں گھر ہی نہیں آیا، نصرت پیر جلی بلی کی طرح دن رات اس کا انتظار کرتی رہی۔

سب سے بڑا مسئلہ تو اسٹور چلانے کا تھا۔

وہ اتنے دنوں سے بند پڑا تھا، جہاں سے روز کے کھانے اور گزر اوقات کا بندوبست ہوتا تھا اور نصرت کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کا کیا طریقہ کرے کہ کم از کم اسٹور چلتا رہے۔

نوکر کے سپرد مکمل طور پر نہیں کر سکتی تھی اور گڈو تو ابھی بہت چھوٹا تھا۔

چند ہی دنوں میں گھر میں کھانے پینے کے لالے پڑ گئے۔

آہستہ آہستہ جمع پونجی بھی خرچ ہونے لگی۔

صرف یہ ہی ایک فکر تو نہ تھی، ثنا الگ ہاتھوں سے نکلی جا رہی تھی۔

وہ اس دن کی چار چوٹ کی مار کے بعد اور بھی شیر ہوگئی تھی، اب یہ ہبانگ دہل اعلان کر کے جاتی کہ وہ آج گھر دیر سے آئے گی۔

اور نصرت اسے ہر روز تو اس طرح پیٹنے سے رہی۔ محلے بھر میں ثنا کے یوں وقت بے وقت گھر آنے کے بارے میں پہلے ہی چہ مگوئیاں شروع ہو چکی تھیں۔

نصرت ایک رشتہ والی سے بھی کہہ چکی تھی کہ اگر کوئی اچھا کھاتا پیتا رشتہ ہاتھ لگے تو وہ ہتھیلی پر سرسوں جما دے، اپنا سارا زیور اور اسٹور کا سامان بیچ کر وہ اس مصیبت سے تو نجات حاصل کرے، بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

مگر ایسا کوئی مشتاق رشتہ موجود ہی نہیں تھا۔

جو آ رہے تھے سب لمبے چوڑے جہیز کے مطالبے کے ساتھ...... کھاتے پیتے اور چلتے بنتے اور ثنا جیسے چند ہی راتوں میں تاڑ کو چھونے لگی تھی۔

اس کے نڈر انداز نصرت کو اور بھی دہلانے لگے تھے۔

وہ دن رات مصلّے پہ بیٹھی روحیل کی واپسی کی دعائیں مانگنے لگی۔

جانے کیوں اسے لگتا روحیل آئے گا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ ٹھیک نہیں بھی تو کم از کم پہلے جیسا تو ضرور ہو جائے گا۔

ایک مرد کی مار کا خوف اور ہوتا ہے، ماں کی ڈپٹ کی بے خوفی اور...... اگر روحیل ہوتا تو ثنا ایسی دیدہ دلیر نہیں ہو

سکتی تھی۔

''وہ کچھ بتا کر تو جاتا، اگر اسے کوئی شکایت تھی مجھ سے، میرے روّیے سے، کہتا تو سہی۔'' وہ تو اب دل ہی دل میں روتے ہوئے روحیل سے خوب ہی گلے شکوے کیے جاتی۔

''اور ذکیہ بیگم وہ بھی تو اتنے دنوں سے نہیں آئی۔ کیا پتا اسے کچھ خبر ہو اور میرے دماغ نے بھی کام نہیں کیا کہ اس سے جا کر معلوم کروں۔''

اچھوتا سا خیال اسے آیا، جس پر اس نے صبح اٹھتے ہی عمل کرنے کا نہ صرف سوچا، بلکہ دن چڑھے وہاں چلی بھی گئی۔

✠ ✠ ✠

ہوٹل کے منیجر نے ثانیہ کا فون اور باقی سامان فضیلہ کی بتائی ہوئی دو، تین نشانیاں سن کر فوراً حوالے کر دیا تھا۔

مگر ثانیہ کا اتا پتا وہ کہاں گئی تھی کچھ پتا نہیں چل سکا۔ انہوں نے گھر آ کر بھی وہ چیزیں یونہی ڈال دیں۔

بلال اس دن کے بعد دو دن تو کمرے سے ہی نہیں نکلا۔ وہ جاتیں تو تھوڑی دیر بعد وہ انہیں صاف کہہ دیتا کہ وہ چلی جائیں، اسے ڈسٹرب نہ کریں۔

اور زونیرا کے ہاتھ جیسے کوئی خزانہ لگ گیا تھا۔

ہر دم اتنی خوش گاتی گنگناتی دو چار بار بیچ میں جا کر پارلر ہو آئی تھی، وہیں ایک بوتیک سے دو، تین شاندار سے سوٹ بھی خرید لائی تھی۔ اسے نہ بھائی کی پریشانی کا احساس تھا، نہ ماں کی الجھی ہوئی کیفیت کا۔

''کیا انسان اس دن کے لیے اولاد مانگتا ہے کہ اس کا بڑھاپا اولاد کے موجود ہوتے ہوئے بھی یوں تنہا اور پریشان گزرے۔ ان دونوں کو میرا ذرا بھی احساس نہیں کہ ماں ان کے روّیے سے کتنی اکیلی ہو گئی ہے۔''

یونہی بیٹھے بیٹھے وہ ایک دم سے رو پڑیں۔

انہوں نے تو بڑے تکبر سے مبشر سے کہا تھا۔ وہ کبھی اکیلی ہو سکتی ہیں نہ تنہا۔ ان کے دونوں بچے ان کے ساتھ ہیں اور وہ کبھی اسے تنہا نہیں چھوڑیں گے اور آج......

ان دونوں کے ہوتے ہوئے بھی وہ سارا سارا دن گھر میں اکیلی پڑی رہتی تھیں۔

کالج سے ہفتہ بھر کی چھٹی لے چکی تھیں۔

اگر کالج میں اس ماجرے کی خبر پھیل چکی ہوئی تو...... انہیں یہ خدشہ یونہی نہیں تھا۔

وہ زونیرا کی اصل فطرت کو جان چکی تھیں، وہ یقیناً اپنی چند ایک سو کالڈ فرینڈز کو یہ خوش خبری سنا چکی ہو گی۔

پتا نہیں اسی شرمندگی کا خوف تھا کہ وہ آف لے بیٹھیں یا کوئی اور وجہ تھی۔

سب ہی کہیں گے میڈم فضیلہ مبشر کے سر سے امیری، غریبی کی برابری کا بھوت سال بھر سے بھی پہلے اتر گیا۔

پہلے انہیں یہ خوف ستاتا تھا کہ لوگ ان کے بیٹے کے اتنے گھٹیا انتخاب پر انہیں طعنہ نہ دیں اور اب یہ خدشہ کہ لوگ اس مسئلے کو ان کی انا کا شاخسانہ نہ سمجھیں۔

''مجھے کالج جانا چاہیے تھا۔ ہو سکتا ہے ثانیہ کی دوستوں میں سے کسی کو اس کا پتا معلوم ہو۔'' انہیں یک دم خیال آیا۔

''اور یہ پتا تو ثانیہ کی ماں سے بھی چل سکتا ہے، وہ یقیناً ماں کے پاس گئی ہو گی۔'' انہیں دوسرا خیال آیا۔

اور یہ خیال زیادہ طاقت ور تھا۔
''آج انہیں یہ بے چینی کیوں تھی کہ وہ ثانیہ کا پتا کریں۔'' وہ خود ہی سے الجھ پڑیں۔
''جو بھی سہی وہ بلال کے بچے کی ماں بننے والی تھی، میری ساری پریشانی اسی حوالے سے ہے۔''
انہوں نے دل میں مضبوط دلیل سوچی۔
ڈرائیور سے گاڑی نکالنے کو کہا۔
خدیجہ کا پتا اس کے پرانے محلے سے چل سکتا تھا۔
مگر وہاں پہنچ کر بھی انہیں ناکامی ہوئی۔
خدیجہ کا ملتان کا ایڈریس کسی کے پاس بھی نہیں تھا۔
''ان کے بھائی کے گھر کا پتا معلوم ہے مجھے۔ وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں تو ان لوگوں کو ضرور معلوم ہوگا خدیجہ خالہ کا ایڈریس۔''
وہ چودہ، پندرہ سال کا لڑکا انہیں مایوس جاتے دیکھ کر کچھ سوچ کر بولا تو وہ بے اختیار رک گئیں۔
''تو ٹھیک ہے مجھے اس کے گھر لے چلو، میں وہیں سے ایڈریس، فون نمبر جو بھی ملا لے لوں گی۔'' وہ اس لڑکے کو جو بظاہر میلے کچیلے کپڑے، بھدی سی چپل میں گندے ناخنوں والے میلے پیروں کے ساتھ...... اپنی شاندار گاڑی میں بٹھانے پر راضی ہوگئیں۔
اور آج تو انہیں اس محلے میں آتے ہوئی بھی کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

✠ ✠ ✠

''نہیں وہ ہمارے گھر تو بہت دنوں سے نہیں آرہا اور سچی بات ہے میں نے بھی پتا نہیں کیا، بیمار تھی بہت دنوں سے میں، خیال تو آتا رہا، پر جا ہی نہیں سکی۔'' ذکیہ، نصرت کو اپنے سامنے دیکھ کر پہلے حیران ہوئی اور پھر وجہ جان کر کچھ پریشان سی ہوگئی۔
''کیا کوئی لڑائی وغیرہ ہوئی تھی گھر میں۔'' ذرا دیر بعد وہ بولی۔
''خدا کی قسم! ایک حرف بھی نہیں، نہ میں نے، نہ اس نے۔ اس کا باپ کیا مرا، مجھے لگا اس کے ماں، باپ کی ساری محبت میرے دل میں آئی اس کے لیے، کبھی اتنے دنوں میں جو ذرا سا بھی اختلاف ہوا ہو ہم دونوں میں یا بچوں کے ساتھ......'' نصرت دل گرفتہ سی بولی۔
وہ تو ذکیہ کا جواب سن کر جیسے نڈھال سی ہو کر رہ گئی تھی۔
''اب اسے کہاں تلاش کروں گی؟ ایک آخری امید ہی تو تھی۔'' وہ دل گرفتہ سی سوچنے لگی۔
''پہلے تو میری طرف بھی ہفتے بھر میں دو چکر لگا لیا کرتا تھا، مگر تین چار مہینوں سے تو بس جیسے ایک آدھ بار ہی۔ میں نے کہا نیا نیا کاروبار سنبھالا ہے ہے باپ کا، اللہ اسے ثابت قدمی عطا کرے۔ مجھے تو اس کی ترقی سے خوشی تھی۔''
اسی وقت بسمہ آہستہ آہستہ ہاتھ میں چائے کی ٹرے پکڑے ان میزوں کے سامنے ٹٹول کر رکھنے لگی۔
''یہ آپ کی بیٹی!'' نصرت ذرا اٹک کر بولی۔
''صورت ایسی کہ نگاہیں خیرہ ہوں اور آنکھیں۔'' وہ متذبذب سی ہو کر کہہ ہی بیٹھی۔
''قدرت کے کام بہن! ہمارا کیا ازور، جانے اس نے ہم غریبوں کو کیوں اس امتحان کے قابل سمجھا۔ امتحان لیا

بھی تو کوئی وسیلہ بنا دیتا، اس کے اندھے پن نے میری زندگی سے ہر خوشی، ہر روشنی کو ختم کر دیا ہے، گھر سے باہر نہیں جا سکتی کہ خدانخواستہ...... خیر، جو میرے اللہ کی مرضی۔''

نان اسٹاپ بولتے ہوئے اسے خود ہی کچھ خیال آ گیا کہ بسمہ اس کی باتوں کو محسوس کرے رات بھر...... بے آواز آنسوؤں سے روتی رہی گی۔

''آپ یہ چائے کے ساتھ بسکٹ تو لیں۔'' نصرت دو گھونٹ چائے پی کر کھڑی ہو گئی۔

''بس شکریہ بہن! جس دن سے روحیل گھر نہیں آ رہا، نہ پیٹ بھر کر گھر میں کسی نے کھانا کھایا، نہ کوئی نیند بھر سویا، بس دعا کرو وہ جہاں ہو، ساتھ خیریت کے ہو اور اسی خیریت کے ساتھ گھر واپس آ جائے۔'' نصرت بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''اور جوں ہی کوئی اطلاع ملے تو مجھے ضرور بھجوانا، تمہاری بڑی احسان مند رہوں گی۔''

روحیل کے جانے سے نصرت کی یہ حالت ہو جائے گی یہ تو اس نے خود نہیں سوچا تھا۔

جیسے اس کی ہر پریشانی، ہر مسئلے کا آخری سرا جا کر روحیل کی گمشدگی سے مل رہا تھا، وہ ملول سی اٹھ کر چلی آئی۔

* * *

یہ تو اسے پتا تھا۔ ثانیہ کی شادی بڑی اونچی جگہ پر ہوئی ہے، مگر ایسی کروفر والی عورت، ایسا طمطراق اور یہ شان دار گاڑی اور ایسا اعلیٰ پہناوا، وہ بھی ان کے گھر کے آگے......

ذرا دیر کو تو نصرت کو کچھ سمجھ میں ہی نہ آیا کہ وہ اسے بٹھائے کہاں۔

''نہیں مجھے بیٹھنا نہیں، ایک ضروری کام تھا، آپ کی مدد چاہیے، اگر آپ کر دیں تو۔''

ایسی منکسر المزاجی سے کب انہوں نے نصرت جیسی عورتوں سی بات کی تھی۔ مگر آج کل تو سبھی کچھ کرنا پڑ رہا تھا۔

''خدیجہ آپا کا ایڈریس؟'' نصرت سوچ میں پڑ گئی۔

''پتا نہیں میں نے پوچھا نہیں تھا۔ سچی بات ہے، نند تو وہ میری ہے، پر ذرا اور ہی مزاج کی ہیں، تو کبھی اس کے بھائی کی زندگی میں ہماری آپس میں نہیں بنی تو ان کے گزر جانے کے بعد...... وہ فوتگی پر آئی تو تھی، مگر میں نے ایڈریس نہیں لیا۔ اتنی دور بھلا کس نے ملنے جانا تھا ملتان اس سے۔'' نصرت نے مفصل جواب دے ڈالا۔

فضیلہ کو آخری روشنی کی کرن بھی اندھیرے میں ڈوبتی نظر آئی۔

''اور کچھ...... میرا مطلب ہے فون نمبر وغیرہ۔'' نصرت نے نفی میں سر ہلا دیا۔

فضیلہ کا جی چاہا اس بے ہودہ عورت کے سر پر کوئی چیز مار دے۔ ایسے شوہر کی موت کا ایسا صدمہ، تو کیا اس کی بہن سے کبھی دوبارہ زندگی میں ملنا بھی نہیں تھا۔ اس نے کوئی اتا پتا بھی نہیں رکھا پاس۔

''اے ثنا تیرے پاس پھوپھی خدیجہ کا فون نمبر تھا نا، تیرے موبائل میں ڈال کر گئی تھی۔'' اچانک سے نصرت کو خیال آ گیا۔

ثنا کی صبح ہی ماں سے ٹھیک ٹھاک جنگ ہوئی تھی۔ اس کا ارادہ تو نہیں تھا، یہ خدمت خلق کرنے کا، مگر ثانیہ آپا کی ایسی شان دار ساس دیکھ کر وہ بھی کچھ مرعوب ہو ہی گئی۔

وہ سیل فون لا کر فضیلہ کو نمبر فیڈ کروانے لگی۔

''پر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی بہن جی! کہ آپ کو اس کی ماں کا پتا یا فون نمبر کیوں چاہیے بھلا؟'' نصرت نے

دیر بعد سہی مگر وہ ضروری سوال یاد آ گیا، جو اسے سب سے پہلے کرنا چاہیے تھا۔

''ثانیہ تو آپ کے گھر میں ہے تو اسے سب معلوم ہوگا۔ اس سے کیوں نہیں پوچھا آپ نے؟''

''ہاں۔ وہ گھر پہ نہیں ہے نا!'' فضیلہ کو ذرا سی دیر میں نصرت کی ذہنی قابلیت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس سے یہ سوال بھی متوقع نہیں تھا، مگر وہ یہ کر لے گی، لمحہ بھر کو فضیلہ گڑبڑا سی گئیں۔

''تو کہاں گئی وہ؟'' نصرت چونکی ہو کر بولی۔

''اپنی ماں کی طرف ہی گئی ہے، پتا مجھے لکھوا گئی تھی۔ مجھ سے گم ہو گیا اور فون...... اس نے کیا نہیں تو مجھے کچھ پریشانی سی ہو گئی۔'' فضیلہ گول مول جواب دے کر اس کے مزید سوالوں سے بچنے کے لیے تیزی سے اٹھ کر باہر نکل گئیں۔

اور نصرت دیر تک یہ عقدہ حل کرنے کی ناکام کوشش کرتی رہی کہ ثانیہ کا فون نمبر تو ان کے پاس ہوگا، یہ خود اس سے بات کر کے کیوں نہیں پوچھ لیتیں۔

''اماں کتنی زبردست ہے، ثانیہ آپا کی ساس ہے نا!'' ثنا اس مرعوبیت میں تھی ابھی۔

''ہاں، مگر کافی ہوشیار۔'' نصرت برا سا منہ بنا کر بولی۔

''وہ تو ظاہر ہے اتنے بڑے کالج کی پرنسپل جو ہوئیں اور پتا ہے نا آپ کو ان کے بیٹے نے ثانیہ آپا کو ان کے کالج میں دیکھ کر تو پسند کیا تھا۔ وہ خوب صورت بھی تو اتنی ہیں۔'' ثنا اسی ٹرانس میں بولے جا رہی تھی۔

''بس تیرا بھیجا تو آج کل ان ہی فلمی لو اسٹوریوں میں لگا رہتا ہے مردود! اور تجھے کوئی کام نہیں، گھر پر کتنی بڑی قیامت ٹوٹ گئی اور کسی کو فکر نہیں۔ اب کیا ہوگا، کیسے اس گھر کا حقہ پانی چلے گا۔ کم بخت! بغیر بتائے جانے کدھر دفعان ہو گیا، کیا ہاتھ کا چھالا بنا کر رکھا اتنے دن۔ ذرا جو کوئی ایسی بات کی ہو جو نواب زادے کے مزاج کے خلاف ہو، پھر بھی دغا دے گیا۔''

نصرت کو آج جی بھر کر غصہ آ یا روحیل پر۔

''اور تو اور، کم بخت دکان کا سامان بھی اندر ہی اندر نہ بیچ باچ گیا ہو، میں نے کھول کر بھی نہیں دیکھا اور گلّے (لاکر) کے سارے پیسے تو کھیسے (جیب) میں ڈال کر نکل گیا ہوگا۔ پتا ہے مجھے اس کی حرام زدگیوں کا، پھر بھی بھروسہ کر لیا خبیث پر میں نے جانے کیوں؟''

وہ ماتھا پیٹ کر غصے میں بولی۔

''وہ تمہاری پھوپھی، پھاپا کٹنی اس نے مجھے یہ پٹی پڑھائی تھی کہ اس لڑکے کو مٹھی میں کر لوں، چار سال بعد گٹھو جوان ہوگا تو لات مار کر چلتا کرنا اس حرام خور کو، اتنی بھی مہلت نہیں دی کہ میں کم از کم تیرا ہی کہیں کر ڈالتی۔''

نصرت کا آج بس نہیں چل رہا تھا، روحیل کہیں سے سامنے آ جائے تو وہ اسے پیٹ ہی ڈالے۔

''آستین کا سانپ دودھ پلا پلا کر اتنے دن رکھا اور ڈسنے سے باز نہیں آیا۔''

''اماں! بس کرو نا۔ کیوں فضول اس کو کوسے جا رہی ہو، تم نے اسے گھر میں رکھا تو کچھ احسان تو نہیں کیا ابا کا بیٹا تھا، وہ ہر چیز، ہر شے میں ہمارا برابر کا حصے دار۔''

ثنا نے آج کل قسم کھا رکھی تھی، ہر وہ الٹی بات کرنی ہے جس سے نصرت کے تن بدن میں آگ لگے۔

''تیرا ستیاناس، اپنی پیٹ کی جنی اولاد ہی دشمن نکلی، میں اس سنپولیے کو کیا روؤں۔ حصے دار بناؤں اس کو، ہر چیز کا ساجھے دار، میں دن رات تم لوگوں کے لیے اپنی قبر کے کیڑے بڑھاتی جاؤں۔ ارے گھر کے دروازے پر کتا باندھو دو وقت کا راتب دو، تو وہ بھی رکھوالی کرتا ہے اور تم اس کو ساجھے دار بناؤ، شاباش بڑی نیک اولاد دی اللہ نے مجھے۔ ایسے سڑے نصیب کہ

تین بچے ایک بھی وفادار نہیں۔''

''اماں! ہم کوئی کتے تھوڑی ہیں، جو وفادار ہوں گے۔ آج استاد جی نے کتے پر مضمون لکھوایا تھا کہ اس سے بڑا وفادار جانور کوئی نہیں ہوتا۔'' گڈو نے اپنی انٹری دینا ضروری سمجھا۔

نصرت کی توپوں کا رخ اس کی طرف ہو گیا۔ وہ تو دوسرے لمحے چھلانگ مار کر چھت پر چلا گیا۔ بڑا زوردار پیچ ہو رہا تھا دو پتنگوں میں، وہ کافی دیر سے ان پر نظر جما کے بیٹھا تھا۔

''اماں! پتا ہے تمہیں یہ اپنے روحیل بھائی پہلے ثانیہ آپا کو پسند کرتے تھے۔ ان کی شادی سے پہلے جب ابا سے لڑ کر گئے کہ میرا رشتہ لے کر جاؤ، ثانیہ آپا کے لیے، ہے نا!'' ثنا ابھی تک ثانیہ آپا کے تصور سے نہیں نکلی تھی۔ اس سے پہلے کہ نصرت جوتا اتار کر اس کی کچھ مرمت کرتی ثانیہ کی بات پہ اگلے ہی لمحے وہ ٹھٹک کر رہ گئی۔

''روحیل بھی غائب ہے اور ثانیہ بھی، بقول اس کی ساس کے ملتان گئی ہے اور فون نہیں کیا اس نے......تو میرے اللہ! یہ تو میرے دھیان وگمان میں بھی نہیں تھا۔''

نصرت کو لگا جیسے گردش کرتی زمین ایک جھٹکا کھا کر زور سے اوپر نیچے ہوئی اور اب بالکل ساکت ہے۔

''اتنی بڑی بات اور اتنی قریب کی بات مجھے نہیں سوجھی، ثنا شاباش تیرا بھیجہ تو خوب کام کرتا ہے، اب کسی بھی طرح سے پتا چل جائے کہ ثانیہ کب گھر سے گئی تھی، گئی تھی یا وہ بھی نکل گئی۔ اسی دن جب روحیل گیا تھا تو ساری پہیلی حل ہو جائے گی تو یہ چکر تھا اور سوچ سوچ کر میری عقل سٹھیا گئی کہ اس کمبخت کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔

اے گڈو، گڈو! نیچے آ کر جلدی سے جا کر اس تنویر کو بلا کر لا گھر سے۔'' ایک دم سے نصرت پر جیسے کوئی آفت ٹوٹ پڑی تھی، چپلیں ڈھونڈتی کھڑی ہو گئی۔

''اماں چپلیں تو سیدھی پہن لو۔'' ثنا ندا تا بولی۔

اور نصرت نے دھیان نہیں دیا۔ اس لمحے اس کا دھیان کہیں اور ہی تھا۔

''اب تنویر سے کیا بولنا ہے تم نے؟'' وہ اپنے ناخنوں کی شیپ چیک کرتے ہوئے بولی۔

''جا دفع ہو مر اندر، کھونٹی سے دکان کی چابیاں لٹک رہی ہیں، لے کر آ، میں تنویر کے گھر سے اسے لیتی ہوں خود دکان کھلوا کر چیک کرتی ہوں، کیا کیا کچھ دبا کر نکل گیا حرام خور!''

''اے گڈو! مر نیچے۔'' وہ دیوانہ وار چلائی۔

پہلے والی نصرت زبردستی کے خول کے چٹخنے ہی باہر نکل آئی تھی۔

گڈو کو آگے لگا کر چادر الٹی سیدھی اوڑھ کر وہ تیز تیز قدموں سے چلتی بازار کی طرف گئی، اتنے دن میں ایک بار بھی خیال نہیں آیا کہ دکان کھلوا کر تو دیکھ لیتی۔ اپنی عقل پہ ماتم کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔

✠ ✠ ✠

اور فضیلہ کے لیے یہ خبر بھی کسی بم کی طرح گری تھی۔

''نہیں ثانیہ تو میری طرف نہیں آئی، کیا اس نے آنا تھا، اس نے تو مجھ سے ایڈریس بھی نہیں لیا تھا یا لیا بھی تھا تو پھر آئی کیوں نہیں؟ کیا واقعی آئی......ادھر؟'' خدیجہ خود پریشان سی ہو گئی۔

اور فضیلہ کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

''نن نہیں ارادہ، ارادہ تھا۔ دونوں سیر کے لیے گئے تھے نا بلال اور ثانیہ اسلام آباد، تو کہہ رہے تھے کہ شاید چکر

لگائیں۔'' وہ بوکھلا کر بولیں۔

''پھر تو آپ کو اس سے یا بلال بیٹے سے فون کر کے پوچھنا چاہیے۔'' آج یہ واجبی پڑھی لکھی عورتیں میڈم فضیلہ مبشر کو عقلیں دے رہی تھیں کہ انہیں یہ کرنا چاہیے، وہ کرنا چاہیے۔

انہیں غصہ خود پر ہی آیا۔

''آخر کیا ضرورت ہے اس ساری بھاگ دوڑ کی، جب میاں، بیوی راضی تھے تو ان کو کس نے کتنی وقعت دی، اب اگر علیحدگی ہو گئی تو ان کی بھاگ دوڑ سے کیا وہ پھر ایک ہو جائیں گے۔''

میں کیوں پاگلوں کی طرح ہلکان ہو رہی ہوں۔ انہیں اپنے اوپر ہی بے تحاشا غصہ آ گیا۔

انہوں نے خدیجہ سے اگلی بات کہے بغیر فون بند کر دیا۔

بلال آج صبح سے گھر سے غائب تھا، کہاں گیا، انہیں پتا بھی نہیں تھا۔ ایک بار فون کیا۔ اس نے کہہ دیا کہ وہ مصروف ہے، ذرا دیر بعد گھر آئے گا۔

اور اب یہ دیر رات ہو چکی تھی اور بلال کا کچھ پتا نہیں تھا۔ فضیلہ کو لگ رہا تھا ان کا دماغ ماؤف ہو چکا ہے۔

''مام! آپ کا فون؟'' زونیرا نے انہیں کارڈلیس لا کر دیا۔

''کس کا فون ہے؟' وہ اس لمحے کتنی الجھی ہوئی تھیں، کسی سے بھلا کیا بات کر سکتی تھیں۔

زونیرا نے کچھ جواب نہیں دیا ہلکا سا مسکراتی رہی۔

اور مسکراہٹ تو آج کل یوں بھی ہر لمحہ اس کے لبوں پر موجود ہوتی سو انہیں کچھ محسوس نہیں ہوا۔

دوسری طرف مسز حامد تھیں انہیں ان کا وعدہ یاد دلانے کو جو انہوں نے ڈنر کے لیے زونیرا کی سسرال سے کیا تھا۔

''بلال ابھی اسلام آباد سے نہیں لوٹا۔'' دو تین دن سے یہی بہانہ کیے جا رہی تھیں آج بھی یہی کہا۔

''تو آج پھر آپ اکیلی ہی آ جائیں میں اپنی بھاوج اور بھائی کے سامنے اور شرمندہ نہیں ہو سکتی۔'' مسز حامد کچھ خفگی سے بولیں۔

''مسز حامد! بلال کل آ رہا ہے، ان شاء اللہ کل رات کو ہم حاضر ہو جائیں گے، آپ بے شک کل فون بھی نہ کیجیے گا ہم خود پہنچ جائیں گے۔'' اب اس معاملے کو اور لٹکانا ٹھیک نہیں تھا اس لیے وہ یقین دلاتے ہوئے بولیں۔

''سوچ لیں، پھر ایسا نہ ہو کہ آپ بلال کا بہانہ کر کے۔''

''ارے نہیں پرامس کیا ہے میں نے، بلکہ بلال تو ادھر صبح ہی پہنچ جائے گا۔'' وہ سچ بولتے ہوئے ایک دم سے اٹکیں۔

''چلیں ایک بار پھر آپ کے وعدے پر اعتبار کر کے دیکھ لیتی ہوں کتنی وفا ہے اس میں۔'' وہ جتا کر بولیں۔

''ان شاء اللہ وفا ہی وفا ہو گی، آپ بالکل فکر نہیں کریں۔'' وہ ایک دم سے بشاش لہجے میں بولیں۔

''اب اس معاملے کو نپٹ جانا چاہیے۔ بہت ہو گئی میں ثانیہ کے لیے پریشان، اسے کون سی میری پروا رہی کبھی۔'' انہوں نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا اور مسز حامد کو خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

''آپ نے جھوٹ کیوں بولا کہ بلال بھائی اسلام آباد گئے ہوئے ہیں؟'' زونیرا جتا کر بولی۔

''بس تم چپ رہو تم سے کچھ نہیں پوچھا میں نے؟'' وہ خفا سے لہجے میں کہہ کر اٹھ گئیں۔ زونیرا نا سمجھی سے ماں کے رویے پر غور کرنے لگی۔

☩ ☩ ☩

''آپ مجھ سے اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھیں گی کبھی بھی۔'' بلال سرد لہجے میں بولا۔''اور دوبارہ بھی اس گھر میں اس کا ذکر بھی نہیں ہوگا۔''

وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

''تم جانتے ہونا! تم کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ جتا کر بولیں۔

''بہت اچھی طرح سے وہ میری زندگی کا ایسا باب تھی، جسے میں نے پھاڑ کر پھینک دیا ہے۔'' وہ تنفر سے بولا۔

''مگر یہ بات تم بھول رہے ہو وہ تمہارے بچے کی ماں بننے والی تھی بلال!'' فضیلہ اسے یاد دلانے کو بولیں۔

''کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ بچہ میرا ہی تھا؟'' اس کے لہجے اس کے انداز میں کتنی نفرت اور کتنا زہر تھا، یہ تو انہیں شروع ہی میں اندازہ ہو گیا تھا اس سے بات کر کے...... مگر یہ سب۔

''کسی پر بہتان لگانے کا مطلب سمجھتے ہو تم؟'' انہیں بہت برا لگا۔

''وہ کسی نہیں، جس طبقے اور کلاس سے اس کا تعلق تھا وہاں یہ باتیں روٹین کی ہیں۔''

''اتنی پہچان ہے میری ان بوڑھی مگر تجربہ کار آنکھوں کو کہ وہ کیا تھی۔ کم از کم وہ نہیں تھی جو تم اب سمجھ رہے ہو۔ اور شاید تم بھول رہے ہو، وہ اس وقت بھی اس کلاس اور طبقے سے بی لونگ کرتی تھی جب تم اس سے شادی کے لیے پاگل ہوئے جا رہے تھے۔ اپنی ماں کی باتیں بھی بکواس اور فضول لگا کرتی تھیں، جیسے اب لگ رہی ہیں۔''

انہوں نے بہت کچھ ضبط کرتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ ڈالا۔

بلال نے کچھ بھی جواب دینے کے بجائے منہ پھیر لیا۔

''بہرحال اس موضوع پر بات بھی جب ہی وہ کرتی تھی، جب یہ تمہاری دیوانگی تھا، ورنہ ہمیں کچھ ایسا شوق نہیں تھا۔''

''اب اگر تم نہیں چاہتے تو بے فکر رہو، یہاں ایسا کوئی تذکرہ نہیں ہوگا لیکن کچھ اور معاملات بھی ہیں جو تمہارے اس غیر معمولی رویے سے متاثر ہو رہے ہیں۔''

وہ اصل موضوع کی طرف آ گئیں۔

بلال نے اس کی طرف دیکھا لیکن بولا کچھ نہیں۔

''ابھی کچھ دیر میں ہمیں زونیرا کی سسرال ڈنر پر چلنا ہے تم تیار ہو جاؤ اور انکار اس لیے نہیں کرنا کہ میں ان لوگوں سے پہلے ہی کافی بار شرمندہ ہو چکی ہوں، اس لیے جانا ضروری ہے۔''

وہ قطعی لہجے میں بولیں۔

''مگر مما! میرے بغیر......''

''تمہارے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا کہ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے تم زونیرا کے اکلوتے بھائی ہو اور باپ کی غیر موجودگی......'' وہ لمحہ بھر کو رکیں۔ ''تمہیں ہی یہ سب کچھ کرنا ہے، یہ بھی اب مجھے بتانا ہوگا۔''

''میں تھوڑی دیر میں تیار ہو کر آتا ہوں۔'' وہ اٹھا اور باہر نکل گیا۔

وہ جانتی تھیں وہ انہیں تو ثانیہ کو ڈسکس کرنے سے منع کر گیا ہے مگر خود......

وہ ٹھنڈا سانس بھر کر اٹھیں اور خود بھی تیار ہونے چل دیں۔

✠ ✠ ✠

بہت راتوں کے بعد نصرت کو اتنی گہری اور میٹھی نیند آئی تھی۔

دکان ساری سامان سے بھری ہوئی تھی، لاکر میں بھی ساری رقم محفوظ تھی اور دکان خالی یا بھری لاکھوں کی تھی، نصرت کے لیے یہی کافی تھا۔

بس اسے اب گزر اوقات کے لیے کوئی اچھا سا شریف کرائے دار ڈھونڈنا تھا، جو گڈو کے پیروں پر کھڑا ہونے تک یہ کام بخوبی کر سکے۔

اور ابھی تو شکر ہے رحیل کے دماغ میں یہ کیڑا نہیں آیا تھا کہ یہ دکان، یہ گھر اس کے باپ کی وراثت ہے اور وہ اس میں برابر کا حصے دار ہے۔ ثنا کی بکواس پر نصرت نے دل میں شکر ادا کیا تھا۔

''کرائے دار کا بندوبست میں کردوں گا۔'' ساتھ والے شمس چچا نے پوری ذمہ داری کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔

''وہ بھی اسی ہفتے۔'' گویا ایک معقول روزگار کا بندوبست ہونے والا تھا، نصرت کو اتنے دن کی دماغی کشمکش کے بعد قدرے سکون محسوس ہوا تو وہ اتنی گہری نیند سو سکی تھی۔

پہلے تو وہ یہی سمجھتی رہی کہ خواب میں کوئی مسلسل دروازہ پیٹ رہا ہے اور خواب میں وہ باری باری تینوں بچوں کو چیخ کر کہتی ہے کہ دروازہ کھول جا کر اور کوئی کم بخت نہیں کھولتا۔

اور خود وہ اٹھ نہیں پاتی۔

اور زوردار دستک پر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

واقعی باہر مسلسل دستک ہو رہی تھی۔

وہ پریشان ہو کر اٹھی اور تیز تیز دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر دروازے تک پہنچی، رات کا جانے کون سا پہر تھا، باہر جتنی خاموشی، سناٹا اور گہرا اندھیرا تھا، یقیناً دوسرا یا تیسرا پہر ہوگا۔

''کون؟'' اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا دستک پھر سے ہونے لگی۔

''کون ہے؟'' اب کے ذرا اس سے ڈپٹ کر پوچھا۔

''کھولو۔'' وہ ٹھٹک سی گئی اور دوسرے لمحے کچھ بھی سوچے بغیر اس نے دروازہ کھول دیا۔

اور دوسرے لمحے وہ ششدر سی کھڑی رہ گئی، اس کے سامنے ایک بہت ہی حیران کن منظر تھا۔

''میرے خیال میں اس مہینے کی اٹھائیس تاریخ ٹھیک رہے گی۔دن بھی جمعۃ المبارک ہے'' کیوں بھائی جان؟''
مسز حامد جو اس سارے معاملے میں بنیادی کردار ادا کرتی رہی تھیں، اس موقع پر بھی بولنے میں انہوں نے ہی پہل کی۔
''اتنی جلدی ابھی تو......'' فضیلہ مبشر کچھ بوکھلا سی گئیں۔
محض بائیس دن کی دوری پر زونی ان سے اتنی دور چلی جائے گی۔انہوں نے تو ابھی ایسا کچھ سوچا بھی نہیں تھا۔
اور یہ بھی انہیں اندازہ نہیں تھا کہ آج ڈنر میں ہی تاریخ کا بھی تعین کر لیا جائے گا، بلال نے بھی کچھ کنفیوز ہو کر ماں کی طرف دیکھا۔
''جلدی کہاں میڈم مبشر! اتنے مہینوں سے تو یہ سلسلہ چل رہا ہے پھر یہ تو چند دن بعد بھی طے کرنا ہی ہے۔''
''مگر......'' وہ قبول نہیں کر پا رہی تھیں۔
''اصل میں بھائی جان کو پھر سے یورپ کے بزنس ٹور پہ نکلنا ہے۔جس کا مطلب ہے اگلے تین چار ماہ تو پھر گئے۔''مسز حامد بھائی کی طرف دیکھ کر بولیں۔
وہ بھی جواباً مسکرائے گویا یہ سب کچھ پہلے سے طے کیا جا چکا تھا۔
''سلمٰی بھابی کی بھی کچھ ایسی ہی مرضی ہے۔''انہوں نے بھابی کو بھی ہم نوا کرنا چاہا۔
''اور پھر بلال بیٹے کو بھی تو جانا ہے اور ہاں یاد آیا۔'' آج مسز حامد خوب چہک رہی تھیں۔ان کے توسط سے شروع ہونے والا یہ کام تکمیل کے مرحلے پر جو تھا۔
''آپ نے اس دن ذکر کیا تھا خیر سے آپ کی بہو۔اللہ کا فضل ہوا ہے تو پھر ظاہر ہے دو چار ماہ بعد تو آپ کے لیے زیادہ مشکل ہو جائے گی۔ابھی تو وہ پھر بھی یہ فنکشنز اٹینڈ کر سکتی ہے میں نے صحیح کہا نا۔''
اور فضیلہ جیسے سن ہو کر رہ گئیں۔
بلال بڑے خوب صورت نازک سے کپ میں پڑے قہوے کو یک ٹک دیکھنے لگا۔
قہوے کے سنہری دھوئیں میں کہیں ثانیہ کی ڈولتی ابھرتی شبیہہ تھی۔
''پھر کیا کہتی ہیں آپ؟''ان دونوں کی چپ پر وہ کچھ بے چین سی ہو کر پھر سے بولیں۔
فضیلہ نے سوچا نہیں تھا کہ یہ سب اتنا اچانک اتنی جلدی ہو جائے گی اور انہیں چیزوں کو فوری طور پر سیٹ کرنا ایک ناممکن سا عمل لگ رہا تھا۔
ثانیہ کی غیر موجودگی......ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن جاتا۔اس سارے فنکشن میں۔
وہ کس کس کو کیا کیا جواب دیتیں۔جی چاہا پہلو میں بیٹھے بلال کو ایک بار پھر خوب کھری کھری سنا ڈالیں۔
اس کے جذباتی پن نے انہیں کس مصیبت میں مبتلا کر ڈالا تھا۔
''جی ہاں صحیح کہا آپ نے مگر پھر بھی ہمیں سوچنے کے لیے کچھ وقت تو دیں۔'' وہ بے بسی سے جبراً مسکرا

کر بولیں۔

''بس تو پھر بھائی جان! بھابی جان طے ہوگیا۔اس مہینے کی اٹھائیس تاریخ۔''مسز حامد نے جانے ان کے کس لفظ سے یہ ''طے'' والا نتیجہ نکالا تھا وہ فوری طور پر انکار بھی نہ کر سکیں۔

وہ خود ہی سب کے آگے مٹھائی کی ڈش کرنے لگیں۔

دونوں میاں بیوی نے فضیلہ اور بلال کو مبارک دی۔

اور مسز حامد کو تو ایسی کسی فارمیلٹی کی ضرورت نہیں تھی۔وہ زبردستی سب کو مٹھائی کھلانے کے بعد اب خود اس سے پوری طرح انصاف کر رہی تھیں۔

''اور یہ سب میری بہن کی کوشش سے ہوا کہ آپ جیسے خاندانی، شریف اور اتنے تعلیم یافتہ گھرانے میں میرے بیٹے کا رشتہ ہوا بہت شکریہ آپا جان۔''

ان کے بھائی وقار صاحب نے اس سارے وقت میں پہلی بار اتنا تفصیلی جملہ بولا۔

''ارے بھائی جان شہری میرا ہی تو بیٹا ہے۔''وہ کھل اٹھیں۔

''بھابی سلمیٰ یاد ہے نا آپ کو، جب شہری پیدا ہوا تو ڈاکٹرز نے کہا تھا بچے کا وزن نارمل سے بہت کم ہے اور اس کا بچنا، ان کے منہ میں خاک اور آپ کی تو ایسی حالت تھی کہ خود کو بھی نہ سنبھال پاتیں، پورے پینتالیس دن شہری میری گود میں روئی میں لپٹا کسی چوزے کی طرح پڑا رہا تھا اور اللہ کا شکر ہے آج اس نے مجھے سرخرو کیا۔''

وہ آخر میں آب دیدہ ہی ہوگئیں۔

''اور بس جی ہمارے گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ ہے، آپ خود تعلیم یافتہ ہیں یہ جہیز وغیرہ کی نہ ہمیں ضرورت ہے نہ ہمارے گھر میں کسی چیز کی کمی، بس آپ کی سلجھی ہوئی، پڑھی لکھی بیٹی جو ہمارے گھر کو اپنے زیور علم سے آراستہ کردے ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔''

وقار صاحب ذرا توقف سے پھر مدبرانہ انداز میں بولے۔

سلمیٰ کا چہرہ بے تاثر تھا۔

''شہریار نہیں آیا......ہم مل لیتے۔''انہیں دوسری بار یہ خیال آیا تو کہہ ہی بیٹھیں۔

''شہر سے باہر بالکل اچانک کسی کام سے جانا پڑ گیا ورنہ یقین کریں، اتنے دن تو وہ سر شام ہی گھر آتا رہا۔''مسز حامد پھر سے بولیں۔

سلمیٰ یا تو بولتی کم تھیں یا مسز حامد نے ہی بولنے کا منصب سنبھال رکھا تھا۔

''لیکن آپ فکر نہ کریں۔''لمحہ بھر کو بھائی کی طرف دیکھ کر رکیں۔''کل انشاءاللہ میں بھائی جان کے ساتھ شہری کو لے کر آپ کی طرف چائے پر آجاتے ہیں۔شہری اور زونیرا بیٹے کی ملاقات بھی ہو جائے گی کیا خیال ہے آپ کا۔''

''ضرور کیوں نہیں۔''وہ خوش دلی سے مسکرائیں۔

اور یہ تو انہوں نے واقعی نہیں سوچا تھا کہ زونیرا کا اتنے اچھے گھر میں رشتہ ہو جائے گا اور وہ بھی اتنی جلدی۔

''اور میں جو بار بار ''نہیں'' کر رہی ہوں کہیں یہ بھی کفران نعمت نہ ہو اللہ پاک مجھے معاف کرنا۔''

وہ خود بخود مسکرانے لگیں۔کچھ دیر پہلے جو انجانا سا خدشہ اور بوجھل سا احساس تھا۔اتنی جلدی سب کچھ ہو جائے گا ان کی کیفیت بدلتے ہی سب کچھ اچھا لگنے لگا وہ پوری دل جمعی سے اگلی تفصیل دلچسپی سے طے کرنے لگیں۔

✠ ✠ ✠

نصرت کے لیے لمحہ حیرت تھا یا لمحہ قیامت، وہ فوری طور پر فیصلہ نہ کر سکی روحیل اور بسمہ اس کے سامنے کھڑے تھے ،اگر چہ بسمہ کچھ ایسے دلہناپے کے روپ میں نہیں تھی مگر پھر بھی نصرت کی نیند سے بوجھل آنکھوں کو جھٹکے سے اس کے چھپے چھپے سے انداز نے ہی کھولا تھا۔

وہ اندھی تھی مگر پھر بھی خود کو چھپانے کے لیے وہ روحیل کے پہلو کی طرف کھسکتی جا رہی تھی۔

گویا اسے نصرت کے رد یے کا پہلے سے اندازہ تھا۔

''کہاں ......کہاں تھے تم اتنے دن؟'' وہ اپنے تیئں بسمہ کو نظر انداز کر کے روحیل سے اپنائیت بھری خفگی سے بولی۔

''اماں یہ بسمہ ہے۔ہم نے آج شام ہی نکاح کیا ہے۔''

''کیا......؟'' جانتے بوجھتے بھی نصرت کو لگا جیسے دومنزلہ مکان پورے کا پورا اس پر آن گرا ہو۔

''نکاح کیا ہے یا یہ بھاگ کر آئی ہے تیرے ساتھ؟'' وہ نفرت بھرے انداز میں پھنکار کر بولی۔

''اماں!'' وہ ناراضی سے بولا۔

''نکاح کیا ہے میں نے اس نے اپنی مرضی اور اپنے خوشی سے اور اس کے گھر جا کر اس کی ماں کی رضامندی اور گواہوں کی موجودگی میں۔'' اس نے رک رک کر تفصیلی جواب دے دیا۔

''تو تیری ماں، گھر والے سب مر گئے تھے کیا؟'' وہ ایک دم شیرنی کی طرح دھاڑی۔

''یہ رات کے اندھیرے میں نکاح کر کے لانے والے شریف لوگ ہوتے ہیں نہ نکاح میں آنے والیاں۔'' وہ پھر اسی حقارت سے بولی۔اور پوری طرح سے دروازے میں جم کر کھڑی ہوگئی۔

''اماں! یہ سب کچھ جلدی میں کرنا پڑا، ورنہ میرا چھپانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور پھر آپ سے کیا چھپانا......میں۔''

''بس۔'' نصرت ڈپٹ کر بولی۔

''ہم شریف لوگ ہیں تیرا باپ بھلے امیر کبیر نہیں تھا مگر محلے میں اس کی جتنی عزت تھی۔لوگ کسی بھی جھگڑے پھڈے میں اس کی گواہی اور ثالثی کو حق سچ جانتے تھے اور اس کا بیٹا یوں چپ چپیتے (چاپ) رات کے کالے اندھیرے میں اس جیسی اندھی کانی لڑکی کو بیاہ کر لے آئے اور بات سنو میری۔'' وہ رک کر بولی۔

''جنگل میں مورناچا کس نے دیکھا نکاح ہوا بھی یا......''

''اماں! اس......اس سے زیادہ ایک لفظ نہیں بہت شرافت دکھالی میں نے پہلے بھی اور اب بھی مگر اس سے زیادہ مجھ سے توقع نہیں رکھنا۔'' وہ ایک بالکل بدلا ہوا روحیل تھا۔

''اور اچھا کیا تم نے ابا کا ذکر کر ڈالا تو لگے ہاتھوں یہ بھی یاد کر لو۔میں اس کی سب سے بڑی اولاد ہوں۔اس کے چھوڑے ہوئے ترکے کا نصف کا حصے دار......بالغ عقل رکھتا ہوں اپنی مرضی سے نکاح کرنے کا حق مجھے قانون بھی دیتا ہے اور شریعت بھی۔

اس لیے تم اب مزید انکوائری بند کر دو اور رستے سے ہٹو، یہ گھر جتنا تمہارا اور تمہارے بچوں کا ہے، اتنا میرا بھی ہے۔''

دوسرا لمحہ پہلے سے بھی حیران کن تھا۔

روحیل نصرت کو پرے دھکیل کر بسمہ کا بازو پکڑ کر اندر لے جا چکا تھا اور نصرت کسی بت کی طرح زمین میں گڑی دیکھتی رہ گئی۔

☩ ☩ ☩

اگلے دن شہریار آیا تھا اپنی پھوپھی مسز حامد اور باپ کے ساتھ۔

فضیلہ اگرچہ اس سے پہلے بار نہیں مل رہی تھیں مگر پھر بھی کچھ نیا پن سا لگا یا کچھ ایسا جو وہ سمجھ نہیں سکیں اور اپنی اس عجیب کیفیت کا اظہار وہ خود سے بھی نہیں کر سکیں۔ کسی اور سے کیسے کرتیں۔

وہ زونیرا کے چہرے کی خوشی کو ذرا سا بھی پھیکا پڑتا نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

اور اس کی خوشی کیسے اس کی آنکھوں رخساروں، ہونٹوں باتوں اور منہ کی حرکت و سکنات سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ وہ نظر ٹھہرا کر اسے دیکھ نہیں رہی تھیں۔

''زونی کو کہیں میری ہی نظر نہ لگ جائے۔'' وہ دل میں اس کے لیے آیات پڑھنے لگیں۔

شہریار اور زونی کمرے کے اختتامی حصے میں کیا باتیں کر رہے تھے۔ انہیں آواز تو نہیں آ رہی تھی مگر اندازہ تھا۔ بہت خوشگوار دل کو دھڑکا دینے والی ایک دوسرے کو کھینچ کر جوڑ دینے والی باتیں تو تب ہی تو...... شہریار جو آتے ہی جلدی میں تھا۔ اب کافی دیر سے گھڑی کی سوئیوں کی رفتار ناپے بغیر صرف زونی میں مگن تھا۔

''میں نے کہا تھا نا ہماری بیٹی بہت خوش رہے گی شہریار کے ساتھ۔'' مسز حامد نے ان کی محویت بھانپ کر سرگوشی کی۔

وہ جواب میں مسکرا دیں۔

''آپ کی بہو نظر نہیں آ رہی...... کل بھی آپ اسے ساتھ نہیں لائی تھیں۔'' انہیں اچانک یاد آ گیا۔

''ہاں۔ وہ تو...... اصل میں اس حالت میں تو آپ کو پتا ہے کہ لڑکیاں ماں کے پاس ہی رہنا پسند کرتی ہیں تو...... کل بھی اگرچہ میں نے اسے روکا تھا مگر ظاہر ہے۔ کچھ زیادہ تو نہیں کہہ سکتی تھی۔''

انہوں نے نظریں چرا کر رک رک کر کہا۔

''اچھا تو اپنی والدہ کی طرف گئی ہے، تب ہی بلال بیٹا کل سے کھویا کھویا، گم صم سا ہے۔'' انہوں نے بلال کو دیکھ کر کہا اور ہنسنے لگیں۔

''لیکن اب آپ اسے بلوا لیں کیونکہ شادی میں دن ہی کتنے ہیں، ظاہر ہے ساری تیاری اسے ہی تو کرنا ہو گی۔'' وہ تاکید کرنا نہ بھولیں۔

فضیلہ نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

''اور ہاں فضیلہ! میرا بھی شادی کے بعد حامد کے ساتھ دبئی سیٹل ہونے کا پروگرام بن رہا ہے۔'' انہوں نے اچانک کہا تو فضیلہ کچھ پریشان سی ہو گئیں۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو نعیمہ!'' وہ اٹک کر بولیں۔

''بھئی شادی کے بعد بولا ہے میں نے۔ فکر نہ کرو سب کچھ کر کے جاؤں گی۔ شرکت تو میری دونوں طرف سے ہو سکتی ہے۔'' وہ خوش دلی سے بولیں۔

فضیلہ جواب میں کچھ کہہ نہیں سکیں۔

''اصل میں اتنے سالوں سے حامد دبئی میں اکیلے رہ رہے ہیں اور میں جاب کی وجہ سے یہاں......
بچہ نہ ہونے کا یہ بھی تو نقصان ہوتا ہے۔'' وہ آہستگی سے بولیں
''مگر تم تو کہتی تھیں......'' وہ رک سی گئیں، بات کچھ سنی سنائی سی تھی، جی میں آیا پوچھیں یا رہنے دیں جو بھی تھا اب مسز حامد سے خاصا قریبی اور نازک سا رشتہ قائم ہو چکا تھا۔
''دوسری شادی کر رکھی ہے حامد نے، ہے نا!'' وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولیں۔فضیلہ نے آہستگی سے سر ہلایا۔
''ہاں کر لی تھی۔'' وہ خاموشی کے ایک تکلیف دہ وقفے کے بعد بولیں۔
''اور میں نے علیحدگی کا بھی سوچ لیا تھا۔خلع کا دعویٰ بھی کرنا چاہتی تھی مرد کی دوسری وابستگی عورت کو کس قدر برافروختہ کر دیتی ہے شاید تم بھی اس مرحلے سے گزر چکی ہو۔''
اور فضیلہ نظریں چرا گئیں۔
''مبشر سے دلی وابستگی ہوتی تو اس کی دوسری شادی کا دکھ بھی ہوتا۔'' لیکن نہیں ایسا ہوا تھا۔
جس رات انہیں مبشر کی دوسری شادی کی خبر ملی تھی وہ اس رات اور آنے والی کتنے ساری راتیں سکون کی نیند نہیں سو سکی تھیں۔
''مگر پھر کسی خیر خواہ نے جبراً مجھے اس سے روکے رکھا۔
طلاق لے کر کیا کرو گی۔دوسری شادی کون کرے گا تم سے......ماں تم بن نہیں سکتیں تو کوئی پہلے سے بچوں والا اس کو بھلا تم سے کیا دلچسپی ہو گی سوائے اس کے کہ تم اس کے بچے پالو۔''
وہ افسردگی سے بولیں،فضیلہ نے کچھ پوچھنا چاہا پھر چپ کر گئیں۔
''طلاق نہ لو، حامد کے ضمیر پر بوجھ بنی رہو ایک نہ ایک دن تمہاری طرف ضرور لوٹ کر آئے گا۔اپنے انتظار کو سچی محبت بنا دو، وہ اسے ضرور کھینچ کر لائے گی۔' جانے مشورہ دینے والے کے مشورے میں اثر تھا یا میرے ذہن کی کیفیت اس لمحے کچھ ایسی تھی میں نے خاموشی اختیار کر لی۔
اور حامد کی دوسری شادی چند ماہ ہی چل سکی اور جانے کیسے جس خاموشی سے قائم ہوئی تھی۔اسی خاموشی سے ٹوٹ بھی گئی۔میں نے اس دوران حامد سے کوئی رابطہ نہیں رکھا۔''
''کتنی صبر والی عورت ہے۔'' فضیلہ نے نعیمہ کو رشک سے دیکھا۔
''اور دیکھو سال بھر بعد سہی حامد شرمندہ سے خود ہی چلے آئے۔میں نے کچھ پوچھا نہ انہوں نے بتایا مجھے ساتھ چلنے کو کہا۔میں نے چھ ماہ کی چھٹی لی اور ان کے ساتھ چلی گئی اور اب کئی سالوں سے یہ سلسلہ جاری تھا لیکن اب فضیلہ میں تھک سی گئی ہوں، یہ بار بار کا آنا جانا پھر حامد ٹھیک نہیں رہے تو مجھے ان کے پاس ہی ہونا چاہیے نا۔''
''بالکل ٹھیک فیصلہ کیا تم نے مجھے خوشی ہوئی۔'' انہوں نے مسکرا کر تائید کی۔
''ہاں یہ تنہائی، یہ اکیلا پن......کسی زہریلے ناگ کی طرح ہوتا ہے، دن بھر خاموش، بے حس ایک جگہ پڑا رہتا ہے اور رات کی سیاہی پھیلتے ہی پھن پھیلائے بے دردی سے آپ کے سامنے تن کر کھڑا ہو جاتا ہے پھر تو جیسے کوئی فرار کی راہ بچتی نہیں اور بہت سال بہت بہادری سے میں نے اس سیاہ ناگ کا سامنا کیا۔مگر اب نہیں......بہت مشکل ہے یوں رہنا' اعصاب تھک سے گئے ہیں۔'' وہ واقعی بہت نڈھال سی لگ رہی تھیں۔
''شہریار سے مجھے دلی پیار تھا اور زونی کو دیکھ کر ہمیشہ سے ان دونوں کی شادی کا خیال آتا تھا۔خدا نے میری یہ آرزو بھی پوری کر دی۔اب حامد کے ساتھ جا کر حج کرنا ہے اور پھر......''

''تو یہیں آ کر سیٹل ہو جاؤ وہاں تمہارا دل کہاں لگے گا؟'' مشورہ دیتے ہوئے بولیں۔

''حامد نہیں مانتے ان کا بزنس وہاں سیٹ ہے۔ دیکھو کوشش کروں گی اگر کبھی وہ مان گئے اور اسی وجہ سے تو اتنے
سال ہم الگ رہے کہ میرا وہاں دل نہیں لگتا تھا اور حامد آنا نہیں چاہتے تھے اور آخر میں مجھے ہی ہارنا پڑا۔'' وہ پھیکی سی
مسکراہٹ سے بولیں۔

''بلال تو تعلیم مکمل کرتے ہی آ جائے گا نا تمہارے پاس، وہ ان کی طرف دیکھ کر بولیں وہ وقار صاحب کے ساتھ
باتوں میں مگن تھا۔

''ہوں!'' وہ بے دھیان سی بولیں۔

''تم ثانیہ کو اپنے ساتھ ہی رکھنا اس لڑکی کی آنکھ میں لحاظ ہے اور مروت بھی پھر تمہارا احسان بھی ہے اس پر، عمر بھر
تم سے دب کر رہے گی۔ اسے خود سے الگ نہیں کرنا۔ وہ خدمت کرنے والی لڑکی ہے۔''

اور فضیلہ حیرت بھری نظروں سے انہیں دیکھتی رہ گئیں۔

وہ اپنی تنہائی کو دور کرنے کا یہ موقع بھی گنوا چکی تھیں۔

✠ ✠ ✠

وہ بے ضرری اندھی لڑکی نصرت کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکنے لگی تھی، بس نہیں چل رہا تھا اسے ہاتھ سے پکڑ کر گھر
سے باہر دھکیل کر دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دے۔

مگر روحیل نے جورات میں کہا تھا کہ وہ اس گھر اور کاروبار کا نصف کا حق دار ہے اور وہ اب ایسا سوچنے کی بھی
اہل نہیں رہی تھی۔

مگر نصرت......اس کا کیا کرتیں کہ وہ بسمہ کو دیکھتے ہی اس کے پورے بدن میں جیسے چیونٹیاں سی رینگنے لگتیں۔

''منحوس اندھی کوڑی کہاں سے اٹھا کر لے آیا، اس کی عیار ماں کو تو پورے محلے میں دو کوڑی کا کر کے آؤں۔ فتنی
چہرے سے کیسی بھولی بھالی بنی ہوئی تھی کہ اسے تو روحیل کا پتا نہیں اور اندر یہ کھچڑی پک رہی تھی۔'' وہ بل کھا کر رہ جاتی۔

وہ جا کر ذکیہ کو محلے بھر میں ذلیل بھی کر آتی مگر پھر روحیل کا ڈر! اسے روحیل کی آنکھوں میں وہی بدلحاظی نظر آ گئی
تھی، جب اس نے پہلی بار اس پر چھری اٹھائی تھی۔

وہ حقیقتاً ڈر کر رہ گئی تھی۔

''مگر یہ منحوس بھی تو گوارا نہیں۔'' ذرا اپنی جگہ مگر یہ چلتا پھرتا عذاب اس کی نظروں اور سماعتوں کے لیے ایک
مسلسل عذاب تھا۔

وہ دیواروں کو ٹٹولتی چیزوں کو چھوتی چند گھنٹوں میں اپنے کمرے، کچن کے علاوہ پورے گھر سے خوب واقفیت
حاصل کر چکی تھی۔

''اماں! بھائی یہ کیا عجوبہ اٹھا کر لے آیا، ایسا مال تو ایدھی سینٹر میں ڈالا جاتا ہے بھائی کو یہی اندھی ملی تھی کیا۔''
ثناء کی زبان تو آج کل یوں بھی پھسلی پڑتی تھی۔ بسمہ کو دیکھ کر بھلا کیسے چپ رہ سکتی تھی۔

''تو بکواس بند کر اپنی۔'' وہ اپنا طیش اس پر اتار کر بولی۔

''طویلے کی بلا بندر کے سر اماں! کھسوٹنا ہے تو اس اندھی کو کھسوٹ جا کر میری تو ان بیس بائیس دنوں میں خوب
کھال کھینچ چکی تھی۔'' وہ بے شرمی سے آنکھیں مٹکا کر بولی۔

وہ تو صبح سے بسمہ سے کئی بھونڈے مذاق بھی کر چکی تھی۔ بار بار اس کے آگے جا کر اپنے ہاتھ اس کی آنکھوں کے منے کر کے کہتی۔ ''بھابی! بتاؤ تو یہ کتنی انگلیاں ہیں۔''

بسمہ آنکھیں خلا میں گاڑے بے چارگی کی تصویر بنی رہتی۔

''اماں! واقعی اندھی ہے مخول نہیں کر رہی سچ مچ فارغ۔'' وہ مڑ کر علی الاعلان کہتی اور بسمہ زمین میں گڑ جاتی۔

اور نصرت کو بھی غم کھائے جا رہا تھا، ابھی محلے میں جس جس کو خبر ہو گی وہ مبارک باد دینے چلا آئے گا اور پھر جب پتہ چلے گا کہ دلہن اندھی ہے تو کیا گت نہ بنے گی نصرت کی۔

عورتیں کیسے ٹھٹھا لگائیں گی، سوچ کر بھی نصرت کو پسینے آ رہے تھے مگر وہ روحیل کو بھی کچھ نہیں کہہ سکتی تھی نہ بسمہ کو کہیں چھپا سکتی تھی۔

''میرے اللہ کیا کروں؟'' سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے لگا۔ ثنا تیار ہو کر نکل رہی تھی۔ جب نصرت اپنا بھاری سر لیے کچن کی طرف جا رہی تھی۔

''کدھر جا رہی ہے تو؟'' وہ وہیں سے دھاڑی۔

''اماں! اکیڈمی، بھول گئی ٹائم ہو گیا ہے میری اکیڈمی کا۔'' وہ وہیں سے لاپروائی سے بولی۔

''یہ ٹائم تجھے بڑا یاد رہتا ہے اسکول تو آج تک ٹائم سے گئی نہ تو۔''

''یہ چکر کیا ہے تیری اکیڈمیوں کا؟''

نصرت کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی لپک کر آئی۔ مگر وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

''اس بے نتھے بیل کو تو اب روحیل ہی نکیل ڈال سکتا ہے اور اس کے لیے مجھے روحیل سے بھی بنا کر رکھنی ہو گی اور بسمہ کو بھی دل سے نہ سہی مگر قبول تو کرنا پڑے گا۔''

وہ گتھی جو دو راتوں سے نہیں سلجھ رہی تھی پل بھر میں عقل میں آ گئی۔ وہ پھر سے کچھ دن پہلے والی نصرت بننے کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کرنے لگی۔

✠ ✠ ✠

''تو آپ کو انہیں صاف کہہ دینا چاہیے تھا کہ بلال بھائی نے اس بدچلن لڑکی کو طلاق دے دی ہے۔'' زونیرا تڑخ کر بولی۔

''زونیرا'' انہیں جی بھر کر طیش آیا کہ شاید وہ اسے مار ہی ڈالتیں مگر وہ یہ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

''تو ماما کیا حرج ہے سچ کو سچ بتانے میں؟'' وہ لاپروا سے لہجے میں بولی۔

''ایک بات میری دھیان سے سن لو اور شاید اس کے بعد میں اسے دہرانا بھی پسند نہ کروں۔'' وہ بہت سا غصہ دبا کر بولیں۔

''تم آئندہ ثانیہ کے لیے ایسا کوئی بہتان بھرا لفظ استعمال نہیں کرو گی، وہ کیا تھی یا کیا نہیں تھی اب تمہارے بھائی کا، تمہارے خاندان کا اس کے ساتھ معاملہ ختم ہو چکا تو تم اس پہ ایک ذرا سی بھی الزام تراشی کرو گی تو پھر تم خدا کی مجرم ہو گی اور اس کی پکڑ اس طرح کے کاموں میں کتنی سخت ہوتی ہے، تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ کسی پر بلا ثبوت بہتان لگانا، آسمان بھی لرز اٹھتا ہے۔'' وہ شاید اسے ڈرا رہی تھیں یا خود کو۔

''میری بیٹی! تم مجھے بہت عزیز ہو میں نہیں چاہتی کہ خدانخواستہ تم اللہ کی ایسی کسی پکڑ میں آؤ۔ تم نئی زندگی کی

شروعات کرنے والی ہو، اس زندگی کی ابتدا اچھی اور نیک سوچوں کے ساتھ کرو ورنہ مکافات عمل ......خدا تمہیں ہر بلا سے محفوظ رکھے میری بچی۔" وہ فرط جذبات سے اسے پیار کرتے ہوئے رو ہی پڑیں۔

کبھی ثانیہ کی ماں نے بھی تو اسے ایسے ہی دعا دی ہوگی پھر......

اور اب تو ان کا دل عجیب وہمی سا ہو چلا تھا اب اپنی بیٹی کی رخصتی جو سر پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

"وعدہ کرو زونی! تم آئندہ کوئی لفظ ثانیہ کے متعلق اپنی زبان پر نہیں لاؤ گی۔ نہ کسی کے سامنے، نہ تنہائی میں اور اپنی سسرال میں تو خاص طور پر۔"

وہ جانتی تھیں وہ ایسا کوئی وعدہ نہیں کرے گی مگر پھر بھی وہ اپنی ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر بولیں۔

"مام! آپ کو ہو کیا گیا ہے۔ میرے خیال میں آپ نے ثانیہ کے معاملے کو کچھ زیادہ ہی دل پہ لے لیا ہے۔ اس کے ساتھ وہی ہوا جو اس نے کیا تھا اور اگر آپ ثبوت کی بات کرتی ہیں تو پوچھیں بلال بھائی سے کیا دیکھا تھا خود انہوں نے اور اس سے بڑھ کر کسی کی بدکرداری کا اور ثبوت کیا ہوتا ہے؟ وہ اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے غیر مرد سے تنہائی میں چھپ چھپ کر ملے اور عہد و پیماں باندھے، تحفے تحائف دے۔" وہ نفرت بھرے لہجے میں کہتی چلی گئی۔ اور میڈم فضیلہ اسے صرف یاس بھری نظروں سے دیکھ کر رہ گئیں۔

(یہ اب قابل اصلاح ہو چکی ہے۔ میری کوئی بھی نصیحت کوئی بھی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ سکتی ایک بیکار کی لفاظی ہوگی اور بس۔ خدانخواستہ اب اسے صرف وقت سمجھائے گا اور جو وقت کی زبان سمجھ جاتا ہے پھر اس کے لیے مہلت)

"اللہ نہ کرے میں اپنی ہی بیٹی کے لیے یہ کیسی فضول باتیں سوچے جا رہی ہوں۔ کچھ ایسا برا نہیں کیا اس نے ثانیہ کے ساتھ اور اگر کیا بھی تھا تو اسے میرے پاس تو ایک بار آنا چاہیے تھا مجھ سے تو بات کرنا چاہیے تھی میں جو اس کا آئیڈیل تھی۔"

اور یہ جملہ سوچتے ہی انہیں لگا وہ پورے قد سے نیچے آ گری ہوں۔ وہ اپنا آئیڈیل تو خود اپنے ہاتھوں سے پاش پاش کر چکی تھیں۔

ایک دن بھی تو وہ اس آئیڈیل پر پوری نہ اتر سکیں جو ثانیہ کے معصوم ذہن نے ان کے لیے تراشا تھا۔

وہ تو ایک دن بھی، ایک لمحے کے لیے بھی......ایک مغرور، امیر و کبیر، اپنی دولت، خوب صورت بیٹے، عالیشان گھر اور شاندار عہدے کے غرور سے باہر نہیں نکل سکیں وہ آئیڈیل کے سانچے میں کیسے فٹ رہ سکتی تھیں؟

"یہ میں نے کیا کیا۔" ایک ان دیکھے ملال نے انہیں چاروں اور گھیر لیا۔

"مام! چلیں بھی نا!" شاپنگ کے لیے ہم لیٹ ہو رہے ہیں، پہلے ہی کافی ٹائم ہو گیا۔" زونیرا تیار ہو کر بولتی ہوئی آئی تھی۔

"ایک تو آپ لوگوں نے ڈیٹ اتنی شارٹ رکھی ہے بھلا کیسے سب کچھ ہوگا اتنی جلدی۔"

"بلال تیار ہے؟" وہ کھڑی ہو گئیں۔ اور ملال تو اب عمر بھر کے لیے تھے۔ گوشوارے تو اب بار بار کھلنا ہی تھے اور آگے جو تنہائی کا دشت انہیں نظر آ رہا تھا اس میں صرف یہی کچھ تو ہونا تھا۔

"انہوں نے جانے سے انکار کر دیا ہے۔ ان کا تو سوگ ہی ختم نہیں ہو رہا۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"میں دیکھتی ہوں، تم گاڑی میں چل کر بیٹھو۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئیں۔

✠ ✠ ✠

''بلال، اس بار آپ مجھے ساتھ لے کر جائیں گے، بس میں نے کہہ دیا۔ میں اب آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔''
اس کے کانوں میں ثانیہ کی اٹھلاتی استحقاق بھری آواز گونجی۔
''تو کیا میں رہ سکتا ہوں تمہارے بغیر مائی ڈیئر وائف۔'' وہ اس پر جھکتے ہوئے بولا۔
''رہ سکتے ہیں تو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں نا'' وہ مصنوعی خفگی سے بولی۔
''اب نہیں چھوڑ کر جاؤں گا پرامس۔''
''آپ پرامس نہ بھی کریں تو بھی میں آپ کو اس بار اکیلے نہیں جانے دوں گی۔'' وہ اس کا بازو کھینچ کر بولی۔
''اچھا نہ لے کر جاؤں تو کیا زبردستی چل پڑو گی۔'' وہ شرارت سے بولا۔
''آپ کے سوٹ کیس میں چھپ جاؤں گی، کپڑوں کی تہوں میں گھس جاؤں گی، آپ کے بیگ میں، آپ کی خوشبو میں، آپ کے دماغ میں، آپ کے دل میں، آپ کی آنکھوں میں...... پھر کیسے مجھ سے پیچھا چھڑائیں گے پھر تو آپ کو مجھے ساتھ لے کر جانا ہی پڑے گا جناب۔''
وہ پہلے کبھی اتنی شوخ نہیں ہوئی تھی مگر اس بار کچھ خاص تھا بہت خاص وہ ایسے انوکھے لاڈ کر رہی تھی بلال سے۔
''کیا اسے پتا چل گیا تھا ہم دونوں ہمیشہ کے لیے جدا ہونے والے ہیں؟'' بلال کے منہ سے سسکی سی نکلی۔
''اچھا اگر میں گم ہو جاؤں گی تو آپ مجھے ڈھونڈ لیں گے۔ آپ کہتے ہیں نا کہ لندن کہر کا شہر ہے اس فوگ بھرے شہر میں کہیں کھو جاؤں آپ کو نظر ہی نہ آؤں تو مجھے ڈھونڈ لیں گے؟'' وہ عجیب عجیب سے سوال کیے جا رہی تھی۔
''میں تمہیں کبھی خود سے جدا کروں گا تو تم گم ہوگی نا میری جان میں تمہیں خود سے ایک پل کے لیے بھی دور نہیں کروں گا تو پھر کھونے کا کیا سوال؟''
اور میں نے جو وعدہ کیا جھوٹا، جو پیمان باندھا وہ کچا...... کیوں کیا میں نے خود اپنے ساتھ ایسا...... جبکہ میں جانتا تھا میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' اس کی آنکھیں یادوں سے جلنے لگی تھیں۔
''میں نے نہیں اس نے، اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ اس نے خود کو ہی نہیں مجھے بھی مار ڈالا اور میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا، وہ معافی کے قابل ہے بھی نہیں۔ اس نے میری آنکھوں کے سامنے اس ذلیل شخص کے ساتھ مراسم قائم کیے۔'' اور اس جلن کے آخری پل سب سے تکلیف دہ ہوتے تھے جب روحیل والا حصہ اس میں شامل ہو جاتا تھا۔
بلال نے زور سے آنکھیں رگڑ کر سامنے شاپنگ مال کو دیکھا۔ زونیرا اور بیگم فضیلہ شاپنگ کے لیے گئی تھیں اور گھنٹوں بیت چکے تھے وہ گاڑی میں بیٹھا صرف ثانیہ کو سوچتا رہا اور وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چل سکا جیسے وقت کا بھی احساس کھو گیا تھا۔
''یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے ایسا بے خود، بے خبر میں کبھی بھی نہیں تھا۔'' اس کا جی چاہ رہا تھا وہ دھاڑیں مار مار کر رو دے۔
اور دوسرے لمحے اس کی نظریں ایک منظر پر جیسے جم کر رہ گئیں۔
وہ روحیل ہی تھا، کسی چادر میں لپٹے نازک وجود کو سہارا دیتے ہوئے گاڑی میں بٹھا رہا تھا۔ دوسرے لمحے گاڑی آگے کی طرف جا چکی تھی۔
اور بلال جیسے پتھر کا بت بن کر رہ گیا تھا۔

✠ ✠ ✠

''آپ سارا دن گھر میں ہوتی ہیں اور آپ سے بیٹی کو نہیں سنبھالا جاتا، جانتی ہیں یہ پڑھائی کے بہانے کدھر کدھر جاتی ہے۔'' روحیل آگ بگولا سا ثنا کو بازو سے گھسیٹتا ہوا باہر سے لایا تھا۔ نصرت کے ہاتھ سے ان چنے ہوئے چاولوں کی پرات گرتے گرتے بچی۔

''کیا...... کیا کر دیا اس نے؟''

''میری زبان نہیں دہرا سکتی اسے جہاں سے اور جس حال میں لایا ہوں میں۔ اگر آپ کی نظر میں اس کے لیے رشتہ ہے تو ٹھیک ورنہ میں خود اس کا کچھ کرلوں گا مگر اسے باپ کی عزت کو یوں گلی گلی رولنے نہیں دوں گا۔'' وہ پہلے کی طرح غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

''اور تم خود کیا ہو جیسے خود رات کے اندھیرے میں جانے کہاں سے اسے خرید کر لے آئے ہو اسی طرح میرا مول بٹورنا چاہتے ہو تو یہ تمہاری بھول ہے۔'' ثنا اب ہر حد سے باہر نکل چکی تھی۔

اور کچن میں برتن دھوتی بسمہ جیسے سن ہو کر رہ گئی۔

''تڑاخ'' ایک زوردار تھپڑ پر ثنا کسی گیند کی طرح گھومتی برآمدے کے ستون سے ٹکرا کر گر گئی تھی۔ دوسرے لمحے اس کے ماتھے سے خون پھوٹ پڑا۔

''اگر مجھے تیرا مول بھی بٹورنا پڑا تو وہ بھی کر ڈالوں گا۔ مگر تجھے یہ کھیل نہیں کھیلنے دوں گا۔ تیرا باپ مر گیا مگر میں ابھی زندہ ہوں تو شاید بھول گئی تھی میری نرمی اور مروّت کا تم لوگوں نے غلط مطلب لیا ہے اب اپنی درستی کرلو ورنہ یہاں رہنا مشکل ہو جائے گا تمہارا۔'' وہ جنگلی پن کی انتہا پر تھا اسے تو ثنا کے ماتھے سے بہتا لہو بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

جواب گلا پھاڑ کر رو رہی تھی۔

روحیل دروازے کو ٹھوکر مار کر باہر نکل گیا نصرت تیزی سے بیٹی کو سنبھالنے لگی۔

✠ ✠ ✠

اس پر دلہن بن کر فرشتوں کا روپ آیا تھا۔

میڈم فضیلہ کو تو ایسا ہی لگا۔ وہ لگ ہی اتنی پیاری رہی تھی شاید ان کی بیٹی تھی اس لیے انہیں ایسا پیار آ رہا تھا اس پر۔

اور مبشر صاحب کی اچانک آمد نے بارات سے ذرا پہلے جہاں انہیں بوکھلا دیا وہیں زونیرا کا مان بھی بڑھا دیا۔

بلال نے چند دن پہلے مبشر صاحب سے فون پہ بات کرتے ہوئے زونیرا کی شادی کا ذکر کیا تھا اور انہوں نے جانے کیسے یہ سب سوچ لیا اور رخصتی سے چند منٹ پہلے ان کی آمد نے سب کو ہی حیران کر دیا۔

وہ بہت دیر تک زونیرا کو گلے سے لگا کر تھپتھپاتے رہے اور زونیرا جس نے نہ رونے کی قسم کھائی تھی کہ سارا میک اپ خراب ہو جائے گا کیسے باپ کے گلے لگ کر دھواں دھار رونے لگی تھی۔ بڑی مشکل سے بلال نے اسے باپ سے الگ کیا۔

انہوں نے تین لاکھ کا چیک آہستگی سے خود ہی زونی کے پرس میں ڈال دیا۔ چند لمحوں بعد رخصتی تھی۔ گاڑی کے روانہ ہوتے ہی وہ بھی خاموشی سے چلے گئے جس خاموشی سے آئے تھے۔

''کل اپنی مسز لے کر ہوٹل آ جانا۔ تمہاری ممی بھی اس سے ملنا چاہتی ہیں اس کے لیے سلامی اور تحائف لائی ہیں۔ زونیرا سے ملنے اس لیے نہیں آئیں کہ شاید تمہاری ماں کو یہ اچھا نہیں لگتا۔ ہم کل تمہارا انتظار کریں گے۔'' وہ جاتے ہوئے بلال سے کہہ گئے اور وہ جواب میں کچھ بھی نہیں بول سکا۔ میڈم فضیلہ ساکت سی کھڑی ان کی گاڑی کو دور جاتا دیکھتی رہ

گئیں انہیں روکنے یا ٹھہرانے کے سب حقوق تو گنوا چکی تھیں۔
ایک تھکن سی تھی جس نے چاروں طرف سے انہیں گھیر لیا تھا۔
زونیرا چلی گئی تھی اور ثانیہ اس سے پہلے جا چکی تھی۔ بلال چند دنوں میں چلا جائے گا تو پھر وہ اکیلی...... بالکل تنہا یہاں اس بڑے سے عالیشان گھر میں جس کے غرور نے انہیں ثانیہ سے حقارت برتنے پر مجبور کیا اب یہ ہی گھر انہیں کاٹ کھانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔
''چلیں ناما م! یہاں کیوں آ بیٹھی ہیں۔'' وہ برآمدے کی سیڑھیوں میں کیسے خالی خالی تہی دامن سی بیٹھی تھیں۔
''ہوں...... ہاں۔'' وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئیں۔
''میں نے ڈیڈی سے ذکر کیا تھا زونی کی شادی کا۔'' وہ ان کی کیفیت سے یہی نتیجہ اخذ کر سکا کہ انہیں مبشر صاحب کا آنا اچھا نہیں لگا۔
''تم ان سے ملتے رہے تھے؟'' وہ بہت دیر بعد دل گرفتی سے بولیں تو بلال کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔
''اور تم نے مجھ سے ذکر بھی کرنا مناسب نہیں سمجھا۔'' دوسرے لمحے وہ اسے اس کی فاش غلطی کا احساس دلا چکی تھیں۔
''اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں کب کس لمحے تم لوگوں کی زندگیوں میں رہتے ہوئے بھی اتنی غیر اہم اور معمولی ہو گئی کہ بہت سی باتوں پر تم نے مجھ سے پوچھنا مشورہ لینا تو دور کی بات ذکر کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا اور شاید میں اسی قابل تھی۔''
وہ اپنی آنکھوں سے امڈ پڑنے والے دریا پر بمشکل بند باندھے اٹھ کر جانے لگیں۔
''پلیز مام۔'' بلال شرمندہ تھا، ان کا ہاتھ تھام کر بولا۔ وہ یونہی نفی میں سر ہلانے لگیں۔
''میں ناراض نہیں ہوں تم سے۔'' وہ بھاری آواز میں بولیں۔
''ہاں مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے کہ میں نے تم دونوں کو باپ سے دور کر کے کتنی بڑی غلطی کی اور تم لوگوں نے مجھے اس کا احساس دلایا بھی تو کس طرح کہ میں خود سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہیں رہی۔'' وہ بولتے ہوئے خود کو سنبھالنے کی کوششیں کر رہی تھیں۔ ایک بار یہ بند ٹوٹ جاتا تو پھر کچھ بھی ان کے ضبط میں نہ رہتا۔
''مام! میں آپ کو بتانا چاہتا تھا۔ ذکر کرنا چاہتا تھا، کئی بار زبان تک لفظ آئے، مگر پھر آپ کی دل آزاری کے خیال سے......''
''اور اب جو ہوا؟'' وہ پھٹ پڑنے والے لہجے میں بولیں۔
''اس شخص کی آنکھوں میں جو فاتحانہ چمک تھی کہ دیکھو تم لاکھ حق جتاؤ فضیلہ! تم نے اپنی عمر برباد کر لی اور ایک بیوہ کی سی زندگی گزاری، جن کی خاطر، وہ بھی تمہارے نہیں ہیں، میں ایک اشارہ کروں تو یہ دونوں میرے ساتھ چل پڑیں، یہ میری اعلیٰ ظرفی تھی کہ میں نے جب تک چاہا انہیں تمہیں بخشے رکھا اور اب اگر چاہوں تو...... تم نے مجھے دو کوڑی کا کر دیا، خود میری نظروں میں۔'' وہ ایک دم سے روتی ہوئی اندر بھاگ گئیں اور بلال متاسف کھڑا رہ گیا۔

✠ ✠ ✠

''ایک بہت اہم بات۔'' شہریار اس کے پاس بیٹھا تھا اور زونیرا کے ہاتھوں میں پسینہ آ رہا تھا، شہریار کے لباس اور جسم سے اٹھتی تیز خوشبو نے اس کے اعصاب کو جیسے مخمور سا کر دیا تھا۔

''تم پھپھو کی پسند تو ہو ہی، مگر میرے فادر کی پسند زیادہ ہو۔'' وہ جانے کیا بتانا چاہ رہا تھا، اس نے ابھی تک اس کا گھونگھٹ بھی نہیں الٹا تھا۔

''ان کی خواہش تھی کہ اس گھر میں ایک پڑھی لکھی خاندانی شریف، اب شرافت کیا ہوتی ہے یہ ہمیں کیا پتا۔'' وہ ہنسا۔

''ہوسکتا ہے تم پہلے سے ہی اس خاندانی شرافت کو بڑے مزے سے کسی بھی نائٹ پیکج کے طفیل کسی اور کے قدموں میں نچھاور کر آئی ہو۔''

اور وہ دھک سے رہ گئی۔

وہ نفی کرنا چاہتی تھی مگر اس کی زبان جیسے گنگ سی ہو کر رہ گئی۔

''لیکن یہ ضروری بات بھی نہیں، ہوسکتا ہے تم واقعی میں شریف ہو، میرا مطلب ہے خاندانی شریف۔'' وہ بڑی آرام دہ پوزیشن میں کہنی ٹکا کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''مجھے تو یونہی ایک خیال گزرا تو میں نے تم سے ذکر کر ڈالا، تم پلیز دل پر نہیں لینا، آخر کو تمہاری ماں شہر کے اتنے بڑے کالج کی پرنسپل ہے، ہزاروں لڑکیوں پر نظر رکھنے والی تو گھر میں کیا ایک تم پر نظر نہیں رکھ سکی ہوگی، میرا مطلب ہے کڑی نظر۔'' وہ پتا نہیں کس قسم کی باتیں کر رہا تھا، زونیرا کو الجھن ہونے لگی۔

''تمہارے بھائی نے تو اپنی پسند سے شادی کی تھی نا۔'' وہ گویا یاددہانی کرواتے ہوئے بولا۔ ''وہ بھی شاید کسی نوکرانی کی بیٹی ہے، کیا لو اسٹینڈرڈ تھا تمہارے بھائی کا بھی، بھئی ایسوں سے شادی تھوڑی کرتے ہیں، بس دام چکاتے ہیں اور لطف اٹھاتے ہیں۔''

اور زونیرا نے ساری شرم بالائے طاق رکھ کر خود ہی اپنا گھونگھٹ پلٹ دیا، ایسی کھلی باتیں۔

اور وہ بھول گئی ایسی کھلی باتیں وہ بھی تو برملا کرتی رہی تھی۔

''لیکن خیر وہ جو کہتے ہیں دل آئے گدھی پر تو پری کیا چیز ہے۔ خیر تمہاری بھابی بھی گدھی تھوڑی تھی، اتنی خوب صورت تھی پھر تو دام چکانے کے بجائے مستقل گھر لا کر رکھنے کو جی چاہا ہوگا تمہارے بھائی کا۔''

''پلیز!'' اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگیں۔

''اور شاید۔'' وہ اس کی چوڑیوں سے کھیلنے لگا۔

''بارات میں یہی چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں۔'' وہ مزہ لینے کو رکا۔

''اور وہ تمہاری باکمال بھابی صاحبہ پوری شادی میں کہیں نظر نہیں آئیں، تو چہ مگوئیاں تو ہونی تھیں نا کہ وہ پھر سے کہیں اور بھاگ واگ گئی یا کسی اور نے اچھے دام لگا دیے ہوں گے، ان کم بخت نوکرانیوں میں یہی تو خرابی ہے، جہاں زیادہ پیسے دیکھے پچھلی نوکری کو لات مار کر آگے چل پڑیں، ذرا جو مروت لحاظ رکھا ہو پچھلی نوکری کا۔''

ایک اتنے پڑھے لکھے شخص کی ایسی گھٹیا بازاری زبان اور سوچ ...... زونیرا خود ایسے خیالات رکھتی تھی، ان گھڑیوں سے پہلے تک ...... مگر اب جیسے اسے متلی سی آنے لگی یہ سب سن کر۔

''خیر ہمیں کیا، وہ ایک نوکری چھوڑ کر دوسری کے پیچھے بھاگے، ہمیں تو اپنے گھر کی خبر رکھنا ہوگی۔'' زونیرا کا دل اس کی نظروں سے سہما جا رہا تھا۔

''تو یہ تھیں وہ گھڑیاں جن کے بخت آور ہونے کے لیے صبح بھی اس کی ماں نے چار کالے بکرے صدقے کے اس کے ہاتھ لگوا کر چھری پھروائی تھی اور وہ چار بکرے بھی ان بلاخیز گھڑیوں کو نہ ٹال سکے۔''

وہ سہم سی گئی تھی، اس کی لمحہ بھر کی خاموشی سے بھی۔

''میں بدکردار نہیں ہوں، نہ ایسی بیوی پسند کروں گا، لیکن ایک بات جو تمہیں اپنے پلو سے آج اور ابھی باندھنی ہو گی کہ اگر میرے علم میں یہ بات ذراسی بھی آ گئی کہ کسی نائٹ پیکیج کے طفیل یا یونہی دل پشوری کرنے کو تم لڑکیوں کو عادت ہوتی ہے ناخوانخواہ مکڈونلڈ، کے ایف سی کے برگر کھانے ان کی ساس سے انگلیاں چاٹتے کسی لڑکے پر نظریں جما کر بہت سی نہ کہنے والی باتیں بھی آنکھوں کے ذریعے کہہ دیں تو زونیرا بیگم! ایسی ایک ذراسی بھی چوک تم سے کبھی سرزد ہوئی ہو تو مجھے ابھی بتا دو، ورنہ بعد میں مجھے خود سے پتا چل گیا تو......'' اس کی نظروں میں کیا نہیں تھا اور جس قہر بھرے انداز میں اس نے زونیرا کی کلائی اپنی گرفت میں لے رکھی تھی اسے لگا کہ ابھی کچھ دیر ایسے ہی وہ اس کی کلائی پکڑے رہا تو اس کی ہڈی کرچی کرچی ہو جائے گی۔

''وہ تمہاری زندگی کا سیاہ ترین دن ہوگا اور پھر اس کے بعد جو تمہارے ساتھ ہوگا یو کانٹ امیجن مائی ڈیئر وائف۔'' اس نے ایک جھٹکے سے اس کی کلائی چھوڑی تھی اور اس کی آنکھوں میں پانی اتر آیا تھا۔

''اور یہ مت سمجھنا کہ اس کے بعد میں تمہیں چھوڑ دوں گا، جیسے تمہارے بھائی کی بیوی اسے لات مار کر چلی گئی، تم بھی اپنی ماں کی بل بوتے پر مزے سے خلع لے کر چلی جاؤ گی، نا قطعاً نہیں، تم اب مر کر ہی میرے گھر سے نکل سکتی ہو، اس کے علاوہ نہیں۔'' اور زونیرا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''اگر مجھ سے چھٹکارے کا سوچو گی تبھی تو تم سے منسوب ایسی ایسی کہانیاں اس پورے شہر میں گردش کریں گی بمعہ تصویری نظارے کے کہ تمہاری ماں کالج میں بچیوں کو نیکی کا سبق پڑھانا بھول جائے گی۔''

''آپ......آپ مجھ سے ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔'' بہت مشکل سے وہ بول پائی تھی۔

''صرف اس لیے کہ تم محتاط رہو، ورنہ ڈارلنگ تم تو میری جان ہو، بس کسی اور کی گندی نظر تم پر نہ پڑی ہو میری صرف یہ ڈیمانڈ ہے، ایسا نہیں ہے نا؟''

وہ اسے کوئی نفسیاتی مریض لگا اور وہ اقرار میں سر بھی نہ ہلا سکی سب دیکھتی رہ گئی اور پھر زوردار تھپڑ نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیے۔

''بتا کوئی افیئر رہ چکا ہے جو زبان نہیں ہلاتی تُو؟ گونگی بن گئی ہے، کون سا چور ہے جو تیرے دل میں چھپا بیٹھا ہے، جو بولتی نہیں۔'' وہ ایک دم سے غصے میں پاگل ہو گیا۔

اور زونیرا کو پتا چل گیا اس کی ماں جس مکافات عمل کا ذکر کر رہی تھی وہ سطر سطر اس کے سامنے مجسم ہو چکا تھا۔

''میرے دکھے دل سے کوئی بددعا نہ بھی نکلی ہو تو بھی تم کبھی خوش نہیں رہ سکو گی۔'' اسے لگا ثانیہ کمرے کے کونے میں کھڑی مطمئن چہرہ لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

شہریار کی زبان اب کون سا گند اگل رہی تھی، اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

✠ ✠ ✠

مولوی نے نکاح ختم کیا اور سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

اور نصرت کو لگا آج اس پہ کم از کم بھڑکتے دوزخ کا ایک دروازہ و بند ہو گیا ہے، جس نے اس کی راتوں کی نینداڑا رکھی تھی۔

ثنا کا نکاح روحیل نے اپنے کسی جاننے والے کے توسط سے کیا تھا اور ثنا کو اس نے کس طرح راضی کیا تھا اس کا

علم نصرت کو بھی نہیں تھا، مگر ثنا خاموشی سے مان گئی تھی اور نصرت کے لیے یہ ہی کافی تھا۔

عزت خیر و عافیت سے گھر سے رخصت ہونے کے لیے دلہن بنی ثنا کی شکل میں بیٹھی تھی اور اس لمحے نصرت کے دل سے اس کے لیے صرف دعائیں ہی نکل رہی تھیں۔

''اگر روحیل واپس نہ آتا تو جانے کیا کچھ ہو جاتا۔'' وہ کیسے بہن کو رخصت کر رہا تھا، اپنے بازوؤں کے حصار میں گاڑی تک لے کر گیا۔'' اور نصرت کے دل سے پہلی بار روحیل کے لیے سچی اور خالص دعائیں نکلیں۔

✠ ✠ ✠

بلال اپنا سامان پیک کر چکا تھا۔

بہت سی ثانیہ کی چیزیں وہ ہاتھ لگاتا اور چھوڑ دیتا۔

صرف اس کی اور اپنی شادی کی ایک تصویر اس نے بریف کیس کی تہہ میں رکھی تھی۔

اور آخری زپ بند کرنے سے پہلے اس نے وہ تصویر بھی نکال کر پھاڑ ڈالی اور بیگ بند کر دیا۔

اس کی آنکھوں میں جیسے کئی برسوں کا رت جگا تھا اور اب بہت گہری میٹھی نیند کسی اور دیس میں جا کر سو جانا چاہتا تھا بس جہاں کم از کم ثانیہ کی یادیں نہ ہوں اور اسے پتا تھا اس پوری دنیا میں ایسی کوئی جگہ نہیں ہے۔

میڈم فضیلہ نے ایک بار بھی اسے رکنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ وہ خود ہی کئی بار کہہ چکا تھا کہ وہ جلد واپس آ جائے گا۔

جس دن سے ان کے علم میں یہ بات آئی تھی کہ بلال وہاں مبشر صاحب سے ملتا رہا ہے، وہ ہر چیز سے جیسے لاتعلق سی ہو گئی تھیں۔

یکدم دروازے پر دستک ہوئی۔

اس نے زور سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

اندر آنے والی زونیرا تھی۔

ایک بدلی بدلی خوف زدہ سہمی ہوئی بالکل خاموش سی زونیرا چند دنوں میں ہی وہ بہت عجیب سی ہو گئی تھی۔

''آ جاؤ زونی! کیسی ہو؟'' وہ جبراً مسکرایا۔

''بھائی! آپ سے بہت معافی مانگنی تھی۔'' وہ وہیں دوزانو اس کے پیروں کے پاس بیٹھ گئی۔

''زونی! او پر بیٹھو نا یہ کیا کر رہی ہو؟''

اور وہ زور زور سے رونے لگی۔

''زونی بیٹا! کیا ہو گیا میری جان ایسے کیوں کر رہی ہو؟'' وہ حقیقتاً پریشان ہو گیا۔

''بھائی! میں آپ کی زندگی برباد کرنے کی ذمہ دار ہوں۔ میں نے آپ کو، ثانیہ کو برباد کیا۔ اپنے حسد، جلن اور تکبر کی وجہ سے اور مجھے پتا ہے گناہ تو خدا بھی معاف نہیں کرتا...... مگر بھائی مجھے معاف کر دیں۔'' وہ روئے جا رہی تھی اور بلال جیسے کچھ بولنا بھول گیا۔

''بھائی! ثانیہ، ثانیہ۔'' اس کا گلا جیسے درد سے پھٹ رہا تھا۔

''اس کا روحیل کے ساتھ کچھ بھی نہیں تھا۔ میں جھوٹ بول کر روحیل سے محبت کا ڈھونگ رچا کر اسے زبردستی ہوٹل لے کر گئی تھی اور وہ تحفہ بھی میں نے، میں نے بریسلٹ میں نے دیا تھا روحیل کو...... ثانیہ نے نہیں۔''

اور بلال کو جیسے ہزار واٹ کا کرنٹ لگا۔ وہ ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور متوحش نظروں سے اسے دیکھتا چلا گیا۔

اور دروازے کے باہر کھڑی میڈم فضیلہ پر جیسے کوئی پہاڑ سا آ گرا ہو۔

زونیرا اس حد تک گر جائے گی انہوں نے بہت بار یہ بات سوچی تھی مگر پھر ان کے دل نے بیٹے کی حمایت میں خود ہی سے جھٹلا دیا تھا اور وہی بات سچ نکلی۔

''ثانیہ بے قصور تھی، میں نے......'' اور بلال اس کی کوئی بھی بات سنے بغیر اپنے دونوں سوٹ کیس گھسیٹتا باہر نکل گیا۔

''آپ نے مجھ سے شادی کیوں کی تھی؟'' وہ جب بھی روحیل کا موڈ خوشگوار دیکھتی یہ بار بار کا پوچھا ہوا سوال ضرور دہراتی۔

اور روحیل ہر بار اس کے جواب میں ایک گمبھیر خاموشی، لمبی چپ اختیار کر لیتا۔

''بتائیں نا روحیل! آپ کو کبھی نہ کبھی تو میرے اس سوال کا جواب دینا ہی ہوگا۔'' وہ کمرے کی نیم ملگجی روشنی میں ایک ہی نقطے پہ نظریں گاڑے کچھ مضطرب سے انداز میں بولی۔

''آپ نہیں جانتے یہ سوال میرے لیے اتنے سالوں سے ایک معمہ بنا ہوا ہے۔ ایک ایسی ان جان، ان بوجھی پہیلی جو اگر مجھے رات کے کسی پہر بے چین کر دے تو پھر نیند میری آنکھوں سے دور چلی جاتی ہے۔ بتائیں نا روحیل!''

وہ اس کے تکیے پر ہاتھ مار کر بے چینی سے بولی۔

روحیل کسی پتھر کے بت کی طرح ساکت ہو چکا تھا۔ کمرے میں مہیب خاموشی تھی۔

''آپ نہیں بتائیں گے؟'' وہ بے آس سی ہو کر بولی۔

روحیل پھر بھی خاموش رہا۔

''آپ تو مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ میری امی کو بار ہا بالواسطہ طور پہ انکار بھی کر چکے تھے پھر......'' وہ افسردگی سے کھوئے ہوئے لہجے میں بولی۔

وہ کیسی پراسرار سی شام تھی، موسم بڑا دوغلا سا ہو رہا تھا۔ سردی نہ گرمی مگر ذرا دیر میں دونوں کیفیات محسوس بھی ہونے لگتیں۔

صبح کپڑے دھونے کے بعد اسے کتنی سردی لگی تھی اور اب شام ڈھلے وہ دم توڑتی دھوپ میں جب کپڑوں کا گٹھڑ چھت سے اتار کر لائی تو کیسی حدت سی محسوس ہو رہی تھی۔

اور دن تو جیسے صبح ہی سے گم صم سا تھا جیسے آج کچھ انوکھا سا ہونے جا رہا ہے۔ بسمہ کو یاد تھا اس کی کچھ ایسی ہی کیفیت یوسف کی موت والے دن بھی صبح سے ہی تھی۔

''یا اللہ خیر۔'' یہ بات یاد آتے ہی بے اختیار وہ لرز سی گئی۔

''اب تو میں کوئی بھی اور ایسا اچانک شدید صدمہ نہیں سہہ سکتی اور نہ امی......'' وہ بس رو دینے کو ہی تھی جب دروازے پہ کچھ مانوس سی گھنٹی بجی تھی۔

دروازہ کھولتی امی کی کچھ بشاش آواز سنائی دی۔ پھر ذرا سی دیر میں بیٹھک کے آس پاس جیسے ہلچل سی ہونے لگی۔

وہ تو متوحش سی بیٹھی ہی رہ گئی۔

ذکیہ کو آواز دے کر یہ بھی نہ پوچھ سکی کہ ''امی کون آیا ہے۔'' وہیں کسی بت کی طرح بے حس بیٹھی رہی۔

اور تھوڑی دیر میں جیسے اس چھوٹے سے گھر میں کوئی جنات گھس آئے تھے شور...... آوازیں...... اٹھا پٹخ بیٹھک کا

معمولی سافرنیچر ادھر ادھر گھسیٹا جانے لگا۔

قدموں کی آتی جاتی آوازیں بسمہ کے حوصلوں کو اور بھی مسمار کیے جا رہی تھیں۔

''تم یونہی کیوں بیٹھی ہو بسمہ؟'' بہت دیر بعد ذکیہ کو اس کا خیال آیا تھا وہ بس ماں کو چہرہ اٹھا کر دیکھتی رہ گئی۔

''لو میری عقل دیکھو، تمہیں تو کچھ بتایا ہی نہیں۔'' ذکیہ نے بے اختیار اپنا ماتھا پیٹا تھا۔

''اور پتا ہے اس نے مجھ سے آتے ہی کیا کہا ہے؟''

''امی مجھے اپنا بیٹا بنا لیں۔ میں بسمہ سے ابھی اور اسی وقت نکاح کرنا چاہتا ہوں، اور مجھے تو لگا میرا ہارٹ فیل ہو گیا۔ کتنی دیر تو مجھ سے بولا ہی نہیں گیا۔'' ذکیہ دبے دبے جوش میں اسے بتا رہی تھیں، بسمہ پلکیں اوپر نیچے کرتی کچھ بے چین سی ہو گئی۔

''مگر کیوں......امی؟'' وہ اضطراب بھرے انداز میں بولی۔

''پاگل! خوشی کے مارے بندے کا ایسا ہی تو حال ہوتا ہے جو میرا ہوا۔'' ذکیہ اس کے سوال کو قطعاً نہیں سمجھیں اور ہنس کر بولیں۔

''مگر امی کیوں؟ وہ مجھ سے نکاح کیوں کرنا چاہتے ہیں۔ میں تو......اور پہلے بھی......'' وہ صحیح طور پر اپنا مدعا بیان نہیں کر پا رہی تھی۔

''لو بھلا یہ کیا پُٹھا (الٹا) سوال ہوا ہے، کیوں انکار کرے گا وہ شادی سے۔ خیر سے کیا کمی ہے میری شہزادی میں......اور تو کچھ اور نہ سمجھنا میں نے نہ اس کی منت کی ہے نہ کوئی ہاتھ پیر جوڑے ہیں۔ اپنی مرضی اور خوشی سے وہ سب بولا ہے اس نے، بس گھنٹے بھر میں تم دونوں کا نکاح اور اب کوئی الٹی سیدھی بات نہ سوچنا نہ مجھ سے پوچھنا جب قسمت دروازے پر دستک دے تو پھر ایسے بے کار سوال نہیں کرنے چاہئیں۔'' ذکیہ اسے سمجھانے والے انداز میں بولیں۔

''ابھی ساتھ والی ساجدہ کو بازار دوڑایا ہے میں نے تمہارے لیے کوئی اچھے سے دو تین جوڑے، جوتے وغیرہ لے آئے۔ روحیل پیسے دے رہا تھا میں نے فی الحال نہیں لیے، ابھی کپڑے آتے ہیں تو تجھے تیار کرواتی ہوں۔''

ذکیہ تو جیسے بسمہ کو دہلیز پر بٹھائے ہوئے تھیں روحیل کے اشارہ کرنے کی دیر تھی اور اپنی ایسی بے قدری پر بسمہ کا خوب دھاڑیں مار مار کر رونے کو جی چاہنے لگا۔

''میں نے تو اس سے کہا کہ اپنی اماں اور بہنوں کو بھی لے آؤ۔ مگر اس نے منع کر دیا کہ نصرت کی طبیعت میں غصہ اور بدلحاظی ہے وہ کبھی میری خوشی میں خوش نہیں ہوگی۔'' ذکیہ جاتے جاتے رک کر بولیں۔

''اور دیکھ اس نے اپنے منہ سے خود کہا کہ یہ اس کی خوشی ہے تو اب میں اس سے اور سوال جواب کرتی، اس کی نیک نیتی پر شک کرتی اچھی لگوں گی بھلا؟ میں نے بھی پھر اگلا سوال نہیں کیا اور سوچنے کا ٹیم لیتی تو کل کو کس نے دیکھا ہے۔ یہ نصرت ہی کوئی نئی پٹی پڑھا دیتی اسے، یا کچھ اور......بندے کے دھیان تو پل پل بدلتے ہیں تو کیا ضرورت ہے ایسا رسک لینے کی۔'' اور بسمہ کی پلکوں تک آئے آنسو بے اختیار تھم سے گئے۔ وہ اپنی ماں کے لیے، اس گھر کی خوشیوں کے لیے ایک جیتا جاگتا رسک تھی، خطرہ......اب اور کتنے سال اماں یہ خطرہ مول لے سکتی تھی۔

اس کے بعد بسمہ نے خاموشی سے ساجدہ کے لائے ہوئے کپڑے بھی پہن لیے اور مولوی صاحب کے سامنے قبول ہے بھی تین بار دہرایا اور دستخط بھی کر دیے۔

''کوئی نہیں تو کم از کم امی کو تو یہ خوشی ملنی چاہیے کہ میرے جیسا عذاب ان کے سر سے اتر رہا ہے۔ گھر سے رخصت ہوتے وقت بھی وہ ذرا نہیں روئی۔

اور ذکیہ کتنی دیر اسے گلے سے لگا کر سسکیوں سے روتی رہیں اور بسمہ جانتی تھی اس کی ماں کی یہ سسکیاں کتنی مصنوعی ہیں۔

ابھی اس کے رخصت ہوتے ہی وہ فوراً مصلا بچھا کر شکرانے کے نفل ادا کریں گی اور آج کی رات خوب چین کی نیند سوئیں گی۔

لیکن اس کا بے یقین دماغ ہر وقت اسی گتھی کو سلجھانے میں لگا رہتا اور جب جب اسے روحیل کا موڈ اچھا لگتا وہ یہ سوال ضرور دہراتی۔

اتنے سالوں میں اتنی تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ ان کے دو بچے ہو چکے تھے اور اس بات پر بسمہ خدا کے آگے جتنے بھی سجدے کرتی کم تھے کہ اس کے دونوں بچے آنکھوں والے اور صحت مند تھے۔ اور کہنے والے کہتے تھے۔ خوبصورتی میں اپنی اندھی ماں کی ہو بہو کاپی ہیں ربیعہ اور روشن!

اس کی زندگی مکمل تھی مگر یہ ادھورا تشنہ سوال اسے راتوں کو بھی بے چین رکھتا تھا۔

''تو آپ مجھے نہیں بتائیں گے؟'' آخر آخر وہ رو ہی پڑی۔

''کیا کرو گی جان کر؟'' بہت سالوں بعد جیسے روحیل کی چپ ٹوٹی تھی۔

''مجھے بس جاننا ہے۔ کرنا تو کچھ بھی نہیں۔'' وہ بچپنے سے بولی۔

''اور یہ تو میں جانتی ہوں روحیل! آپ نے مجھ سے شادی کسی لگاؤ کی وجہ سے نہیں کی تھی۔ آپ کو مجھ سے ایسا کوئی لگاؤ نہیں تھا۔

''مگر اب تو ہے نا، اس سے تو انکار نہیں کر سکتیں۔'' وہ پھیکے سے لہجے میں بولا۔

''مجھے آج آپ ٹال نہیں سکتے۔ پلیز بتائیں نا!'' وہ آج یہ جان ہی لینا چاہتی تھی۔

''اگر تم دیکھ سکتیں بسمہ! تو تم دیکھتیں کہ اس گھر میں میرے ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں جہاں بھی میرا زیادہ سے زیادہ وقت گزرتا ہے۔ میں نے کوئی آئینہ نہیں لگا رکھا۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

''کیا مطلب؟'' بسمہ ناسمجھی سے بولی۔

''آئینے آدمی کو اس کا چہرہ دکھاتے ہیں اور مجھے اپنے چہرے سے نفرت ہے۔''

''روحیل! میں نہیں سمجھی مگر آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔''

''آپ جتنے اچھے ہیں جتنا خوب صورت آپ کا دل ہے۔ میں جانتی ہوں آپ کا چہرہ بھی اتنا ہی خوب صورت ہوگا۔''

''اتنا ہی بدصورت......'' وہ پھٹی ہوئی آواز میں بولا۔

''روحیل کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ سہم کر بولی۔

''میں نے محبت کو گالی دی تھی۔ آپ جس سے محبت کریں وہ آپ کو نہ مل سکے تو کیا اسے برباد کر دینا چاہیے، بولو؟''

وہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔

''نہیں، لیکن میں نے کیا میں نے جس سے محبت کی اس کو برباد کر دیا۔ اور مجھے اپنے اس روپ سے اتنی گھن آئی۔ اتنی نفرت کہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب میں زندگی بھر اپنا چہرہ نہیں دیکھوں گا اور جس کے ساتھ زندگی گزاروں گا وہ بھی میرا چہرہ کبھی نہ دیکھے اس لیے۔'' وہ جیسے بولتے بولتے ہانپ سا گیا۔

''اس لیے آپ نے مجھ سے شادی کی؟'' وہ شاکڈ سے انداز میں بولی۔

''وہ کون تھا روحیل! جس سے آپ کو محبت تھی۔'' اس کا دل جیسے غم سے بوجھل سا ہو گیا۔ جانے یہ کس کا غم تھا اس کا اپنا کہ وہ روحیل کی محبت میں......

اگرچہ وہ یہ بات جانتی تھی مگر خوش فہمی سی تھی دل کو اتنے سالوں سے کہ شاید روحیل نے واقعی اس سے محبت کی ہو یا روحیل کی کھو جانے والی محبت کے دکھ سے جس نے روحیل کے دل کو اتنے سالوں سے مغموم کر رکھا ہے یا اس برباد ہو جانے والی محبت کے غم سے جو جانے کس طرح برباد ہوئی ہو گی اور اب کہاں ہو گی؟

''سو جاؤ، تمہیں تمہارے سوال کا جواب مل گیا ہے نا!'' وہ ایک دم سے بدلا ہوا تھا ار ذرا دیر میں بسمہ نے اس کے کروٹ لینے کی سرسراہٹ سنی۔

✠ ✠ ✠

''آپ سوئیں نہیں ابھی تک؟'' وہ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی ٹھٹک کر رک گیا۔

''کیا مجھے سو جانا چاہیے تھا؟'' فضیلہ جتانے والے انداز میں بولیں۔

وہ شرمندہ سا کھڑا رہ گیا۔

''اس عمر میں نیند آتی کہاں ہے اتنی جلدی، پھر اگر دل مسلسل پشیمانی کے احساس میں گھرا ہو تو نیند کے لیے بستر کی طرف جاتے ہوئے خوف آنے لگتا ہے۔'' وہ دھیمی آواز میں خود کلامی کے سے انداز میں بولیں۔

''یوں نہ کہیں مام!'' وہ ہولے سے بولا۔

''اور وہ خود بھی کون سا سکھی ہے۔'' وہ آہ سی بھر کر بولیں۔

''کئی کئی مہینوں کے بعد تم گھر آتے ہو، پھر سارا سارا دن غائب رہتے ہو اور میں ان اونچی اونچی دیواروں کے درمیان خود کو کس خوفناک طریقے سے جکڑا ہوا محسوس کرتی ہوں شاید تمہیں اندازہ نہیں۔'' وہ آج سب کچھ کہہ دینا چاہتی تھیں۔

''میں تو آپ سے کہتا ہوں آپ میرے ساتھ چلیں۔ یہاں اکیلی رہتی ہیں۔ میں بھی فکر مند رہتا ہوں اور مجھے دو چار مہینوں بعد آنا پڑتا ہے۔''

''تو تم کیوں نہیں آ جاتے؟''

''کیا کروں گا آ کر؟'' وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔

اور وہاں کیا کرتے ہو؟''

''کم از کم فرار تو ہو سکتا ہوں ان سب خوفناک یادوں سے۔'' وہ نڈھال سے انداز میں سر صوفے سے لگا کر بولا۔

''تم میری بات مان کیوں نہیں لیتے بلال!'' وہ عاجزی سے بولیں۔

''نہیں مان سکتا۔'' وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے ہوئے بولا۔

''یوں کب تک تنہا رہو گے؟'' انہیں اس پر بہت ترس آیا۔

''میں تنہا کب ہوں مام!'' وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولا۔

''آپ جو ہیں میرے ساتھ۔''

''کب تک خود کو بہلاتے رہو گے۔ میں تو خود اپنے ساتھ نہیں ہوں، تمہارے ساتھ کیا ہوں گی۔'' وہ دل گرفتگی

سے بولیں۔

دونوں خاموش ہو گئے۔

دونوں کے درمیان کم وبیش روز اسی طرح کی باتیں ہوتی تھیں اور بغیر کسی نتیجے کے ختم ہو جاتی تھیں۔

''میں آج زونی کی طرف گئی تھی؟'' وہ بہت دیر بعد بولیں۔

بلال کے لب بھنچ گئے۔

''تم نے ابھی بھی اسے معاف نہیں کیا نا!'' وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''میری معافی سے کیا ہوگا؟'' وہ سرد لہجے میں بولا۔

''ہاں اسے کیا فرق پڑے گا۔ کون سا اس کا نصیب بدل جائے گا۔'' وہ آہ سی بھر کر بولیں۔

''شہریار! اتنے سالوں میں، میں بھی سمجھ نہیں پائی اور زونی کی محرومی کہ وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ کیا قدرت کی طرف سے ملنے والی یہ سزا کافی نہیں اس کے لیے جو تم بھی...... بھائی ہو کر......''

''مام! میں بہت بار کہہ چکا ہوں میں ان ساری باتوں کو بھول جانا چاہتا ہوں۔ خدا کے لیے بار بار میرے سامنے ان کو نہ دہرایا کریں۔'' وہ ایک دم سے بھڑک اٹھا۔

''میرے پاس دہرانے کے لیے اور ہے ہی کیا۔'' وہ دکھی لہجے میں بولیں۔

''سوری!'' وہ خود ہی ٹھنڈا پڑ گیا۔

''شادی کر لو بلال! میری یہ بات مان لو۔'' کچھ دیر بعد وہ ملتجی لہجے میں بولیں۔

''نہیں مام! پلیز مجھے مجبور نہ کیجیے۔''

''زونی تمہارا پوچھ رہی تھی۔'' وہ ذرا دیر بعد پھر پہلے والی بدمزگی بھول کر بولیں، وہ اسی طرح اب ذرا ذرا سی باتیں یونہی بھلانے لگی تھیں۔

وہ جوان میں خاموش بیٹھا رہ گیا۔

''زونی کہہ رہی تھی اس کا شک درست نکلا۔'' وہ انہیں دیکھنے لگا۔

''شہریار نے دوسری شادی کر رکھی ہے، اسلام آباد میں رکھا ہوا ہے اسے، اس کی ساس کو بھی پتا ہے مگر سب ایسے انجان ہیں جیسے کچھ جانتے نہیں۔''

''مجھے نیند آ رہی ہے۔'' وہ بے زار سا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس بار آپ میرے ساتھ ہی جائیں گی۔'' جاتے ہوئے رک کر بولا۔

''ٹھیک ہے میں بھی اس تنہائی اور اکیلے پن سے لڑتے لڑتے تھک سی گئی ہوں۔'' وہ تھکی ہوئی آواز میں بولیں۔

''آپ واقعی میرے ساتھ چلیں گی نا؟''

''ہاں!'' وہ سر ہلا کر بولیں۔ ''ریٹائرمنٹ کے بعد یوں گھر میں رہنا اور پھر ان تکلیف دہ یادوں کو سوچتے رہنا اب میرے لیے کسی اذیت سے کم نہیں، میں تھک گئی ہوں بلال!'' وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولیں۔

''اسی لیے تو کہتا تھا ہر بار آپ سے کہ چلیں میرے ساتھ۔ یہاں اکیلے رہتے رہتے آپ خدانخواستہ بیمار پڑ جائیں گی۔ آپ کل ہی مجھے پاسپورٹ دیجیے گا۔ میں کل ری نیو کروا لوں گا۔''

''بلال! میرا دل کہتا ہے ایک بار ثانیہ ضرور آئے گی، بچے کو لے کر۔ اگر وہ آئی اور یہاں کوئی بھی نہ ہوا تو......''

''مما! آپ کو ابھی بھی یہ آس ہے چودہ سال ہو گئے ہیں۔ کسی کی واپسی کے لیے کم تو نہیں ہوتے۔ اگر اسے آنا

ہوتا......آپ بھول جائیں اسے۔'' وہ خود پر ضبط کر کے بولا۔
''تم بھول چکے ہو؟'' وہ جتا کر بولیں۔
''جانے وہ کتنا بڑا ہو گیا ہو۔ اگر بیٹا ہوا ہو گا یا بیٹی۔ اور ہماری بد نصیبی دیکھو۔ میرا دل کیسے ترس رہا ہے اسے دیکھنے کو۔ کاش بلال! تم یہ سب فیصلے اتنی جلدی جلدی نہ کرتے تو آج ہم دونوں بیٹھے یوں اکیلے پن کا زہر نہ پی رہے ہوتے۔'' وہ رنج بھرے لہجے میں بولیں۔
''سو جائیں اب۔ بہت رات ہو گئی ہے۔'' وہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

✠ ✠ ✠

ثانیہ نے نماز کے بعد سلام پھیرا اور دعا مانگنے لگی۔
اسی وقت ملازم ہاتھ میں کوریئر کا بڑا سا ڈبہ اور ریسیونگ سلپ لیے ہوئے آیا۔
''بیگم صاحبہ! اس پر دستخط کر دیں۔''
''ماں! کیا ہے؟'' اسی وقت فاطمہ دوڑتی ہوئی کمرے میں آ کر پیکٹ دیکھ کر بولی۔
''عبید کہاں ہے؟'' ثانیہ جائے نماز تہہ لگا کر بولی۔
''گیم کھیلنے گیا ہے کل اس کا میچ ہے نا اسکول میں۔''
''پیکٹ تو کھولیں نا، ماموں نے کیا بھیجا ہے؟'' وہ بے صبری سے بولی۔
''تم دونوں کے گفٹ ہوں گے پاس ہونے کے۔ عمیر مجھ سے کہہ رہا تھا۔'' فاطمہ جلدی جلدی پیکٹ کی پیکنگ کھولنے لگی۔
''واؤ! ماں دیکھیں تو کتنا خوب صورت ڈریس ہے میرا اور بھائی کے لیے کیا ہے؟'' وہ باقی کے پیکٹ کھولنے لگی۔
''تمہارے اسکول کے فنکشن کا کیا بنا؟'' ثانیہ چیزیں دیکھتے ہوئے بولی۔
''اسی ڈیٹ کو ہے آپ آئیں گی نا!''
''کیوں نہیں تمہاری ڈیبیٹ کیسی تیار ہے؟''
''اے ون۔ اس بار بھی دیکھیے گا فرسٹ پرائز میرا ہی ہو گا۔ ماں! آپ کی بیٹی ہوں، ہر سال اینول فنکشن میں سب سے زیادہ پرائز میرے ہی ہوتے ہیں۔ کوئی مجھے beat نہیں کر سکتا۔'' وہ فخر سے کہنے لگی۔
''اونہوں، بری بات یوں نہیں کہتے، یہ سب اللہ کی رحمت اور تمہاری محنت کا نتیجہ ہوتا ہے۔'' ثانیہ نے اسے ٹوکا۔
''پتا ہے وہ میری فرینڈ اروناہے نا اس کی بڑی سسٹر آپ کے کالج میں پڑھتی ہے۔ کل ان کی فرینڈز کا گروپ ہمارے اسکول آیا ہوا تھا ماں! پتا ہے سب کیا کہہ رہی تھیں؟'' وہ ایک دم سے ثانیہ کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔
''فاطمہ! تمہاری ماما جیسا گریس فل شاندار اور اتنے زبردست تالج اکیڈمک کیریر کے ساتھ اتنی عاجزی اور نرم خو انداز......سارے کالج کی آئیڈیل ہیں آپ ماں! سچ مجھے لگا میرا سینہ چھ سات انچ چوڑا ہو گیا ہو یا میرے پنکھ لگ گئے ہوں اتنی خوشی ہوئی کہ بس۔ اور میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکی کہ میری ماں تو میری بھی آئیڈیل ہیں۔'' وہ پرجوش انداز میں کہتی جا رہی تھی اور ثانیہ گم صم سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔
''صرف تمہاری آئیڈیل کیوں، میری ماں صرف میری آئیڈیل ہیں۔ سمجھیں تم......'' عبید ہاتھ میں اسکواش کا

ریکٹ لیے اندر آ گیا اور فوراً ہی ثانیہ کی کندھے پر اپنا سر رکھ کر محبت سے بولا۔

''تمہارا تعلق تو مجھے کسی لینڈ مافیا سے لگتا ہے۔ فیڈہ گروپ۔'' وہ اسے منہ چڑا کر بولی۔

''خبردار جو میری اتنی پیاری ماں کو لینڈ کہا ہو تو......'' وہ بے اختیار ثانیہ سے لپٹ کر بولا۔

''ہٹو نا، کیا چاپلوسی کرنے لگے ہو تم دونوں۔'' وہ ایک دم تندی سے بولی۔ دونوں پل بھر کو خاموش سے رہ گئے۔

''آپ کو اچھا نہیں لگا؟'' فاطمہ تو جیسے اس کی نبض شناس تھی۔

''یہ بات نہیں بیٹا! لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ کوئی آئیڈیل نہیں ہوتا، آئیڈیل تو ہمارے لیے خدا نے ایک ہی ہستی کو پیدا کیا ہے، اس کی سنت اس کے اسوہ پہ چلنا ہی سب سے بڑا آئیڈیل اور فخر کے لائق بات ہے۔ اس کے علاوہ انسانوں کو ان کی معمولی خوبیوں کی بنا پر آئیڈیل بنا لینا، ہمیشہ سے خسارے کا سودا ہے اور رہے گا۔ تم کبھی یہ حماقت نہ کرنا۔''

اس کے لہجے میں بہت سے دکھ گھل رہے تھے جیسے کوئی کانچ تڑختا ہے۔

''کیسی حماقت ماں؟'' دونوں ماں کے اس انداز کو پہلی بار دیکھ رہے تھے۔

''آئیڈیل جب ٹوٹتے ہیں تو بہت دکھ دیتے ہیں۔ ایسے دکھ جو کبھی کبھی روگ بن جایا کرتے ہیں اور میرے بچو! میری تو پل پل تم دونوں کے لیے یہی دعا ہے تمہیں کبھی کوئی ایسا روگ نہ لگے۔''

''ایک بات پوچھوں ماں؟'' عبید ہولے سے بولا۔

''نانی ہمیں بتایا کرتی تھیں ہمارے بابا نے آپ کو چھوڑ دیا تھا۔ کیوں؟ اس کا جواب انہوں نے کبھی ہمیں نہیں دیا، آپ سے کبھی اس لیے نہیں پوچھا کہ آپ ہرٹ ہوں گی لیکن ماں! آج کل یہ سوال میرے فرینڈز جب اپنے فادرز کی باتیں کرتے ہیں اپنے رشتہ داروں کی اپنے قریبی عزیزوں کی۔ تو ماں! میری فیلنگز بہت عجیب سی ہوتی ہیں۔ بہت دن سوچا مگر آپ سے پوچھ نہیں پایا۔ مگر آج...... ماں! ہمارے بابا کون تھے۔ کیوں کیا انہوں نے آپ کے ساتھ ایسے؟''

وہ دونوں اس سے اتنے سارے سوال اتنی جلدی پوچھ لیں گے یہ تو ثانیہ نے سوچا بھی نہیں تھا۔

جب تک خدیجہ زندہ تھیں اسے اس طرح کے مسائل سے دور ہی رکھا۔ دونوں جیسے زیادہ تر ان کے پاس رہتے اور ثانیہ اپنی تعلیم مکمل کرتی رہی۔ شروع کے کچھ سال عمیر نے ان کی کفالت کی اور اب بہت سالوں سے وہ خود اپنا سب کچھ کر رہی تھی، مگر اس سب کچھ میں ظاہر ہے ان کا باپ تو نہیں تھا۔ یہ رشتے ایسے تو نہیں ہوتے کہ خود کفیل ہونے کے بعد انہیں بازار سے خرید کر لایا جا سکے یا ان کے خلا کو پُر کیا جا سکے۔ ثانیہ کو ان سوالوں کا دھڑکا تو تھا مگر اتنی جلدی......

وہ خاموش نظروں سے عبید کے متنفر چہرے کو دیکھتی رہی۔

''ماں! بتائیں نا!'' فاطمہ اس کی اتنی لمبی چپ پہ بولی۔

''ابھی یہ سب جاننے کے لیے تم دونوں چھوٹے ہو، جب میں ضروری سمجھوں گی تم دونوں کو خود سے سب کچھ بتا دوں گی لیکن اس دوران اب تم بار بار مجھ سے یہ سوال نہیں کرو گے اور نہ اپنی اسٹڈیز کو متاثر نہیں ہونے دو گے۔ وعدہ کرو۔''

دونوں نے کچھ بے بسی سے اسے دیکھا اور سر ہلا دیئے۔

''میں کھانا لگا رہی ہوں۔ آ جاؤ جلدی سے۔ تمہارے زبیر ماموں بھی آ چکے ہیں آفس سے۔'' وہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

✠ ✠ ✠

''مجھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ دو دن سے بخار تھا، جانا ایسا کون سا ضروری ہے۔ آپ ان لوگوں کو

کال کر کے منع کر دیں۔'' بلال فضیلہ کو تیار ہوتے دیکھ کر کچھ جھنجلا کر بولا۔

''نہیں بیٹا! وعدہ تو میں نے کئی دن پہلے سے کر رکھا تھا۔ اب عین وقت پر منع کر دوں تو کتنا برا لگے گا۔'' وہ کمزور آواز میں بولیں۔

''ایسا کون سا ضروری فنکشن ہے ایک معمولی فنکشن ہی تو ہے پھر سفر بھی ہے، آپ کر سکیں گی۔''

''ڈیڑھ گھنٹے کا رستہ ہے اور وہاں جا کر مجھے کیا کرنا ہے۔ تھوڑی دیر کی تو بات ہے۔ اب میں انہیں منع نہیں کر سکتی۔''

''بہت ضدی ہیں مام آپ! ڈاکٹر نے آپ کو منع کیا ہے ابھی ٹریولنگ سے۔''

''میں نے ڈاکٹر سے فون پر بات کر لی تھی۔ اتنے سفر کی انہوں نے اجازت دے دی ہے۔ تم فکر نہیں کرو۔ بہت ڈھیٹ جان ہوں۔ کچھ نہیں ہوتا مجھے۔''

''پھر وہی باتیں کرنے لگی ہیں آپ۔'' بلال تاسف سے بولا۔

''بس معلوم نہیں، آج کل دل ایسا بے چین سا کیوں ہے۔ جیسے کچھ ہونے والا ہے۔'' وہ کھوئی کھوئی سی بولیں۔

''اسی لیے تو منع کر رہا ہوں مت جائیں۔''

''یہ بات نہیں۔ چلو تم ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔ میری واپسی شام سے پہلے ہو جائے گی ان شاءاللہ۔'' وہ اپنا بیگ اٹھا کر بولیں۔

''پھر ڈرائیور کو رہنے دیں۔ میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں ورنہ پیچھے مجھے آپ کی فکر ہی رہے گی۔ مجھے صرف دس منٹ دیں، میں چینج کر کے آتا ہوں۔'' وہ جاتے ہوئے بولا۔

''خدا نے مجھے کتنی محبت کرنے والا بیٹا دیا۔ اور میں نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ اس کو اکیلے دیکھ کر میرے دل کے کتنے ٹکڑے ہوتے ہیں، میں کس کو بتاؤں۔'' وہ افسردہ سی بلال کو جاتا دیکھ کر سوچنے لگیں۔

اسکول کا فنکشن عروج پہ تھا۔

کھیلوں اور تقریروں کے مقابلوں کے بعد اب سال بھر میں مختلف کلاسز میں بہترین پوزیشنز لینے والوں کو انعامات اور شیلڈز، سرٹیفکیٹ دیے جا رہے تھے۔

وہ ذہین، ایکٹو اور اتنے پیارے چہرے والی بچی تھی کہ پہلی نظر دیکھتے ہی فضیلہ کو بے اختیار ثانیہ کی یاد آ گئی تھی۔ وہ ہر شعبے میں اول پوزیشن پر تھی۔

اور ہر شیلڈ اور انعام کو دیتے ہوئے وہ بار بار ثانیہ کو سوچے جا رہی تھیں۔

''اور اس سال ایٹتھ اسٹینڈرڈ کی فرسٹ پوزیشن ہولڈر ہیں فاطمہ بلال۔'' اور پہلی بار فضیلہ مبشر کے ہاتھ میں تھما کپ لرز کر رہ گیا۔

پہلے اناؤنسمنٹ صرف فاطمہ کی، کی جا رہی تھی مگر اس بار فاطمہ بلال کے نام پر ان کا دل لمحہ بھر کے لیے جیسے دھڑکنا بھول سا گیا۔

''اور ہم دعوت دیں گے فاطمہ بلال کی قابل فخر، قابل تقلید مدر ثانیہ بلال کو وہ اسٹیج پر آ کر اپنے خیالات کا اظہار کریں کہ بیٹی کی اتنی شان دار کامیابی پر ان کے تاثرات کیا ہیں۔''

اور فضیلہ بے اختیار سہارا لینے کو پاس کھڑی تمتماتا چہرہ لیے فاطمہ کی طرف جھک سی گئیں۔

''میم آر یو آل رائٹ؟'' آرگنائزر تشویش سے انہیں تھام کر بولیں۔

مگر وہ تو کچھ بھی نہیں سن رہی تھیں، ان کی نظریں تو کہیں اور تھیں۔
لائٹ پنک کاٹن کے سادہ سوٹ میں دوپٹہ اوڑھے وہ سج سج قدم اٹھاتی بڑے اعتماد سے ان کی طرف آ رہی تھی۔
''مجھے خوشی ہے کہ میری بیٹی فاطمہ بلال نے ہر سال کی طرح اس بار بھی میرا سر فخر سے اونچا کر دیا۔ اس کی محبت۔ تابعداری اور سعادت مندی کے ساتھ اس کی مسلسل کامیابی کسی بھی ماں کے لیے کسی تمغے سے کم نہیں۔
لیکن میری خوشی دوگنا آج اس لیے ہو رہی ہے کہ میری بیٹی کو انعام دینے والے ہاتھ وہ ہیں جنہوں نے سالوں پہلے کئی بار مجھے کپ اور شیلڈز دیے۔ آج میری بیٹی اس قد آور شخصیت سے انعام وصول کر رہی ہے، اس لمحے خدا کے سامنے سوائے شکر کے اور کچھ نہیں کہنا کہ اس نے مجھے سرخرو کر دیا۔ بہت شکریہ۔''
وہ اسی اعتماد اور بھروسے سے لفظ لفظ بولتی چلی گئی جس بھروسے اور اعتماد سے وہ سالوں پہلے اسٹیج لوٹ لیا کرتی تھی اور ججز چاہتے اور نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیشہ فرسٹ پرائز ثانیہ کو ہی دینے پر مجبور ہو جایا کرتے تھے۔
وہ آج بھی ان کے سامنے اس اعتماد سے بول گئی تھی اور وہ اپنی خجالت جو سالوں پہ محیط شرمندگی اور پچھتاوے میں جکڑی تھی۔ ایک لفظ بھی نہیں بول سکیں۔
اور مہمانوں کی لائن میں ساتویں کرسی پر بیٹھے بلال کے جسم میں تو جیسے خون کی گردش تک تھم گئی تھی۔
وہ یک ٹک کسی پتھر کی طرح اس انہونے منظر کو دیکھے جا رہا تھا۔
سب کچھ کسی خواب کی طرح تھا۔
وہ اتنی پاس تھی اور اتنی دور بے زاری اور کوفت ......اور وہ فاطمہ بلال......اس سے پہلے وہ کس بے زاری اور کوفت کے عالم میں خود کو کوس رہا تھا کہ اس نے فضیلہ کے ساتھ آنے کی ہامی کیوں بھری۔ مدت ہوئی اس طرح کی محافل اور مشاغل سے دور بھاگتا رہا تھا مگر آج......اس فاطمہ بلال میں کچھ خاص تھا جس نے بار بار اس کی بے زاری کے خول کو توڑ کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔
''فاطمہ بلال......ثانیہ کی بیٹی اور میری۔'' اس کی پیشانی پسینے سے تر ہو گئی۔

✠ ✠ ✠

''آپ گھر کیوں واپس آ گئیں؟'' وہ گھر میں داخل ہوتے ہی جھنجلا کر بولا۔
''کیونکہ ہم اس پر کوئی حق نہیں جتا سکتے۔ میں اس کے سامنے کھڑی نہیں ہو سکی تو کوئی تقاضا کرنے اس کے گھر کیسے جاتی۔''
فضیلہ تھکے ہوئے لہجے میں نڈھال سی ہو کر بولیں۔
تھوڑی دیر میں جیسے وہ صدیوں کا فاصلہ طے کر آئی تھیں۔
''کیا اس طرح واپس آ کر آپ کو سکون مل جائے گا؟'' وہ مضطرب انداز میں بولا۔
''نہیں۔'' وہ آنکھیں بند کر کے بولیں۔
''پھر مام؟'' وہ بری طرح سے بے چین تھا۔
''ذرا خود میں حوصلہ تو پیدا کر لوں۔ ہاتھ جوڑ کر کبھی کسی سے معافی نہیں مانگی لیکن گزرے سالوں میں سوچ لیا تھا کہ ثانیہ مجھے جب بھی ملی میں اس سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگوں گی۔ اس میں بھی تم میری خود غرضی سمجھ لو کہ شاید اس طرح میری زندگی کو خدا سے معافی مل سکے اور ہماری انا کے بت......'' وہ ہانپنے لگیں۔

''اتنے توانا اور قد آور ہیں کہ کسی کو دکھ دے کر، اذیت پہنچا کر تو ان کا قد بڑھتا ہے مگر جھک کر معافی مانگنے میں...... بلال! مجھ میں حوصلہ نہیں اس کے سامنے جانے کا...... کس منہ سے جاؤں کیا کہوں؟''

بلال گم صم سا اپنی ماں کو دیکھے گیا۔

کیا اس میں حوصلہ تھا اس کا سامنا کرنے کا؟''

''لیکن مام...... ! فاطمہ...... میں خود پر بند نہیں باندھ سکوں گا۔'' ذرا دیر بعد وہ پھر بے چینی سے بولا۔

''اس پیاری صورت نے تو مجھے حوصلہ دیا ہے کہ میں ثانیہ کے سامنے ہاتھ بھی جوڑ سکوں گی۔ ایک بار اسے گلے لگا کر پیار کرلوں جس کے خیال نے مجھے راتوں کو جگایا ہے۔ وہ میری پوتی میرے بلال کی بیٹی...... بلال! دیکھا تم نے، کتنی ذہین کتنی ایکٹو ہے ہماری فاطمہ، بالکل ثانیہ کی کاپی...... میں اسے دیکھتے ہی جیسے مبہوت سی رہ گئی تھی جیسے ثانیہ میرے سامنے آ کھڑی ہوئی ہو۔'' وہ پرجوش انداز میں بولیں۔

''چلو بلال! ابھی چلتے ہیں۔ اب مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔ میں ثانیہ سے معافی بھی مانگ لوں گی مگر ایک وعدہ کرو تم مجھ سے؟''

''کون سا وعدہ!''

''تم اب ثانیہ کو دکھ دینے والی کوئی بات نہیں کرو گے۔''

''کیا مطلب کون سی بات؟''

''فاطمہ کو اس سے الگ کرنے کی بات، جس طرح اس نے اکیلے اسے پالا ہے اب اگر ہم دونوں اس پر حق جتائیں جو پہلے ہی ہماری وجہ سے اتنی تکلیفیں جھیل چکی ہے اب اور نہیں بلال!''

وہ خاموش ماں کو دیکھتا رہ گیا۔

''تمہیں معلوم ہے جب تم نے اسے طلاق دی تو میں پوری تین راتیں نہیں سوئی تھی۔ میں سلیپنگ پلز لیتی میرا دماغ سوجاتا مگر میری آنکھیں چوپٹ کھلی رہتیں اور ان میں ثانیہ کی شبیہ...... مجھ سے سوال کرتی میڈم! آپ تو میری آئیڈیل تھیں۔ آپ نے بھی بلال کو نہیں روکا۔'' وہ ایک دم سے رونے لگیں۔

''پلیز مام!'' وہ ایک دم سے اٹھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''مت روئیں...... کیا صرف آپ نادم ہیں۔ اتنے سالوں سے میرے ضمیر نے جس طرح مجھے گھائل کیا ہے کاش! میں آپ کو اپنے زخم دکھا سکتا، صرف آپ کو مزید دکھ اور تاسف سے بچانے کے لیے مام! میں بے حس بنا پھرتا رہا ورنہ میرا دل۔'' وہ ان کی گود میں سر رکھ کر سسکنے لگا۔

''اور مام! آپ کی شرمندگی کو میں زائل تو نہیں کرسکتا مگر تھوڑا کم ضرور کرسکتا ہوں۔'' ذرا دیر بعد وہ سر اٹھا کر بولا۔

''میں نے...... ثانیہ کو طلاق نہیں دی تھی۔'' بلال نے جیسے ان کے عین سر کے اوپر بم پھوڑا تھا۔

''بلال! تم مذاق کر رہے ہو میرے ساتھ؟ جانتے ہو میرا دل......'' انہوں نے بے ساختہ دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ کر زرد رنگت کے ساتھ کہا۔

''آج ہی تو سچ بول رہا ہوں۔'' وہ نڈھال لہجے میں بولا۔

''اسی لمحے جب میں جذباتیت کے طوفان میں پاگل ہو رہا تھا کہ اگر میرے ہاتھ میں پستول ہوتا تو شاید میں ان دونوں کو شوٹ کر دیتا...... مام! میں نے ابھی صرف یہ الفاظ بولے ثانیہ میں تمہیں طلاق......''

''اور پتا ہے کیا ہوا؟'' وہ ڈرامائی انداز میں رک گیا۔

''ایک دم سے کسی شخص نے میرے کندھے پہ زور سے ہاتھ کا دباؤ ڈالا کہ میں اگلا لفظ بول ہی نہیں سکا۔
''ابھی آپ غصے اور جذبات میں ہیں، ابھی آپ کچھ سمجھ نہیں سکتے کہ آپ کیا بول رہے ہیں اور یہ طلاق حلال کاموں میں سے خدا کی ناپسندیدہ ترین شے ہے۔ یہ پبلک پوائنٹ ہے...... خود کو اور انہیں تماشا نہ بنائیں۔ گھر جا کر ٹھنڈے دل سے بہت بار ضرور سوچیں پھر جو آپ کا دل فیصلہ کرے اسے مہذب انداز میں جیسے ہمیں شریعت کہتی ہے اس طرح سے فیصلہ کیجیے۔''

ٹھہر ٹھہر کر بولتا وہ شخص جانے مام! وہ کون تھا کوئی انسان یا فرشتہ۔
اور میں تو جیسے گنگ سا ہو گیا وہ اتنا کہہ کر چلا گیا۔ ثانیہ اور روحیل وہاں سے کب گئے۔ مجھے نہیں پتا اور بس وہ دوبارہ مجھے نہیں ملے۔''

''اور زونیرا نے جو کہا کہ تم نے اسے طلاق......'' وہ ششدر سے لہجے میں بولیں۔
''آپ کو ابھی بھی زونیرا کی باتوں کا یقین ہے۔ کس طرح اس نے یہ سب پلان کیا اور اس کی اس بات کی تردید میں نے اس لیے نہ کی کہ میں شدید غصے میں تھا۔ اگر ثانیہ میرے سامنے آ بھی جاتی تو بھی مام! میں اسے طلاق ہی دیتا مگر...... پھر بیچ میں اتنے سارے سال آ گئے اور زونی نے بعد میں جس طرح سے خود اقرار کیا۔ اس کے بعد میرا دل مکمل طور پر تو نہیں کافی حد تک ثانیہ کی طرف سے صاف ہو گیا، پھر ایک بار روحیل مجھ سے ملا۔ اس کی اندھی بیوی اس کے ساتھ تھی اور وہ جس طرح اس کے ساتھ انوالو تھا۔ مجھے لگا بس قسمت نے مجھے ہی برباد کرنا تھا، جو یہ سب کچھ ہوا۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں سر جکڑ کر بیٹھ گیا۔

''آپ شرمندہ ہیں تو کیا میں اس کا سامنا کر سکتا ہوں، کبھی نہیں۔''

✠ ✠ ✠
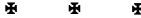
''ماں! آپ نے کبھی بتایا نہیں کہ وہ میڈم فضیلہ مبشر آپ کی پرنسپل بھی رہ چکی ہیں اور آپ اسی طرح سے پوزیشن ہولڈر بھی رہ چکی ہیں ایک بات کی مجھے حیرت ہوئی ماں!'' فاطمہ اس کے ساتھ ہی لیٹی تھی۔
''آپ نے ان کے بارے میں اتنا کچھ کہا اور وہ کچھ بولیں ہی نہیں آپ کے بارے میں؟''
''اچھا چھوڑ دان باتوں کو، دیکھو، شہناز کچن میں کیا کر رہی ہے۔ اسے کہنا آج کھانا ذرا زیادہ بنا لے اور تم ذرا اٹھ کر گھر کی حالت تو درست کر لو۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔
''کوئی آ رہا ہے ماں؟'' وہ کچھ حیرانی سے بولی۔
''آ بھی سکتا ہے۔ اٹھ جاؤ تم اب۔'' وہ کہہ کر خود بھی باہر نکل گئی۔
شام سے دل کو کسی پل چین نہیں تھا۔ وہ فنکشن کے شروع ہی میں فضیلہ مبشر اور بلال دونوں کو دیکھ چکی تھی۔
ٹھیک ایک ایسا سوچا ہوا منظر جوان پچھلے سالوں میں اس کے دماغ نے کئی بار سوچا تھا اگر وہ زندگی میں دوبارہ کبھی ان سے ملے تو کس طرح اور ہر بار اسے فاطمہ اور عبید ہی وسیلہ بنتے نظر آتے۔
خدیجہ نے اپنی زندگی میں کئی بار کوشش کی کہ وہ دوبارہ ان سے رابطہ کریں مگر ثانیہ نے سختی سے منع کر دیا۔
''ہوٹل سے وہ جس جذباتی ٹوٹ پھوٹ کر شکار ہو کر نکلی تھی کسی بھی حادثے کا ہو جانا ناممکن نہیں تھا۔ مگر جانے کیسے وہ رباب کے گھر پہنچ گئی۔
دو دن وہ شدید بخار کی حالت میں پھنکتی رہی۔

اس نے رباب کو قسمیں دے کر منع کیا کہ ان لوگوں کو بالکل نہ بتائے۔
خدیجہ کو فون کر کے اس نے وہیں بلوایا جو بیٹی کی حالت دیکھ کر فضیلہ کو ٹھیک ٹھاک سنانا چاہتی تھیں مگر ثانیہ نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔
پھر دونوں ملتان چلی آئیں۔
بہت دنوں بعد فضیلہ کا فون آیا تو خدیجہ نے صاف انکار کر دیا کہ ثانیہ ان کی طرف آئی ہے۔
اور پھر دن گزرتے چلے گئے۔ وہ ان پتھر دل لوگوں کو بھلا کر زندگی کو ایک چیلنج سمجھ کر گزارنے لگی۔
دونوں بچوں کی پیدائش اور پھر پرائیویٹ حصول تعلیم کا سلسلہ...... اتنی مصروفیت کہ اسے ان آبلہ پا لمحوں کے بارے میں سوچنے کا ٹائم ہی نہیں ملتا تھا مگر آج...... آج تو جیسے زخموں کے ٹانکے ادھڑ گئے تھے۔ وہ برآمدے میں اندھیرے میں کھڑی ان اذیت ناک لمحوں کو یاد کر رہی تھی جب گیٹ پر کسی گاڑی کی لائٹیں چمکیں۔
''تو آ گئے بلال آپ! اس امید پر کہ میں آپ کو معاف کر دوں گی۔ ہرگز نہیں۔ اب مجھے تمہاری ضرورت نہیں، جب ضرورت تھی تم نے کس طرح دوسروں کے کہنے میں آ کر مجھے رسوا کیا تو اب کیوں؟''
وہ تیزی سے اندر چلی گئی۔ باہر مسلسل گاڑی کا ہارن بج رہا تھا۔

✠ ✠ ✠

فاطمہ اور عبید کے لیے یہ کتنے حیران کن لمحے تھے۔ مگر اس سے بھی زیادہ وہ بلال اور فضیلہ کے لیے تھے۔
فاطمہ کے ساتھ بیٹھے معصوم صورت نکلتے قد والے چھوٹے بلال کو دیکھ کر دونوں ششدر رہ گئے۔
ایک ناقابل یقین حقیقت اور فضیلہ تو دونوں کو دیوانہ وار چومتے ہوئے بس روئے جا رہی تھیں۔
''اللہ نے مجھے اتنی پیاری نعمتیں دیں۔ ایسے گہر، ایسے لعل اور میں بدنصیب تنہائیوں میں دیواروں سے ٹکریں مارتی رہی۔ میرے بچے، میری جان!'' وہ تو بالکل جیسے اپنے حواسوں میں نہیں تھیں۔
ثانیہ بے تاثر چہرہ لیے ملازمہ کے ساتھ کھانا لگوا رہی تھی۔
بلال صوفے پر بیٹھا صرف اسی کو دیکھے جا رہا تھا۔
''بلال! ادھر تو آؤ، دیکھو ان دونوں کو، تمہیں یاد ہے نا۔ تمہارے وہ اسکول ڈیز کی تصویریں۔ بالکل اتنا ہی قد تھا تمہارا۔ یہی صورت، ایسی آنکھیں، وہی چہرہ۔ میرے اللہ! میں کیسے تیرا شکر ادا کروں مجھ گناہ گار کو......''
وہ ایک دم سے دونوں کو چھوڑ کر ثانیہ کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔
''ثانیہ! میں جانتی ہوں، میں معافی کے قابل نہیں اور مجھے مانگنی بھی نہیں چاہیے مگر ان دونوں کے لیے اگر تم کہو تو میں تمہارے پیر بھی پکڑ سکتی ہوں۔ مجھے معاف کر دو گی نا تم؟'' ان کے لہجے میں کیسی حسرت، کیسی التجا سی تھی۔
ثانیہ جو پتھر دل کیے فیصلہ کیے ہوئے تھی کہ کسی صورت نہیں ان لوگوں سے کوئی بات نہیں کرنی جیسے ان کے سامنے موم کی طرح پگھل کر رہ گئی۔
''آپ تو ایسی باتیں نہیں کریں۔'' وہ بمشکل کہہ سکی۔
''مجھے ہی تو یہ سب کہنا ہے۔ میرا ہی تو سارا قصور تھا۔ میں ہی تو سزاوار ہوں۔ اونچے بول پڑھانے والی کی دکان پر کیسا گھٹیا سودا، میں تمہارے سامنے تو شرمندہ ہوں ہی، اپنے خدا کے سامنے بھی نہیں کھڑی ہو سکتی۔ مجھے معاف کر دو۔'' وہ بے اختیار ہاتھ جوڑ کر بولیں۔

''یوں نہ کریں پلیز، میں کسی کو کیا معاف کروں گی۔ میں تو خود...... کھانا لگا دیا ہے میں نے۔ پلیز آ جائیں۔'' وہ مڑ کر جانے لگی۔

''ثانیہ! یوں نہیں کرو میرے ساتھ۔ میرا دل تو پہلے ہی اس شرمندگی اور پچھتاوے سے ختم ہو چکا ہے۔ اگر تم بھی منہ پھیر کر چل دو گی، مجھے معاف نہ کیا تو......'' وہ گڑگڑا کر بولیں۔

''میں نے آپ کو معاف کیا۔'' وہ خاموشی کے ایک لمبے وقفے کے بعد آہستگی سے بولی اور اندر چلی گئی۔

''مام! کا حوصلہ بہت بڑا ہے مگر میں بہت کمزور ہوں۔ اور شاید انا پرست بھی اپنے بچوں کے سامنے، اپنی ماں کے سامنے، کس طرح تمہارے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا۔ شاید میری مردانگی میری انا کو چوٹ لگتی مگر یقین جانو ثانیہ! میں خود کو معاف نہیں کر سکتا، جب تک میں سب کے سامنے تم سے ہاتھ جوڑ کر معافی نہ مانگ لوں جس طرح میں نے تمہیں سب کے بیچ رسوا کیا اسی طرح تمہیں سرخرو بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔'' اندھیرے میں صرف بلال کی آواز تھی۔

''آپ کیا چاہتے ہیں مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں اور آپ مجھے کیا سرخرو کریں گے۔ میرا خدا مجھے سرخرو کرنے والا ہے۔ میرا دامن کل بھی صاف تھا۔ آج بھی مجھے کوئی ندامت ہے نہ پچھتاوا۔

اور آپ شاید بھول گئے ہیں جب بیچ میں اتنے سال آ جائیں تو پھر جدائی خلیج بن جایا کرتی ہے جسے صرف معافی نہیں پاٹ سکتی۔

بچے آپ کے ہیں۔ آپ جب چاہیں ان سے ملنے آ سکتے ہیں۔'' وہ کہہ کر تیزی سے اندر جانے لگی۔

''ثانی! میرا قصور بڑا ہے مگر میں جانتا ہوں تمہارا دل میرے قصور سے بھی زیادہ بڑا ہے پلیز اب اور نہیں۔ یہ جدائی نہ خلیج ہے نہ پہاڑ۔ جس طرح میرے جذبوں نے تمہیں پہلے جیتا تھا۔ آج بھی تمہارے دل......''

''بس کر دیں۔ آپ کے خیال میں، میں ابھی بھی وہی احمق ثانیہ ہوں پھر آپ کے چند جذباتی مکالموں اور جھوٹے وعدوں کے لچھوں میں......''

''کوئی جھوٹا وعدہ نہیں کیا میں نے۔ تم سے کیے ہر وعدے کو نبھایا مگر میری قسمت...... کاش!''

''آپ رات رکنا چاہتے ہیں تو رک جائیں مگر......''

کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گئی اور بلال بے بس سا کھڑا رہ گیا۔

✠ ✠ ✠

آنے والی رات اس کی زندگی میں پہلے آنے والی بہت سی مشکل راتوں سے بھی دشوار تھی۔ اس نے پہلے کبھی اس بات کو نہیں سوچا تھا کہ اگر بلال پھر سے اس کے راستے میں آ کھڑا ہو گا اور وہ بھی اس شرمندگی کے ساتھ تو وہ کیا فیصلہ کرے گی؟

اور آج ان لمحوں میں اسے لگ رہا تھا یہ دل تو کبھی اس بے وفا کے خلاف ہوا ہی نہیں۔ یوں جیسے وہ بہت پہلے سے منتظر تھا کہ وہ آ جائے گا اور سب کچھ پہلے جیسا......

''پہلے جیسا......'' اس کے دل سے سسکی سی نکلی۔ بیتے دنوں کا خیال ایک کانٹا تھا جو اس کے دل میں گڑا تھا ایک درد مسلسل!

''ماں! آپ نے ہم سے کیوں چھپایا؟ ہماری دادی ایک عظیم درسگاہ کی پرنسپل رہ چکی ہیں۔ ایک شاندار عورت اور ہمارا بابا...... ماں آپ دونوں کی جوڑی تو اتنی ہینڈسم اتنی خوب صورت میرے سارے فرینڈز جیلس ہو جائیں گے۔''

وہ دونوں باپ اور دادی کو دیکھ کر جس طرح سے بے سکنڈ ہوئے تھے اور انہیں دیکھتے ہی جس طرح توقعات انہوں نے فوراً باندھ لی تھیں۔ کیا وہ کوئی منفی فیصلہ کرتے تھے۔

''ہماری دادی ایک عظیم درسگاہ'' یہ جملہ بے ساختہ تھا جو فاطمہ کے منہ سے بے اختیار ہی نکلا تھا۔ کیا مجھے اس عظیم درسگاہ کا بھید کھولنا چاہیے، اس چور چور ہوئے آئینے کے پیچھے جو چہرہ میں نے دیکھا۔

نہیں کبھی نہیں۔ میرے بچے بھی عمروں میں ہی شکست کرنا سیکھ جائیں گے۔ زندگی کے سارے اچھے روشن رنگوں سے بدگمان ہو جائیں گے۔ ہر اچھے چہرے کے پیچھے یہ کوئی بدہیبت تلاشیں گے...... وہ کبھی اچھا اور مثبت نہیں سوچ سکیں گے اور آج کے بعد یہ دونوں بھی کسی کو آئیڈیل نہیں بنا سکیں گے۔ اگر دادی اور بابا جیسے چہرے بھی اندر سے بدنما نکلے تو''

سوچ کا ایک نیا در اس کے اندر کھلا تھا۔

''یہ دونوں ابھی تربیت کے کچے دور میں ہیں۔ میرے غصے اور نفرت کی تیز بھڑکیلی آگ ان رشتوں کو تو ختم کرے گی ان کی شکلیں بھی مسخ کر دے گی۔'' وہ بری طرح سے بے چین ہو گئی تھی۔

''اب دادی ہمارے پاس رہیں گی نا ماں! اور بابا بھی؟'' فاطمہ تو فی الفور ہر اقرار چاہتی تھی جیسے بیچ کے سال آئے ہی نہیں تھے۔

''پاگل! ہم ان کے ساتھ جا کر رہیں گے۔ ہے ناماں!'' عبید عقل مندی سے بولا۔

''تو پہلے کیوں نہیں رہتے تھے؟'' فاطمہ پرسوچ نظروں سے ماں کو دیکھ کر بولی۔

''ماں! یہ دونوں آپ سے کیوں ناراض تھے؟'' اور ثانیہ لاجواب سی ہو گئی۔

''کاش یہ سامنا چند سال بعد ہوتا یا چند سال پہلے تو شاید ان دونوں کو ہینڈل کرنا اتنا مشکل نہ ہوتا۔''

اس کا اپنا غصہ، نفرت کہیں بہہ سے گئے تھے۔ اب ساری فکر صرف ان کے بارے میں تھی۔

''یا اللہ! میں کس دوراہے پر آ گئی ہوں؟'' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''مجھے کچھ ٹائم چاہیے۔'' بلال کے چوتھی بار آنے پر وہ سنجیدگی سے بولی۔

''کتنا ٹائم؟'' وہ بے صبری سے بولا۔

''مجھے نہیں پتا لیکن اتنی جلدی نہیں۔'' وہ عجیب الجھن میں تھی۔

''میں جانتا تھا۔'' وہ گہرا سانس لے کر بولا۔

''یہ فیصلہ یقیناً آسان نہیں اور میں تمہارے ساتھ زبردستی کرنا بھی نہیں چاہتا۔ پہلے بھی زبردستی کر چکا اور نتیجہ...... یہ بہتر ہے تم سوچ لو، اس بار فیصلہ تم کرو گی اور مجھے سر جھکانا ہو گا۔''

''خواہ یہ فیصلہ الگ ہو جانے کا ہی کیوں نہ ہو؟'' وہ جلدی سے بولی۔

''مجھے یقین ہے تم ایسا فیصلہ نہیں کرو گی۔'' وہ یقین سے بولا۔

وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

''وہ جدائی تو شاید ہماری قسمت میں لکھی تھی۔ اسے تو ہم دونوں نہیں مٹا سکتے تھے مگر آئندہ اگر ایسا کچھ ہوتا ہوا بھی تو مجھے یقین ہے ہمارے بچے یہ نہیں ہونے دیں گے۔

اور ابھی تو مجھے تمہارا شکریہ...... لیکن کس کس بات کا کروں گا۔ یہ خوب صورت تحفے، تحفہ تو تم بھی تھیں اور میں قدر نہ کر سکا۔ لیکن ایسا ہر بار تو نہیں ہوتا۔ اگر ان سالوں میں تم نے بہت کچھ سیکھا ہے، سب ہے، تو ثانیہ! میں نے بھی بہت کچھ برداشت کیا ہے۔ خود اپنے آپ سے نفرت بھی کی ہے کہ میرا اصلی چہرہ کتنا شرمناک تھا کہ میں نے دوسروں کی آنکھوں سے

دیکھا اور دوسروں کے کانوں سے سنا، مجھے اپنی محبت پر، خود پر بھروسا نہیں تھا۔'' وہ پرملال لہجے میں بول رہا تھا۔

''تم نے اگر وقت مانگا ہے تو اس وقت کی ضرورت تو مجھے بھی ہے شاید تھوڑی سی مہلت ہمیں ایک دوسرے کے اور قریب لے آئے۔'' وہ گہری نظروں سے اسے دیکھ کر بولا۔

ثانیہ نے نظریں جھکا لیں۔

''میں بچوں کو گھر لے کر جا رہا ہوں، مما نے بلوایا ہے۔ انہیں اپنا گھر تو دیکھنا چاہیے۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟''

اور وہ انکار نہ کر سکی۔

بلال ان دونوں کو لے کر چلا گیا اور وہ برآمدے میں کھڑی دیکھتی رہی۔

ابھی اسے اپنے اندر بہت سا حوصلہ پیدا کرنا تھا۔ ایک بار پھر پچھلی زندگی میں واپس جانے کے لیے...... لوگوں کی زندگی آگے چلتی ہے، اس کی زندگی پیچھے جانا چاہ رہی تھی۔ یہ اتنا آسان نہیں تھا مگر وہ جانتی تھی اسے یہ کرنا ہی ہوگا۔ اپنے لیے نہ بھی سہی، ان دونوں کے لیے جو شاید اب ان دونوں کی آرزوؤں کا محور تھے۔ وہ قدرے مطمئن سی اندر چلی گئی۔